



وزارة اوقاف واملئامى امور، كورئ



# موسوعه فقهيہ

[www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)

جلد - ۹

بيع - بئئكة

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب .....

← عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

← مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload)

کی جاتی ہیں۔

← دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

### ☆ تنبیہ ☆

← کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

← ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

← نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

[kitabosunnat@gmail.com](mailto:kitabosunnat@gmail.com)

[www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)

# موسوعہ فقہیہ

شائع کردہ

وزارت اوقاف و اسلامی امور، کویت

© جملہ حقوق بحق وزارت اوقاف و اسلامی امور کویت محفوظ ہیں

پوسٹ بکس نمبر ۱۳، وزارت اوقاف و اسلامی امور، کویت

اردو ترجمہ

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

161-F، جوگابائی، پوسٹ بکس 9746، جامعہ نگر، نئی دہلی - 110025

فون: 26982583, 26981779-11-91

Website: <http://www.ifa-india.org>

Email: [ifa@vsnl.net](mailto:ifa@vsnl.net)

اشاعت اول : ۱۴۳۰ھ / ۲۰۰۹ء

ناشر

جینوین پبلیکیشنز اینڈ میڈیا (پرائیویٹ لمیٹڈ)

**Genuine Publications & Media Pvt. Ltd.**

B-35, Basement, Opp. Mogra House

Nizamuddin West, New Delhi - 110 013

.....Tel: 24352732, 23259526,

وزارت اوقاف و اسلامی امور، کویت

# موسوعه فقہیہ

اردو ترجمہ

جلد - ۹

بیع — بیئۃ

مجمع الفقہ الإسلامی الہند

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً  
فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي  
الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ﴾

(سورہ توبہ، ۱۲۲)

”اور مومنوں کو نہ چاہئے کہ (آئندہ) سب کے سب نکل کھڑے ہوں، یہ کیوں نہ ہو کہ ہر گروہ میں سے ایک حصہ نکل کھڑا ہوا کرے، تاکہ (یہ باقی لوگ) دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں اور تاکہ یہ اپنی قوم والوں کو جب وہ ان کے پاس واپس آجائیں ڈراتے رہیں، عجب کیا کہ وہ محتاط رہیں!“۔

”من یرد اللہ بہ خیراً

یفقہہ فی الدین“

(بخاری و مسلم)

”اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے

اسے دین کی سمجھ عطا فرمادیتا ہے۔“۔

## فہرست موسوعہ فقہیہ

### جلد - ۹

صفحہ	عنوان	فقہ
۲۲-۲۳	بیع	۶۷-۱
۲۳	تعریف	۱
۲۵	متعلقہ الفاظ: بیہ، وصیت، اجارہ، صلح اور تقسیم	۲
۲۶	شرعی حکم	۶
۲۹-۲۷	بیع کی تقسیم	۱۷-۸
۲۸-۲۷	اول: بیع کے اعتبار سے بیع کی تقسیم	۱۲-۹
۲۷	بیع مطلق	۹
۲۷	بیع سلم	۱۰
۲۷	بیع صرف	۱۱
۲۸	بیع مقایضہ	۱۲
۲۸	دوم: ثمن کی تحدید کے طریقہ کے اعتبار سے بیع کی تقسیم	۱۵-۱۳
۲۸	بیع مساومہ	۱۳
۲۸	بیع مزایدہ	۱۴
۲۸	بیوع امانت	۱۵
۲۸	سوم: ثمن کی کیفیت کے اعتبار سے بیع کی تقسیم	۱۶
۲۹	چہارم: حکم شرعی کے اعتبار سے بیع کی تقسیم	۱۷
۳۵-۲۹	بیع کے ارکان و شرائط	۳۲-۱۸
۳۰	صیغہ اور اس کے شرائط	۲۰
۳۲	لین دین سے بیع کا منعقد ہونا	۲۲
۳۳	تحریر اور پیغام کے ذریعہ بیع کا انعقاد	۲۵

صفحہ	عنوان	فقہ
۳۳	کو نئے وغیرہ کی طرف سے اشارہ کے ذریعہ بیع کا انعقاد	۲۶
۳۳-۳۵	شرائط بیع	۲۷-۳۲
۳۳-۳۵	شرائط بیع	۲۸-۳۲
۳۳	عقد کے وقت بیع کا موجود ہونا	۲۸
۳۳	بیع کا مال ہونا	۲۹
۳۳	بیع کا عقد کرنے والے کی ملکیت ہونا	۳۰
۳۵	بیع کا مقدوراً تسلیم ہونا	۳۱
۳۵	بیع کا عاقدین میں سے ہر ایک کے لئے معلوم ہونا	۳۲
۳۵-۳۶	بیع، اس کے احکام اور احوال	۳۳-۴۷
۳۵	اول: تعیین بیع	۳۳
۳۶	دوم: بیع کی معرفت اور اس کی تعیین کا وسیلہ	۳۴
۳۴-۳۷	سوم: بیع کی شمولیت	۳۵-۴۲
۳۷	ملکھات بیع	۳۵
۳۸	بیع سے استثناء	۳۶
۴۰	بیع اصول	۳۷
۴۲	پھلوں کی بیع	۴۲
۴۲	چہارم: بیع کی موجودگی اور غیر موجودگی	۴۳-۴۴
۴۲	الف۔ بیع کی موجودگی	۴۳
۴۳	ب۔ بیع کی غیر موجودگی	۴۴
۴۴-۴۶	پنجم: قبضہ سے پہلے بیع میں کمی یا زیادتی کا ظہور	۴۵-۴۷
۴۴	الف۔ بیع جزا (انگل سے بیع کرنا)	۴۶
۴۴	ب۔ بیع مقدرات (متعینہ مقدار کی بیع)	۴۷



صفحہ	عنوان	فقہہ
۴۶-۵۰	ثمن کے احکام و احوال	۴۸-۵۳
۴۶	اول: ثمن کی تعریف	۴۸
۴۷	تسعیر (زرخ متعین کرنے) کا حکم	۴۹
۴۷	دوم: کون چیز ثمن بن سکتی ہے اور کون نہیں	۵۰
۴۸	سوم: ثمن کی تعین اور اس کو بیع سے ممتاز کرنا	۵۱
۴۹	چہارم: ثمن کو مبہم رکھنا	۵۲
۴۹	پنجم: راس المال کے مد نظر ثمن کی تحدید	۵۳
۵۰-۵۶	بیع و ثمن کے مشترکہ احکام	۵۴-۵۹
۵۰	اول: بیع یا ثمن میں زیادتی کرنا	۵۴
۵۰	دوم: بیع یا ثمن میں کمی کرنا	۵۵
۵۱	سوم: زیادتی یا کمی کے آثار	۵۶
۵۳	چہارم: غیر کے حق میں زیادتی یا کمی کے لاحق ہونے کے موافق	۵۷
۵۴	پنجم: بیع یا ثمن کو سپرد کرنے کے اخراجات	۵۸
۵۵	ششم: بیع یا معین ثمن کا کلی یا جزوی طور پر سپردگی سے قبل ہلاک ہونا	۵۹
۵۶-۶۲	بیع پر مرتب ہونے والے آثار	۶۰-۶۶
۵۶	اول: ملکیت کی منتقلی	۶۰
۵۷	دوم: نقد ثمن کی ادائیگی	۶۱
۵۸	عوضین میں سے کسی ایک کی ادائیگی کا آغاز	۶۲
۵۸	پہلی حالت - دونوں عوض معین ہوں (مقابلہ) یا دونوں ثمن ہوں (صرف)	۶۳
۵۹	دوسری حالت - ایک عوض متعین اور دوسرا ذمہ میں دین ہو	۶۴
۵۹	ادائیگی نہ کر سکنے کی وجہ سے دوطرفہ واپسی کی شرط لگانا	۶۵
۶۰	سوم - بیع کو سپرد کرنا	۶۶
۶۲	بیع کی انتہاء	۶۷

صفحہ	عنوان	فقہ
۶۳-۶۷	بیع آتجر ار	۱۶-۱
۶۳	تعریف	۱
۶۳	متعلقہ الفاظ: بیع بالتعاوی	۲
۶۷-۶۷	بیع آتجر ار سے متعلق احکام	۱۶-۳
۶۳	مدب حنفیہ	۳
۶۳	مدب مالکیہ	۷
۶۵	مدب شافعیہ	۱۱
۶۵	مدب حنابلہ	۱۳
۶۷	بیع استننامہ	
	دیکھئے: استرسال	
۶۸-۷۲	بیع امانت	۱۵-۱
۶۸	تعریف	۱
۶۸-۷۰	بیع امانت کی انواع	۱۰-۲
۶۸	بیع الوفاء	۵
۶۹	بیع المرابحہ	۶
۶۹	بیع اتولیہ	۷
۶۹	بیع الاشراک	۸
۶۹	بیع الوضعیہ	۹
۶۹	بیع المسترسل	۱۰
۷۰	بیوع امانت میں خیانت کا حکم	۱۱
۷۲-۸۱	بیع باطل	۱۶-۱
۷۲	تعریف	۱
۷۳	متعلقہ الفاظ: بیع صحیح، بیع فاسد اور بیع مکروہ	۲
۷۳	شرعی حکم	۵

صفحہ	عنوان	فقہ
۷۴	بطان بیع کے اسباب	۶
۸۱-۷۶	بیع باطل سے متعلق احکام	۱۶-۸
۷۶	الف۔ تر او (باہمی واپسی)	۹
۷۷	ب۔ بیع میں تصرف	۱۰
۷۷	ج۔ ضمان	۱۱
۷۸	د۔ بیع باطل کی تجزی	۱۲
۷۹	ھ۔ بیع باطل کی تصحیح	۱۳
۸۹-۸۲	بیع التلجھ	۱۷-۱
۸۲	تعریف	۱
۸۲	متعلقہ الفاظ: بیع وفاء، بیع مکرمہ اور بیع ہازل	۲
۸۳	بیع کے علاوہ میں تلجھ	۵
۸۸-۸۴	بیع التلجھ کی قسمیں	۱۶-۶
۸۵-۸۴	قسم اول: تلجھ نفس بیع میں ہو	۹-۷
۸۴	نوع اول: تلجھ انشاء بیع میں ہو	۷
۸۵	نوع دوم: اقرار بیع میں تلجھ ہو	۹
۸۸-۸۵	قسم دوم: وہ بیع جس میں تلجھ شمن یا بدل میں ہو	۱۶-۱۰
۸۵	نوع اول: وہ بیع جس میں تلجھ مقدر شمن میں ہو	۱۰
۸۶	نوع دوم: وہ بیع جس میں تلجھ جنس شمن میں ہو	۱۱
۸۸	فروخت کنندہ اور خریدار کے مابین اختلاف کا اثر	۱۷
۸۹	بیع التولیہ	
	دیکھئے: اتولیہ	
۸۹	بیع الثنیہ	
	دیکھئے: بیع الوفاء	

صفحہ	عنوان	فقہ
۸۹-۹۲	بیع جبری	۹-۱
۸۹	تعریف	۱
۸۹	متعلقہ الفاظ: اکراہ علی البیوع، بیع تلجھ	۲
۹۰	شرعی حکم	۳
۹۰	مدیون کو اپنا مال بیچنے پر مجبور کرنا	۵
۹۱	بیع مرہون	۶
۹۱	مٹکر (ذخیرہ اندوز) کفر و خنگی پر مجبور کرنا	۷
۹۱	واجب نفقہ کے لئے بیع پر مجبور کرنا	۸
۹۲	شفعہ کی وجہ سے جبر الیہا	۹
۹۲-۱۰۰	بیع جزاف	۱۱-۱
۹۲	تعریف	۱
۹۲	شرعی حکم	۲
۹۳	بیع جزاف کی شرائط	۳
۹۳	غلہ کا ڈھیر اُکل سے فروخت کرنا	۴
۹۳	اُکل کی بیع کے وقت لاج کے ڈھیر کی جگہ کا براہ ہونا	۵
۹۵	پیمائش کی جانے والی اشیاء اور متفاوت عدوی اشیاء کی بیع جزاف	۶
۹۵	خریدار اور فروخت کنندہ میں سے کسی ایک کے مقدار بیع سے واقف ہونے کے ساتھ بیع جزاف	۷
۹۶	مال ربوی کی ہم جنس سے اُکل کی بیع	۸
۹۶	بیع میں کسی معلوم چیز کا یا اُکل کا اُکل میں ضم کرنا	۹
۹۸	بیع کا طے شدہ مقدار سے کم یا زائد نکلتا	۱۱
۱۰۱-۱۰۷	بیع الحاضر للبادی	۲۲-۱
۱۰۱	تعریف	۱
۱۰۲	اس بیع سے ممانعت	۳
۱۰۳	بیع الحاضر للبادی سے ممانعت کی علت	۵

صفحہ	عنوان	فقہ
۱۰۳	ممانعت کی قیود	۷
۱۰۵	بیع الخاضر للباوی کا حکم	۱۶
۱۰۸-۱۱۰	بیع الحصة	۱۱-۱
۱۰۸	تعریف	۱
۱۰۹	بیع الحصة کا حکم	۷
۱۱۰	بیع سلم	
	دیکھئے: سلم	
۱۱۰	بیع صرف	
	دیکھئے: صرف	
۱۱۱-۱۱۳	بیع عرایا	۵-۱
۱۱۱	تعریف	۱
۱۱۱	اس کا حکم	۲
۱۱۳-۱۱۵	بیع عربون	۶-۱
۱۱۳	تعریف	۱
۱۱۳	اجمالی حکم	۲
۱۱۳	بیع عربون کے اہم ترین احکام	۳
۱۱۵	بیع عہدہ	
	دیکھئے: بیع الوفاء	
۱۱۵-۱۱۷	بیع عینہ	۵-۱
۱۱۵	تعریف	۱
۱۱۶	بیع عینہ کی صورت	۲
۱۱۶	اس کا حکم	۳

صفحہ	عنوان	فقہ
۱۱۸	بیع غرر	دیکھئے: غرر
۱۳۵-۱۱۸	بیع فاسد	۴۰-۱
۱۱۸	تعریف	۱
۱۱۹	متعلقہ الفاظ: بیع صحیح، بیع باطل، بیع مکروہ، بیع موقوف	۲
۱۲۰	شرعی حکم	۶
۱۲۴-۱۲۰	اسباب فساد	۱۶-۷
۱۲۰	الف۔ ضرر اٹھائے بغیر سپرد کرنے کی قدرت نہ ہونا	۸
۱۲۱	ب۔ بیع یا ثمن یا اجل کی جہالت	۹
۱۲۱	ج۔ بیع بالا کراہ (زبردستی کی بیع)	۱۱
۱۲۲	د۔ شرط مفسد	۱۲
۱۲۳	ھ۔ عقد میں توقيت کا ہونا	۱۳
۱۲۳	و۔ عقد میں ربا کا ہونا	۱۴
۱۲۳	ز۔ بیع بالغرر (غرر کے ساتھ بیع)	۱۵
۱۲۳	ح۔ قبضہ سے قبل منقول کی بیع	۱۶
۱۲۴	فساد کی تجزی	۱۷
۱۲۴	بیع فاسد کی مثالیں	۱۸
۱۳۵-۱۲۶	بیع فاسد کے آثار	۴۰-۲۱
۱۲۷	اول: قبضہ کے ذریعہ ملکیت کا منتقل ہونا	۲۲
۱۲۸	ملکیت کی منتقلی قیمت کے ذریعہ نہ کہ متعین کردہ ثمن کے ذریعہ	۲۴
۱۲۸	دوم: استحقاق فسخ	۲۵
۱۲۹	شرائط فسخ	۲۶
۱۲۹	فسخ کا اختیار کس کو ہے	۲۷
۱۳۰	بیع فاسد کے فسخ کا طریقہ	۲۸
۱۳۰	حق فسخ کو باطل کرنے والی چیزیں	۲۹

صفحہ	عنوان	فقہ
۱۳۰	پہلی صورت: بیع فاسد والے بیع میں قولی تصرف	۳۰
۱۳۲	دوسری صورت: بیع فاسد کی بیع میں کئے جانے والے تصرفات	۳۳
۱۳۳	سوم: (بیع فاسد کے احکام میں سے) بیع فاسد کے بیع اور ثمن میں نفع کا حکم	۳۶
۱۳۳	چہارم: بیع فاسد کا تصحیح کو قبول کرنا	۳۷
۱۳۴	پنجم: بیع کے ہلاک ہو جانے پر ضمان	۳۸
۱۳۴	ششم: بیع فاسد میں خیار کا ثبوت	۴۰
۱۳۴ - ۱۳۵	بیع الفضولی	۱۹-۱
۱۳۵	تعریف	۱
۱۳۶	شرعی حکم	۲
۱۳۶	اجمالی حکم	۳
۱۳۶	دلائل	۴
۱۳۸	الف - بیع میں فضولی کا تصرف	۶
۱۴۲	ب - خریداری میں فضولی کا تصرف	۱۶
۱۴۴ - ۱۵۹	بیع المالم یقبض	۱۴-۱
۱۵۰	قبضہ سے قبل ممنوع تصرف کا ضابطہ	۶
۱۵۳	قبضہ کی تحدید اور اس کا تحقق	۱۰
۱۵۶	قبضہ سے قبل صدقہ یا ہبہ کی بیع	۱۳
۱۵۹ - ۱۶۰	بیع محاملہ	۲-۱
۱۵۹	تعریف	۱
۱۵۹	بیع محاملہ کا حکم	۲
۱۶۰	بیع مراہمہ	
	دیکھئے: مراہمہ	

صفحہ	عنوان	فقہ
۱۶۰-۱۶۱	بیع مزایانہ	۱-۲
۱۶۰	تعریف	۱
۱۶۱	بیع مزایانہ کا حکم	۲
۱۶۲	بیع مزایدہ	
	دیکھئے: مزایدہ	
۱۶۲	بیع مساومہ	
	دیکھئے: مساومہ	
۱۶۲	بیع مسترسل	
	دیکھئے: استرسال	
۱۶۲-۱۶۳	بیع ملامسہ	۱-۴
۱۶۳-۱۶۵	بیع منابذہ	۱-۲
۱۶۶-۲۶۰	بیع منہی عنہ	۱-۱۵۳
۱۶۶	تعریف	۱
۱۶۶	کوئی عارض نہ ہو تو بیع میں اصل حلت ہے	۲
۱۶۶	نہی کا موجب	۳
۱۶۷-۲۵۷	بیع سے نہی کے اسباب	۴-۱۳۸
۱۶۷-۱۹۱	محل عقد سے متعلق اسباب	۵-۳۵
۱۶۸	معقود علیہ سے متعلق پہلی شرط	۵
۱۶۹	محل عقد سے متعلق دوسری شرط	۷
۱۷۰	تیسری شرط: مالیت والا ہونا	۸
۱۷۶	کتے کی خرید و فروخت	۱۳



صفحہ	عنوان	فقہہ
۱۷۷	درندہ جانوروں اور شکاری پرندوں اور کیڑوں کی خرید و فروخت	۱۴
۱۷۹	لہو و لعب اور گانے بجانے کے آلات کی خرید و فروخت	۱۹
۱۸۱	بتوں وغیرہ کی خرید و فروخت	۲۰
۱۸۱	چوتھی شرط: خرید و فروخت خود مالک یا اس کا قائم مقام انجام دے	۲۱
۱۸۳	الف: بیع فضولی	۲۲
۱۸۳	۱۔ بیع وقف	۲۲
۱۸۳	۲۔ بیع المال کی اراضی کفر و خست کرنا	۲۲
۱۸۳	۳۔ مساجد وغیرہ کفر و خست کرنا	۲۲
۱۸۳	۴۔ سیال اور جامد معدنیات کفر و خست کرنا	۲۲
۱۸۴	۵۔ ایک بار کی غوطہ خوری (کے نتیجے کی بیع)	۲۳
۱۸۴	۶۔ قبضہ سے قبل صدقہ اور ہبہ کفر و خست کرنا	۲۴
۱۸۵	۷۔ تقسیم سے قبل مال غنیمت کفر و خست کرنا	۲۵
۱۸۸	پانچویں شرط: فروخت کردہ کو سپرد کرنے کی قدرت ہو	۳۲
۱۹۱-۲۳۰	لازم عقد سے متعلق اسباب	۳۶-۹۸
۱۹۱-۲۱۰	ربا سے متعلق اسباب ممانعت	۳۶-۶۶
۱۹۲	الف۔ بیع عینہ	۳۷
۱۹۲	ب۔ بیع مزابنہ	۳۸
۱۹۲	ج۔ بیع محافلہ	۳۹
۱۹۲	د۔ بیع عریا	۴۰
۱۹۲	ه۔ بیع عربون	۴۱
۱۹۲	و۔ دونوں صاع کے جاری ہونے سے قبل اناج کفر و خست کرنا	۴۲
۲۰۰	ز۔ بیع الکالی باکالی (دین کی دین سے یا ادھار کی ادھار سے فروخت)	۵۳
۲۰۳	ح۔ جانور کے عوض گوشت فروخت کرنا	۵۸
۲۰۳	اول: کیا سارا گوشت ایک جنس ہے؟	۵۹

صفحہ	عنوان	فقہ
۲۰۴	دوم: گوشت کو اسی جنس کے جانور کے عوض فروخت کرنا	۶۰
۲۰۵	سوم: گوشت کو خلاف جنس جانور کے عوض فروخت کرنا	۶۱
۲۰۶	چہارم: گوشت کو نہ کھائے جانے والے جانور کے عوض فروخت کرنا	۶۲
۲۰۷	ط۔ خشک کھجور کے عوض تر کھجور کو فروخت کرنا	۶۳
۲۰۸	ی۔ بیج اور قرض	۶۵
۲۱۰	ک۔ بیج اور شرط	۶۶
۲۱۰-۲۳۰	غرر سے متعلق اسباب ممانعت	۶۷-۹۸
۲۱۱	الف۔ شکم مادر میں موجود جنین کی بیج	۶۹
۲۱۱	ب۔ قابل انتفاع ہونے سے قبل پھل کی بیج	۷۰
۲۱۳	- بد و صلاح کا معنی	۷۱
۲۱۴	- بد و صلاح سے قبل پھل کو فروخت کرنے کا حکم	۷۲
۲۱۹	- کیا پھل کی بیج کی صحت کے لئے پورے پھل میں بد و صلاح شرط ہے	۷۹
۲۲۲	- پے در پے پیدا ہونے والے پھلوں وغیرہ کی بیج	۸۵
۲۲۵	ج۔ کئی سال کے لئے بیج	۸۸
۲۲۵	د۔ پانی میں مچھلی کی بیج	۸۹
۲۲۶	ھ۔ بھگوڑے غلام کی بیج	۹۱
۲۲۶	و۔ تھن میں دودھ کی بیج	۹۲
۲۲۷	ز۔ پشت پر رہتے ہوئے اون کی بیج	۹۳
۲۲۷	ح۔ دودھ میں گھی کی بیج	۹۴
۲۲۸	ط۔ بیج میں مجہول شی کا استثناء کرنا	۹۵
۲۳۰-۲۵۷	ممانعت کے وہ اسباب جو عقد سے متعلق نہیں ہیں	۹۹-۱۳۸
	نوع اول	
۲۳۱-۲۳۷	وہ اسباب جن کے نتیجے میں ضرر مطلق لازم آئے	۱۰۰-۱۳۲
۲۳۱	غلام کی بیج میں ماں اور اس کے بچہ کے درمیان تفریق کرنا	۱۰۱
۲۳۱	اس تفریق کے حکم کے بارے میں فقہاء کے مذاہب	۱۰۲

صفحہ	عنوان	فقہ
۲۳۲	چھوٹے جانور اور اس کی ماں کے درمیان تفریق کا حکم	۱۰۴
۲۳۲	ب۔ شراب بنانے والے کے ہاتھ مصیر (رس) کی بیع	۱۰۶
۲۳۴	۔ رس کو شراب بنانے کے خریدار کے قصد کا بائع کو علم ہونے کی شرط	۱۰۷
۲۳۴	۔ شراب بنانے والے ذمی کے ہاتھ انگور کے رس کی بیع کا حکم	۱۰۹
۲۳۵	۔ انگور کے رس کی بیع کا حکم اور دوسرے رسوں پر اس حکم کی شمولیت	۱۱۰
۲۳۵	۔ شراب بنانے والے کے ہاتھ انگور کے رس کی بیع کے صحیح اور باطل ہونے کا حکم	۱۱۱
۲۳۶	۔ حرام مقصد والی چیز کی بیع	۱۱۲
۲۳۷	۔ حرام مقصد والی چیز کی بیع کے صحیح اور باطل ہونے کا حکم	۱۱۷
۲۳۸	ج۔ کسی دوسرے کی بیع پر بیع کرنا	۱۱۸
۲۳۹	اس کا حکم	۱۱۹
۲۴۰	د۔ دوسرے کی خریداری پر مول تول کرنا اور خریدنا	۱۲۲
۲۴۱	اس کا حکم	۱۲۴
۲۴۵	ھ۔ نجش	۱۲۸
۲۴۶	و۔ تلخی جلب یا رکبان یا سلع	۱۲۹
۲۴۶	تلخی کا شرعی حکم	۱۳۰
۲۴۷	تلخی کا قانونی حکم	۱۳۱
۲۴۷	ز۔ شہری کی دیہاتی سے فروخت	۱۳۲

### نوع دوم

۲۴۸-۲۵۷	وہ اسباب جن کے نتیجے میں دینی یا خالص عباداتی مخالفت لازم آئے	۱۳۳-۱۳۸
۲۴۸	الف۔ اذان جمعہ کے وقت بیع	۱۳۳
۲۴۹	اس کا شرعی حکم	۱۳۴
۲۴۹	اس بیع کی حرمت کی قیود	۱۳۵

صفحہ	عنوان	فقہ
۲۵۰	حرمت میں بیع کے علاوہ دوسرے عقود کو بیع پر قیاس کرنا	۱۳۶
۲۵۰	نماز ختم ہونے تک بیع کی حرمت کا برقرار رہنا	۱۳۷
۲۵۱-۲۵۲	اذان کے وقت بیع کے عمومی احکام	۱۳۸-۱۳۸
	اول: جس پر جمعہ لازم ہے اس کی طرف سے ایسے شخص کے ہاتھ بیع کا حکم جس پر جمعہ لازم نہیں	۱۳۸
۲۵۱	دوم: اذان سن کر جامع مسجد جاتے ہوئے بیع کا حکم	۱۳۹
۲۵۱	سوم: سعی کے بعد مسجد میں بیع کا حکم	۱۴۰
۲۵۲	چہارم: زوال کے بعد دوسری اذان سے قبل بیع	۱۴۱
۲۵۳	پنجم: ممانعت کا جمعہ سے غافل کرنے والی تمام چیزوں کو شامل ہونا	۱۴۲
۲۵۳	ششم: اذان میں اعتبار بتداء کا ہے یا مکمل ہونے کا	۱۴۳
۲۵۳	اس کا تاقانونی حکم	۱۴۴
۲۵۳	ب۔ کافر کے ہاتھ مصحف کی بیع	۱۴۵
۲۵۵	- اس بیع سے ملحق امور	۱۴۶
۲۵۵	- اس بیع سے مستثنیٰ امور	۱۴۷
۲۵۶	- مسلمانوں کی طرف سے مصحف کی بیع اور اس کی خریداری کا حکم	۱۴۸
۲۵۷	ممنوع بیع کے نتائج	۱۴۹
۲۵۸	فساد، بطلان اور صحت کی اصطلاحات کے درمیان فرق	۱۵۰
۲۵۸	اول: حنفیہ کے نزدیک بیع باطل کے احکام	۱۵۱
۲۵۹	دوم: بیع فاسد کے احکام	۱۵۲
۲۵۹	سوم: بیع مکروہ کے احکام	۱۵۳
۲۶۱-۲۶۲	بیع موقوف	۷-۱
۲۶۱	تعریف	۱
۲۶۱	بیع موقوف کی مشروعیت	۲
۲۶۳	بیع موقوف کی انواع	۳

صفحہ	عنوان	فقہ
۲۶۴	بیع موقوف کا حکم	۵
۲۶۴	بیع موقوف کا اثر	۶
۲۶۵	توقف کے دوران معقود علیہ میں ہونے والے تصرفات	۷
۲۶۵	اول: وہ تصرفات جن کا اثر انشاء عقد کے وقت سے جاری ہوتا ہے	۷
۲۶۶	دوم: وہ تصرفات جن کا حکم اجازت ملنے کے وقت کے ساتھ محدود ہوتا ہے	۷
۲۸۴-۲۶۷	بیع و شرط	۳۵-۱
۲۶۷	اس کی ماہیت و مشروعیت	۱
۲۶۸	اول: مذہب حنفیہ	۲
۲۷۱	دوم: مذہب مالکیہ	۱۱
۲۷۵	سوم: مذہب شافعیہ	۲۱
۲۷۹	چہارم: مذہب حنبلیہ	۲۸
۲۸۳	ایک بیع میں دو بیع	۳۵
۲۸۴	بیع الوضیعہ	
	دیکھئے: وضیعہ	
۲۸۸-۲۸۴	بیع الوفاء	۱۰-۱
۲۸۴	تعریف	۱
۲۸۴	بیع الوفاء کا حکم	۲
۲۸۷	جواز کے قائلین کے نزدیک بیع الوفاء کی شرط	۶
۲۸۸-۲۸۶	بیع الوفاء پر مرتب ہونے والے اثرات	۱۰-۷
۲۸۶	اول: ملکیت کے لئے اس کو منتقل نہ کرنا	۷
۲۸۷	دوم: فروخت شدہ چیز کو واپس لینے کے سلسلہ میں فروخت کرنے والے کا حق	۸
۲۸۷	سوم: بیع الوفاء میں متعاقبین میں سے کسی ایک کی موت کا اثر	۹
۲۸۸	چہارم: بیع الوفاء میں متعاقبین کا اختلاف	۱۰

صفحہ	عنوان	فقہ
۲۸۸-۲۹۸	بیعتان فی بیعت	۱۲-۱
۲۸۸	تعریف	۱
۲۹۰	متعلقہ الفاظ: صفتان فی صفتہ، بیع و شرط	۲
۲۹۱	بیعتین فی بیعت کا حکم	۴
۲۹۳	اس مسئلہ میں مالکیہ کے مذہب کی توضیح	۷
۲۹۸-۳۰۵	بیعت	۱۳-۱
۲۹۸	تعریف	۱
۲۹۹	متعلقہ الفاظ: عقد اور عہد	۳
۲۹۹	بیعت کا شرعی حکم	۵
۳۰۰	بیعت کی مشروعیت کے دلائل	۶
۳۰۲	نبی کریم ﷺ سے صحابہ کی بیعت، اور دوسرے ائمہ سے بیعت کے درمیان فرق	۸
۳۰۳	کیا بیعت عقد ہے اور قبول کرنے پر موقوف ہے	۹
۳۰۳	امامت کے انعقاد میں بیعت کا اثر	۱۰
۳۰۴	جن لوگوں کی بیعت سے امامت کا انعقاد ہوتا ہے ان کی تعداد	۱۱
۳۰۴	طریقہ بیعت	۱۲
۳۰۵	بیعت کو توڑنا	۱۳
۳۰۵	بیعت	
	دیکھئے: معابد	
۳۰۵	بینہ	
	دیکھئے: شہادات، اثبات	
۳۰۹-۳۲۲	تراجم فقہاء	

# موسوع فقہیہ

## بیع

من فلان أولفلان“۔

اور رہا بیع کو ”علی“ صلہ کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے یہ کہنا:  
”باع علی فلان کذا“، تو اس کا استعمال اس صورت میں ہے  
جب مالک کی رضامندی کے بغیر اس کا مال فروخت کر دیا گیا ہو<sup>(۱)</sup>۔  
فقہاء کی اصطلاح میں بیع کی دو تعریفیں ہیں: اول بیع بمعنی  
اَعم (زیادہ عام معنی میں) اور وہ ”مطلق بیع“ ہے، اور دوم بیع بمعنی  
اخص (زیادہ خاص معنی میں) اور وہ ”بیع مطلق“ ہے۔

حنفیہ نے بیع پہ معنی اعم کی تعریف بیع کی لغوی تعریف کے مطابق  
کی ہے، اور ”تراضی“ (آپسی رضامندی) کی قید لگائی ہے، لیکن ابن  
ہمام نے کہا: لفظ بھی ”تراضی“ ضروری ہے، اس لئے کہ ”باع  
زید ثوبہ“ کا مفہوم یہی تو ہے کہ اس نے باہمی رضامندی کے ذریعہ  
تبادلہ کیا ہے، اور یہ کہ غصب کے طور پر کوئی چیز لیا، اور بلا تراضی کوئی  
دوسری چیز دینا، اہل لغت اس کو ”باعہ“ نہیں کہتے<sup>(۲)</sup>۔ اور حنفیہ میں  
سے صاحب ”الدرر“ نے ”تراضی“ کے بجائے لفظ ”اکتاب“ کی قید  
لگانا پسند کیا ہے، اور اس کا مقصد جبہ کا جبہ سے مقابلہ و تبادلہ سے استراز  
کرنا ہے، کیوں کہ اس میں مال کا مال سے تبادلہ ہوتا ہے، لیکن ”تبرع“  
کے طور پر ہوتا ہے، ”اکتاب“ کی غرض سے نہیں<sup>(۳)</sup>۔

مالکیہ نے اس کی تعریف یہ کی ہے کہ بیع ایسا عقد معاوضہ ہے  
جس میں عوض نہ منافع ہو اور نہ حصول لذت ہو، اور یہ اس لئے ہے  
تاکہ اس میں اجارہ اور نکاح سے استراز ہو جائے، اور تاکہ اس میں  
ثواب کا جبہ کرنا<sup>(۴)</sup>، ”صرف“ اور ”سلم“ ہو جائیں<sup>(۵)</sup>۔

- (۱) المصباح، المغرب، المصنف، مادة ”بیع“، الجواب ۲۲۲/۳۔  
(۲) فتح القدير ۵/۵۵۵۔  
(۳) الدرر شرح القرر ۳/۱۳۲۔  
(۴) یہاں ”ثواب کے جبہ“ سے مراد کسی کو اس مقصد سے بہہ کرنا ہے کہ سو ہو بلکہ  
اس کے بہہ کا عوض اس کو دے۔  
(۵) الجواب ۳/۵۵۵۔

## بیع

تعریف:

۱- بیع لغت میں ”باع“ کا مصدر ہے، جس کا معنی: مال کا مال سے  
تبادلہ کرنا ہے، یا بعض کتابوں میں موجود دوسرے الفاظ میں: کسی شی کو  
کسی شی کے مقابلہ میں رکھنا یا عوض دے کر اس شی کو لیا جس کا عوض  
دیا گیا۔

”بیع“ (شراء کی طرح) اضداد میں سے ہے، ان میں سے  
ایک بول کر دوسرا مراد ہوتا ہے، اور متعاقبین میں سے ہر ایک کو  
”باع“ یا ”بیع“ کہا جاتا ہے، لیکن اگر لفظ باع مطلق بولا جائے تو  
عرف میں عام طور پر اس سے مراد: سامان دینے والا ہوتا ہے۔ اور  
خطاب نے لکھا ہے کہ قریش کی زبان میں لفظ ”باع“ کا استعمال اس  
صورت میں ہے جب کسی چیز کو اپنی ملکیت سے نکالے، اور  
”اشتری“ کا استعمال اپنی ملکیت میں کسی چیز کو داخل کرنے کے لئے  
ہے، اور یہی زیادہ فصیح ہے، اور فہم میں سہولت کے لئے اسی کو علماء نے  
اصطلاح بنا لیا ہے۔

”باع“، فعل بذات خود و مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے،  
چنانچہ کہا جاتا ہے: ”بعث فلانا السلعة“ (یعنی میں نے فلاں کو  
سامان بیچا)، اور ان میں سے ایک مفعول پر اکتفا کثرت سے ہے، کہا  
جاتا ہے: ”بعث الدار“، اور کبھی کبھی تاکید کے لئے فعل کے ساتھ  
کوئی حرف مثلاً (من) یا (لام) کا اضافہ کر کے کہا جاتا ہے: ”بعث



## بیع

(یعنی ایسا عقد معاوضہ جو منافع اور حصول لذت کے علاوہ کے لئے ہو، آپس میں غلبہ کے جذبہ سے ہو، اس کے عوضین میں سے ایک سونا یا چاندی نہ ہو، اور غیر عین اس میں معین ہو)۔

ذومکایستہ کی قید سے ثواب کے لئے دیا جانے والا بہ نکل گیا، ”مکایستہ“ کا معنی مغالبہ ہے، ”أحد عوضیه غیر ذهب ولا فضة“ کی قید سے ”صرف“ اور ”مرطلہ“ (سونے کو سونے سے یا چاندی کو چاندی سے وزن کر کے بیچنا) نکل گئے، اور ”معین“ کی قید سے ”سلم“ نکل گیا (۱)۔

پھر شافعیہ نے دیکھا کہ بیع کی تعریف سے بسا اوقات صرف بیع مراد ہوتی ہے، اس اعتبار سے کہ وہ عقد کی ایک شق ہے، تو انہوں نے اس کے بارے میں کہا کہ وہ مخصوص طور پر عوض کے ذریعہ مالک بنانا ہے، اور اسی وجہ سے انہوں نے ”شراء“ کی تعریف یہ کی ہے کہ وہ مخصوص طور پر عوض کے ذریعہ تملک (مالک بننا) ہے۔

جیسا کہ خطاب نے ایک اور تعریف (جو بیع صحیح و فاسد کو شامل ہے) ان الفاظ میں ذکر کی ہے: ”دفع عوض فی معوض“ (۲) (یعنی معوض کا عوض دینا)، کیونکہ اس تعریف والے کا خیال ہے کہ بیع فاسد ملکیت کو منتقل نہیں کرتی، بلکہ صرف ملکیت کے شہبہ کو منتقل کرتی ہے، پھر خطاب نے اشارہ کیا ہے کہ عرب والے کسی چیز کو صحیح محض اس کے صحیح سمجھنے کی بنیاد پر کہہ دیتے ہیں، لہذا ان کے اپنے عہد جاہلیت کے حکم کے لحاظ سے ملکیت منتقل ہو جاتی ہے، کو کہ اسلامی حکم کے لحاظ سے منتقل نہ ہو، تاہم حقائق شرعیہ کا مقصود ”صحیح“ کا علم حاصل کرنا ہی ہے۔

شافعیہ نے اس کی تعریف یہ کی ہے کہ مخصوص طریقہ پر مال کو مال کے مقابلہ میں دینا بیع ہے۔

قلیوبی نے اس کی ایک اور تعریف ذکر کی ہے، اور اسی کو اولیٰ کہا ہے، وہ یہ ہے: ”عقد معاوضۃ مالیه تفید ملک عین أو منفعة علی التأبید لا علی وجه القربة“ (یعنی ایسے مالی معاوضہ کا عقد ہے جس سے عین یا منفعت کی ملکیت ابدی طور پر حاصل ہو مگر بہت کے طور پر نہیں)۔ پھر قلیوبی نے کہا: ”معاوضۃ“ کی قید سے ہدیہ وغیرہ نکل گیا، ”مالیۃ“ کی قید سے نکاح وغیرہ نکل گیا، ”إفادۃ ملک العین“ کی قید سے اجارہ نکل گیا، ”تأبید“ کی قید سے بھی اجارہ نکل گیا، اور ”غیر وجہ القربة“ کی قید سے قرض نکل گیا۔ اور منفعت کی قید کا مقصد یہ ہے کہ گزرگاہ کا حق اور اس جیسے دوسرے حقوق کی بیع بیع کی تعریف میں داخل رہے (۱)۔

حنابلہ نے اس کی تعریف یہ کی ہے: ہمیشہ کے لئے مال کا مبادلہ (اگرچہ ذمہ میں ہو) یا مباح منفعت کا مبادلہ (مثلاً گھر کے لئے گزرگاہ) ان میں سے کسی ایک کے مثل کے عوض بیع کہلاتا ہے، جبکہ اس میں ربا قرض نہ ہو، اور بعض حنابلہ نے یہ تعریف کی ہے کہ مالک بنانے اور مالک بننے کے لئے مال کا مال سے تبادلہ کرنا ہے (۲)۔

ربا بیع بہ معنی اخص، اور وہ بیع مطلق ہے، تو اس کا ذکر حنفیہ و مالکیہ نے کیا ہے، مالکیہ اس کی تعریف میں کہتے ہیں: ”عقد معاوضۃ علی غیر منافع ولا متعة لذۃ ذومکایستہ، أحد عوضیه غیر ذهب ولا فضة، معین غیر العین فیہ“ (۳)

(۱) شرح الروض ۲/۲، اقلیوبی ۲/۲، ۱۵۲/۲۔

(۲) المغنی و المشرح الکبیر ۳/۳، کشاف القناع ۶/۳، ۱۳۶/۳۔

(۳) غیر العین فیہ، کے قید کا مقصد یہ ہے کہ غیر عین سلم میں معین نہیں ہوتا بلکہ ”ذمہ“ میں واجب ہوتا ہے اور یہاں ”عین“ سے مراد سونا یا چاندی ہے جو سلم کا راس لہاں ہو۔

(۱) الاطاب ۳/۲۲۵، البحر شرح المنہج ۳/۲۳۔

(۲) الاطاب ۳/۲۲۳۔

## بیع ۲-۵

متعلقہ الفاظ:

الف- ہبہ اور وصیت:

۲- ہبہ: زندگی کے دوران بلا عوض مالک بنانا ہے۔

وصیت: موت کے بعد بلا عوض مالک بنانا ہے<sup>(۱)</sup>۔

یہ دونوں بیع سے اس لحاظ سے الگ ہیں کہ بیع میں تملیک عوض

کے ذریعہ ہوتی ہے۔

ب- اجارہ:

۳- اجارہ: معلوم معاوضہ کے بدلے معلوم منفعت کا عقد ہے۔

لہذا اجارہ میں مدت یا عمل کی تحدید ہوتی ہے جبکہ بیع میں ایسا

نہیں ہوتا۔

اجارہ میں منفعت کی تملیک ہوتی ہے جبکہ بیع میں فی الجملہ

”ذات“ کی تملیک ہوتی ہے<sup>(۲)</sup>۔

ج- صلح:

۴- صلح: ایسا عقد ہے جو نزاع اور خصومت کے ختم کرنے کا متقاضی

ہو۔

ابن عرفہ نے صلح کی تعریف یہ کی ہے: ”انتقال عن حق

أو دعوی بعوض لرفع نزاع أو خوف وقوعه“ (یعنی نزاع یا

اندیشہ نزاع کو دور کرنے کے لئے عوض لے کر کسی حق یا دعوی سے

ہٹنا)۔

اگر مصالحت عوض کے لینے پر ہو تو صلح معاوضہ ہے، اس کو فقہاء

بیع قرار دیتے ہیں، جس میں شرائط بیع کا اعتبار ہوگا۔

فقہاء کہتے ہیں: جس شی پر دعوی ہے اس کو چھوڑ کر دوسری چیز

لینے پر صلح کرنا، لی ہوئی چیز کے عوض اس شی کی ذات کی بیع کرنا ہے

بشرطیکہ لی ہوئی چیز ذات ہو، لہذا اس میں بیع کی شرائط ضروری

ہوگی۔

اور اگر لی ہوئی چیز منافع ہو تو یہ معاملہ اجارہ ہے۔

لیکن اگر اس دعوی کی گئی شی کے کچھ حصہ کو لینے اور باقی کو

چھوڑنے پر صلح ہو تو یہ ہبہ ہے۔

لہذا صلح بعض صورتوں میں بیع مانی جائے گی<sup>(۱)</sup>۔

د- تقسیم:

۵- حنفیہ نے تقسیم کی تعریف یہ کی ہے: کہ وہ پھیلے ہوئے غیر معین

حصہ کو معین میں جمع کرنا ہے۔ اور ابن عرفہ نے اس کی تعریف یہ کی

ہے: کہ وہ دو مالک کے مملوکہ شی میں سے غیر معین حصہ کو معین بنا دینا

ہے، خواہ قرعہ اندازی کے طریقہ پر یا باہمی رضامندی سے اس میں

تصرف کی تخصیص کے ذریعہ ہو۔

شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک تقسیم: بعض حصوں کو ممتاز اور الگ

کرنا ہے<sup>(۲)</sup>۔

بعض فقہاء نے تقسیم کو بیع قرار دیا ہے۔ ابن قدامہ کہتے ہیں:

”تقسیم“: حق کو الگ کرنا، اور دو حصوں میں سے ہر ایک کو

دوسرے سے ممتاز کرنا ہے، اور یہ بیع نہیں ہے، امام شافعی کے دو

اقول میں سے ایک قول یہی ہے، ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ یہ بیع ہے،

(۱) الاختیار ۵/۳، جوہر لا کلیل ۲/۱۰۲، ۱۰۳، معنی المحتاج ۲/۱۷۷ شرح منشی

لا رادات ۲/۲۶۰۔

(۲) البحر الرائق ۱/۱۶۷، مع الجلیل ۳/۶۱۹، نہایہ المحتاج ۲/۲۶۹، منشی

لا رادات ۳/۵۰۸۔

(۱) البدائع ۶/۳۳۳، جوہر لا کلیل ۲/۲۱۱، قلیوبی ۳/۱۵۶، معنی المحتاج ۲/۶۱۔

(۲) الریاضی ۲/۱۵۱، شرح الصغیر ۳/۵ طبع دار المعارف، جوہر لا کلیل ۲/۱۸۳،

معنی المحتاج ۲/۳۳۲، معنی ۵/۳۳۳، منشی لا رادات ۲/۳۵۱۔

## بیع ۶

ہے: ”لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونُوا  
تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ“<sup>(۱)</sup> (آپس میں ایک دوسرے کا مال  
ناحق طور پر نہ کھاؤ، ہاں البتہ کوئی تجارت باہمی رضامندی سے ہو)۔

سنت رسول اللہ میں اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ  
سے دریافت کیا گیا: کون سی کمائی سب سے پاکیزہ ہے؟ آپ  
ﷺ نے فرمایا: ”عمل الرجل بیدہ، و کل بیع مبرور“<sup>(۲)</sup>  
(آدمی کے اپنے ہاتھ کی کمائی، اور ہر بیع مبرور (مقبول))، نیز  
حضور ﷺ کا اپنا فعل، اور آپ کا صحابہ کو اس پر برقرار رکھنا ہے۔

اور اجماع بیع کے جواز پر منعقد ہو چکا ہے۔

قیاس: حکمت بیع کے جواز کی متقاضی ہے، اس لئے کہ  
دوسرے کی چیز سے انسان کی ضرورت وابستہ ہوتی ہے، اور مبادلہ کی  
شکل عام طور پر عوض دے کر ہی ہوتی ہے، لہذا بیع کو جائز تر اردینے  
میں مقصد و غرض تک رسائی اور حاجت روائی ہے<sup>(۳)</sup>۔

بیع کا اصلی حکم یہی ہے، البتہ اس پر کچھ اور احکام بھی آتے ہیں،  
پس بیع ممنوع ہو جاتی ہے اگر بیع میں ایسی کوئی چیز ہو جو نص کے  
ذریعے ممنوع ہو، صیغہ بیع میں کوئی وجہ ہو یا عاقدین میں یا معتقد و علیہ  
میں، اور جس طرح یہ بیع کرنا حرام ہے، اسی طرح یہ بیع صحیح منعقد نہیں  
ہوتی، بلکہ باطل یا فاسد ہوتی ہے (جیسا کہ جمہور اور حنفیہ کے مابین  
معروف اختلاف ہے)، اور اس میں دونوں طرف سے لوٹانا واجب

(۱) سورہ نساء ۲۹۔

(۲) حدیث: ”..... عمل الرجل بیدہ و کل بیع مبرور.....“ کی روایت احمد  
(۱۳۱/۳ طبع المبرور) نے کی ہے اور ثنونی نے مجمع الرواؤد (۶۰/۳ طبع  
القہری) میں اسے نقل کیا ہے اور کہا کہ اس کی روایت احمد، یزان، اور طبرانی  
نے اجماع الکبیر اور الاوسط میں کی ہے اس میں ایک روایت سعودی ہیں جو ثقہ  
ہیں، لیکن دماغی خلل پیدا ہو گیا تھا، اور احمد کے بغیر رجال صحیح کے رجال ہیں۔

(۳) المغنی والمشرح الکبیر ۳/۳، کشاف القناع ۳/۵، المقدمات لابن رشد  
(مجدد) ۳/۳، فتح القدر ۵/۳۔

اور یہی ابو عبد اللہ بن بطلہ سے منقول ہے، اس کے بیع ہونے کی وجہ یہ  
ہے کہ وہ ایک حصہ میں اپنی ملکیت کو دوسرے حصہ میں اپنے ساتھی کی  
ملکیت سے بدل رہا ہے، اور یہی بیع کی حقیقت ہے۔

بعض مالکیہ کی بھی یہی رائے ہے، ابن عبد البر نے کہا: تقسیم بیع  
کی ایک قسم ہے، ”المدونہ“ میں امام مالک کا یہی قول مذکور ہے۔  
اگر تقسیم میں رد ہو (اور رد کی تقسیم یہ ہے کہ حصوں کو مساوی  
کرنے کے لئے اس میں اجنبی مال سے مدد لی گئی ہو) تو یہ شافیہ  
و حنابلہ کے نزدیک بیع ہے۔

”المہذب“ میں ہے: اگر تقسیم میں رد ہو تو یہ بیع ہے، اس لئے  
کہ صاحب رد (لوٹانے والے) نے اس چیز کے مقابلہ میں عوض کے  
طور پر مال خرچ کیا ہے جو اس کو اپنے شریک کے حصہ سے ملا ہے۔

ابن قدامہ کہتے ہیں: اگر تقسیم میں عوض دینا ہو تو یہ بیع ہے، اس  
لئے کہ لوٹانے والا اس چیز کے عوض کے طور پر مال خرچ کرتا ہے جو  
اس کو اپنے شریک کے مال سے ملا ہے، اور یہی بیع ہے۔

حنفیہ کے نزدیک ذوات الامثال کی تقسیم میں تمیز حقوق  
(حقوق کی نشاندہی) کا مفہوم غالب رکھا جاتا ہے، اور ذوات التیم کی  
تقسیم میں بیع کا مفہوم و معنی غالب رکھا جاتا ہے<sup>(۱)</sup>۔

## شرعی حکم:

۶- باتفاق فقہاء بیع جواز کے طور پر مشروع ہے، اس کے جواز کی  
دلیل کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع اور قیاس ہیں۔

کتاب اللہ میں اس کی دلیل فی زمان باری ہے: ”وَأَحَلَّ اللَّهُ  
الْبَيْعَ“<sup>(۲)</sup> (حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے)، نیز فرمان باری

(۱) المغنی ۹/۱۱۳، ۱۱۵، المہذب ۲/۳۰۷، الکافی لابن عبد البر ۲/۶۷، فتح  
الجلیل ۳/۶۲۳، الفواکد الدوائی ۲/۳۲۷، البدائع ۷/۷۱۔

(۲) سورہ بقرہ ۲۷۵۔

## بیع ۷-۱۱

اول: بیع کے اعتبار سے بیع کی تقسیم:  
بیع میں مبادلہ کے موضوع کے اعتبار سے بیع کی چار قسمیں  
ہیں:

## بیع مطلق:

۹- بیع مطلق: عین کا دین سے تبادلہ ہے، اور یہ مشہور ترین قسم ہے،  
اور اس نوع میں انسان کو موقع ملتا ہے کہ اپنے نقد کے عوض اپنی  
ضرورت کی ہر شے کا تبادلہ کرے، بیع کا لفظ اگر مطلق بولا جائے تو یہی  
قسم مراد ہوتی ہے، اور دوسری قسموں کی طرح اس میں قید ذکر کرنے کی  
ضرورت نہیں ہوتی۔

## بیع سلم:

۱۰- بیع دین کا عین سے تبادلہ کرنا یا نقد ثمن کے ذریعہ ادھار سامان کو  
فروخت کرنا ہے<sup>(۱)</sup>۔ اس کی تفصیل اصطلاح ”سلم“ میں ہے۔

## بیع صرف:

۱۱- یہ اثمان کا تبادلہ کرنا ہے، اس کی تفصیل اصطلاح ”صرف“  
میں ہے۔

مالکیہ ”صرف“ کو اس صورت کے ساتھ خاص کرتے ہیں جبکہ  
نقد کا تبادلہ مخالف نقد سے ہو، اور یہ ”شمار“ کے ذریعہ ہوتا ہے، اور اگر  
اسی نوعیت کے نقد کے ذریعہ ہو تو اس کو ”مراطلہ“ کہتے ہیں جو وزن  
کے ذریعہ ہوتا ہے<sup>(۲)</sup>۔

ہوتا ہے، اس میں کچھ تفصیل ہے جس کے لئے اصطلاح ”بیع منہی عنہ“،  
نیز علاحدہ علاحدہ ممنوع بیع کی قسمیں، اور اصطلاح ”بیع باطل“ اور  
”بیع فاسد“ دیکھی جائے۔

کبھی حکم کراہت کا ہوتا ہے اور وہ اس صورت میں ہے جب  
اس میں ممانعت غیر یقینی ہو، ایسی بیع کو فسخ کرنا واجب نہیں  
ہوتا۔ مالکیہ میں سے خطاب نے اس کی مثال میں درندوں کی بیع کو  
لکھا ہے جبکہ ان کی کھالوں کے واسطے بیع نہ ہوئی ہو<sup>(۱)</sup>۔  
کبھی بیع پر وجوب کا حکم آتا ہے، مثلاً وہ شخص جو کھانا یا  
پیما خریدنے کے لئے اضطراری حالت میں پہنچ چکا ہے تاکہ جان  
بچا سکے۔

کبھی بیع مستحب ہوتی ہے، مثلاً کسی نے دوسرے پر قسم کھالی  
کہ وہ اس کو کوئی سامان فروخت کرے، اور اس کے فروخت کرنے  
میں اس کا ضرر نہ ہو تو اسے قبول کر لینا مستحب ہے، اس لئے کہ غیر  
ضرر رساں چیز میں قسم کھانے والے کی قسم کو پورا کرنا مستحب ہے۔  
۷- بیع کی مشروعیت کی حکمت ظاہر ہے، اور وہ بندوں پر مہربانی  
کرنا، اور ان کے معاش کے حصول کے لئے تعاون کرنا ہے<sup>(۲)</sup>۔

## بیع کی تقسیم:

۸- مختلف اعتبارات سے بیع کی مختلف تقسیمیں ہیں جن میں اہم  
ترین بیع کے اعتبار سے تقسیم ثمن کے اعتبار سے تقسیم یعنی اس کی مقدار  
مقرر کرنے کے طریقہ کے لحاظ سے اور اس کی ادائیگی کی کیفیت کی  
حیثیت سے، اور حکم شرعی خواہ تکلیفی ہو یا وضعی (یعنی اثر) کے اعتبار  
سے۔

(۱) لہجہ: دفعہ (۱۳۳)۔

(۲) خطاب ۶/۳، الدرستی ۳/۳۳۔

(۱) سابقہ مراجع۔

(۲) حاشیہ الصوی ۲/۲۵، محاسن الإسلام للبجاری لہجہ ۱/۳۷۔

## بیع ۱۲-۱۶

الف۔ بیع مرابحہ: ایسی بیع جس میں ثمن راس المال پر اضافہ کے ساتھ مقرر کیا جائے، اس کی تفصیل ”مرابحہ“ میں ہے۔

ب۔ بیع تولیہ: ایسی بیع جس میں بذات خود راس المال کو بغیر نفع اور نقصان کے ثمن مقرر کر دیا جائے۔  
دیکھئے: اصطلاح ”تولیہ“۔

ج۔ بیع وضعیہ یا حطیہ یا تقیصہ: ایسی بیع جس میں ثمن راس المال سے کم مقرر کیا جائے یعنی اس میں خسارہ ہو، اس کی تفصیل اصطلاح ”وضعیہ“ میں ہے۔

اگر بیع کے ایک جز کی بیع ہو تو اس کو بیع اشراک کہتے ہیں، اور یہ سابقہ قسموں سے الگ نہیں ہے (۱)۔

اس کی تفصیل اصطلاح ”اشراک“ اور ”تولیہ“ میں دیکھی جائے۔

سوم: ثمن (قیمت) کی کیفیت کے اعتبار سے بیع کی تقسیم:  
۱۶۔ اس اعتبار سے بیع کی اقسام یہ ہیں:

الف۔ فوری قیمت: جس میں قیمت ادھار کرنے کی شرط نہیں ہوتی اس کو بیع نقد یا فوری واجب الاداء ثمن کے ذریعہ بیع کہتے ہیں۔

ب۔ ادھار قیمت: جس میں قیمت ادھار کرنے کی شرط ہو۔ اس نوع پر تفصیلی کلام ثمن کے مباحث میں آئے گا۔

ج۔ قیمت کا عوض ادھار ہو: اور یہ بیع سلم ہے، جس کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔

د۔ دونوں عوض ادھار ہوں: یعنی دین کے بدلہ دین کی بیع، اور یہ فی الجملہ ممنوع ہے۔ اس کی تفصیل اصطلاح ”دین“، اور ”بیع مہبی عنہ“ میں ہے (۲)۔

(۱) رد المحتار ۳/۳، بیع القدر ۵/۵۵۵۔

(۲) بیع القدر ۵/۵۵۵۔

بیع مقایضہ:

۱۲۔ یہ عین کا عین سے تبادلہ کرنا ہے، اس کی تفصیل ”مقایضہ“ میں ہے۔

دوم: ثمن کی تحدید کے طریقہ کے اعتبار سے بیع کی تقسیم:  
ثمن کی تحدید کے طریقہ کے اعتبار سے بیع کی چار قسمیں ہیں:

بیع مساومہ:

۱۳۔ بیع مساومہ: ایسی بیع جس میں بائع اپنے راس المال کو ظاہر نہیں کرتا۔

بیع مزایدہ:

۱۴۔ بیع مزایدہ یہ ہے کہ بائع اپنا سامان بازار میں پیش کرے، خریدار اس میں ایک دوسرے پر اضافہ کریں، اور سب سے زیادہ ثمن دینے والے کے ہاتھ سامان فروخت کر دیا جائے (۱)۔

بیوع امانت:

۱۵۔ وہ بیوع جن میں ثمن کی تحدید راس المال کے مثل یا اس سے زائد یا اس سے کم کے ذریعہ کی جاتی ہے، ان کو بیوع امانت اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان میں بائع کو راس المال کی خبر دینے میں اٹین سمجھا جاتا ہے، اور اس کی تین قسمیں ہیں:

(۱) اس کے بالمقابل ”ثراء بالمناقضہ“ ہے یعنی یہ کہ مشتری معین اوصاف کے حامل سامان کی خریداری کی پیش کش کرے اور فروخت کرنے والے کم از کم قیمت میں فروخت کرنے میں مقابلہ کریں، اور کم از کم قیمت سے رخصی ہونے والے پر بیع ٹھہر جائے، جنہو کے باوجود ہمیں کتب فقہ میں اس کا ذکر نہیں ملا، تاہم فقائل کی رعایت کے ساتھ اس پر بھی ”مزایدہ“ کے احکام جاری ہوں گے۔

## بیع ۱۷-۱۸

بھی اپنی اپنی اصطلاحات ہیں۔

اسی طرح استصناع بیوع کی فہرست میں داخل ہے، حالانکہ اس میں اختلاف ہے کہ وہ بیع ہے یا اجارہ، اس کی تفصیل اس کی اپنی اصطلاح میں دیکھی جائے۔

ان بیوع پر فقہاء نے بیع مطلق سے الگ مستقل بحث کی ہے، تاہم وہ بیع مطلق کے بعد آتی ہے۔

اسی وجہ سے ان کو ”بیوع“ کہا گیا ہے، کیوں کہ یہ مطلق بیع کے تحت آتی ہیں، لیکن وہ ”بیع مطلق“ میں داخل نہیں، جیسا کہ گذرا۔

## بیع کے ارکان و شرائط:

۱۸- بیع وغیرہ عقود کے ارکان کی تحدید کے بارے میں فقہاء کا مشہور اختلاف ہے کہ یہ محض صیغہ (ایجاب و قبول) ہے یا صیغہ، عاقدین (بائع و مشتری) اور معقود علیہ کا مجموعہ یا محل عقد (بیع اور ثمن) ہے۔

جمہور (مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ) کی رائے ہے کہ یہ سب بیع کے ارکان ہیں، اس لئے کہ جمہور کے نزدیک رکن وہ ہے جس پر کسی چیز کا وجود، اور عقلاً اس کا تصور موقوف ہو، خواہ وہ اس کی حقیقت کا جز ہو یا نہ ہو، اور بیع کا وجود عاقدین اور معقود علیہ پر موقوف ہوتا ہے، کو عاقدین اور معقود علیہ اس کی حقیقت کا جز نہیں ہیں (۱)۔

حنفیہ کی رائے ہے کہ بیع وغیرہ عقد کا رکن صرف صیغہ ہے، رہے عاقدین اور محل تو یہ ان چیزوں میں سے ہیں جو صیغہ کے وجود سے لازم آتے ہیں، ارکان میں سے نہیں ہیں، اس لئے کہ صیغہ کے علاوہ کوئی چیز بیع کی حقیقت کا جز نہیں ہے، کو بیع کا وجود اس پر موقوف ہو (۲)۔

(۱) المشرح الصغیر ۳/۳ طبع الحلبي، معنی المحتاج ۵/۲، ۷، شرح نتمی لا رادات

۱۳۰/۳

(۲) الاختیار ۳/۳

ابن رشد الحفید نے تبادلے کے طریقے، ثمن کی تحدید کی کیفیت، خیار واجب ہونے، اور بیع اور قیمت میں سے ہر ایک میں نقد و ادھار کے لحاظ سے بیع کی تقسیمات ذکر کی ہیں جو سابقہ تقسیمات سے الگ نہیں (۱)۔

ان کے علاوہ بیع کی موجودگی اور عدم موجودگی کے اعتبار سے، بیع کی رویت اور عدم رویت کے اعتبار سے، اور عقد کو قطعاً شکل دینے اور اس میں اختیار دینے کے اعتبار سے کچھ اور فروعی تقسیمات ہیں (۲)۔

## چہارم: حکم شرعی کے اعتبار سے بیع کی تقسیم:

۱۷- رہی حکم شرعی کے اعتبار سے تقسیم تو اس کی انواع بکثرت ہیں مثلاً: بیع منعقد، اس کے مقابلہ میں بیع باطل ہوتی ہے، بیع صحیح، اس کے مقابلہ میں بیع فاسد ہوتی ہے، بیع مانع، اس کے مقابلہ میں بیع موقوف ہوتی ہے، بیع لازم، اس کے مقابلہ میں بیع غیر لازم ہوتی ہے (اور اس کو بیع جائز یا بیع مختیر بھی کہتے ہیں)، ان انواع سے متعلق تفصیل ان کی اپنی اپنی اصطلاحات میں دیکھی جائے، اور بیوع مہمی عنہا کو اصطلاح ”بیع مہمی عنہ“ میں دیکھا جائے۔

کچھ اور بیوع ہیں جن کے مخصوص نام ہیں، ان کے بارے میں ممانعت وارد ہے، مثلاً بیع نجس، بیع منابذہ وغیرہ، ان کو ان کی اصطلاحات میں دیکھا جائے۔

بیع کی کچھ اور انواع ہیں جن کے نام رکھنے میں ان حالات کی رعایت ہے جو عقد کے ساتھ پائے جاتے ہیں، اور حکم میں اثر انداز ہیں، مثلاً مکروہ یا ہازل کی بیع، بیع تلجہ، بیع فضولی، اور بیع وفا، اور ان کی

(۱) بولینہ المجمع ۲/۱۰۸

(۲) لوطاب ۳/۲۲۶

## بیع ۱۹-۲۰

رضامندی معلوم ہو، مثلاً بائع کا قول: میں نے تم کو بیچ دیا، یا تم کو دے دیا، یا اتنے میں تم کو مالک بنا دیا، اور مشتری کا قول: میں نے خرید لیا یا میں مالک بن گیا، یا میں نے سودا کر لیا، یا میں نے قبول کر لیا وغیرہ۔

ایجاب جمہور کے نزدیک وہ ہے جو بائع کی طرف سے رضامندی کو بتانے کے لئے صادر ہو، اور قبول وہ ہے جو مشتری کی طرف سے رضامندی کو بتانے کے لئے صادر ہو۔

حنفیہ نے کہا: ایجاب کا اطلاق اس کلام پر ہوتا ہے جو عاقدین میں سے کسی ایک کی طرف سے پہلے صادر ہو، خواہ وہ بائع ہو یا مشتری، اور اسی طرح قبول وہ ہے جو اس کے بعد صادر ہو<sup>(۱)</sup>۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: ”ایجاب“ اور ”قبول“ کی اصطلاح۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے صراحت کی ہے کہ مشتری کے لفظ کا بائع کے لفظ سے مقدم ہونا جائز ہے، اس لئے کہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے<sup>(۲)</sup>۔

بیع میں صیغہ کی شرائط، بیع کے علاوہ دوسرے مالی عقود میں صیغہ کی شرائط سے مختلف نہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ صیغہ ماضی کا ہو یا ایسا ہو جو فوری طور پر عقد کے پائے جانے کا متقاضی ہو، جیسا کہ آئے گا، اور ایجاب و قبول میں موافقت ہو، اگر ایجاب و قبول میں اختلاف ہو تو بیع منعقد نہ ہوگی۔

حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ ایسا قبول جو ایجاب کے خلاف ہو، وہ نیا ایجاب مانا جائے گا۔

صیغہ کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ مجلس ایک ہو، اور اتحاد مجلس، مجلس کے متفرقات کو جمع کر دیتی ہے، لہذا اگر ایجاب قبول سے مؤخر ہو یا قبول ایجاب سے مؤخر ہو تو ان میں سے جو مقدم ہوگا وہ صحیح ہے،

بعض معاصر فقہاء کے یہاں مستحسن یہ ہے کہ صیغہ، عاقدین، اور محل کے مجموعہ کا نام ”مقومات عقد“ رکھا جائے، اس لئے کہ بالاتفاق ان کے بغیر عقد کا قیام نہیں ہوتا<sup>(۱)</sup>۔

۱۹- صیغہ، عاقدین اور محل ہر ایک کے لئے کچھ شرائط ہیں جن کے بغیر ان میں سے کسی کا شرعی وجود متحقق نہیں اور اپنے وجود یا نقد ان کی تاثیر کے لحاظ سے یہ شرائط مختلف ہیں۔

ان میں سے بعض انعقاد کی شرائط ہیں، ان میں کسی بھی ایک شرط کے نقد ان پر عقد باطل ہو جاتا ہے۔

ان میں سے کچھ صحت کی شرائط ہیں، اور ان میں سے کسی شرط کے نقد ان پر عقد کا باطل ہونا یا فاسد ہونا مرتب ہوتا ہے، جیسا کہ حنفیہ اور جمہور کے مابین اختلاف ہے۔

ان میں سے کچھ شرائط نفاذ ہیں، اور ان میں سے کسی کے نقد ان پر بیع کا موقوف ہونا مرتب ہوتا ہے۔

ان میں سے کچھ شرائط لزوم ہیں، اور ان کے کلی یا جزئی طور پر نقد ان کے نتیجے میں عقد غیر لازم ہو جاتا ہے۔

شرائط کی یہ تقسیم حنفیہ کے مذہب کے موافق ہے۔

ان میں سے بعض میں غیر حنفیہ کا اختلاف ہے جس کا بیان آئے گا۔

صیغہ اور اس کی شرائط:

۲۰- صیغہ (جیسا کہ خطاب نے صراحت کی ہے)<sup>(۲)</sup> ایجاب و قبول ہے۔

ایجاب و قبول کی صلاحیت ہر ایسا قول رکھتا ہے جس سے

(۱) لہجہ: دفعہ (۱۰۱)، (۱۰۲)، الاختیار ۲/۳۔

(۲) مع الجلیل ۲/۲۶۲، جوہر لا تلیل ۲/۲، تلبیٰ ۲/۱۵۳، شرح تفسیر

لا رادات ۲/۳۰۔

(۱) المدخل الفنی للحام ۱/۲۹۹، ۳۰۰۔

(۲) خطاب ۲/۲۲۸۔

## بیع ۲۱

حنفیہ کے نزدیک ہے، اور یہی حنابلہ کے یہاں ایک روایت ہے، اور شافعیہ کے یہاں ”ظہر“ کے بالمقابل ہے<sup>(۱)</sup>۔

جبکہ مالکیہ کا مذہب، شافعیہ کے یہاں ”ظہر“ اور حنابلہ کے یہاں ایک روایت یہ ہے کہ بیع، مشتری کے قول: ”بمعنی“ اور بائع کے قول: ”بعثک“ سے منعقد ہو جائے گی، اس لئے کہ اس سے رضامندی معلوم ہوتی ہے، اور اول کی طرف سے قبول کی حاجت نہیں رہے گی<sup>(۲)</sup>۔

شافعیہ نے کہا: اگر مشتری نے ماضی یا مضارع کے لفظ سے کہا: ”بعثنی“ (تم نے مجھ سے بیچا)، یا ”تبیعنی“ (تم مجھ سے بیچ رہے ہو)، اور بائع نے کہا: ”بعثک“ (میں نے تم سے بیچا) تو بیع منعقد نہ ہوگی، تا آنکہ اس کے بعد قبول ہو<sup>(۳)</sup>۔

حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ امر یا مضارع کے لفظ سے ایجاب صحیح ہے اگر عبارت میں ایجاب یا قبول ضمنی ہو مثلاً: ”خذ هذه السلعة بكذا“ (یہ سامان اتنے میں لے لو) تو دوسرے نے کہا: أخذتها (میں نے لے لیا)، اس لئے کہ لفظ (خذ) میں ضمنی طور پر ”بعثک فخذ“ (میں نے تم سے بیچا تو تم لے لو) ہے، اسی طرح مشتری کے ایجاب کرنے کے بعد بائع کا قول: ”یبارک اللہ لک فی السلعة“ (اللہ تمہیں اس سامان میں برکت دے) ہے، اس لئے کہ اس میں بھی ضمناً ”قبلت البیع“ (میں نے بیع کو قبول کیا) کا معنی ہے، یہی مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہے، اور: ”اعتق عبدک عنی بكذا“ (اپنے غلام کو میری جانب سے اتنے میں آزاد کر دو) کے مثل جملوں میں شافعیہ کے نزدیک ایسا ہی حکم ہے،

اور لغو نہ ہوگا جب تک عاقدین مجلس میں ہوں، اور کسی ایسی چیز میں مشغول نہ ہوئے ہوں جو اس کو عرفاً قطع کر دے۔

ایک شرط یہ ہے کہ ایجاب یا قبول میں مذاق نہ ہو۔ ایجاب کے صحیح باقی رہنے کی شرط یہ ہے کہ ایجاب کرنے والا رجوع نہ کرے، قبول سے قبل اس کی موت نہ ہوئی ہو، اور معقود علیہ ہلاک نہ ہوا ہو۔

ایک شرط یہ ہے کہ قبول سے قبل معقود علیہ میں کوئی ایسا تغیر پیش نہ آیا ہو جس سے اس کا نام ہی بدل جائے، مثلاً عصیر (رس) کا سرکہ میں بدل جانا۔ اس کی تفصیل اصطلاح ”عقد“ اور اصطلاح ”صیغہ“ میں ہے۔

ذیل میں صیغہ بیع سے متعلق کچھ خاص اور اہم تطبیقات ذکر کی جا رہی ہیں، حالانکہ عمومی عقود میں صیغہ کی شرائط کی طرف اشارہ آچکا ہے۔

۲۱- اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ایجاب و قبول ماضی کے صیغہ سے ہو، مثلاً: میں نے بیچا، یا میں نے خریدا، یا مضارع ہو اور اس سے مراد کسی لفظی فریضہ کے سبب حال ہو، مثلاً ”أبیعک الآن“ (میں اس وقت بیچ رہا ہوں)، یا فریضہ حالیہ ہو، مثلاً مضارع کو حال کے معنی میں استعمال کا عرف رائج ہو۔

بیع منعقد نہ ہوگی اگر ایجاب یا قبول صیغہ استفہام کے ذریعہ ہو، مثلاً ”أتبیعنی“؟ کیا تم مجھے فروخت کرو گے؟ یا مضارع کے صیغہ سے ہو اور اس سے مراد استقبال ہو، مثلاً ”سأبیعک“ یا ”أبیعک غدا“۔

رہا صیغہ امر مثلاً ”بمعنی“ (مجھ سے فروخت کرو)، اگر دوسرا شخص جواب میں کہے: بعثک، تو یہ دوسرا لفظ ایجاب ہوگا، اور اول (بیع کا حکم دینے والے) کی طرف سے قبول کی ضرورت ہوگی، یہ

(۱) شرح لجلہ لولا ۳۲/۲، الاختیار ۳۲/۲، معنی المحتاج ۵/۲، المغنی ۵۶۱/۳۔

(۲) مع الجلیل ۳۶۲/۲، معنی المحتاج ۵/۲، شرح تفسیر لادوات ۱۳۰/۲، المغنی ۵۶۱/۳۔

(۳) معنی المحتاج ۵/۲۔



## بیع ۲۲-۲۳

زیادتی لازم نہ ہوگی، الا یہ کہ فریق ثانی اس کو قبول کرے۔

رہائش میں کمی کرنا تو جائز ہے گو کہ بیع کے بعد ہو<sup>(۱)</sup>۔

اسی طرح توافق نہیں اگر سامان کو ایک ہزار میں فروخت کیا، اور دوسرے نے اس کو آدھا مثلاً پانچ سو میں قبول کر لیا، الا یہ کہ بائع اس کے بعد راضی ہو جائے، تو قبول، ایجاب ہو جائے گا، اور اس کے بعد بائع کی رضامندی، قبول ہو جائے گی۔

بعض شافعیہ نے صراحت کی ہے کہ اگر بائع نے کہا: میں نے تمہیں اس کو ایک ہزار میں اور اس کا آدھا پانچ سو میں فروخت کیا اور اس نے آدھا قبول کر لیا تو جائز ہے، اور اسی سے اس صورت کا حکم بھی معلوم ہو جاتا ہے جبکہ ثمن کے تناسب سے بیع کی تقسیم سے بائع کی رضامندی کا قریبہ موجود ہو<sup>(۲)</sup>۔

## لین دین سے بیع کا منعقد ہونا:

۲۲- لین دین یہ ہے کہ: عاقدین میں سے ہر ایک دوسرے کو وہ شی دے دے جس پر تبادلہ ہو رہا ہے، ایجاب و قبول نہ ہو، یا ایجاب ہو قبول نہ ہو، یا اس کے برعکس ہو، اور یہ دلالت حالیہ کی قبیل سے ہے، اور لین دین کے ذریعہ بیع قلیل و کثیر میں حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ اور بعض شافعیہ (مثلاً متولی اور بغوی) کے نزدیک درست ہوتا ہے، ان کے علاوہ دیگر فقہاء کا اختلاف ہے<sup>(۳)</sup>۔

اس میں تفصیل اور اختلاف ہے جس کا ذکر اصطلاح ”تعاطی“ میں آئے گا۔

اس لئے کہ اس میں بھی ضمناً: ”بعنیہ و اعتقہ عنی“ (اس کو مجھ سے بیع دو اور میری طرف سے آزاد کر دو) کا مفہوم شامل ہے<sup>(۱)</sup>۔

۲۲- فقہاء کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتبار، مقصود پر دلالت کا ہے خواہ وضع لغوی کے اعتبار سے ہو یا عرف کے جاری ہونے سے ہو، و سوتی نے کہا: بیع اس چیز سے منعقد ہو جاتی ہے جو عرفاً رضامندی بتائے، خواہ لفظاً دلالت ہو یا نہ ہو، قول ہو یا تحریر، یا فریقین یا کسی ایک کی طرف سے اشارہ ہو۔

”کشاف القناع“ میں ہے: قولی صیغہ کسی معین لفظ مثلاً بیعت اور اشترویت (میں نے بیچا، اور میں نے خریدا) میں منحصر نہیں، بلکہ وہ ہر ایسا لفظ ہے جو بیع کے معنی کو بتائے، اس لئے کہ شارع نے اس کو کسی معین صیغہ کے ساتھ خاص نہیں کیا ہے، لہذا جو بھی اس کے معنی کو ادا کر دے اس کو شامل ہوگا<sup>(۲)</sup>۔

۲۳- ایجاب و قبول کے درمیان توافق اس طرح سے ہوتا ہے کہ مشتری پوری بیع کو پورے ثمن کے بدلہ قبول کرے، لہذا اگر وہ ”عین“ کے بعض کو قبول کرے جس پر ایجاب ہوا ہے، یا اس کے علاوہ کسی اور ”عین“ کو قبول کرے تو ایجاب و قبول میں توافق نہیں، اسی طرح اگر بعض ثمن کو قبول کرے (جس کے ذریعہ ایجاب ہوا ہے) یا کسی اور ثمن کے عوض کو قبول کرے تو دونوں میں توافق نہیں، الا یہ کہ ایجاب سے بہتر کی طرف قبول منتقل ہو جائے، مثلاً کسی شخص نے سامان ایک ہزار میں فروخت کیا، اور مشتری نے اس کو ایک ہزار پانچ سو میں قبول کر لیا، یا کسی شخص نے کوئی سامان ایک ہزار میں خریدا اور بائع نے آٹھ سو کے عوض اس کی بیع کو قبول کر لیا تو یہ ضمنی موافقت ہے، لیکن

(۱) شرح الجملہ لواء ۲/۳۳۳، شرح المغیر ۲/۳۳۳، طبع المجلس، ہاشم الفروق ۳/۳۹۰،

لجہ شرح الفقہ ۲/۳۳۳، قلیوبی ۲/۵۳۳، شرح غنی لادارات ۲/۳۰۰۔

(۲) ساتھ مراجع۔

(۳) شرح الجملہ ۲/۳۶۲، الدبوتی ۳/۳۳۳، مغنی المحتاج ۳/۳۳۳، شرح غنی لادارات ۲/۳۱۲۔

(۱) شرح الجملہ ۲/۳۳۳، الدبوتی ۳/۳۳۳، قلیوبی ۲/۵۳۳، شرح غنی لادارات

۲/۳۰۰۔

(۲) الدبوتی ۳/۳۳۳، کشاف القناع ۳/۳۶۲۔

## بیع ۲۵-۲۷

رہنا قابل فہم اشارہ تو وہ غیر معتبر ہے۔  
کویائی رکھنے والے شخص کی طرف سے اشارہ جمہور کے  
نزدیک مقبول نہیں۔

مالکیہ کے نزدیک قابل فہم اشارہ سے بیع کا انعقاد ہوتا ہے کہ  
کہ بولنے کی قدرت موجود ہو۔

رہا وہ شخص جس کی زبان بند ہوگئی یعنی اس پر کوٹنگا پن طاری  
ہو گیا ہو تو اس کے بارے میں اختلاف و تفصیل ہے (۱) جس کو  
اصطلاح ”اعتقال اللسان“ میں دیکھا جائے۔

## شرائط بیع:

۲۷- شرائط بیع کی تحدید میں فقہاء کا طریقہ الگ الگ ہے، بعض  
نے ان کو بذات خود بیع کی صحت کی شرط قرار دیا ہے، جبکہ بعض نے  
بیع کی شرائط کے ذکر کرنے پھر ثمن میں ان شرائط کے امکان تصور  
کے لحاظ سے، بیع کی تمام یا بعض شرائط میں ثمن کو لاحق کرنے کا  
اہتمام کیا ہے۔

ان میں سے اکثر شرائط میں کوئی اختلاف نہیں، اس لئے کہ ان  
شرائط کے لئے ان کی تعبیرات کا مقصود قریب قریب ہے۔

کچھ شرائط ایسی ہیں جن کو بعض مذاہب نے انفرادی طور پر ذکر  
کیا ہے، دوسروں نے ذکر نہیں کیا ہے، ہر چند کہ حنفیہ شرائط انعقاد اور  
شرائط صحت کے درمیان فرق کرتے ہیں، پھر بھی وہ شروط انعقاد کو  
شروط صحت مانتے ہیں، اس لئے کہ جس کا انعقاد نہ ہو وہ غیر صحیح ہے،  
اس کے برعکس نہیں ہوتا۔

ذیل میں جمہور کے طریقہ پر ان شرائط کا بیان ہے، نیز ان میں  
سے حنفیہ نے جن کو شرط انعقاد مانا ہے اس کی طرف بھی اشارہ

تحریر اور پیغام کے ذریعہ بیع کا انعقاد:

۲۵- دو موجود اشخاص کے درمیان تحریر کے ذریعہ، یا ایک موجود شخص  
کی طرف سے لفظ اور دوسرے کی طرف سے تحریر کے ذریعہ عقد کرنا  
صحیح ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص کسی غائب کے پاس ”بعثک  
داري بکنا“ (میں نے تم سے اپنا گھرا تنے میں بیچا) جیسے الفاظ لکھ  
کر یا کسی قاصد کو بھیج کر بیع کا ایجاب کرے اور مشتری تحریر یا قاصد  
کے ذریعہ ایجاب پر مطلع ہو کر قبول کرے، تو عقد صحیح ہوگا اور بیع منعقد  
ہو جائے گی۔

شافعیہ نے قبول میں ”نوری ہونا“ کی شرط لگاتے ہوئے کہا:  
مکتوب الیہ یا مرسل الیہ کے لئے خیال کی مجلس دراز ہوتی ہے، جب  
تک وہ اپنی مجلس قبول میں ہو، اور کاتب کے لئے مجلس کا اعتبار نہیں، کو  
کہ مکتوب الیہ کے قبول کرنے کے بعد ہو، بلکہ اس کا خیال مکتوب الیہ  
کے خیال کے باقی رہنے تک برقرار رہتا ہے، اسی طرح انہوں نے کہا:  
قبول کے بعد فوراً خط یا قاصد کو بھیجنا شرط نہیں۔

غیر شافعیہ نے قبول میں ”نوری ہونے“ کی شرط نہیں لگائی  
ہے، بلکہ حنابلہ نے صراحت کی ہے کہ یہاں پر ایجاب و قبول کے  
درمیان تاخیر مضرت نہیں، اس لئے کہ مشتری کی عدم موجودگی کے ساتھ  
تاخیر ایجاب سے اس کے اعراض کرنے کی دلیل نہیں (۱)۔

گونگے وغیرہ کی طرف سے اشارہ کے ذریعہ بیع کا انعقاد:

۲۶- گونگے کے اشارہ سے بیع کا انعقاد ہوتا ہے اگر اشارہ قابل  
فہم ہو، کو کہ کوٹنگا تحریر پر قادر ہو، حنفیہ کے یہاں معتد یہی ہے، اس لئے  
کہ اشارہ اور تحریر دونوں حجت ہیں۔

(۱) شرح الجملہ ۳/۳۳، الخرشنی ۵/۵، لوطاب ۳/۲۳۱، اقلیو بی ۲/۱۵۳،  
کشاف القناع ۳/۱۳۸۔

(۱) شرح الجملہ ۳/۳۵، الفواکیر الدیوانی ۲/۱۵۷، اقلیو بی ۲/۱۵۵۔

## بیع ۲۸-۳۰

اس چیز کے فروخت کرنے سے ممانعت کی جو انسان کے پاس نہیں ہے، اور سلم میں اس کی رخصت دی ہے۔<sup>(۱)</sup> کر دیا جائے گا۔

شرط بیع:

بیع کی شرائط یہ ہیں:

عقد کے وقت بیع کا موجود ہونا:

۲۸- لہذا معدوم کی بیع صحیح نہیں ہے، اس پر فقہاء کا اتفاق ہے۔

یہ حنفیہ کے نزدیک شرط انعقاد ہے۔

بیع معدوم کی مثالوں میں یہ ہے: پھل آنے سے قبل اس کی بیع،

مضامین (جو آئندہ زر کے نطفہ سے وجود میں آئے گا) کی بیع، اور ملائح

(پیٹ کے جنین) کی بیع، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی

حدیث میں ہے: ”نہی رسول اللہ ﷺ عن بیع المضامین

والملاقیح وحبل الحبلہ“<sup>(۲)</sup> (رسول اللہ ﷺ نے مضامین،

ملاقیح، اور حبل الحبلہ کی بیع سے منع کیا ہے)، نیز اس لئے کہ اس میں

غرر (دھوکہ) اور جہالت ہے، نیز حدیث میں ہے: ”نہی عن بیع

الغورد“<sup>(۳)</sup> (بیع غرر سے منع کیا ہے)۔

بیع سلم کے مستثنی ہونے میں کوئی اختلاف نہیں، چنانچہ وہ صحیح

ہے اگرچہ وہ معدوم کی بیع ہے، اور اس کی دلیل اس کے متعلق وارد

نصوص ہیں، مثلاً: ”نہی رسول اللہ ﷺ عن بیع ما لیس

عند الإنسان ورخص فی السلم“<sup>(۴)</sup> (رسول اللہ ﷺ نے

(۱) الفتاویٰ الہندیہ ۳/۳، شرح الجملہ: دفعہ (۲۰۵)، (۲۰۸)۔

(۲) حدیث: ”نہی رسول اللہ ﷺ عن بیع المضامین.....“ کی روایت

عبدالرزاق نے اپنے مصنف (۲۱/۸ طبع مجلس العلمی) میں حضرت ابن عمرؓ

سے کی ہے، اور ابن حجر نے تفحیص البیہر (۱۲/۳ طبع شرکت المطابع لغویہ)

میں اس کی سند کو قوی کہا ہے۔

(۳) حدیث: ”نہی رسول اللہ ﷺ عن بیع الغورد“ کی روایت مسلم

(۳/۱۱۵۳ طبع مجلس) نے کی ہے۔

(۴) فتح القدیر ۱/۵۰، الدرر السنی ۳/۱۵۸، المغنی وشرح الکبیر ۳/۲۷۶،

بیع کا مال ہونا:

۲۹- مالکیہ وشافعیہ نے اس شرط کو لفظ نفع یا انتفاع سے تعبیر کیا ہے،

پھر انہوں نے کہا: جس میں نفع نہیں وہ مال نہیں، لہذا اس کے ذریعہ

تبادلہ جائز نہیں ہے، اور یہ حنفیہ کے نزدیک شرط انعقاد ہے۔

مال وہ ہے جس کی طرف طبیعت مائل ہو، اور اس کو خرچ کیا

جائے اور روک لیا جائے، لہذا جو مال نہ ہو وہ کسی عوض کے ذریعہ

تبادلہ کا محل نہیں، اور مالیت کے اعتبار سے معیار شریعت ہے، لہذا

مردار اور جاری خون مال نہیں ہیں<sup>(۱)</sup>۔

بیع کا عقد کرنے والے کی ملکیت ہونا:

۳۰- یہ اس صورت میں ہے کہ بذات خود فروخت کر رہا ہو، حنفیہ

نے اس شرط کو شرط انعقاد مانا ہے، اور اس کی دو قسمیں کی ہیں:

اول: یہ کہ بیع ذاتی طور پر مملوک ہو، لہذا اگھاس کی بیع منعقد نہ

ہوگی، اس لئے کہ وہ مباحات میں سے ہے، مملوک نہیں، کو کہ زمین

اس کی مملوک ہو۔

دوم: بیع بائع کی ملکیت ہو، یہ اس صورت میں ہے جبکہ بذات

خود فروخت کرے، لہذا غیر مملوک کی بیع منعقد نہ ہوگی، کو کہ بعد میں

اس کا مالک بن جائے، البتہ سلم، ضمان دینے کے بعد مغبوب، اور

وکالت یا شرعی نیابت مثلاً ولی، وصی اور قیم (نگراں) کے ذریعہ بیع

= اہلبیہ بی ۲/۱۷۵، ۱۷۶۔

(۱) ابن عابدین ۳/۱۰۰، البدائع ۵/۱۳۹، الدرر السنی ۳/۱۰، اہلبیہ بی ۲/۵۷،

شرح تہذیبی لإرادات ۲/۱۳۲۔

## بیع ۳۱-۳۳

اس سے مستثنیٰ ہے (۱)۔

باعث نزاع ہو، صحیح نہیں، مثلاً ریوڑ میں سے ایک بکری کی بیع (۱)۔

علاوہ ازیں مالکیہ وشافعیہ نے شرائط بیع میں اس شرط کا اضافہ کیا کہ عین بیع ظاہر ہو۔

غیر مملوکہ کی بیع کے عدم جواز کے لئے حکیم بن حزامؒ کی اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے: "لا تبع ما لیس عندک" (۲) (اس چیز کو فروخت نہ کرو جو تمہارے پاس نہیں)۔ اور فضولی کی بیع کے بارے میں اختلاف ہے، اس کو اصطلاح "بیع فضولی" میں دیکھا جائے۔

اسی طرح مالکیہ نے دو اور شرائط کا ذکر کیا ہے جو یہ ہیں: یہ کہ بیع بیوع منہی عنہا میں سے نہ ہو، اور یہ کہ بیع حرام نہ ہو (۲)۔

بیع کا مقدوراً لتسلیم ہونا:

یہ شرائط، سابقہ شرائط کے تحت آجاتی ہیں۔ ان شرائط کے ذریعہ جن چیزوں سے احتراز کیا گیا ہے ان کی تفصیل نیز ہر شرط کے فقدان پر مرتب ہونے والے نتائج کی تفصیل اصطلاح "بیع منہی عنہ" میں دیکھی جائے، نیز ہر نوع کی بیع اس کے اپنے مقام پر دیکھی جائے۔

۳۱- یہ حنفیہ کے نزدیک شرط انعقاد ہے، لہذا ابد کے ہوئے اونٹ کی بیع، نضا میں موجود پرندہ کی بیع، اور پانی میں موجود مچھلی کی بیع صحیح نہیں (۳)، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع غرر سے منع کیا ہے (۴)۔

بیع، اس کے احکام اور احوال

اول: تعیین بیع:

۳۳- بیع کی معرفت کے لئے ضروری ہے کہ مشتری کو اس کی جنس، نوع اور مقدار معلوم ہو، جنس: جیسے گیہوں ہے، نوع: مثلاً یہ کہ معروف شہر کی پیداوار ہو، اور مقدار، ماپ یا وزن وغیرہ کے ذریعہ معلوم ہو (۳)۔

بیع کی تعیین اس کی معرفت سے زائد ایک امر ہے، اس لئے کہ تعیین اس کی ذات و مقدار کے علم کے بعد ماسوا سے اس کی تمیز کے ذریعہ ہوگی، اور یہ تمیز نفس عقد میں اس کی طرف اشارہ کے ذریعہ

بیع کا عاقدین میں سے ہر ایک کے لئے معلوم ہونا:

۳۲- یہ شرط حنفیہ کے نزدیک شرط صحت ہے، شرط انعقاد نہیں، لہذا اگر یہ شرط موجود نہ ہو تو عقد باطل نہ ہوگا، بلکہ فاسد ہو جائے گا۔

علم ہر ایسی چیز سے حاصل ہو جاتا ہے جو بیع کو دوسرے سے ممتاز کر دے اور مانع نزاع ہو، لہذا ایسے مجہول کی بیع جس کی جہالت

(۱) ابن ماجہ بن ۱۰۶، ۶۳، البدائع ۱۳۶/۵، لفرق للقرانی ۲۳۰/۳، اقلیو بی ۱۶۰/۲، کشاف القناع ۱۶۰/۳۔

(۲) حدیث: "لا تبع ما لیس عندک" کی روایت ترمذی (تحت الاحوذی ۲۳۰/۳) نے کی ہے اور اسے حسن قرار دیا ہے۔

(۳) ابن ماجہ بن ۶۳، الدسوقی ۱۱/۳، لفرق ۲۳۰/۳، ہاشم لفرق ۲۳۸/۲، اقلیو بی ۱۵۸/۲، شرح منہی لارادات ۱۲۵/۲۔

(۴) حدیث: "لمھی البی علیہ عن بیع الغرر" کی تخریج نقرہ ۲۸ کے تحت گذر چکی ہے۔

(۱) ابن ماجہ بن ۶۳، الدسوقی ۱۵/۳، شرح منہی لارادات ۱۳۶/۲، اقلیو بی ۱۶۱/۲۔

(۲) مع الجلیل ۵۷۲/۵، ۵۸۵/۳، جوہر لائل ۶۵۳/۲، معنی المحتاج ۱۱/۲، اقلیو بی ۱۵۷/۲۔

(۳) شرح الجبلہ: دفعہ (۲۰۳)، مع الجلیل ۵۸۶/۲، المشرح الصغیر ۶۳/۲ طبع المجلسی، اقلیو بی ۱۶۱/۲، کشاف القناع ۱۶۳/۳، المجموع شرح امہدب

والے اثر کے بارے میں تفصیلات ہیں<sup>(۱)</sup> جن کو اصطلاح ”خیار تعین“ میں دیکھا جائے۔

دوم: بیع کی معرفت اور اس کی تعین کا وسیلہ:

۳۴- اگر بیع مجلس سے غائب ہو اور بیع کی معرفت اس کے مشاہدہ یا اس کی طرف اشارہ کے ذریعہ نہ ہو سکے جیسا کہ گذرا تو یہ معرفت اس وصف کے ذریعہ ہوگی جو اس کو دوسرے سے ممتاز کر دے، نیز اس کی مقدار کا بیان ہو، اور اگر عقار ہو تو اس کی حدود کا بیان ضروری ہے، اس لئے کہ عقار کی جہت اور موقع کے مختلف ہونے سے اس کی قیمت الگ الگ ہوتی ہے، اور اگر مکملات یا موزونات یا مندروعات (پیمائش والی چیز) یا معدودات (شمار کی جانے والی چیز) میں سے ہو تو اس کی معرفت اس مقدار کے ذریعہ ہوگی جو فروخت ہو رہی ہے<sup>(۲)</sup>۔ اس میں کچھ تفصیلات ہیں جن کا بیان جلد آ رہا ہے۔

اُکل سے خریدن فروخت کرنا صحیح ہے، اور وہ یا تو غلہ کے سارے ڈھیر پر شمن کو مجمل رکھ کر ہوگی تو یہ بالاتفاق صحیح ہے، البتہ اس میں بیع جزاف کے بارے میں مالکیہ کی ذکر کردہ شرائط کی رعایت ہوگی۔ یا شمن کی تفصیل کے ذریعہ ہوگی مثلاً: ہر صاع اتنے میں ہے، تو یہ بیع مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ، اور ابو یوسف و محمد کے نزدیک صحیح ہے، جبکہ امام ابو حنیفہ نے کہا: ایک قفیز میں صحیح ہے، اور بقیہ میں باطل ہوگی، اس لئے کہ وہ مجموعہ مجہول ہے جس پر عقد ہوا ہے۔

شافعیہ نے کہا: اگر غلہ کے ڈھیر کی مقدار بیان کر دی ہو مثلاً اس نے کہا: میں نے تمہیں غلہ کا یہ ڈھیر ایک صاع ایک درہم کے حساب

حاصل ہوگی جبکہ وہ مجلس میں موجود ہو اور اس صورت میں وہ مضمین ہو جائے گی، اور بائع کو یہ حق نہ ہوگا کہ مشتری کو اسی جنس کی کوئی اور چیز اس کی رضا مندی کے بغیر دے، اور اشارہ، تعریف کی اعلیٰ ترین صورت ہے<sup>(۱)</sup>۔

یا یہ کہ عقد میں بیع کی تعین نہیں کی گئی ہوگی، یعنی یہ کہ بیع غائب ہو اس کا وصف بیان کر دیا گیا ہو، یا مجلس میں موجود ڈھیر میں سے ایک مقدار ہو تو اس صورت میں تعین حوالگی ہی کے ذریعہ ہوگی۔

یہ حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہے، اور شافعیہ کے یہاں ”ظہر“ کے بالمقابل بھی یہی ہے، جبکہ ان کے نزدیک ”ظہر“ یہ ہے کہ غائب کی بیع صحیح نہیں ہے<sup>(۲)</sup>۔

غیر متعین بیع کی قبیل سے مشترک کے طور پر ایک حصہ کفر و خت کرنا ہے، خواہ وہ حصہ جائیداد میں سے ہو یا منقولہ سامان میں سے، خواہ وہ مشترک شئی قابل تقسیم ہو یا ناقابل تقسیم ہو، کیونکہ اشتراک کے ساتھ تعین بغیر تقسیم اور حوالگی کے نہیں ہوتی<sup>(۳)</sup>۔

بیع کی تعین سے متعلق چند چیزوں میں سے ایک چیز کی بیع ہے، اس شرط کے ساتھ کہ مشتری کو خیار تعین حاصل ہوگا، یعنی ان میں سے کس کو خریدے گا اس کی تعین کرے، اور اس طرح اس کے لئے امکان ہوگا کہ اپنے لئے جس کو زیادہ مناسب سمجھے منتخب کر لے، یہ ان لوگوں کے نزدیک ہے جو خیار تعین کے قائل ہیں۔

اس بیع کے جواز، اس کی شرائط، اور اس خیار پر مرتب ہونے

(۱) شرح لہجہ: دفعہ (۲۰۲)، الفواکیر الدوائی ۲/۲۱، البحر شرح المنہج ۲/۲۳، اقلیو بی ۲/۱۶۳، شرح منہج لا رادات ۲/۱۲۶۔

(۲) شرح لہجہ: دفعہ (۲۰۱)، جوہر لا کلیل ۲/۷، ۹، کشاف القناع ۳/۱۶۳، ۱۶۸، المغنی ۳/۱۳۳، مغنی المحتاج ۲/۱۸، ۱۹۔

(۳) شرح لہجہ: دفعہ (۲۲۰)، اہل المدارک ۲/۲۸۱، خبلا الثروایا: مسئلہ ۱۸۰، رص ۱۹۹، مغنی المحتاج ۲/۱۶۱، اقلیو بی ۲/۱۶۱، کشاف القناع ۳/۱۷۰۔

(۱) الہدایہ ۳/۳۰، ۳۱، جوہر لا کلیل ۲/۳۹، کشاف القناع ۳/۲۰۵۔

(۲) شرح لہجہ: دفعہ (۲۲۰)، حاشیہ ابن عابدین ۳/۲۸، لوطاب ۲/۲۹۶، البحر ۲/۱۸۲، کشاف القناع ۳/۱۶۳، مغنی المحتاج ۲/۱۸۔

## بیع ۳۵

ان اشیاء کو شامل ہو جو اس میں داخل ہیں کو کہ عقد میں اس کی صراحت نہ کی گئی ہو، اسی طرح وہ اس سے استثناء کئے بغیر جد نہیں ہوتیں۔

حنفیہ کے نزدیک بیع میں حسب ذیل اشیاء داخل ہوتی ہیں:

الف: وہ چیزیں جو بیع کے نام کے تحت آتی ہیں، اس طور پر کہ وہ ان کا ایک جز ہو، پس مثلاً گھر کی بیع میں اس کے کمرے داخل ہوں گے، اور الماری کی بیع میں اس کے خانے داخل ہوں گے۔

ب: وہ چیز جس کا بیع سے علاحدہ ہونا عقد کی غرض کو مد نظر رکھتے ہوئے ناممکن ہو، لہذا اتالی کی بیع میں کنجی داخل ہوگی۔

ج: جو بیع سے پائیداری کے ساتھ متصل ہو بائیں طور کہ وہ دائمی طور پر وابستہ ہو، مثلاً گھر کی بیع میں دروازے اور حوض داخل ہوں گے۔

د: جس کو بیع کے ساتھ تابع ہو کر فروخت کرنے کا عرف ہو، مثلاً اونٹ کے ساتھ اس کی تکیل (۱)۔

اصل یہ ہے کہ یہ سارے امور عرف سے وابستہ ہیں، اور عرف ملکوں کا الگ الگ ہوتا ہے، لہذا جس ملک میں جس چیز کے تابع ہو کر بیع میں داخل ہونے کا عرف ہو، وہ وہاں بیع میں داخل ہوگی، کو کہ دوسرے ملک میں یہ عرف نہ ہو (۲)۔

اسی وجہ سے ابن عابدین مکان کی بیع کے بارے میں ”الذخیرہ“ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں: اصل یہ ہے کہ جو چیز گھر کی تعمیر اور اس سے متصل نہیں وہ بیع میں داخل نہیں ہوگی، الا یہ کہ عرف جاری ہو کہ بائع اس کو مشتری سے نہیں روکتا، لہذا کنجی احتساباً داخل

سے فروخت کیا، اور یہ ڈھیر ایک سوصاع کا ہے، اگر سوصاع نکلتا ہے تو بیع صحیح ہے، اس لئے کہ اجمال و تفصیل میں توافق ہے، اور اگر سوصاع نہ نکلے مثلاً اس سے کم یا زیادہ ہو تو صحیح یہ ہے کہ بیع صحیح نہیں، اس لئے کہ اجمالی ثمن اور تفصیلی ثمن میں تطبیق محال ہے، جبکہ دوسرا قول ہے کہ بیع صحیح ہے (۱)۔

کیلی چیز کی بیع وزن کے ذریعہ اور اس کے برعکس جائز ہے، یہ حکم فی الجملہ غیر ربوی اشیاء میں ہے یعنی جس میں تقاضل اور کمی بیشی حرام نہیں، اس لئے کہ ربوی اشیاء میں اس کی صراحت آئی ہے۔

خصوصی کمیاں یا میزان سے بیع جائز ہے مثلاً فریقین کے لئے معین پتھر، کو کہ دوسرے لوگوں میں اس کا عرف نہ ہو۔

غیر منضبط کمیاں (یعنی وہ پیمانہ جو پھیلتا اور سکڑتا ہو) اس کے ذریعہ بیع ناجائز ہے، البتہ پانی کی بیع مشکیزہ سے اس حکم سے مستثنیٰ ہو کر احتساباً جائز ہے، اس لئے کہ اس کا عرف و رواج ہے جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں (۲)۔

سوم: بیع کی شمولیت:  
ملکقات بیع:

۳۵- بیع، عین اور اس کے منافع کی ہوتی ہے، اسی وجہ سے بسا اوقات اس کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ بیع میں وہ چیز داخل ہو جس کا اس سے تعلق ہے تاکہ مقصود منفعت کی تحصیل ہو، یا عرف کا تقاضا ہو کہ بیع

(۱) شرح لہجہ: دفعہ (۲۲۰)، حاشیہ ابن عابدین ۳۲۸، مع الجلیل ۲/۵۰۵، لشرح الصغیر ۲/۱۰، طبع الجلی، معنی المحتاج ۲/۱۷، نہایت المحتاج ۳۳۹، ۳۴۰، المعنی ۲/۱۳۲، کشف القناع ۳/۶۸۔

(۲) شرح لہجہ: دفعہ (۲۱۸)، حاشیہ ابن عابدین ۲/۲۷، لشرح الصغیر ۲/۱۲، مع الجلیل ۲/۱۰، لخطاب ۳/۲۸۰، شرح الروض ۲/۱۲۹، خلیا لروایا ۲/۲۰۷، المعنی ۳/۳۱۸، کشف القناع ۳/۱۷۳۔

(۱) شرح لہجہ: دفعات (۲۱۹، ۲۳۰، ۲۳۶)، حاشیہ ابن عابدین ۳/۳۳، ۳۳۳، نیز ابن عابدین کا رسالہ ”نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف“ (مجموعہ رسائل ابن عابدین)۔

(۲) المفروق ۳/۲۸۳، معنی المحتاج ۲/۸۰، المہذب ۱/۲۸۵، شرح شمسی لادارات ۲/۲۰۶، ۲۰۹۔

## بیع ۳۶

بیع کے ان اشیاء کو شامل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بیع کے ساتھ اسی ثمن سے داخل ہوں گی، ثمن میں ان کا حصہ نہیں ہوگا، اس لئے کہ ضابطہ ہے کہ جو چیز بیع میں مبعاً داخل ہوتی ہے ثمن میں سے اس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا<sup>(۱)</sup>۔

یہی اعتبار (حفیہ کے نزدیک) اس چیز کا بھی ہے جو بیع کے تعلق سے وصف ہو، اگر وہ وصف عقد کے بعد اور قبضہ سے قبل تلف ہو جائے تو مشتری کو یہ حق نہیں کہ اس کے مقابلہ میں ثمن میں سے کچھ ساقط کر دے، بلکہ اسے اختیار ہوگا کہ عقد پر قائم رہے یا اس کو فسخ کر دے، اور یہ وصف فوت ہونے کے اختیار کی قبیل سے ہے، یہ مسئلہ اس صورت کے خلاف ہے کہ ذات بیع میں سے (توابع میں سے نہیں) کوئی چیز ہلاک ہو جائے، تو اس کی وجہ سے مشتری اس کے حصہ کا ثمن ساقط کر سکتا ہے۔

شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک اگر اس نے کہا: میں نے تمہیں یہ گھر فروخت کر دیا، تو اس میں اس سے متصل اشیاء مثلاً دیوار میں ٹھونکے گئے تختے، منگے اور اس میں گڑے ہوئے ٹب، اور ہر وہ چیز جو اس کی مصلحت میں دائمی طور پر اس سے متصل ہے داخل ہوگی، اور حنابلہ کے نزدیک علاحدہ چیز داخل نہ ہوگی، شافعیہ کے یہاں ایک رائے بھی یہی ہے، لہذا اس میں چکی کا نچلا پتھر اگر متصل ہو داخل ہوگا، اور اوپری پتھر داخل نہ ہوگا، اسی طرح ڈول، رسی، چرخی اور کنجی جیسی چیزیں داخل نہ ہوں گی<sup>(۲)</sup>۔

بیع سے استثناء:

۳۶- بیع سے استثناء کا حکم نص اور ضابطہ پر مبنی ہے، اور وہ ضابطہ نص

ہوگی، قیاساً نہیں، کیونکہ وہ متصل نہیں، البتہ عرف کے تقاضا سے ہم اس کے داخل ہونے کے قائل ہیں، پھر ابن عابدین نے کہا: اس کا تقاضا یہ ہے کہ گھر کا شرب (پانی کا راستہ) ہمارے دیار (دشقی) میں عرف کی وجہ سے داخل ہوگا، بلکہ یہ قاہرہ شہر کے عرف میں علاحدہ سیزھی کے شامل ہونے سے اولیٰ ہے، اس لئے کہ دشقی میں اگر گھر کے لئے جاری پانی ہو اور پھر کلی طور پر رک جائے تو گھر سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا، نیز اگر مشتری کو معلوم ہو کہ عقد بیع کے ذریعہ وہ گھر کے ”شرب“ کا مستحق نہ ہوگا تو اس گھر کے مقابلہ میں جس میں پانی کا حصہ داخل ہو، اس گھر کو نہایت کم قیمت پر ہی خریدنے پر راضی ہوگا<sup>(۱)</sup>۔

قرآنی قاعدہ: ”ما یتبع العقد عرفاً“ (جو عرفاً عقد کے تابع ہو)، اور قاعدہ: ”ما لا یتبعہ“ (جو تابع نہیں) کے درمیان فرق کے تحت (اس سلسلہ کے ابواب ذکر کرنے کے بعد) کہتے ہیں: یہ ابواب جن کو میں نے شمار کر لیا ہے، یہ عادات و اعراف پر مبنی ہیں، البتہ اس سے ”تأییر شدہ پھلوں“ کا مسئلہ الگ ہے، اس وجہ سے کہ اس کا ماخذ نص و قیاس ہے، اس کے علاوہ دوسرے مسائل کا ماخذ عرف و عادت ہے، تو جب عادت بدل جائے یا ختم ہو جائے تو یہ فتاویٰ بھی ختم ہو جائیں گے، اور یہ فتاویٰ صادر کرنا حرام ہوگا کیونکہ ان کا ماخذ باقی نہ رہا، لہذا اس پر غور کر لینا چاہئے، بلکہ فتویٰ ان عادات کے تابع ہوگا جیسے جیسے وہ بدلتی جائیں، جیسا کہ فقوہ دہر دور اور وقت کے تابع ہوتے ہیں، اور جس چیز کی بھی عقد میں صراحت کر دی گئی ہو اور لغت اس کی متقاضی ہو، تو یہی وہ چیز ہے جو عادات کے بدلنے سے نہیں بدلتی، اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ عرف کا تقاضا ہے<sup>(۲)</sup>۔

(۱) شرح الجملہ: دفعہ (۲۳۳)۔

(۲) المہذب ۱/۲۸۵، المجموع ۱۱/۲۶۸، کشاف القناع ۳/۲۷۵۔

(۱) ابن عابدین ۳/۳۳۔

(۲) الفروق للقرآنی ۳/۲۸۸ (فرقہ ۱۹۹)۔

## بیع ۳۶

بنادے گا، لیکن اگر مستثنیٰ کو معین کر دیا جائے تو بیع و استثناء صحیح ہیں، یہ جمہور کے نزدیک ہے۔

امام مالک کے نزدیک چند کھجور کے درخت یا چند درختوں کا استثناء کرنا جائز ہے اگرچہ وہ معین نہ ہوں، اس شرط کے ساتھ کہ وہ ان کا انتخاب کر لے گا، اگر ان کا پھل بقدر رشک یا اس سے کم ہو، اور باغ کے پھل ایک نوع کے ہوں، کیوں کہ اس صورت میں ”غرر“ ہلکا ہے۔

پھل کی بیع میں معین مقدار کا استثناء کرنا جائز نہیں، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے استثناء سے منع کیا ہے، نیز اس لئے کہ استثناء کے بعد باقی ماندہ حصہ مجہول ہے، یہ سعید بن مسیب، شافعی، اوزاعی، اسحاق اور ابو ثور سے مروی ہے، ابو الخطاب کے علاوہ حنابلہ کا یہی قول ہے، اور یہی حسن کی روایت اور حنفیہ میں سے طحاوی کا قول ہے۔

امام مالک کے نزدیک یہ جائز ہے اگر ایک تہائی یا اس سے کم ہو، حنفیہ کے نزدیک جواز ہی ظاہر اور ایہ ہے، اور یہی ابن سیرین، سالم بن عبد اللہ، اور حنابلہ میں سے ابو الخطاب کا قول ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے معلوم کا استثناء کیا ہے۔

غیر معین حصے مثلاً چوتھائی اور تہائی کا استثناء جائز ہے، اس لئے کہ اس کے نتیجے میں مستثنیٰ و مستثنیٰ منہ میں جہالت پیدا نہ ہوگی، لہذا یہ صحیح ہے جیسا کہ اگر کسی معین درخت کو خرید لے۔

حنابلہ میں سے ابو بکر اور ابن ابی موسیٰ نے کہا کہ یہ ناجائز ہے۔ حنابلہ کے نزدیک ماکول اللحم جانور کی بیع، اس کے سر، کھال، اطراف اور سواقط (جانور کے جسم کے وہ اجزاء جن کو عام طور پر پھینک دیا جاتا ہے) کے استثناء کے ساتھ جائز ہے۔ امام مالک نے اس کو صرف سفر میں جائز قرار دیا ہے، اس لئے کہ سفر میں ان اجزاء کی کوئی قیمت نہیں ہوتی جو پھینک دیئے جاتے ہیں، امام مالک نے اس کو حضر میں مکروہ کہا ہے، نیز اس لئے کہ مسافر کے لئے کھال اور سواقط سے

پر مبنی ہے، تاہم فقہاء کا اس پر مبنی بعض مسائل میں اتفاق اور بعض مسائل میں اختلاف ہے، اور اس اختلاف کی وجہ توجیہ میں اختلاف ہے جس کی تشریح یہ ہے:

جہاں تک نص کا تعلق ہے تو بخاری کی روایت میں ہے: ”أن النبی ﷺ نہی عن الشیء إلا أن تعلم“ (۱) (نبی کریم ﷺ نے استثناء کرنے سے منع کیا الا یہ کہ وہ معلوم ہو)۔

ضابطہ: ہر وہ چیز جس کو انفرادی طور پر فروخت کیا جاسکتا ہے اس کا استثناء کرنا بھی جائز ہے، اور جس کو انفرادی طور پر فروخت نہیں کیا جاسکتا اس کا استثناء کرنا بھی ناجائز ہے۔

مستثنیٰ کا معلوم ہونا ضروری ہے، اس لئے کہ اگر وہ مجہول ہو تو بقیہ کو بھی مجہول کر دے گا، لہذا بیع صحیح نہیں ہوگی۔

لہذا اجانور کی بیع سے حمل کا استثناء کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ اس کو انفرادی طور پر فروخت نہیں کر سکتے، تو اس کا استثناء بھی جائز نہیں ہوگا، یہ حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا قول ہے، البتہ امام احمد سے حمل کے استثناء کی صحت منقول ہے، اور یہی حضرت حسن نجفی، اسحاق اور ابو ثور کا قول ہے۔ اس کی دلیل نافع کی روایت ہے کہ ابن عمر نے ایک باندی فروخت کی، اور اس کے حمل کو مستثنیٰ کر دیا، نیز اس لئے کہ آزادی میں اس کا استثناء کرنا صحیح ہے، لہذا اسی پر قیاس کرتے ہوئے بیع میں بھی اس کا استثناء کرنا درست ہوگا۔

اسی طرح کسی بھی مجہول شیء کا استثناء کرنا ناجائز ہے، مثلاً بکریوں کے ریوڑ میں سے ایک غیر معین بکری کا استثناء۔

باغ کی بیع میں کسی غیر معین درخت یا نخل کا استثناء کرنا ناجائز ہے، اس لئے کہ معلوم میں سے مجہول کا استثناء کرنا معلوم کو بھی مجہول

(۱) حدیث: ”النبی رسول اللہ ﷺ عن العبا إلا أن تعلم“ کی روایت مسلم (۳/۵۸۳ طبع مجلس) نے کی ہے۔



## بیع ۳۷-۳۸

حنفیہ وشافعیہ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے، شرط اور بیع دونوں باطل ہیں، اس لئے کہ یہ شرط غیر ملامم (غیر مناسب) ہے<sup>(۱)</sup>۔

## بیع اصول:

۳۷- اصول، اصل کی جمع ہے، اور اصل وہ ہے جس پر دوسری چیز مبنی ہو، یہاں پر اصول سے مراد وہ ہے جس کو نووی نے اپنی کتاب ”تحریر“ میں اپنے اس قول سے تعبیر کیا کہ اصول: درخت اور زمین ہیں<sup>(۲)</sup>۔

”شرح منتهی الارادات“ میں ہے: یہاں اصول سے مراد زمین، گھر اور باغات ہیں<sup>(۳)</sup>۔

فقہاء کے یہاں یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ ”بیع اصول“ کے عنوان سے ایک الگ فصل قائم کرتے ہیں اور اس میں ان چیزوں کو ذکر کرتے ہیں جو بیع میں ان اصول کے تابع ہیں یا نہیں ہیں۔ اس کی تشریح حسب ذیل ہے:

۳۸- زمین کی بیع: جس نے زمین فروخت کی، تو زمین میں پودے اور تعمیر داخل ہوں گے، اس لئے کہ یہ زمین سے پائیدار طور پر متصل ہیں، اور یہ زمین کے حقوق میں سے ہیں، یہ تمام مذاہب کا حکم ہے، البتہ شافعیہ کے یہاں ایک قول یہ ہے کہ اگر مطلق رکھا اور یہ نہیں کہا کہ اس کے حقوق کے ساتھ، تو تعمیر اور درخت داخل نہ ہوں گے، لیکن شافعیہ کے یہاں مذہب یہی ہے کہ مطلق رکھنے کے وقت وہ

فائدہ اٹھانے کا امکان نہیں، اس کے استثناء کے جواز کی دلیل یہ ہے: ”أن النبي ﷺ نهى عن الشيا إلا أن تعلم“ (نبی ﷺ نے استثناء سے منع کیا مگر یہ کہ معلوم ہو) اور یہ معلوم ہیں۔

روایت میں ہے کہ ”نبی کریم ﷺ نے جب مدینہ منورہ کی ہجرت فرمائی، اور آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر اور عامر بن نبیرہ تھے تو ان کا گزرا ایک بکریاں چرانے والے پر ہوا، حضرت ابو بکر اور عامر اس کے پاس گئے، اور اس سے ایک بکری خریدی، اور اس کے لئے اس کے سلب (یعنی اس کی کھال، پائے اور شکم) کی شرط لگائی“<sup>(۱)</sup>، یہ حنفیہ وشافعیہ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

فقہاء کے یہاں مختلف فیہ استثناء میں سے وہ بھی ہے جس کو بعض فقہاء نے شرط صحیح کہا ہے، اور اس کو اور بیع کو جائز قرار دیا ہے، جبکہ دوسرے فقہاء نے اس کو شرط فاسد بتایا ہے، اور اس کو باطل قرار دیا ہے، اور بیع کو بھی باطل کہا ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص گھر فروخت کرے، اور مثلاً اس میں ایک ماہ کی رہائش کا استثناء کرے تو مالکیہ وحنابلہ اس کو جائز قرار دیتے ہیں، ان کا استدلال حضرت جابر کی اس روایت سے ہے: ”باع النبي ﷺ جملاً، واشترط ظهره إلى المدينة“ (نبی کریم ﷺ نے ایک اونٹ فروخت کیا، اور مدینہ تک اس کی سواری کی شرط لگائی)، ایک روایت میں ہے کہ یہ لفظ آپ نے فرمایا: ”بعته واستثنيت حملانه إلى أهلي“<sup>(۲)</sup> (میں نے اس کو فروخت کر دیا، اور اپنے گھر تک اس کی سواری کا استثناء کیا)۔

(۱) ابن ماجہ ۳۰۳، ۳۱، الہدایہ ۳۵۳، ۲۶، جوہر الإطیل ۷/۲، ابن ماجہ

شرح اتھمہ ۳۲/۲، الفواکیر الدروانی ۲/۲۳۸، نہایۃ المحتاج ۳۳۵، شرح روض الطالب ۱۵/۲، ۱۷، الہدایہ ۲۷۱، حاشیہ الجمل ۳۳، المغنی ۳/۱۱۳ اور اس کے بعد کے صفحات، شرح منتهی الارادات ۲/۱۳۸،

(۲) السنن الطالب ۲/۹۵۔

(۳) شرح منتهی الارادات ۲/۲۰۶۔

(۱) حدیث: ”أن النبي ﷺ لما هاجر إلى المدينة و معه أبو بكر و عامر بن لہبيرة مروا بواعي غنم.....“ کو صاحب کشف القناع (۱۳۱ طبع المباحث) نے ابو الخطاب سے منسوب کیا ہے

(۲) جانوروں کی سواری کی شرط کے بارے میں حضرت جابر کی حدیث کی روایت بخاری (فتح ۵/۳۱۳ طبع المستوفی) اور مسلم (۳/۱۲۲ طبع المجلد) نے کی ہے

## بیع ۳۹-۴۱

کے تابع ہوں گے، اس لئے کہ یہ سب اس کے اجزاء ہیں، اور اسی کے مفاد میں پیدا کئے گئے ہیں۔ ربی وہ زمین جو درخت کے اگنے کی جگہ ہے تو وہ بھی اس کی بیع میں مالکیہ کے نزدیک اور حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق داخل ہوگی اگر درخت کو برقرار رکھنے کے لئے خریدا ہو، جبکہ حنابلہ کا مذہب اور شافعیہ کے یہاں اصح یہ ہے کہ داخل نہ ہوگی، اس لئے کہ درخت کے کام میں وہ شامل نہیں، اور نہ ہی وہ بیع کے تابع ہے۔

اگر درخت میں پھل یا کھجوریں لگی ہوں تو تا پیر شدہ پھل بائع کا ہوگا الا یہ کہ مشتری اس کی شرط لگا دے، اس کی دلیل حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”من باع نخلاً قد آبرت فثمرتها للبائع إلا أن يشترط المبتاع“<sup>(۱)</sup> (جو تا پیر شدہ کھجور کا درخت فروخت کرے تو اس کا پھل بیچنے والے کا ہی ہوگا مگر جب خریدار شرط کر لے)۔

اگر درخت تا پیر شدہ نہ ہو تو مشتری کا ہوگا، اس لئے کہ اس فرمان نبوی سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر تا پیر شدہ نہ ہو تو وہ خریدار کا ہوگا، نیز اس لئے کہ کھجور کا پھل حمل کی طرح ہے، کیونکہ یہ مخفی اضافہ اور نمو ہے جو ایک مقررہ حد پر ظاہر ہوگا۔ یہ جمہور کے نزدیک ہے۔ حنفیہ کے یہاں ”صحیح“ یہ ہے کہ تا پیر شدہ اور غیر تا پیر شدہ پھل شرط کے بغیر داخل نہ ہوں گے<sup>(۲)</sup>، اس کی دلیل حدیث سابق ہے، لیکن اس روایت کے ساتھ جس میں تا پیر کا ذکر نہیں ہے۔

۴۱- جانور کی بیع میں وہ چیز اس کے تابع ہوگی جس کے تابع ہونے کا عرف ہو مثلاً لگام، مہار، اور زین۔ شافعیہ نے فرق کرتے ہوئے

داخل ہیں۔ اسی طرح شافعیہ نے کہا ہے کہ جو درخت زمین کے تابع ہوگا اس سے مراد ہر ابھر اور درخت ہے۔ خشک درخت اس میں داخل نہ ہوگا، جیسا کہ ابن رفعہ اور سبکی نے صراحت کی ہے کہ فقہ کا تقاضا یہی ہے، جبکہ اسنوی نے کہا کہ قطعاً داخل نہیں ہوگا۔

اسی طرح زمین کی بیع میں وہ پتھر بھی داخل ہوگا جو زمین میں پیدا ہوا اور اس میں گڑا ہوا ہے، اس لئے کہ وہ اس کا جز ہے، برخلاف مدنون شی جیسے خزانہ کے کہ وہ بیع میں داخل نہ ہوگا، بلکہ وہ بائع کا ہوگا، لیکن قرانی نے کہا: مدنون پتھر صرف اس قول کی بنیاد پر داخل ہوگا کہ جو شخص زمین کے ظاہر کا مالک ہے اس کے باطن کا بھی مالک ہے۔

اگر زمین میں ایسی کھیتی ہو جس کو بار بار کانا جانا ہو تو اصول (جزیں) خریدار کی ہوں گی، اور بیع کے وقت ہونے والی کٹائی بائع کی ہوگی<sup>(۱)</sup>۔

۳۹- جس نے گھریچا تو بیع میں اس کی تعمیر، اس کا صحن، اس میں موجود لگا ہوا درخت، اور اس کے مفاد کے لئے متصل چیزیں مثلاً سیڑھیاں، کیل لگے ہوئے تختے، دروازے، اور گڑی ہوئی چکی داخل ہوں گی، لیکن اس میں ذن شدہ خزانہ اور اس سے جدا چیزیں مثلاً رسی اور ڈول، اور منقولہ اشیاء مثلاً پتھر اور لکڑی داخل نہ ہوں گی۔ رہا لگا ہوا تالا تو اس کی کنجی حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک جیسا کہ گذرا، داخل ہوگی، شافعیہ کے یہاں اصح قول اور حنابلہ کے یہاں ایک روایت یہی ہے<sup>(۲)</sup>۔

۴۰- درخت کی بیع میں شاخیں، پتے، اور درخت کے جملہ اجزاء، اس

(۱) حدیث: ”من باع نخلاً قد آبرت.....“ کی روایت بخاری (بیع الباری ۳۱۳/۵ طبع المستقیم) نے کی ہے۔

(۲) الہدایہ ۲۵/۳، ابن ماجہ ۳۸/۲، لفرق ۲۸۵/۳، مع الجلیل ۲۳/۲، نہایۃ المحتاج ۱۳۰/۳، شرح الروض ۱۰۱/۲، المغنی ۸۷/۳، شرح منتہی الارادات ۲۰۹/۲۔

(۱) ابن ماجہ ۳۷/۲، الدرر ۱۰۳/۱، الفرق ۳۳۸/۳، نہایۃ المحتاج ۱۱۶/۳، شرح روض الخطاب ۹۶/۲، المغنی ۸۵/۳، شرح منتہی الارادات ۲۰۷/۲۔

(۲) ابن ماجہ ۳۳/۳، مع الجلیل ۲۵۵/۲، نہایۃ المحتاج ۱۲۷/۲۔

## بیع ۴۲-۴۳

دوم یہ کہ اکثر اہل شہر اس قسم کی بیع کرنے پر باہم اتفاق نہ کئے ہوں<sup>(۱)</sup>۔

اگر پھل کو بدو صلاح سے قبل باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ یا مطلقاً (توڑنے یا باقی رکھنے کا ذکر کئے بغیر) فروخت کیا گیا تو جمہور مالکیہ ہذا فعیہ اور حنابلہ کے نزدیک بیع باطل ہے۔

حنفیہ کے نزدیک بھی یہی حکم ہے اگر چھوڑنے کی شرط رکھی گئی ہو، اور اگر توڑنے یا باقی رکھنے کی شرط نہ لگائی ہو تو مذہب حنفی میں بالاتفاق جائز ہے اگر قابل انتفاع ہو، اور صحیح قول میں جائز ہے اگر ناقابل انتفاع ہو، اس لئے کہ یہ بعد میں قابل انتفاع مال ہے کو کہ فی الحال قابل انتفاع نہیں ہے، لیکن اگر چھوڑنے کی شرط لگا دی تو بیع فاسد ہے<sup>(۲)</sup>۔

اگر پھل کو ”اصل“ کے ساتھ فروخت کرے تو بالاتفاق جائز ہے، اس لئے کہ پھل اصل کے تابع ہوتا ہے<sup>(۳)</sup>۔ اس کی تفصیل اصطلاح ”شمار“ میں دیکھی جائے۔

چہارم: بیع کی موجودگی اور غیر موجودگی:  
الف: بیع کی موجودگی:

۴۳- یہ طے ہے کہ بیع کی طرف اشارہ تعریف و تعیین کی قوی ترین صورت ہے، اور اسی وجہ سے اگر بیع فریقین کے سامنے (مجلس عقد میں) ہو، اور اشارہ کے ذریعہ اس کی اس طور پر تعیین کر دی گئی ہو کہ مشتری نے اس کو جان لیا اور دیکھ لیا ہو تو بیع لازم ہوگی، بشرطیکہ کوئی خاص سبب (جس کا تعلق روایت بیع سے نہ ہو) ان اسباب میں سے

(۱) ساتھ مراجع۔

(۲) الہدایہ ۳/۲۵، جوہر لا طیل ۲/۶۰، نہایۃ المحتاج ۳/۱۳۲، المغنی ۳/۹۳۔

(۳) الجملہ: دفعہ (۶۵)، الفواکہ الدوانی ۲/۱۲۱، المفروق ۳/۲۲، تہذیب المفروق ۳/۲۲۹۔

کہا ہے کہ جو چیز جانور سے متصل ہے مثلاً برہ (جانور کی ناک کا حلقہ) اور پیوستہ نعل تو وہ تابع ہو کر بیع میں داخل ہوگی۔

لگام، زین، اور مہار، لفظ کے تقاضے پر اکتفاء کرتے ہوئے جانور کی بیع میں داخل نہیں ہوں گے<sup>(۱)</sup>۔

## پھلوں کی بیع:

۴۲- فقہاء کا اتفاق ہے کہ درخت سے الگ صرف پھلوں کی بیع جائز ہے لیکن بدو صلاح کے بعد ہی جائز ہے۔ بدو صلاح کی تفسیر میں اختلاف ہے: وہ پھل کا پکنا اور مٹھاس وغیرہ کا ظاہر ہونا ہے جیسا کہ جمہور کی رائے ہے، یا آفت اور فساد سے مامون ہونا ہے جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں۔

دلیل جواز اس فرمان نبوی سے ماخوذ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پھل کفر و خست کرنے سے منع کیا تا آنکہ بدو صلاح ہو جائے<sup>(۲)</sup>۔ ابن قدامہ نے کہا: اس حدیث کا ”مفہوم“ یہ ہے کہ بدو صلاح کے بعد پھل کی بیع مباح ہے، اور یہ ان لوگوں کے نزدیک ہے جو ”مفہوم“ کے قائل ہیں، جیسا کہ اصل و ضابطہ ہے کہ جس بیع میں تمام شرائط موجود ہوں وہ جائز ہے<sup>(۳)</sup>۔

اسی طرح پھل آنے کے بعد اور بدو صلاح سے قبل فی الحال توڑنے کی شرط کے ساتھ ان پھلوں کی بیع جائز ہے، اگر وہ قابل انتفاع ہوں، یہ حکم بالاتفاق ہے۔ البتہ مالکیہ نے اس میں دو شرطوں کا اضافہ کیا ہے: اول یہ کہ بائع و مشتری دونوں یا کسی ایک کو بیع کی حاجت ہو،

(۱) ابن ماجہ ۲/۳۸، الہدایہ ۳/۲۵، نہایۃ المحتاج ۳/۱۳۰، شرح الروض ۲/۱۰۰، شرح منیٰ لا رادات ۲/۲۱۳۔

(۲) حدیث: ”لبيبي عن بيع الغمرة حتى يبدو صلاحها...“ کی روایت بخاری (فتح ۳/۳۹۷ طبع استقویہ) نے کی ہے۔

(۳) ابن ماجہ ۲/۳۸، الدونی ۳/۶۱، نہایۃ المحتاج ۳/۱۳۲، المغنی ۳/۹۲۔

ہے، جس کو ”فوت و صف کا خیار“ کہتے ہیں (۱)۔

وصف فوت ہونے کے سبب استحقاق خیار میں بیع کا موجود  
وغیر موجود ہونا برابر ہے، اس کی تفصیل ”خیار و صف“ میں دیکھئے۔

### ب۔ بیع کی غیر موجودگی:

۴۴۔ اگر بیع غیر موجود ہو تو ایسے وصف کے ذریعہ خریدی گئی ہوگی جو  
اس کی وضاحت کر دے جس طرح عہدِ سلم میں بیان کیا جاتا ہے، یا  
بغیر وصف کے خریدی گئی ہوگی، البتہ اس کے مقام کی طرف اشارہ  
کر دیا گیا ہوگا یا اس کو ایسی چیز سے منسوب کر دیا گیا ہوگا جس کی وجہ  
سے وہ ممتاز ہو جائے۔

اگر بیع و صف کے ذریعہ کیا گیا ہو اور یہاں سابقہ مرغوب و صف  
کے علاوہ ہو، اور بیع کے مشاہدہ کے بعد اس کے اور وصف کے درمیان  
مطابقت ملے تو بیع لازم ہوگی، ورنہ مشتری کے لئے خیار خلف (وصف  
کے نہ پائے جانے کا خیار) حاصل ہوگا، یہ جمہور علماء کے نزدیک ہے۔  
رہے حنفیہ تو وہ یہاں مشتری کے لئے خیار رویت ثابت کرتے  
ہیں، قطع نظر اس بات سے کہ وصف بیان ہو یا نہ ہو، اس کی تفصیل  
”خیار و صف“ اور ”خیار رویت“ میں ہے۔

لیکن اگر نمونہ کی بنیاد پر خریداری ہوئی ہو اور بیع اس سے مختلف  
نہ ہو تو مشتری کے لئے خیار رویت نہیں ہوگی (۲)۔

وصف کے ساتھ غیر موجود کی بیع جمہور کے نزدیک فی الجملہ صحیح  
ہے، حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ اور شافعیہ کے یہاں ”ظہر“ کے بالمقابل یہی  
ہے، چنانچہ حنفیہ نے اس کو جائز قرار دیا ہے کوکہ پہلے سے اس کا وصف  
بیان نہ کیا ہو، جبکہ شافعیہ کے یہاں ایک قول یہ ہے کہ وصف کا بیان

نہ پایا جائے جن کی وجہ سے مشتری کے لئے ”خیار“ پیدا ہوتا ہے۔

حتیٰ کہ اگر اشارہ، وصف کے ساتھ متصل ہو اور وصف، مشتری  
کے مشاہدہ اور اس کی رضامندی کے خلاف اٹلے تو بھی اس کے بعد  
مشتری کو حق نہیں کہ ”وصف“ کا مطالبہ کرے، جبکہ عقد رویت اور رضا  
کے بعد مکمل ہو چکا ہو۔

اس کی تعبیر اس فقہی قاعدہ سے کی جاتی ہے کہ ”حاضر چیز میں  
وصف لغو ہے اور غائب میں معتبر ہے“۔

یہ بیع کے اسم اور اشارہ میں تغایر ثابت ہونے کے برخلاف  
ہے مثلاً اس نے کہا: میں نے تمہیں یہ گھوڑی فروخت کر دی، اور مثلاً  
کسی اونٹنی کی طرف اشارہ کیا تو یہاں پر نام لینے کا اعتبار ہوگا، اس  
لئے کہ اسم کے ذریعہ جنس بیع کی تحدید ہوتی ہے، اور یہ جنس میں غلطی  
ہے، وصف میں نہیں، اور جنس میں غلطی ناقابل معافی ہے، اس لئے  
کہ اس کی وجہ سے بیع معدوم ہو جائے گی۔

قرآنی نے صراحت کی ہے کہ اگر بیع میں جنس کا ذکر نہ کرے مثلاً  
کہے: میں نے تمہیں ایک کپڑا فروخت کیا، تو بلا جہاں ممنوع ہے (۱)۔

یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ وصف مشتری کے لئے قابل  
اور اک ہو، لیکن اگر مشتری سے مخفی ہو یا تجربہ کی ضرورت ہو مثلاً گائے  
میں دودھ دینے والی ہونے کا وصف ہو، پھر مشتری کو معلوم ہوا کہ وہ  
ایسی نہیں، تو یہاں پر وصف کا فوت ہونا مؤثر ہے بشرطیکہ عقد میں  
وصف کی شرط لگائی ہو، گوکہ بیع حاضر رہا ہو اور اس کی طرف اشارہ  
کر دیا گیا ہو، اس لئے کہ یہاں وصف بائع کی طرف سے معتبر ہے،  
اور اس کے فوت ہونے پر مشتری کے لئے ایک ”خیار“ ثابت ہوتا

(۱) الجملہ: دفعہ (۲۰۸)، مع الجلیل ۲/۶۷۸، ۶۷۹، جوہر الإطیل ۳/۳۹۹،

شرح نیشی واردات ۲/۱۳۶، کشاف القناع ۳/۴۱، خلیل الروایا

ص ۲۱۰، نہایۃ المحتاج ۳/۳۹۶، ۳۰۱، المہذب ۱/۲۹۳۔

(۱) فتح القدیر ۵/۱۳۶، طبع بلاق۔

(۲) الجملہ: دفعہ (۳۳۳، ۳۳۵)۔

## بیع ۴۵-۴۷

بھی یہی قول ہے، حنا بلہ کے یہاں اُصح یہ ہے کہ یہ ممنوع ہے، شافیہ نے اس کو اس صورت میں جائز قرار دیا ہے کہ مثلاً کہے: میں نے تمہیں اس گھر میں موجود گیہوں فروخت کیا اور یہ اس کا نمونہ ہے، اور نمونہ بیع میں داخل ہوگا<sup>(۱)</sup>۔

مالکیہ کے یہاں اس صورت میں تفصیل ہے جب ظاہر ہو کہ برمانج کے مطابق فروخت شدہ ”عدل“ (جانور کی پیٹھ پر ایک طرف کا بوجھ) کم یا زیادہ ہے۔ اس کی تفصیل ”بیع میں کمی یا زیادتی کا ظہور“ کے تحت ہے۔

پنجم: قبضہ سے پہلے بیع میں کمی یا زیادتی کا ظہور:

۴۵- بیع کا حکم اگر اس میں نقص یا زیادتی ظاہر ہو، اس اعتبار سے مختلف ہے کہ بیع، مقدار کی بنیاد پر ہے یا از قبیل بیع ”جزاف“ (یا مجازفہ) ہے جس کو ”بیع صبرہ“ بھی کہتے ہیں، برمانج یا نمونہ پر بیع کی بعض صورتیں اسی سے ہیں، جبکہ مقدار، برمانج میں درج شدہ کے خلاف ظاہر ہو۔

الف- بیع جزاف (اکل سے بیع کرنا):

۴۶- اگر بیع اکل سے ہو تو مشتری یا بائع کی توقع سے کم یا زیادہ ظاہر ہونے کا کوئی اثر نہیں ہوگا، اس کی تفصیل ”بیع جزاف“ میں ہے۔

ب- بیع مقدرات (متعینہ مقدار کی بیع):

۴۷- کیل یا وزن یا پیمائش یا شمار کے ذریعہ مقررہ مقدار میں فروخت شدہ چیز میں اگر کمی یا زیادتی نکلے تو بیع کو دیکھا جائے گا کہ آیا

ضروری ہے، اس لئے کہ یہاں مشتری کے لئے بہر حال خیار رویت ہے، خواہ وصف بیان کیا گیا ہو اور بیع وصف کے مطابق ہو یا اس کے خلاف ہو اور خواہ وصف نہ بیان کیا گیا ہو، اور یہ خیار حکمی ہے، اس کے لئے شرط لگانے کی ضرورت نہیں ہے<sup>(۱)</sup>۔ حنا بلہ نے اس کو سلم کی صحت کے لئے مظلومہ طریقہ پر وصف کے ساتھ جائز قرار دیا ہے، اور خیار کو عدم مطابقت کی حالت کے ساتھ مخصوص رکھا ہے<sup>(۲)</sup>۔

جبکہ مالکیہ نے اس کو تین شرائط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے:

الف۔ بہت زیادہ قریب نہ ہو کہ بغیر مشقت کے اس کو دیکھنا ممکن ہو، اس لئے کہ اس حالت میں بحیثیت غائب اس کی بیع یقین سے ضرر کے متوقع ہونے کی طرف عدول کرنا ہے، لہذا ناجائز ہے۔

ب۔ بہت زیادہ دور نہ ہو، کیونکہ حوالگی سے قبل اس میں تغیر کا اندیشہ یا حوالگی کے محال ہونے کا احتمال ہے۔

ج۔ بائع اس کو تمام اوصاف کے ساتھ بیان کر دے جن سے غرض متعلق ہے، اور یہ سلم کے اوصاف ہیں۔

مذہب شافیہ میں ظہر یہ ہے کہ غائب کی بیع صحیح نہیں ہے اور یہ وہ ہے جس کو متعاقبین یا ان میں سے کسی ایک نے نہیں دیکھا ہو کہ وہ حاضر ہو، اس لئے کہ بیع غرر سے ممانعت آئی ہے<sup>(۳)</sup>۔

برمانج کے مطابق بیع کرنا یعنی ایسے رجسٹر کی بنیاد پر جس میں اوصاف درج ہوتے ہیں، اور نمونہ پر بیع کرنا یعنی مشتری کو ایک صاع دکھا کر نلہ کا ڈھیر اس شرط کے ساتھ فروخت کرنا کہ وہ اسی نمونہ جیسا ہے، اس کو حنفیہ نے جائز قرار دیا ہے، حنا بلہ کا ایک قول یہی ہے، مرداوی نے اس کو درست کہا ہے (اس کی وجہ گزر چکی ہے)، مالکیہ کا

(۱) حنفیہ کے ساتھ مراجع۔

(۲) المغنی ۳/ ۵۸۰، ۵۸۳، شرح منشی لارادات ۲/ ۳۶۲۔

(۳) اقلیو بی ۳/ ۱۶۳، المغنی المحتاج ۲/ ۱۶۲، نہایہ المحتاج ۳/ ۳۰۱۔

(۱) شرح منشی لارادات ۲/ ۳۶۲، اقلیو بی ۳/ ۱۶۳، ۱۶۵، المغنی المحتاج ۲/ ۱۹، المفروع ۳/ ۳۱، و انصاف ۲/ ۲۹۵۔

## بیع ۷۴

مندب شافعیہ میں صحیح، اور حنابلہ کے یہاں ایک روایت یہ ہے کہ اگر بیع کی مقدار میں کمی یا زیادتی نکلے تو بیع باطل ہے، اس لئے کہ بائع کو زیادتی کے تسلیم کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، اور نہ ہی مشتری کو بعض کے لینے پر، اور اضافہ شدہ حصہ میں بائع و مشتری کے درمیان اشتراک میں ضرر ہے<sup>(۱)</sup>۔

مالکیہ کے یہاں کمی کے تھوڑا یا زیادہ ہونے کے درمیان تفصیل ہے، اگر نقص و کمی تھوڑی ہو تو مشتری پر لازم ہے کہ باقی کو اس کے مساوی ثمن سے لے، اور اگر زیادہ ہو تو اس کو اختیار ہے کہ بقیہ کو اس کے مساوی ثمن سے لے یا واپس کر دے، ایک قول یہ ہے کہ یہ بمنزلہ بیع کی صفت کے ہے، اگر اس کو زیادہ پائے تو وہ مشتری کے لئے ہے، اور اگر کم پائے تو مشتری کو اختیار ہے کہ سارے ثمن سے اس کو لے یا اس کو رد کر دے<sup>(۲)</sup>۔

شافعیہ کے نزدیک زیادتی یا نقص نکلنے کی صورت میں صحیح کے بالمقابل رائے یہ ہے کہ اشارہ کی وجہ سے تعلیاً بیع صحیح ہے، پھر شافعیہ کے یہاں یہ تفصیل ہے کہ اگر بائع نے کل کا مقابلہ کل سے کیا ہو، مثلاً کہنے میں نے تمہیں نلہ کا ڈھیر سو درہم میں فروخت کیا اس شرط کے ساتھ کہ وہ سو صاع ہے، تو زیادتی یا نقص کی صورت میں بیع صحیح ہوگی، اور جس کو ضرر ہوگا اس کے لئے اختیار ثابت ہوگا۔

لیکن اگر اس نے اجزاء کا اجزاء سے مقابلہ کیا، مثلاً کہا: میں نے تمہیں نلہ کا ڈھیر ایک صاع ایک درہم میں فروخت کیا، اس شرط کے ساتھ کہ وہ سو صاع ہے، پھر زیادتی یا نقص نکلے تو بیع اسنوی کے نزدیک صحیح ہوگی، اور ماوردی نے فرق کرتے ہوئے کہا کہ نقص کی

تبعیض (کلے کرنا) اس کے لئے مضر ہے یا نہیں؟ اسی طرح اس ثمن کی اساس پر غور کیا جائے گا جس پر بیع ہوئی ہے کہ وہ مجمل ہے یعنی پوری بیع کی قیمت ہے، یا بیع کے اجزاء کے مقابلہ میں ثمن میں تفصیل کی گئی ہے۔

اگر تبعیض بیع کے لئے مضر نہ ہو (مثلاً ملکیت کی تمام انواع، اسی طرح بعض موزونات مثلاً گیہوں، اور مذروعات مثلاً وہ کپڑا جو ذراع سے فروخت ہوتا ہے، قطع نظر اس سے کہ وہ ایک کپڑے کے لئے کافی ہے، اسی طرح معدودات متقاربہ) تو بیع میں زیادتی بائع کے لئے ہوگی، اور کمی بھی اسی حساب سے ہوگی، اور اس حالت میں ثمن کی تفصیل یا اجمال کو دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اگر ثمن مفصل ہو مثلاً کہا: ہر ذراع ایک درہم میں، تو زیادتی بائع کی ہوگی اور کمی اس پر آئے گی، اور یہ دیکھنے کی ضرورت نہیں کہ تبعیض اس کے لئے ضرر رساں ہے یا نہیں۔

اگر ثمن غیر مفصل ہو اور بیع کے لئے تبعیض ضرر رساں ہو تو زیادتی مشتری کی اور کمی اسی کے ذمہ ہوگی، اور اس کے مقابلہ میں ثمن کا کوئی حصہ نہ ہوگا، البتہ مشتری کو کمی نکلنے کی صورت میں خیار (یعنی صفحہ کے متفرق ہونے کا خیار) حاصل ہوگا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ تبعیض جس کے لئے ضرر رساں نہیں اس میں تقدیر (مقدار بتانا) جز کی طرح مانا جاتا ہے، اور جس میں تبعیض ضرر رساں ہے اس میں تقدیر وصف کی طرح مانا جاتا ہے، اور وصف کے مقابلہ میں ثمن کا کوئی حصہ نہیں ہوتا ہے، بلکہ اس کی وجہ سے خیار ثابت ہوتا ہے<sup>(۱)</sup>، یہ حنفیہ کا مذہب ہے۔

(۱) نہایت المحتاج ۲/۳۰۰، مغنی المحتاج ۲/۱۷، ۱۸، شرح منتہی لإرادات ۲/۱۶۶، المغنی ۲/۱۳۶۔

(۲) مخ الجلیل ۲/۵۰۵، لطاب ۲/۲۹۹، لشرح الصغیر ۲/۱۳ طبع الجلیلی۔

(۱) الجملہ: دفعہ (۲۲۳، ۲۲۹)، حاشیہ ابن ماجہ ۲/۳۰، الدرر شرح الغرر ۲/۱۳، مخ الجلیل ۲/۵۰۵، ۶۶۹، جوہر لإکلیل ۲/۳۷، ۳۸، لطاب ۲/۲۹۹، مغنی المحتاج ۲/۱۷، ۱۸، نہایت المحتاج ۲/۳۰۰، شرح منتہی لإرادات ۲/۱۶۶، المغنی ۲/۱۳۶، ۱۳۷۔

## بیع ۴۸

کے عوض لے لے۔

اگر نلہ کا ڈھیر خرید اس شرط کے ساتھ کہ وہ دس قفیز ہے، اور گیارہ قفیز نکالا تو زائد کو واپس کرے گا، اور یہاں اس کے لئے خیار نہیں اس لئے کہ زیادتی میں ضرر ہے، اور اگر نو قفیز نکلے تو اس کے حصہ کے ثمن کے عوض لے گا۔

اگر نلہ کے ڈھیر میں کیل کی تعیین کر دی جائے تو اس پر قبضہ کیل کے ذریعہ ہی ہوگا، اگر زائد ہو تو زیادتی واپس کرے گا، اور اگر کم ہو تو اس کو اس کے حصہ ثمن سے لے گا۔ کیا نقصان کی صورت میں اس کو فسخ کا خیار ہوگا؟ اس میں دو قول ہیں: اول: اس کے لئے خیار ہے، دوم: اس کے لئے خیار نہیں ہے (۱)۔

ثمن کے احکام و احوال:

اول: ثمن کی تعریف:

۴۸- ثمن: بیع کے حصول کے لئے مشتری کی طرف سے دیئے گئے عوض کا نام ہے، اور ثمن معقود علیہ کے دو اجزاء (ثمن و ثمن) میں سے ایک جز ہوتا ہے، اور یہ دونوں مقومات عقد میں سے ہیں، اسی وجہ سے جمہور کی رائے ہے کہ قبضہ سے قبل ثمن معین کی ہلاکت کے سبب بیع فی الجملہ فسخ ہو جاتی ہے (۲)۔

حنفیہ کی رائے ہے کہ بیع کا مقصود اصلی بیع ہے، اس لئے کہ انتفاع اعیان ہی سے ہوتا ہے، اور اثمان (قیمتیں) تبادلہ کا وسیلہ ہیں (۳)، اسی وجہ سے حنفیہ نے ثمن کے مقنوم ہونے کو صحت کی شرط

صورت میں بیع صحیح ہوگی، اور زیادتی کی صورت میں سابقہ اختلاف ہے، یعنی صحیح کے مطابق بیع باطل ہے، اور صحیح کے بالمقابل قول کے مطابق بیع صحیح ہوگی (۱)۔

ابن قدامہ نے ”المغنی“ میں لکھا ہے: اگر کہے میں نے تمہیں یہ زمین یا یہ کپڑا اس شرط کے ساتھ فروخت کیا کہ وہ دس ذراع ہے، اور گیارہ ذراع نکالا تو اس میں دو روایتیں ہیں:

اول: بیع باطل ہے، اس لئے کہ بائع کو زیادتی کے حوالہ کرنے پر مجبور کرنا ممکن ہے، کیونکہ اس نے دس ہی ذراع فروخت کئے ہیں، اور نہ ہی مشتری کو بعض کے لینے پر مجبور کرنا ممکن ہے، کیونکہ اس نے سارا خرید ہے، اور شرکت میں بھی نقصان اسی کا ہے۔

دوم: بیع صحیح ہے، اور زیادتی بائع کی ہے، اس لئے کہ یہ مشتری کے لئے نقص ہے، لہذا عیب کی طرح یہ صحت بیع سے مانع نہیں ہوگا، پھر بائع کو اختیار دیا جائے گا کہ بیع زیادتی کے ساتھ سپرد کرے یا دس ذراع سپرد کرے، اگر مکمل بیع سپرد کرنے سے راضی ہو جاتا ہے تو مشتری کو اختیار نہ ہوگا، اس لئے کہ بائع نے اس کے لئے اچھی چیز کا اضافہ کیا ہے، اور اگر بائع زائد بیع کو حوالہ کرنے سے انکار کرے تو مشتری کے لئے خیار ہوگا کہ فسخ کر دے یا سارے مقررہ ثمن اور زائد کی قیمت دے کر لے لے، اگر لینے پر راضی ہو جائے تو دس ذراع لے، اور بائع ایک ذراع میں اس کا شریک ہوگا، اور کیا بائع کے لئے خیار فسخ ہے؟ اس میں دو قول ہیں: اول: اس کو فسخ کا اختیار ہے اس لئے کہ شرکت میں اس کو ضرر ہے، دوم: اس کو خیار نہیں، اور ابن قدامہ نے اسی کو قوی کہا ہے، اور اگر بیع نو ذراع نکلے تو اس میں دو روایتیں ہیں: اول: بیع باطل ہے جیسا کہ گزرا، دوم: بیع صحیح ہے، البتہ مشتری کو خیار حاصل ہے کہ فسخ کر دے یا ثمن کے دس حصوں میں سے نو حصوں

(۱) المغنی ۱/۳۶۷، ۱۳۷۔

(۲) جوہر الإطلیل ۱/۳۰۵، مع الجلیل ۲/۱۰۰، شرح الروض ۲/۶۳، المجموع ۲/۲۶۹، اقلیوبی ۲/۳، شرح ثمنی لإرادات ۲/۱۸۹، الانصاح ۲/۳۳۷۔

(۳) الجملہ: دفعہ (۱۵۱)۔

(۱) مغنی الصحاح ۲/۱۸، المہذب ۱/۷۱۔

## بیع ۴۹-۵۰

قیمت سے زیادہ میں فروخت کرتے ہوں، اور اہل رائے واصحاب بصیرت کے مشورہ سے تسعیر کے بغیر تافضی مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ نہ کر سکے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ بازار میں حضرت حاطب کے پاس سے گزرے تو ان سے کہا: ”یا تو زرخ بڑھا دیا اپنے گھر جا کر جس طرح چاہو فروخت کرو“ (۱)۔

شافعیہ وحنابلہ کی رائے ہے کہ تسعیر حرام ہے، اس کے ذریعہ سے خریدنا مکروہ ہے، اور تسعیر بالجبر ہو تو بیع حرام اور باطل ہے (۲)۔ اس لئے کہ حدیث نبوی ہے: ”إن الله هو المسعر القابض الباسط الرازق، وإنی لأرجو أن ألقى الله وليس أحد منكم يظالمني بمظلمة في دم ولا مال“ (۳) (اللہ تعالیٰ ہی زرخ مقرر کرنے والا، روکنے والا، کشادگی پیدا کرنے والا، رزق دینے والا ہے، میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملاقات کروں کہ تم میں سے کوئی بھی مجھ سے کسی جانی یا مالی حق کا مطالبہ کرنے والا نہ ہو)۔

اس کی تفصیل اصطلاح ”تسعیر“ میں ہے۔

دوم: کون چیز ثمن بن سکتی ہے اور کون نہیں:

۵۰۔ جو چیز بیع ہونے کے قابل ہو ثمن ہونے کے بھی قابل ہے، اس

بتایا ہے، جبکہ بیع کا مقوم ہونا انعقاد کی شرط ہے، یہ فرق خاص طور پر حنفیہ کے یہاں ہے، جمہور کے یہاں نہیں، لہذا اگر ثمن غیر مقوم ہو تو حنفیہ کے نزدیک بیع باطل نہیں ہوگی، بلکہ فاسد ہوگی، اگر فساد کا سبب ختم کر دیا جائے تو بیع صحیح ہو جائے گی۔

اسی طرح قبضہ سے قبل ثمن کا ہلاک ہونا بیع کے بطلان کا سبب نہیں بلکہ بائع اس کے بدل کا مستحق ہوگا، البتہ بیع کے ہلاک ہونے سے بیع باطل ہو جائے گی (۱)۔

ثمن اور قیمت الگ الگ ہیں، اس لئے کہ قیمت وہ چیز ہے جو قیمت لگانے والوں (اہل تجربہ) کی نظر میں شے کے مساوی ہو، جبکہ ثمن ہر وہ چیز ہے جس پر متعاقدین راضی ہو جائیں، خواہ قیمت سے زیادہ ہو یا اس سے کم یا اس کے مثل (۲)۔

لہذا قیمت وہ ہے جو شے کا حقیقی ثمن ہو۔

اور جس ثمن پر باہم اتفاق کر لیا جائے وہ ثمن مسمی (مقررہ ثمن) ہے۔

سعر (زرخ): سامان کا مقررہ ثمن ہے، اور تسعیر: سامان کی فروختگی کا زرخ مقرر کرنا ہے۔ بسا اوقات تسعیر سلطان کی طرف سے ہوتی ہے اور لوگوں کو اس سے کم یا زیادہ قیمت میں فروخت کرنے سے روک دیا جاتا ہے (۳)۔

تسعیر (زرخ متعین کرنے) کا حکم:

۴۹۔ تسعیر (زرخ متعین کرنے) کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے: حنفیہ و مالکیہ کی رائے ہے کہ ولی الامر ایسا کر سکتا ہے اگر تاجر

(۱) الجملہ: دفعہ (۲۱۲)، حاشیہ ابن عابدین ۳۳/۱۰۳۔

(۲) الجملہ: دفعہ (۱۵۳)، حاشیہ ابن عابدین ۳۳/۵۱، ۶۶، جوہر الاکلیل ۲۱/۲۔

(۳) الجملہ: دفعہ (۱۵۳)۔

(۱) حضرت عمرؓ کے اثر کی روایت امام مالک نے اپنی سوط میں کی ہے، محقق جامع الاصول شیخ عبدالقادر انانہ کوٹ نے کہا اس کی اسناد صحیح ہے (جامع الاصول ۱/۵۹۳ طبع الملاح)۔

(۲) المغنی ۳/۱۶۳ طبع القاہرہ، الفتاویٰ الہندیہ ۳/۳۱۳، شرح منتہی الرادات ۲/۱۵۹، الکافی لابن عبد البر ۲/۳۰۷۔

(۳) حدیث: ”إن الله هو المسعر.....“ کی روایت ترمذی اور ابوداؤد نے حضرت انسؓ کے واسطے سے کی ہے شیخ عبدالقادر انانہ کوٹ نے کہا اس کی اسناد صحیح ہے ترمذی اور ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا ہے (جامع الاصول ۱/۵۹۵، تنقیح انا کوٹ)۔



## بیع ۵۱

آپسی رضامندی کے بغیر دوسرے کی جگہ نہیں لے سکتا (۱)۔

سوم: ثمن کی تعیین اور اس کو بیع سے ممتاز کرنا:

۵۱- ثمن کو بیع سے ممتاز کرنے کے لئے حنفیہ نے حسب ذیل ضابطہ

کی صراحت کی ہے، اور یہ مالکیہ و شافعیہ کی عبارت سے متفق ہے:

الف- اگر عوضین میں سے کوئی ایک نقود ہو تو اسی کو ثمن مانا

جائے گا، اور دوسرا بیع ہوگا، خواہ وہ جس نوعیت کا ہو، اور صیغہ

(عبارت) کو نہیں دیکھا جائے گا حتیٰ کہ اگر کہے: بعثک دیناراً

بہذہ السلعة (یعنی میں نے تمہیں یہ دینار اس سامان میں فروخت

کیا)، تو دینار ہی ثمن ہوگا، ہر چند کہ حرف ”باء“ سلعہ پر داخل ہے،

جبکہ یہ عموماً ثمن پر آتا ہے (۲)۔

ب- اگر عوضین میں سے ایک ذوات القیم اعیان ہو، اور دوسرا

مثلی اموال معین ہو یعنی اس کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہو تو ذوات القیم

ہی بیع ہوگی، اور مثلی ثمن ہوگا، اور اس صورت میں بھی اس کے مخالف

صیغہ کے تقاضے کا اعتبار نہیں ہوگا۔

ابتنہ اگر اموال مثلیہ غیر معین ہوں (یعنی ذمہ میں لازم ہوں)

تو ثمن وہ عوض ہوگا جس کے ساتھ ”باء“ ہے، مثلاً اگر کہے: بعثک

ہذہ السلعة برطل من الأرز (میں نے تم کو یہ سامان ایک رطل

چاول سے بیچا) تو ثمن أرز (چاول) ہوگا، اس لئے کہ ”باء“ اسی پر

داخل ہے، اور اگر کہے: بعثک رطلا من الأرز بہذہ السلعة

(میں نے تم کو ایک رطل چاول اس سامان سے بیچا) تو ”سلعہ“ ہی

کے برعکس بھی صحیح ہے، یہ جمہور کے نقطہ نظر سے سمجھ میں آتا ہے، جبکہ حنفیہ کی رائے ہے کہ اس کے برعکس صحیح نہیں ہے، لہذا جو ثمن ہونے کے قابل ہے بسا اوقات وہ بیع ہونے کے قابل نہیں ہوتی (۱)۔

ثمن یا تو ذمہ میں ثابت ہونے والی چیز ہوگی، مثلاً نقود، اور

مثلیات یعنی کیلی یا وزنی یا پیمائش والی یا شمار کی جانے والی متقارب

چیزیں، یا ثمن ذوات القیم اعیان میں سے ہوگا جیسا کہ بیع سلم میں

ہے، بشرطیکہ رأس المال ذوات القیم میں سے عین ہو، اور جیسا کہ بیع

مقایضہ میں۔

سونا اور چاندی خلتی ثمن ہیں خواہ نقود کی شکل میں ڈھلے ہوئے

ہوں یا بغیر ڈھلے ہوں، اسی طرح فلوس اثمان ہیں۔ حنفیہ و مالکیہ کے

نزدیک ”اثمان“ تعیین کرنے سے متعین نہیں ہوتے (مالکیہ نے اس

سے ”صرف“ اور ”کرایہ کے معاملہ“ کو مستثنیٰ کیا ہے)، لہذا اگر

مشتری نے کہا: میں نے سامان اس دینار میں خریدا، اور اس دینار کی

طرف اشارہ کر دے تو اس کے بعد مشتری کو اختیار ہے کہ دوسرا دینار

سپر کرے، اس لئے کہ نقود مثلیات میں سے ہیں، اور مثلیات ذمہ

میں ثابت ہوتی ہیں، اور جو چیز ذمہ میں ثابت ہوتی ہے اس کی ادائیگی

کسی بھی ہم مثل فرد کے ذریعہ ہو جائے گی، اور وہ تعیین کو قبول کرنے

والی نہیں ہوتی ہے۔

شافعیہ و حنابلہ کی رائے ہے کہ ”اثمان“ تعیین سے معین

ہو جاتے ہیں۔

ابتنہ اگر ثمن ذوات القیم میں سے ہو تو وہ متعین ہو جاتا ہے، اس

لئے کہ ذوات القیم ذمہ میں ثابت نہیں ہوتیں اور ان کا کوئی بھی فرد

(۱) حاشیہ ابن ماجہ بن ۵/۲۷۲ طبع دوم المجلس، الجلد ۲، ۲۳۳، لفروق للقرانی

۳۳۵/۲، مجموع ۲۶۹/۲، شرح منشیٰ لا رادات ۲۰۵/۲۔

(۲) ابن ماجہ بن ۱۹۵/۲ طبع بولاق، ۲۷۲/۲ طبع المجلس، الفتاویٰ الہندیہ

۱۵۱۳/۱، لہجہ شرح الفقہ ۲/۲، معنی المحتاج ۲/۲، شرح منشیٰ لا رادات

۲۰۵/۲۔

(۱) حاشیہ ابن ماجہ بن ۱۶۵/۲، شرح الجملہ: دفعات (۲۱۱، ۱۵۲) لؤا تا سی

(۲) (۱۰۵/۲)، للمحاسبی (۱/۱۹۳)، الفتاویٰ الہندیہ ۱۲۲/۲، لہجہ شرح الفقہ

۸۶/۲، شرح منشیٰ لا رادات ۱۳۲/۲، جوہر الاکلیل ۱/۳۰۵، ۳/۲۰۵۔

## بیع ۵۲-۵۳

برخلاف بیع کے، اس لئے کہ وہ بہ مقتضائے عقد ادھار ہوتا ہے، اور یہ فی الجملہ ہے، اس کی تفصیل اصطلاح ”شمن“ میں ہے (۱)۔

چہارم: شمن کو مبہم رکھنا:

۵۲- اگر شمن بیان کر دیا اور اس کو مطلق رکھا، اور اس کی نوعیت بیان نہ کی، جیسا کہ اس نے کہا: اتنے دینار میں، اور عقد کے شہر میں انواع و اقسام کے دینار رائج ہوں، جن کی قیمت مختلف اور رواج برابر ہو تو عقد فاسد ہوگا، اس لئے کہ شمن کی مقدار مجہول ہے، البتہ اگر کسی نوع کے دینار کا رواج زیادہ ہو تو عقد صحیح ہوگا، اور یہ زیادہ رائج کی طرف لوٹے گا، مثلاً اگر کویت میں کہے: میں نے تمہیں ایک دینار میں فروخت کیا، تو عقد صحیح ہوگا، اور شمن کویتی دینار ہوں گے، اس لئے کہ محل عقد میں موجودہ دوسرے دیناروں میں کویتی دینار ہی سب سے زیادہ رائج ہے (۲)۔

شمن کے احکام کی تفصیل اصطلاح ”شمن“ میں دیکھی جائے۔

پنجم: رأس المال کے مد نظر شمن کی تحدید:

۵۳- شمن کی تحدید کا علم یا مشاہدہ و اشارہ سے ہوگا اور یہ تعریف کا اعلیٰ ترین طریقہ ہے، خواہ مقدار بیان کی ہو یا نہ کی ہو، جیسا کہ اگر کوئی سامان دیناروں کی ایک تھیلی کے عوض میں فروخت کیا اور اس کی طرف اشارہ کر دیا۔

یا شمن مجلس عقد سے غائب ہوگا، اور اس وقت اس کی نوعیت،

(۱) الصلوی علی المشرع الصغیر ۱/۲۱، ۲۰، طبع المجلسی، المجموع ۹/۲۳، معنی المحتاج ۲/۲۰، ۲۳، ۲۴، المعنی ۳/۱۲۶، ۲۱۸، ۲۲۰، شرح شنبلی لا روایات ۱۹۱/۲۔

(۲) الجملہ ۲: دفعہ (۲۳۱، ۲۳۲)، الکافی لابن عبد البر ۲/۲۶، البجہ ۱۱/۱۱، اقلیو بی ۲/۱۶۲، معنی المحتاج ۲/۱۷، الانصاح ۱/۳۲۵۔

شمن ہوگا، اور یہ بیع سلم ہوگا، اس لئے کہ یہ ایسی بیع ہے جس میں ذمہ میں لازم وصف بیان کی گئی ادھار چیز کا معاملہ نقد شمن سے کیا گیا ہے۔

ج۔ اگر عوضین میں سے ہر ایک مثالی مال ہو تو شمن وہ ہے جس کے ساتھ ”باء“ ہو، جیسے اگر کہے: بعثک أرزاً بقمصح (میں نے تم کو چاول گیہوں سے بیچا) تو ”ح“ ہی شمن ہوگا۔

د۔ اگر عوضین میں سے ہر ایک ذوات القیم اعیان ہوں تو ان میں سے ہر ایک عوض ایک اعتبار سے شمن اور ایک اعتبار سے بیع ہے (۱)، یہ تفصیل حنفیہ کے نزدیک ہے۔

شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک شمن وہی ہے جس پر ”باء“ داخل ہو۔ رہے مالکیہ تو انہوں نے صراحت کی ہے کہ نقد کے بیع ہونے سے کوئی مانع نہیں ہے، اس لئے کہ عوضین میں سے ہر ایک دوسرے کے عوض بیع ہے، اور ”ابہجہ“ میں ہے: عوضین میں سے ہر ایک دوسرے کے لئے شمن ہے۔

شمن کے سابقہ احکام کے علاوہ اور احکام یہ ہیں:

الف۔ اگر سپردگی میں پہل کرنے کے بارے میں متعاقدین میں اختلاف و نزاع ہو تو بیع کے سپرد کرنے سے قبل شمن کو سپرد کرنا واجب ہوگا۔

ب۔ شمن کے سپرد کرنے کا شرط مشتری پر اور بیع کے سپرد کرنے کا شرط بائع پر ہے۔

ج۔ عوض میں تصرف کے جواز کے لئے قبضہ کی شرط بیع کے ساتھ خاص ہے، شمن کے لئے شرط نہیں۔ اس میں تفصیل ہے جو (بیع منہی عنہ، اور بیع المبیع قبل القبض) میں معلوم ہوگی۔

د۔ بیع سلم میں شمن (رأس المال) کو ادھار کرنا جائز نہیں،

(۱) حاشیہ ابن ماجہ ۲/۲۳، ۲۳۳، معنی الجلیل ۲/۶۰۱، البجہ ۲/۸۶، المجموع ۲/۲۶۹، معنی المحتاج ۲/۲۰، شرح شنبلی لا روایات ۲/۲۰۵۔

## بیع ۵۴-۵۵

کا حکم یہ ہے کہ وہ عقد سابق کی تعدیل ہے بہہ نہیں ہے، اور اسی وجہ سے اس میں قبضہ کی ضرورت نہیں ہوتی جو بہہ کی تکمیل کے لئے شرط ہے، یہ حکم فی الجملہ ہے۔

یہ حنفیہ کے نزدیک ہے۔

جبکہ شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک خیابار مجلس اور خیابار شرط کے پورا ہونے کی وجہ سے بیع کے لزوم کے بعد زیادتی لاحق نہیں ہوتی ہے، بلکہ وہ بہہ کے حکم میں ہے، اس کی تفصیل آئے گی (۱)۔

دوم: بیع یا ثمن میں کمی کرنا:

۵۵- مشتری کے لئے بیع میں کمی کرنا اور بائع کے لئے ثمن میں کمی کرنا جائز ہے، بشرطیکہ فریق ثانی اس کو کمی کرنے کی مجلس میں قبول کر لے، اور کمی کرنا باہمی قبضہ سے قبل ہو یا اس کے بعد دونوں برابر ہے، لہذا اگر مشتری یا بائع قبضہ کے بعد کمی کرے تو دوسرے کو حق ہے کہ کم کئے ہوئے حصہ کو واپس لے۔

ثمن میں بائع کی طرف سے کمی کرنے کے جواز کے لئے شرط نہیں کہ بیع قائم ہو، اس لئے کہ خط (کمی کرنا) اسقاط ہے، اس کے مقابلہ میں کسی چیز کا ہونا لازم نہیں ہے۔

رہا مشتری کا بائع سے بعض بیع کو کم کرنا تو شرط ہے کہ بیع ایسا دین ہو جو ذمہ میں ثابت ہو، تا کہ کمی کو قبول کرے، لیکن اگر معین عین ہو تو بیع میں سے کمی کرنا صحیح نہیں، اس لئے کہ اعیان، اسقاط کو قبول نہیں کرتے (۲)۔ دیکھئے: ”اہراء“ اور ”اسقاط“۔

(۱) حاشیہ ابن ماجہ دین ۱۶۷/۳، تہذیب الفروق ۳۹۰/۳، المشرح الصغیر ۷۸/۳، حاشیہ الدرستی ۱۶۵/۳، شیخ الجلیل ۶۱۵/۳، المجموع ۷۰۸/۳، اہمدیہ ۲۹۶/۱، ہاشم شرح الروض ۶۳/۲، نہایہ المحتاج ۴۳/۳، الافصاح ۳۳۷/۳، شرح منشی لآراء ۳۳۶/۱، ۳۳۶/۳۔

(۲) لہجہ: دفعہ (۲۵۶)، الصلوٰی علی المشرح الصغیر ۷۰۸/۳، شیخ الجلیل ۴۳۵/۳۔

صفت اور مقدار کا بیان کرنا ضروری ہوگا، پھر ثمن یا تو ثمن شراہ (بائع کا رأس المال) پر مبنی نہ ہوگا یا اسی پر مبنی ہوگا، اور اس میں کوئی نفع نہ ہوگا اور نہ خسارہ، یا معلوم نفع ہوگا یا معلوم خسارہ ہوگا۔

اول یعنی جس میں ثمن شراہ کو نہیں دیکھا جاتا، یہ بیع مساومہ ہے، اور بیوع میں غالب یہی ہے۔

اور دوسری قسم کو ”بیع امانت“ کہتے ہیں، اور اس کی چند اقسام ہیں: تولیہ: یعنی ثمن اول میں فروخت کرنا، اور اگر بعض بیع کو ثمن اول کے تناسب سے فروخت کرنا ہو تو اس کو ”اشراک“ کہتے ہیں، اور اگر نفع کے ساتھ ہو تو مراجمہ، یا خسارہ کے ساتھ ہو تو ”وضیعہ“ کہتے ہیں (۱)۔ ان بیوع کی تفصیل ان کی اپنی اپنی اصطلاحات میں ہے۔

بیع و ثمن کے مشترکہ احکام:

اول: بیع یا ثمن میں زیادتی کرنا:

۵۴- مشتری کے لئے جائز ہے کہ عقد کے بعد ثمن میں اضافہ کر دے، اسی طرح بائع کے لئے جائز ہے کہ بیع میں اضافہ کر دے، بشرطیکہ اس کے ساتھ مجلس زیادتی میں ہی فریق ثانی کی طرف سے قبولیت ہو۔

اور شرط یہ ہے کہ بیع قائم ہو اگر زیادتی ثمن میں ہو، اس لئے کہ اگر بیع بلاک شدہ ہو تو زیادتی معدوم کے بالمقابل ہوگی۔ اور اگر بلاک شدہ کے حکم میں ہو (یعنی اس کو اپنی ملکیت سے خارج کر دیا ہو) تو یہ زیادتی اس چیز کے بالمقابل ہوگی جو معدوم کے حکم میں ہے، اس میں کوئی فرق نہیں کہ زیادتی باہمی قبضہ کے بعد ہوئی ہو یا اس سے قبل، یا بیع یا ثمن کی جنس سے یا کسی اور جنس سے، زیادتی

(۱) لہجہ: دفعہ (۲۳۹) اور اس کے بعد کے دفعات، الفواکر الدوانی ۱۰۹/۳، الصلوٰی علی المشرح الصغیر ۷۰۸/۳ طبع لہجہ۔

سوم: زیادتی یا کمی کے آثار:

۵۶- فقہاء حنفیہ کے یہاں طے ہے کہ زیادتی اور کمی سابق عقد کی اصل سے منسوب ہو کر لاحق ہوتے ہیں، بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو، بایں معنی کہ بیع میں زیادتی کے لئے ثمن کا حصہ ثابت ہوتا ہے جیسا کہ اگر ثمن اصل اور زیادتی پر تقسیم ہو، اسی طرح اس کے برعکس ہے اگر زیادتی ثمن میں ہو۔

اس کے آثار یہ ہیں:

الف۔ اگر بیع قبضہ سے قبل ہلاک ہو جائے اور زیادتی باقی رہے، یا زیادتی ہلاک ہو جائے اور بیع باقی رہے تو ثمن میں سے ہلاک شدہ کا حصہ ساقط ہو جائے گا، برخلاف اس زیادتی کے جو بذات خود بیع سے پیدا ہونے والی ہے۔

ب۔ بائع کو حق ہے کہ مکمل بیع کو روکے رکھے تا آنکہ ثمن اصلی اور اس پر زیادتی کو قبضہ میں لے لے۔

ج۔ بیع امانت یعنی مرابحہ یا تولیہ یا وضعہ ممکن ہے، اس لئے کہ زیادتی یا کمی کے بعد ثمن کا اعتبار ہے۔

د۔ اگر بیع میں حق نکل آئے، اور حق دار کے لئے اس کا فیصلہ ہو جائے تو مشتری بائع سے پورا ثمن (اصل اور زیادتی) واپس لے گا، اسی طرح عیب کے سبب رجوع کرنے کی صورت میں۔

ه۔ شفعہ لینے میں شفعہ عقار کو اس چیز کے عوض میں لے گا جس پر کمی کرنے کے بعد ثمن طے ہوا ہے، اگر بائع بیع میں کچھ اضافہ کر دے، تو شفعہ اصل عقار کو اس کے حصہ کے ثمن سے لے گا، پورے ثمن سے نہیں، اس پر فی الجملہ اتفاق ہے جیسا کہ آئے گا۔

مالکیہ کے نزدیک: زیادتی اور کمی بیع کے ساتھ ملحق ہوں گی،

خواہ وہ قبضہ کے وقت وجود میں آئے یا اس کے بعد۔

ثمن میں زیادتی ثمن اول کے حکم میں ہے، لہذا استحقاق کے وقت اس کو لوٹایا جائے گا، اسی طرح عیب کی وجہ سے لوٹانے کی صورت اور اس جیسی صورتوں میں<sup>(۱)</sup>۔

مشتری سے پورے ثمن کو کم کر دینا، یعنی ثمن مشتری کو بہہ میں دے دینا جائز ہے، اور کم کرنے کا اثر بیع مرابحہ اور شفعہ میں ہوتا ہے۔

چنانچہ بیع مرابحہ کے بارے میں درودیر اور سوتی کہتے ہیں: بعض ثمن کے بہہ کرنے کی صورت میں بیان کر دینا واجب ہے اگر لوگوں میں اس کا عرف و رواج ہو بایں طور کہ وہ لوگوں کے عطیہ کے مشابہ ہو جائے، لیکن اگر رواج نہ ہو یا ادائیگی سے پہلے یا اس کے بعد ثمن کو بہہ کر دے تو بیان کرنا واجب نہیں<sup>(۲)</sup>۔

شفعہ کے بارے میں شیخ علیش کہتے ہیں: جس نے ایک ہزار درہم میں قطعہ زمین خریدی، پھر شفعہ کے لینے سے قبل یا بعد بائع نے اس سے نو سو درہم ساقط کر دیئے، اور صورت حال یہ ہو کہ اس حصہ کا ثمن لوگوں کے درمیان ایک سو درہم ہو، وہ آپس میں غبن کے ساتھ بیع کریں یا بغیر غبن کے خریدیں، تو شفعہ سے بھی اس کو ساقط کر دیا جائے گا، اس لئے کہ انہوں نے اولاً جس ثمن کو ظاہر کیا تھا وہ محض شفعہ کو ختم کرنے کا سبب تھا۔

اگر صورت حال اس جیسی نہ ہو کہ اس کا ثمن سو درہم ہو تو ابن یونس نے کہا: مراد یہ ہے کہ مثلاً اس کا ثمن تین سو یا چار سو ہو تو شفعہ سے کچھ کم نہیں کرے گا، اور وضعہ (کم کیا ہو حصہ) مشتری کے لئے بہہ ہوگا، اور ایک دوسری جگہ میں کہا: اگر مشتری اتنا کم کر دے جو بیوع میں کم کیا جاتا ہو تو یہ شفعہ سے ساقط ہوگا، اور اگر اتنا حصہ کم نہ کیا جاتا ہو

(۱) تہذیب الفروق ۳/۲۹۰، الدسوتی ۳/۳۵۳، ۳۶۔

(۲) الدسوتی ۳/۱۶۵، مع الجلیل ۲/۱۸۔

= ۳۲۶، شرح منتہی لا رادات ۲/۱۸۳، المغنی ۵/۶۵۸، ۶۵۹، ۳/۵۳۲،

۵۳۳، مغنی المحتاج ۲/۶۵، ۶۶۔

اس سے قبل (کو کہ لزوم کے بعد ہو) کم کر دیا جائے تو جس کے ساتھ تولیہ کیا گیا ہے اس سے بھی کم ہو جائے گا، اس لئے کہ تولیہ کی خاصیت (کو کہ وہ بیع جدید ہے) ثمن اول پر اتنا رہتا ہے، تو اگر پورا ثمن کم کر دیا جائے (ساقط کر دیا جائے) تو وہ بھی ساقط ہو جائے گا بشرطیکہ لزوم تولیہ سے قبل نہ ہو، اور اگر ایسا نہ ہو (یعنی تولیہ سے قبل یا اس کے بعد، اور اس کے لزوم سے قبل ہو) تو تولیہ باطل ہے، اس لئے کہ اس صورت میں وہ بغیر ثمن کے بیع ہے، اور اسی وجہ سے اگر وہ دونوں لزوم کے بعد اس کو کم کرنے کے بعد اتنا لہ کر لیں، تو مشتری بائع سے کچھ بھی واپس نہیں لے گا<sup>(۱)</sup>۔

اس سلسلہ میں اشراک اور مراہجہ تولیہ کی طرح ہیں، اس کی تفصیل ”مراہجہ“، ”تولیہ“ اور ”اشراک“ میں دیکھی جائے۔ عیب کے سبب رد کے بارے میں ”نہایت المحتاج“ میں ہے: اگر بائع مشتری کو بعض یا کل ثمن سے بری کر دے پھر بیع عیب کے سبب رد ہوگئی تو زیادہ قوی رائے یہ ہے کہ کل ثمن سے بری کرنے کی صورت میں کچھ واپس نہیں لے گا، اور بعض ثمن سے بری کرنے کی صورت میں بھی صرف باقی واپس لے گا۔

اگر بائع ”ثمن“ مشتری کو بہتے کر دے تو ایک قول یہ ہے کہ واپس کرنا ممنوع ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ واپس کرے گا، اور ثمن کے بدل کا مطالبہ کرے گا، اور یہی زیادہ قوی رائے ہے<sup>(۲)</sup>۔

حنا بلہ کی رائے اس سلسلہ میں شافعیہ کی طرح ہے، چنانچہ ”شرح منتہی الارادات“ میں ہے: دونوں خیاریوں (خیار مجلس و خیار شرط) کے زمانے میں ثمن یا مٹمن میں جو اضافہ ہو وہ عقد کے ساتھ

تولیہ بہت ہے اور شفیع سے کچھ کم نہیں کیا جائے گا<sup>(۱)</sup>۔

شافعیہ نے کہا: اگر ثمن یا مٹمن میں زیادتی یا کمی خیار کے پورا ہونے کے سبب لزوم عقد کے بعد ہو تو عقد کے ساتھ لاحق نہ ہوگی، اس لئے کہ بیع ثمن اول کے ساتھ طے ہو چکی ہے، اس کے بعد زیادتی یا کمی تبرع ہے، اور عقد کے ساتھ لاحق نہ ہوگی۔

اگر یہ خیار مجلس یا خیار شرط کی مدت کے دوران لزوم عقد سے قبل ہو تو جمہور شافعیہ کے نزدیک صحیح یہ ہے، اور اسی کو اکثر عراقیوں نے قطعی کہا ہے، کہ ان دونوں خیاریوں کی مدت کے دوران وہ عقد کے ساتھ لاحق ہوگی، امام شافعی کی صراحت کا ظاہر یہی ہے، اس لئے کہ خیار مجلس کی مدت کے دوران زیادتی یا کمی عقد کے ساتھ لاحق ہوتی ہے، اور خیار شرط کو خیار مجلس پر قیاس کیا گیا ہے کہ ان دونوں میں مشترک علت عدم استقرار ہے، یہ ان اقوال میں سے ایک ہے جن کو نووی نے ذکر کیا ہے۔

دوسرے قول میں ہے: کہ اس کے ساتھ لاحق نہ ہوگی، متولی نے اس کو صحیح کہا ہے۔

تیسرے قول میں ہے: خیار مجلس میں لاحق ہوگی خیار شرط میں نہیں، اس کے قائل شیخ ابو زید اور قتال ہیں۔

رہا عقد میں اس کا اثر تو شفیعہ میں شفیع کے ساتھ زیادتی لاحق ہوگی، جیسا کہ مشتری کو لازم ہوتی ہے، اور اگر ثمن میں سے کچھ کم کر دیا جائے تو اس کا بھی یہی حکم ہے<sup>(۲)</sup>۔ اس کی تفصیل ”شفیعہ“ میں دیکھی جائے۔

تولیہ، اشراک، اور مراہجہ کی بابت ”نہایت المحتاج“ میں ہے: اگر بائع کی طرف سے تولیہ کرنے والے سے کچھ ثمن تولیہ کے بعد یا

(۱) نہایت المحتاج ۱۰۶/۳، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، اسنی المطالب ۹۱/۳،

۹۳، امہدیب ۲۹۶/۱۔

(۲) نہایت المحتاج ۳۳/۳۔

(۱) مع الجلیل ۶۱۵/۳، الدرستی ۳۹۵/۳۔

(۲) المجموع ۳۶۹/۴، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، اسنی المطالب ۳۷۷/۳۔

## بیع ۵۷

ہو جائے اور عقد مکمل ہو جائے اور ان دونوں نے زیادتی یا کمی کر دی تو وہ عقد کے ساتھ لاحق نہ ہوگی، اس لئے کہ اس کے بعد زیادتی ”بیہ“ ہے<sup>(۱)</sup>۔

چہارم: غیر کے حق میں زیادتی یا کمی کے لاحق ہونے کے موانع:

۵۷- زیادتی کا ثمن کے ساتھ لاحق ہونا یا کمی کا اس کے ساتھ لاحق ہونا دو میں سے ایک امر کے سبب ممنوع ہوتا ہے۔

اول: اگر ثمن کے ساتھ زیادتی یا کمی کے لاحق ہونے کے نتیجے میں دوسرے کے اس حق میں کمی کرنا لازم آئے جو عقد سے ثابت ہے تو لاحق ہونے کا حکم متعاقدین تک محدود ہوگا، دوسرے پر یہ حکم نہ ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسرے کی ضرر رسانی کا سدباب ہو سکے۔

اس مانع کے آثار: اگر مشتری ثمن میں زیادتی کر دے اور بیع عقار ہو تو شفیع زیادتی کے بغیر ثمن اصلی میں اس کو لے گا، تا کہ حق شفیع کے ضائع کرنے کا سدباب ہو سکے۔

رہا ثمن میں کمی کرنا تو یہ لاحق ہوگا، اس لئے کہ اس میں شفیع کو ضرر پہنچانا نہیں ہے، اسی طرح بیع میں زیادتی کا حکم ہے۔

دوم: اگر انتحاق کے نتیجے میں بیع باطل ہو جائے جیسے کمی پورے ثمن کی کر دی جائے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بمنزلہ ایسے اداء کے ہے جو عقد سے منفصل ہے، اور اس طرح عقد بیع ثمن سے خالی ہو گیا، لہذا باطل ہو جائے گا۔

اس مانع کے آثار: اگر بائع عقار کے پورے ثمن کو ساقط کر دے تو شفیع اس کو پورے ثمن اصلی میں لے گا، اس لئے کہ کمی کرنے کو اگر علاحدہ بری کرنا قرار دیا جائے تو اس کے نتیجے میں بیع کا

لاحق ہوگا، لہذا امر اس کے، تولیہ اور اشراک میں اس کی اصل کی طرح اس کی خبر دی جائے گی۔

ان دونوں خیاروں کے زمانہ میں ثمن یا ثمن میں سے جو کچھ ساقط کیا جائے وہ عقد کے ساتھ لاحق ہوگا، لہذا اس کی اصل کی طرح اس کی خبر دینا واجب ہے، تا کہ خیاری کی حالت کو عقد کی حالت کے درجہ میں رکھا جاسکے۔

اگر سارا ثمن کم کر دیا جائے تو یہ بیہ ہے۔  
عقد کے لزوم کے بعد جو زیادتی یا کمی ہو وہ عقد کے ساتھ لاحق نہ ہوگی، لہذا اس کی خبر دینا واجب نہیں<sup>(۱)</sup>۔

عیب کے سبب رد کے بارے میں ”شرح منتمی الارادات“ میں ہے: بیع کو رد کر دینے والا مشتری وہ ثمن لے گا جو اس نے ادا کیا تھا، یا اس کا بدل لے گا جس سے بائع نے اس کو بری کر دیا تھا، یا اس ثمن کا بدل لے گا جو بائع نے اس کو بیہ کیا ہے، خواہ کل ہو یا بعض<sup>(۲)</sup>، اس لئے کہ مشتری کو فسخ کی وجہ سے پورا ثمن واپس لینے کا حق ہے۔

ابن قدامہ نے شفیع کے بارے میں کہا: شفیع قطعہ کا اس ثمن میں مستحق ہوگا جس پر عقد طے ہوا ہے، لہذا اگر ایک مقدار مقررہ پر بیع ہوئی پھر ان دونوں نے اس کو زمانہ خیاری میں زیادتی یا کمی کر کے تبدیل کر دیا تو یہ تبدیلی شفیع کے حق میں ثابت ہوگی، اس لئے کہ شفیع کا حق اسی صورت میں ثابت ہوتا ہے جبکہ عقد مکمل ہو جائے، اور اسی ثمن میں وہ مستحق ہوگا جو انتحاق کی حالت میں ثابت ہے، اس لئے کہ زمانہ خیاری بمنزلہ حالت عقد ہے، اور اس میں تبدیلی عقد کے ساتھ لاحق ہوتی ہے، اس لئے کہ اس کے دوران وہ دونوں اپنے اپنے خیاری پر ہوتے ہیں، جیسا کہ اگر تبدیلی حالت عقد میں ہو لیکن اگر خیاری ختم

(۱) شرح منتمی الارادات ۲/ ۱۸۳، ۱۸۳، المغنی ۳/ ۲۰۰، ۲۰۷ طبع المریاض۔

(۲) شرح منتمی الارادات ۲/ ۱۷۶۔

(۱) المغنی ۳/ ۲۰۰، ۲۰۷ طبع المریاض۔

## بیع ۵۸-۵۹

معلوم کر کے اس کو واپس کر سکے۔

اسی کے قائل شافعیہ ہیں۔

امام محمد سے دوسری روایت جو ابن سماعہ کی ہے، یہ ہے کہ یہ مشتری کے ذمہ ہے، اس لئے کہ مقررہ مقدار کے اصلی نقد و حوالہ کرنے کی ضرورت اسی کو ہے، اور اصلیت کا علم کھرے کھوٹے کی تمیز سے ہوگا، جیسا کہ مقدار کا علم وزن سے ہوتا ہے، لہذا یہ اسی کے ذمہ ہوگا۔

یہی مالکیہ کا مذہب ہے۔

حنابلہ نے کہا: نفاذ کی اجرت خرچ کرنے والے پر ہے خواہ بائع ہو یا مشتری۔

شافعیہ میں سے شربینی نے کہا: ثمن کے نفاذ کی اجرت بائع پر ہے، پھر انہوں نے کہا: قیاس یہ ہے کہ یہ بیع میں مشتری پر ہو، اس لئے کہ اس کا مقصد عیب کا اظہار کرنا ہے (اگر عیب ہو) تاکہ اس کو واپس کر سکے (۱)۔

ششم: بیع یا معین ثمن کا کلی یا جزوی طور پر سپردگی سے قبل ہلاک ہونا:

۵۹- بیع کے وجوب کے آثار میں سے یہ ہے کہ بائع پر بیع مشتری کے حوالہ کرنا لازم ہے، اور یہ حق اس سے ادا نہ ہونے کے بغیر ساقط نہ ہوگا، اور بیع کی ہلاکت کی حالت میں بائع ذمہ دار رہے گا، اور ہلاکت کی ذمہ داری اسی پر ہوگی، خواہ ہلاکت کسی فاعل کے فعل سے ہو یا آفت سماوی سے ہو۔

یہی حکم ثمن پر منطبق ہوگا اگر وہ معین ہو، یعنی ذمہ میں لازم نہ ہو، اس لئے کہ اس حالت میں وہ عقد میں بیع کی طرح مقصود ہوتا ہے۔

ثمن سے خالی ہونا پھر اس کا باطل ہونا لازم آئے گا، اور اس کی وجہ سے حق شفیعہ باطل ہو جائے گا، اسی وجہ سے بیع اس کے حق میں پورے ثمن کے بالمقابل باقی رہے گا، البتہ مشتری کے ذمہ سے ثمن کمی کرنے کے سبب ساقط ہوگا، تاکہ بذات خود ابراء صحیح ہو سکے، یہ اس صورت میں ہے جبکہ ثمن کو قبضہ کے بعد کم کیا ہو، لیکن اگر اس کو قبضہ سے قبل کم کیا تو شفیعہ ”قیمت“ کے عوض میں اس کو لے گا (۱)۔

پہنجم: بیع یا ثمن کو سپرد کرنے کے اخراجات:

۵۸- فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ بیع کو کیل کرنے والے، وزن کرنے والے یا پیمائش کرنے والے یا شمار کرنے والے کی اجرت بائع کے ذمہ ہے، اسی طرح اگر بیع غائب ہو تو اس کو کل عقد میں حاضر کرنے کا خرچ اس کے ذمہ ہے، اس لئے کہ اس کی حوالگی اس کے بغیر ممکن نہیں۔

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ثمن کے کیل کرنے یا وزن کرنے یا شمار کرنے کی اجرت، اسی طرح ثمن غائب کو حاضر کرنے کا خرچ مشتری کے ذمہ ہے، البتہ مالکیہ کے نزدیک اتالیق، تولیہ اور شرکت اس سے مستثنیٰ ہیں۔

لیکن ثمن کے نفاذ (نقد میں کھرے کھوٹے کی تمیز کرنے والے) اجرت کے بارے میں فقہاء کے یہاں اختلاف ہے۔

چنانچہ حنفیہ کے یہاں امام محمد سے دو روایتیں ہیں: رستم کی روایت میں ہے: یہ بائع پر ہے، اس لئے کہ کھرے کھوٹے کی تمیز سپرد کرنے کے بعد ہوگا، نیز اس لئے کہ اس کی ضرورت بائع ہی کو ہے تاکہ وہ امتیاز کر سکے کہ اس کا حق کس سے متعلق ہے، یا تاکہ عیب دار کو

(۱) الہدایہ ۳/۲۷، المشرح المغیر ۲/۷۰، طبع العلمی، جوہر لا کلید ۲/۵۰، مغنی المحتاج ۲/۷۳، شرح تفسیری لا رادات ۲/۱۹۱، المغنی ۳/۱۲۶۔

(۱) شرح الجملہ ۲/۱۹۰ (دفعہ ۲۵۳ اور اس کے بعد کے صفحات)، ابن ماجہ ۳/۱۶۷، المغنی ۵/۳۱۵، شرح المروض ۲/۳۶۶۔

حنابلہ نے بائع کے فعل سے بلاکت کو اجنبی کے فعل سے بلاکت کی طرح مانا ہے، اس کی تفصیل آئے گی۔

اگر بیع مشتری کے فعل سے بلاک ہو جائے تو بیع برقرار رہے گی، اور مشتری ثمن کا پابند ہوگا، اور مشتری کی طرف سے بیع کو تلف کرنا اس کا قبضہ مانا جائے گا، یہ سب بالاتفاق ہے (۱)۔

اگر بلاکت اجنبی کے فعل سے ہو (حنابلہ کے نزدیک یہی حکم بائع کے فعل سے بلاکت کا ہے) تو مشتری کو اختیار ہے کہ بیع کو فسخ کر دے کیونکہ سپردگی محال ہے، اور اس صورت میں اس سے ثمن ساقط ہو جائے گا (اور بائع بیع کو تلف کرنے والے سے رجوع کرے گا)، یا وہ بیع قائم رکھے اور اس اجنبی سے واپس لے، بائع کے لئے ثمن کی ادائیگی اسی پر ہوگی، اور وہ اجنبی سے مثل کا رجوع کرے گا اگر بلاک شدہ بیع مثلی ہو، اور قیمت واپس لے گا اگر ذوات القیم میں سے ہو، یہ حنفیہ و حنابلہ کا مذہب اور شافعیہ کے یہاں اظہر قول ہے۔ اور اظہر کے بالمقابل یہ ہے کہ بیع فسخ ہوگی جیسا کہ آفت کی وجہ سے تلف ہونے کی صورت میں ہے، اور اگر بعض بیع بلاک ہو تو تلف کرنے والے کے اعتبار سے حکم الگ الگ ہوگا۔

اگر بعض بیع سماوی آفت کے سبب بلاک ہو جائے، اور بلاکت کے نتیجے میں مقدار میں کمی پیدا ہو جائے تو تلف شدہ مقدار کے لحاظ سے ثمن کا حصہ ساقط ہو جائے گا اور مشتری کو اختیار دیا جائے گا کہ باقی کو اس کے حصہ کے ثمن سے لے یا بیع کو فسخ کر دے کہ تفرق صفقہ (معاملہ جدا جدا) ہو گیا ہے (دیکھئے: ”خيار تفرق صفقہ“)، یہ حنابلہ و حنفیہ کے نزدیک ہے۔

پھر حنفیہ نے کہا: اگر جزوی بلاکت کے نتیجے میں مقدار میں نقص

(۱) جوہر الاکلیل ۲/۵۳، معنی المحتاج ۲/۶۵، ۶۶، شرح منہجی لا رادات ۲/۱۸۸۔

رہا وہ ثمن جو ذمہ میں ہو تو بائع کے لئے اس کا بدل لینا ممکن ہے (۱)۔

بلاکت یا تو کلی طور پر ہوگی یا جزوی طور پر:

اگر بیع سپرد کرنے سے قبل آفت سماوی کے سبب مکمل بلاک ہو جائے تو وہ بائع کے ضمان میں بلاک ہوگی، اس کی دلیل یہ حدیث ہے: ”نہی عن ربح ما لم یضمن“ (۲) (آپ ﷺ نے اس چیز کے نفع سے منع کیا ہے جو اپنے ضمان میں نہیں)، اور اس کے نتیجے میں بیع فسخ ہو جائے گی اور ثمن ساقط ہو جائے گا، اس لئے کہ عقد کی تنفیذ محال ہے (۳)، یہ حنفیہ کے نزدیک ہے، حنفیہ کے نزدیک یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب بیع بائع کے فعل سے بلاک ہو۔ شافعیہ کے یہاں دو قول ہیں: مذہب یہ ہے کہ بیع فسخ ہو جائے گی جیسا کہ آفت سماوی سے ہو، دوسرا قول یہ ہے کہ مشتری کو اختیار ہے کہ فسخ کر کے ثمن واپس لے لے، یا بیع کو جاری رکھتے ہوئے بیع کی قیمت لے لے۔

یہاں پر بیع کے فسخ ہونے کا فائدہ یہ ہے کہ مشتری سے ثمن ساقط ہو جائے گا اگر وہ اس کو ادا نہ کر چکا ہو، اور اس کو حق ہے کہ ثمن کو واپس لے اگر ادا کر چکا ہو، اور اگر بیع فسخ نہ ہو تو مشتری پر ثمن لازم ہوگا، اور بائع بیع کی قیمت کا پابند ہوگا خواہ کتنی ہی ہو۔

(۱) شرح منہجی لا رادات ۲/۱۸۹، ۲۰۵، جوہر الاکلیل ۲/۳۰۶، معنی المحتاج ۲/۱۰۰۔

(۲) حدیث: ”نہی عن ربح ما لم یضمن“ کی روایت ابو داؤد، نسائی، ترمذی اور احمد نے اپنی مسند میں کی ہے۔ ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے شیخ احمد نے اس کو صحیح قرار دیا ہے (سنن ترمذی ۳/۵۳، طبع المصلی، جامع و اصول ۱/۵۷، مسند احمد ۱۰/۱۶۰، طبع دار المعارف)۔

(۳) شرح المجملہ: دفعہ (۲۹۳)، شرح منہجی لا رادات ۲/۱۸۹، معنی المحتاج ۲/۶۵، اقلیوی ۲/۲۱۰، ۲۱۱۔



## بیع ۶۰

الف۔ بیع میں اس کے مشتری کے لئے ادائیگی کا حق ہو یعنی مثلی ٹیل یا موزون یا معدود ہوتا آنکہ مشتری کے برتن میں اس کو انڈیل دیا جائے، اور انڈیلنے کے وقت بائع کے ہاتھ سے بیع ہلاک ہو جائے تو وہ بائع کے ضمان میں سے ہے۔

ب۔ وہ سامان جو بائع کے پاس ثمن پر قبضہ کرنے کے لئے روکا گیا ہو۔

ج۔ بیع غائب جس کی صفت پہلے بیان کی گئی ہو یا اس کو پہلے دیکھا تھا، تو یہ سب مشتری کے ضمان میں قبضہ کے بغیر داخل نہ ہوں گی۔

د۔ بیع فاسد بیع کے ساتھ۔

ه۔ بدو صلاح کے بعد فر وخت شدہ پھل مشتری کے ضمان میں آفت سے مامون ہونے کے بعد ہی داخل ہوں گے۔

و۔ غلام تا آنکہ بیع کے بعد تینوں ایام کی ذمہ داری ختم ہو جائے (۱)۔

البتہ مالکیہ نے جزوی ہلاکت میں تفصیل کی ہے کہ اگر باقی ماندہ نصف سے کم ہو یا بیع متحد ہو تو اس صورت میں مشتری کو اختیار ہوگا، لیکن اگر باقی ماندہ نصف یا اس سے زائد ہو، اور بیع متعدد ہو تو باقی ماندہ حصہ مشتری پر اس کے حصہ ثمن سے لازم ہوگا (۲)۔

بیع پر مرتب ہونے والے آثار:

اول: ملکیت کی منتقلی:

۶۰۔ مشتری بیع کا مالک، اور بائع ثمن کا مالک ہوگا، بیع میں مشتری

پیدا نہ ہو بلکہ وصف میں نقص پیدا ہو (یعنی اس چیز میں جو بیع میں بلا تذکرہ مبعداً داخل ہوتی ہے) تو ثمن میں سے کچھ ساقط نہ ہوگا، ہاں مشتری کو اختیار ہوگا کہ بیع کو فسخ کر دے یا جاری رکھے، اس لئے کہ اوصاف کے مقابل میں ثمن کا کوئی حصہ نہیں ہوتا الا یہ کہ تعدی (زیادتی) ہو یا ثمن میں تفصیل کی گئی ہو اور وصف یا تابع کے لئے کوئی جز خاص کر دیا گیا ہو (۱)۔

اگر بعض بیع بائع کے فعل سے ہلاک ہو جائے تو علی الاطلاق اس کے بالمقابل ثمن ساقط ہوگا، ساتھ ہی ساتھ مشتری کو لینے اور فسخ کرنے کا اختیار ہوگا، کیونکہ معاملہ جدا جدا ہو گیا ہے۔

اگر بعض بیع فعل اجنبی کی وجہ سے ہلاک ہو جائے تو مشتری کو اختیار ہوگا کہ فسخ کر دے یا برقرار رکھے، اور اجنبی سے تلف شدہ جز کا ضمان لے (۲)۔

اگر ہلاکت خود مشتری کے فعل سے ہو تو وہ اس کے ضمان میں ہوگا اور اس کو قبضہ مانا جائے گا (۳)۔

البتہ مالکیہ نے بائع کے فعل یا اجنبی کے فعل سے بیع کی ہلاکت کو یہ مانا ہے کہ وہ بائع یا اجنبی پر تلف شدہ کا عوض واجب کرتی ہے، اور مشتری کو کوئی اختیار نہ ہوگا خواہ ہلاکت کلی ہو یا جزوی۔

رہا آفت ساوی کے سبب بیع کا ہلاک ہونا یا عیب دار ہونا تو وہ مشتری کے ضمان میں سے ہے، جبکہ بیع صحیح لازم ہو، اس لئے کہ عقد کی وجہ سے ضمان منتقل ہو جاتا ہے، اگرچہ مشتری نے بیع پر قبضہ نہ کیا ہو (۴)، مالکیہ نے اس سے چھ صورتوں کو مستثنیٰ کیا ہے جو یہ ہیں:

(۱) شرح الجملہ: دفعہ (۲۳۲)، حاشیہ ابن عابدین ۳۶۳، مغنی المحتاج ۲/ ۶۷، شرح منہجی الارادات ۲/ ۱۸۸۔

(۲) شرح الجملہ: دفعہ (۲۹۳)، حاشیہ ابن عابدین ۳۶۳۔

(۳) سابقہ مراجع، جوہر الإطیل ۲/ ۵۳۔

(۴) شرح الجملہ ۲/ ۷۰، طبع المجلس، الفواکر الدوائی ۲/ ۱۳۰۔

(۱) المشرح الصغیر ۲/ ۷۱، الفواکر الدوائی ۲/ ۱۳۰۔

(۲) المشرح الصغیر مع حاشیہ الصاوی ۲/ ۷۲، حاشیہ الصاوی، صاوی نے تجریر کے ثابت کرنے میں اختلاف کیا ہے۔

مکمل ہو جائے۔

بیع یا ثمن کی ملکیت کے منتقل ہونے سے یہ بات مانع نہیں ہوگی کہ وہ دونوں ذمہ میں ثابت دین ہیں بشرطیکہ وہ دونوں اعیان نہ ہوں، اس لئے کہ دیون کی ملکیت ”ذمہ“ میں ہوتی ہے کوکہ متعین نہ ہوں، اس لئے کہ تعین اصل ملکیت سے زائد امر ہے، چنانچہ اس کا حصول بسا اوقات ملکیت کے ساتھ ہوتا ہے اور بسا اوقات وہ اس سے مؤخر ہوتی ہے تا آنکہ سپردگی مکمل ہو جائے<sup>(۱)</sup>، جیسے کہ اگر چاول کی معین کیت میں سے معلوم مقدار خریدے تو اس کیت میں سے وہ حصہ سپرد کرنے کے بعد ہی متعین ہوگا، اسی طرح ثمن جبکہ ذمہ میں دین ہو۔

دوم: نقد ثمن کی ادائیگی:

۶۱- اصل ثمن میں نقد ادائیگی ہے، یہ فقہاء کے مابین فی الجملہ متفقہ ہے۔ ابن عبدالبر نے کہا: ثمن ہمیشہ نقد ہوتا ہے، الا یہ کہ فریقین اس کے لئے مقررہ وقت کا ذکر کر دیں تو اس وقت تک مؤخر ہوگا<sup>(۲)</sup>۔ اتا سی نے ”شرح الجملہ“ میں ”اسراج“ کے حوالہ سے اس کی وجہ میں ان کا یہ قول نقل کیا ہے: اس لئے کہ فوری ادائیگی عقد کا مقتضا اور موجب ہے۔

”مجلة الاحکام العدلیہ“ میں ہے: بیع مطلق ”مبجل“ منعقد ہوتی ہے، پھر مجلہ نے اس صورت کو اس سے مستثنیٰ کیا ہے کہ کسی جگہ کا عرف یہ ہو کہ وہاں بیع مطلق سے ادھار یا قسط وار بیع مراد ہوتی ہو<sup>(۳)</sup>، جیسا کہ مالکیہ نے صراحت کی ہے کہ بیع خیاری میں نقد ادا کرنا جائز نہیں ہے، نہ زمانہ خیاری کے اندر اور نہ غلام کی بیع کی صورت میں

کی ملکیت محض بیع صحیح کر لینے سے ہو جاتی ہے، آپسی قبضہ ہونے پر موقوف نہیں، اگرچہ قبضہ کا ضمان میں اثر ہے۔

البتہ بیع فاسد کے عقد میں حنفیہ کے نزدیک مشتری قبضہ کے بغیر بیع کا مالک نہیں ہوتا ہے<sup>(۱)</sup>، اس کی تفصیل اصطلاح ”بیع فاسد“ میں ہے۔

بدلین میں ملکیت کے منتقل ہونے پر حسب ذیل امور مرتب ہوتے ہیں:

الف۔ یہ کہ بیع میں جو اضافہ اس کی فراز اس کے نتیجے میں ہو اس میں مشتری کی ملکیت ثابت ہوتی ہے، کوکہ مشتری نے بیع پر قبضہ نہ کیا ہو، بیع کی ملکیت مشتری کی طرف منتقل ہونے سے ثمن کا مؤجل ہونا مانع نہیں ہوتا۔

ب۔ بیع میں مشتری کے تصرفات اور ثمن میں بائع کے تصرفات مانند ہوں گے، جیسے کہ بائع ثمن کے بارے میں کسی شخص کو مشتری پر محمول کر دے، یہ قبضہ کے بعد ہے، رہا مشتری کا قبضہ سے قبل تصرف تو وہ فاسد یا باطل ہے<sup>(۲)</sup>، اس میں اختلاف و تفصیل ہے جس کو اصطلاح ”بیع مالم یقبض“ کے تحت دیکھا جائے۔

ج۔ اگر بائع نے ثمن پر قبضہ کر لیا اور مشتری نے بیع پر قبضہ نہ کیا ہو یہاں تک کہ بائع دیوالیہ ہو کر مر گیا تو بیع کے بارے میں مشتری کو دوسرے فرض خواہوں پر تقدم و فوقیت کا حق ہوگا، اور اس صورت میں بیع بائع کے قبضہ میں لمانت ہوگی، اور ترک میں داخل نہ ہوگی<sup>(۳)</sup>۔

د۔ یہ شرط لگانا جائز نہیں کہ بائع بیع کی ملکیت اپنے پاس محفوظ رکھے گا تا آنکہ ثمن مؤجل کی ادائیگی ہو جائے یا کسی اور معین اجل کی

(۱) شرح الجملہ: دفعہ (۲۰۱)۔

(۲) الکافی لابن عبدالبر ۲/۲۶۶، لہجہ شرح الجملہ ۲/۸۸۔

(۳) شرح الجملہ لواتا سی ۲/۲۵۰ (۲۵۰)۔

(۱) شرح الجملہ: دفعہ (۳۶۹)۔

(۲) شرح الجملہ: دفعہ (۳۷۱)۔

(۳) شرح الجملہ: دفعہ (۲۹۷)۔

## بیع ۶۲-۶۳

پہلی حالت: دونوں عوض معین ہوں (مقایضہ) یا دونوں  
شمن ہوں (صرف):

۶۳- حنفیہ کا مذہب ہے کہ فریقین ایک ساتھ سپرد کریں گے اگر عین  
اور دین میں دونوں کے دین کے ساتھ برابری ہو۔

مالکیہ کا مذہب ہے کہ ان دونوں کو چھوڑ دیا جائے گا تا کہ باہم  
اتفاق کر لیں، اگر یہ حاکم کی موجودگی میں ہو تو وہ کسی ایسے شخص کو وکیل  
بنادے جو ان دونوں کے مابین اس کام کو انجام دلا دے۔

شافعیہ کے یہاں ”ظہر“ یہ ہے کہ ان دونوں کو سپرد کرنے پر  
مجبور کیا جائے گا، اس لئے کہ دونوں پہلو برابر ہیں، اس لئے کہ متعین  
شمن عین کے ساتھ حق کے متعلق ہونے میں بیع کی طرح ہے۔

حنابلہ کے نزدیک حاکم ان دونوں کے درمیان ایک معتبر آدمی کو  
مقرر کر دے گا، جو ان دونوں سے اپنے قبضہ میں لے گا، پھر ان دونوں  
کے سپرد کر دے گا، تا کہ جنگز ا ختم ہو جائے، اس لئے کہ دونوں کا حق شمن  
اور عوض شمن کے عین کے ساتھ تعلق میں برابر ہے، اور وہ معتبر شخص پہلے  
بیع حوالہ کرے گا، اس لئے کہ عرف میں ایسا ہی ہے۔

دوسری حالت: ایک عوض متعین اور دوسرا ذمہ میں دین ہو:  
۶۴- حنفیہ اور مالکیہ کا مذہب، اور شافعیہ کے یہاں ایک قول یہ ہے  
کہ پہلے مشتری سے سپرد کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا۔ صاوی نے کہا:  
اس لئے کہ بیع اپنے بائع کے ہاتھ میں شمن پر رہن کی طرح ہے، اس کی  
توجیہ یہ ہے کہ مشتری کا حق بیع میں متعین ہو چکا ہے، لہذا وہ شمن حوالہ  
کرے گا، تا کہ قبضہ کے ذریعہ بائع کا حق متعین ہو جائے، اور اس  
طرح دونوں میں مساوات برقرار رہے۔

شافعیہ کے یہاں مذہب اور حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ بائع کو  
پہلے سپرد کرنے پر مجبور کیا جائے گا، اس لئے کہ بیع پر قبضہ تکمیل بیع کا

تین دنوں کے ذمہ کے زمانہ میں، اور فوری ادائیگی کی شرط لگانے سے  
بیع فاسد ہو جاتی ہے، غائب کی بیع میں شمن کا لازمی طور پر نقد ادا کرنے  
کی شرط لگانا جائز نہیں ہے، البتہ تطوعاً ایسا کرنا جائز ہے (۱)۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوئی کہ شمن یا تو مہل ہوگا یا  
مؤجل، اور شمن مؤجل یا تو سارے شمن کے لئے معین وقت تک کے  
لئے ہوگا یا متعینہ مختلف اوقات پر قسط وار ہوگا (۲)۔

ایک اور جہت سے شمن یا تو متعین عین ہوگا، یا ایسا دین ہوگا جو  
ذمہ میں لازم ہو۔

شمن: اگر دین ہو تو اس کی ادائیگی کا حکم اس کے مہل یا مؤجل یا  
قسط وار ہونے کے لحاظ سے الگ الگ ہوگا، اگر مؤجل یا قسط وار ہو تو  
متعین ہوگا کہ وقت فریقین کو معلوم ہو۔ اس میں تفصیل ہے جس  
کو اصطلاح ”اجل“ میں دیکھا جائے۔

اگر خریدار نے شمن کا کچھ حصہ ادا کر دیا تو بھی بیع کے وصول  
کرنے کا اس کو حق نہ ہوگا، اور نہ بیع کے اس حصہ کو جو شمن کے ادا شدہ  
جز کے برابر ہو، خواہ بیع ایک چیز ہو یا چند چیزیں، اور خواہ ان چیزوں  
کی قیمت علاحدہ علاحدہ بتائی ہو یا ان تمام کی قیمت مجموعی رکھی ہو،  
بشرطیکہ بیع ایک ہی عقد میں مکمل ہوئی ہو (۳)۔

یہ اس صورت میں ہے جبکہ اس کے خلاف کوئی شرط نہ لگائی  
گئی ہو۔

عوضین میں سے کسی ایک کی ادائیگی کا آغاز:

۶۲- عوضین کی نوعیت کے لحاظ سے پہلے کون سپرد کرے: بائع یا  
مشتری، اس سلسلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے، اور اس کے چند حالات ہیں:

(۱) جوہر لا طیل ۱۰/۲۔

(۲) شرح لمجلہ: دفعہ (۲۳۵)۔

(۳) شرح لمجلہ: دفعہ (۲۷۸)۔

## بیع ۶۵

کی دوری پر غائب ہو، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مشتری پر بیع اور اس کے دیگر تمام اموال میں پابندی لگائی جائے گی تا آنکہ ثمن حوالہ کر دے، اس لئے کہ اندیشہ ہے کہ وہ اپنے مال میں کوئی ایسا تصرف کر دے جس سے بائع کو نقصان پہنچے، لیکن اگر مال قصر یا اس سے زیادہ کی مسافت پر غائب ہو تو بائع کو اس کے حاضر کرنے تک صبر کرنے کا مکلف نہیں بنایا جائے گا، بلکہ بیع اور مشتری کے مال پر پابندی عائد کر دی جائے گی جیسا کہ گزرا، اور بائع فسخ کا مالک ہوگا، شافعیہ کے یہاں اصح قول اور حنا بلہ کی ایک رائے یہی ہے۔ مزید برآں یہ کہ بائع کو بیع کو محبوس رکھنے کا حق ہوگا تا آنکہ وہ اس کے ثمن پر قبضہ کر لے، اور حنا بلہ کے یہاں ایک رائے یہ ہے کہ قصر سے کم مسافت کی صورت میں بائع کو فسخ کا اختیار نہیں ہوگا، اس لئے کہ یہ مال موجود کے درجہ میں ہے۔ شافعیہ کے یہاں دوسرا قول یہ ہے کہ بائع کو فسخ کا حق نہیں ہوگا، بلکہ بیع کفر و خست کر دیا جائے گا اور ثمن میں سے اس کا حق دیگر دیون کی طرح ادا کیا جائے گا<sup>(۱)</sup>۔

ادائیگی نہ کر سکنے کی وجہ سے دو طرفہ واپسی کی شرط لگانا:  
۶۵- حنفیہ کی جو تفصیل پیچھے گزری کہ اگر اس میں مقررہ وقت پر عدم ادائیگی کی صورت میں فسخ کی شرط لگا دی ہو تو حق فسخ ثابت ہوگا جسے ”خیار نقد“ کہتے ہیں، اسی سے قریب مالکیہ نے صراحت کی ہے کہ اگر بائع نے مشتری سے کہا ہو: میں نے تمہارے ہاتھ فلاں وقت تک کے لئے فخر و خست کیا، یا اس شرط پر فخر و خست کیا کہ تم فلاں وقت ثمن میرے پاس لاؤ گے، اگر اس وقت پر تم نہ لاسکے، تو ہمارے درمیان بیع نہیں رہے گی تو ”المدونہ“ میں ہے کہ بیع صحیح ہوگی اور شرط باطل ہوگی۔ امام مالک سے دو اور اقوال مروی ہیں: ایک یہ کہ بیع اور شرط

(۱) ساتھ مراجع۔

حصہ ہے، اور ثمن کا استحقاق بیع کی تکمیل پر مرتب ہوتا ہے، نیز عرف بھی یہی ہے<sup>(۱)</sup>۔

جہاں تک نقد ثمن کی ادائیگی اور اسی طرح احوال ثمن جس کا وقت پورا ہو چکا ہو، کی ادائیگی میں مشتری کے کوتاہی کرنے کے نتیجے کا تعلق ہے تو باتفاق فقہاء اگر مشتری مال دار ہو تو اس کو نقد ثمن کی ادائیگی پر مجبور کیا جائے گا، اسی طرح فی الجملہ جمہور کی رائے یہ ہے کہ بائع کو فسخ کا حق ہوگا، اگر مشتری مفلس ہو یا ثمن شہر سے مسافت قصر کے برابر دوری پر ہو۔

حنفیہ کی رائے ہے کہ بائع کو فسخ کا حق نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس کے لئے اپنے حق کے حصول کے لئے تقاضا کرنا ممکن ہے، اور وہ اس حالت میں دائن (قرض دینے والا) ہوگا جیسے کہ دوسرے دائن ہیں۔ یہ حنفیہ کے نزدیک اس صورت میں ہے جبکہ اس نے اپنے لئے خیار نقد کی شرط نہ لگائی ہو، مثلاً یہ کہے: اگر تم نے فلاں وقت ثمن ادا نہ کیا تو ہمارے درمیان بیع نہیں رہے گی۔ اور اس شرط کے تقاضے کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ بیع خود بخود فسخ قرار پائے گی، یا اس کے فاسد ہونے کی وجہ سے وہ فسخ کی مستحق ہوگی؟ حنفیہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ یہ فاسد ہوگی، خود بخود فسخ نہیں قرار پائے گی<sup>(۲)</sup>، اس کی تفصیل: ”خیار نقد“ میں ہے۔

شافعیہ اور حنا بلہ کے نزدیک تفصیل اس صورت میں ہے جبکہ نقد ثمن کی ادائیگی میں مشتری کی کوتاہی ان فلاں کی وجہ سے نہ ہو بلکہ اس وجہ سے ہو کہ اس کا مال شہر میں قریب کی دوری پر یا مسافت قصر سے کم

(۱) الصاوی علی الدرر ۲/۴۱، ۲/۴۲، شرح المجلد للآسی ۲/۱۹۱، حاشیہ ابن عابدین ۳/۳۹، الدرر شرح الفرر ۲/۱۵۲، فتح القدیر ۵/۳۹۶، معنی المحتاج ۲/۴۳، المعنی ۲/۲۲۰۔

(۲) المعنی ۳/۲۱۹، معنی المحتاج ۲/۴۵، اشرح الصغیر للدرر ۲/۴۱، شرح المجلد ۲/۱۹۱، حاشیہ ابن عابدین ۳/۲۳۔

کے بارے میں اپنے حق یعنی فسخ یا تاوان کے مطالبہ کا استعمال کر لے  
یا تا آنکہ دوسرے کے حق کا معاملہ واضح ہو جائے۔

اور جائز ہے کہ فوری واجب الادا دین یا قریبی مدت تک ادھار  
دین کو لمبی مدت تک کے لئے مؤخر کیا جائے، اور ثمن کے مساوی یا اس  
سے کم ثمن کی جنس سے لیا جائے، اس لئے کہ یہ قرض دینا ہے یا بعض کو  
ساقط کرنے کے ساتھ قرض دینا ہے جو معروف ہے، لیکن سلم کے  
رأس المال کو مؤخر کرنا جائز نہیں ہے (۱)۔

مالکیہ نے تین دن کی حد میں رأس المال کی تاخیر جائز قرار  
دی ہے، گوکہ شرط کے ساتھ ہو (۲)۔

سوم: بیع کو سپرد کرنا:

۶۶- ابن رشد الحفید نے کہا: فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ اعیان کی  
بیع کسی مدت تک کے لئے ناجائز ہے، اور اس کی شرط ہے کہ عقد بیع  
کے بعد ہی بیع مشتری کے سپرد کر دی جائے (۳)۔

تسولی نے ”البہجة شرح التحفة“ میں کہا: بیع معین کو  
سپرد کرنا واجب ہے، اس لئے کہ سپردگی کا وجوب اللہ تعالیٰ کا حق ہے،  
اور تاخیر کے سبب عقد فاسد ہو جاتا ہے (۴)۔

ناپ، تول اور شمار کرنے کی اجرت بائع پر ہوگی، اس لئے کہ  
اس کے بغیر تکمیل نہیں ہوتی، ابن قدامہ نے کہا: اس لئے کہ بائع  
پر واجب ہے کہ مشتری کو بیع پر قبضہ دلائے اور قبضہ اس کے بغیر حاصل  
نہیں ہوتا۔

دونوں صحیح ہوں گی اور دوسرا قول یہ کہ بیع فسخ ہو جائے گی (۱)۔

اس کی تفصیل ”خیار نقد“ میں ہے۔

اور اگر ثمن ادھار ہو تو بائع پر بیع کا سپرد کرنا لازم ہے، اور  
مشتری سے وقت کے آنے سے پہلے ثمن کی ادائیگی کا مطالبہ نہیں کیا  
جائے گا (۲)۔

اور یہی حکم اس وقت ہے جب ثمن قسط وار ہو، اور شافیہ نے  
صراحت کی ہے کہ ادھار ثمن میں بائع کو حق نہیں ہے کہ وہ ادھار کی  
وجہ سے بیع کو روکے رکھے، اگرچہ حوالہ کرنے سے قبل ثمن نقد  
ہو جائے، اس لئے کہ وہ ثمن کی تاخیر پر راضی ہو چکا ہے (۳)۔

اگر ثمن کا کچھ حصہ نقد ہو اور کچھ ادھار تو بعض نقد والے ثمن کا حکم  
وہی ہوگا جو پورے ثمن کے نقد ہونے کا حکم ہے، لہذا مشتری جب تک  
ثمن کے نقد والے حصہ کو ادا نہ کر دے وہ بائع سے بیع کی سپردگی کا  
مطالبہ نہیں کر سکتا۔

تمام حالات میں ضروری ہے کہ مدت معلوم ہو، اگر ایسا ہے تو  
بیع جائز ہوگی، چاہے مدت کتنی ہی لمبی ہو خواہ بیس سال ہو، اس کی  
تفصیل ”اجل“ میں ہے۔

مالکیہ نے صراحت کی ہے کہ ”تقاضی“ کی شرط کے ساتھ اہل  
سوق (بازار) کی بیع میں کوئی حرج نہیں، جبکہ اس کی مقدار آپس میں  
معروف ہو، اور تقاضی یہ ہے کہ فریقین کے درمیان متعارف مدت  
تک دین کے مطالبہ کو مؤخر کیا جائے۔

مشتری کو حق ہے کہ اگر بیع عیب دار ہو یا ظاہر ہو جائے کہ کوئی  
دوسرا اس کا حق دار ہے تو ثمن کی ادائیگی سے گریز کرے تا آنکہ عیب

(۱) البہجة شرح التہجد ۱۰/۲، الفواکیر الدواہی ۲/۱۲۰۔

(۲) جوہر الاکلیل ۲/۲۳، ۵۷، ۶۶، البہجة شرح التہجد ۲/۳۳۔

(۳) بدیۃ المجتہد ۲/۱۵۰۔

(۴) البہجة شرح التہجد ۲/۱۲، مغنی المحتاج ۲/۷۳۔

(۱) البہجة شرح التہجد ۲/۸۲، البدایۃ ۳/۱۵۵، فتح العالی لما لک ۱/۳۵۳۔

(۲) البہجة شرح التہجد: دفعہ (۲۸۳)۔

(۳) مغنی المحتاج ۲/۷۵۔

کمرہ میں جمع کر دیئے جائیں تو اس کمرہ کے علاوہ پر قبضہ درست ہے، اور اس کمرہ پر قبضہ اس کے خالی کرنے پر موقوف ہوگا (۱)۔

لیکن اگر بائع مشتری کو گھر اور سامان پر قبضہ کرنے کی اجازت دے دے تو سپردگی صحیح ہے، اس لئے کہ سامان مشتری کے پاس ودیعت ہو گیا (۲)۔

مالکیہ کی ایک عبارت ہے: عقار اگر زمین ہو تو اس پر قبضہ اس کو چھوڑ دینے سے ہوگا، اور اگر رہائشی گھر ہو تو اس پر قبضہ اس کو خالی کرنے سے ہوگا (۳)۔

اگر فریقین فروخت کئے گئے عقار کے پاس موجود نہ ہوں تو شافعیہ کے یہاں ”صحیح“ یہ ہے (اور اسی کے مثل بعض حنفیہ سے اس عقار کے بارے میں منقول ہے جو فریقین سے دور ہو) کہ اتنے زمانے کے گزرنے کا اعتبار کیا جائے جس میں عقار تک جانا ممکن ہو، اس لئے کہ اگر مشقت کے سبب عقار کے پاس فریقین کی موجودگی کا اعتبار نہ کیا جائے تو زمانے کے گزرنے کے اعتبار کرنے میں کوئی مشقت نہیں (۴)، اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی حکمت و وضمان کے مدخل سے امتراز اور بچنا ہے۔

رہا منقول تو مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے کہ ناپی، تولی اور شمار کی جانے والی چیزوں پر قبضہ پورے طور پر ناپ یا تول یا شمار کر لینے کے ذریعہ ہوتا ہے۔ شافعیہ نے کہا: اسی کے ساتھ منتقل کرنا بھی ضروری ہے، یہاں صورت میں ہے جبکہ اکل سے بیع نہ ہو، کہ اس پر قبضہ منتقل کر دینے سے ہو جاتا ہے، اس میں اختلاف اور تفصیل

رعی ثمن کے شمار کرنے، اس کے ماپنے اور اس کے وزن کرنے کی اجرت تو یہ مشتری پر ہوگی، اور منتقل کی جانے والی بیع کی حوالگی میں منتقل کرنے کی اجرت مشتری پر ہوگی (۱)۔

بیع کو سپرد کرنا وہ اہم نتیجہ ہے جس کا عقد بیع میں بائع پابند ہوتا ہے، اور یہ نتیجہ نقد ثمن کے سپرد کرنے کے وقت ثابت ہوتا ہے، (اور ادھر ثمن میں بیع کا سپرد کرنا ثمن کی ادائیگی پر موقوف نہیں ہے) اور بیع کی سپردگی اس وقت پائی جائے گی جبکہ اس کو ہر طرح کی مشغولیت سے خالی مشتری کے حوالہ کر دے، یعنی وہ ”عین“ مکمل انتفاع کے لائق ہو، لہذا اگر بیع مشغول ہو تو سپردگی صحیح نہیں ہوگی اور بائع کو بیع کے خالی کرنے پر مجبور کیا جائے گا (۲)۔

بیع کی مشغولیت کی چند صورتیں: بیع عقد اجارہ کا محل ہو جس کو بائع مکمل کر چکا ہے، اگر مشتری مدت اجارہ کے ختم ہونے تک انتظار کرنے سے راضی ہو تو اس کو سپردگی کے مطالبہ کرنے کا اختیار نہیں، البتہ اس کو اختیار ہے کہ ثمن روک لے تا آنکہ اجارہ ختم ہو جائے، اور بیع سپرد کرنے کے قابل ہو جائے (۳)۔

جس طرح بیع کو سپرد کرنا واجب ہے اسی طرح بیع کے توابع کو بھی سپرد کرنا واجب ہے (۴)۔

مثلی (یعنی مکمل یا موزون یا معدود) اور غیر مثلی یعنی عقار یا جانور وغیرہ کے درمیان قبضہ کے حکم میں اختلاف ہے۔

چنانچہ عقار (زمین یا جائیداد) پر قبضہ کے لئے تخلیک کرنا کافی ہے بشرطیکہ وہ بائع کے سامانوں سے خالی ہو، لہذا اگر بائع کے سامان ایک

(۱) اشرح الصغیر ۱/۲ طبع الجملی، معنی المحتاج ۲/۳، ۵۳، المعنی ۱۳۶/۲ طبع الریاض۔

(۲) الجملہ: دفعات (۲۶۲، ۲۶۹، ۲۷۶)، حاشیہ ابن طاہرین ۳/۵۶۳۔

(۳) جامع المقبولین: فصل ۳۲۔

(۴) الجملہ: دفعہ (۳۸)۔

(۱) حاشیہ ابن طاہرین ۳/۵۸، ۵۱۳، اہلبی ۲/۲۱۶۔

(۲) الفتاویٰ الہندیہ ۳/۱۷۔

(۳) اشرح الصغیر ۱/۲ طبع الجملی۔

(۴) معنی المحتاج ۲/۳، حاشیہ ابن طاہرین ۳/۵۶۳۔

## بیع کی انتہاء:

۶۷- پچھلی تفصیلات یعنی کلی طور پر ہلاک ہونے کے بعض حالات کے سبب بیع کے فسخ ہونے کے علاوہ بیع اپنے اثرات یعنی سپردگی اور قبضہ کے مکمل ہونے سے ختم ہو جاتی ہے۔

اتاقہ کے ذریعہ بھی بیع ختم ہو جاتی ہے (۱)۔

اس پر تفصیلی کلام اصطلاح ”اتاقہ“ میں ہے۔



ہے (۱)۔ دیکھئے: ”بیع جزاف“۔

ان کے علاوہ جہاں تک جانور اور سامان تجارت کا تعلق ہے تو ان پر قبضہ عرف کے لحاظ سے ہوگا، مثلاً کپڑے کو سپرد کرنا، جانور کی لگام حوالہ کرنا، اس کو بانگ کر لے جانا یا اس کو بائع کے جانور سے علاحدہ کرنا یا بائع کا اس کو چھوڑ کر چلا جانا۔

حنفیہ نے (اور یہی امام احمد سے ایک روایت ہے) مانی، تولی اور شمار کی جانے والی چیزوں، اور ان کے علاوہ دوسری چیزوں کے مابین فرق نہیں کیا ہے، لہذا ان تمام میں تخلیہ سے قبضہ ہو جائے گا، حتیٰ کہ اگر بائع کے گھر میں تخلیہ ہو تو بھی صحیح ہے، لہذا اگر بیع اس کے بعد ہلاک ہو جائے تو مشتری کے ضمان سے ہلاک ہوگی، اس لئے کہ وہ اس کے پاس ودیعت کی طرح ہے (۲)۔

بیع پر سابقہ قبضہ اس پر تجدید قبضہ کے قائم مقام ہے، اگر اس پر ضمان کے طور پر قبضہ کیا تھا، یعنی مشتری نے اس کو بائع سے خریدنے سے قبل اس سے غصب کر لیا تھا تو یہ قبضہ کافی ہے، اس لئے کہ یہ قوی قبضہ ہے جو مشتری کے اپنی خریدی ہوئی چیز پر قبضہ کے درجہ میں ہے، اس لئے بہر دو حال ہلاکت کا بوجھ قبضہ والے پر ہوگا۔

البتہ اگر سابقہ قبضہ امانت کے قبضہ کے قبیل سے ہو، مثلاً عاریت اور امانت پر لینے والے کا قبضہ، اور وہ ایسا قبضہ ہے کہ بغیر زیادتی یا کوتاہی کے ہلاک ہونے کی حالت میں جس کے ہاتھ میں وہ چیز ہے اس سے ضمان نہیں لیا جاتا، تو یہ قبضہ ضعیف مانا جائے گا، وہ ضمان کے قبضہ کے قائم مقام نہ ہوگا (۳)۔

(۱) معنی المحتاج ۲/۳، ۷۳، المغنی ۴/۱۲۵ طبع المیرٹھ۔

(۲) الفتاویٰ الہندیہ ۱۶/۳، الفروع ۳/۱۲۲، المغنی ۴/۱۲۳، ۱۲۵۔

(۳) حاشیہ ابن عابدین ۳/۵۱۲، شرح الجملہ لؤاٹا ۲/۵۱ (۶)۔

(۱) بدلیۃ المجدد ۲/۱۵۳۔

## بیع استجرار ۱-۳

زیادہ ہے، اس لئے کہ وہ بسا اوقات ایجاب و قبول کے ذریعہ ہوتا ہے، اور بسا اوقات تعاظمی کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اس طرح بیع استجرار میں اکثر ثمن ادھار ہوتا ہے، اور بعض صورتوں میں ثمن کی عدم تحدید و تعیین ہوتی ہے۔

## بیع استجرار

### بیع استجرار سے متعلق احکام:

بیع استجرار کی متعدد صورتیں ہیں، اور اسی وجہ سے مختلف صورتوں کے احکام الگ الگ ہیں۔ اس کی تشریح حسب ذیل ہے:

### مذہب حنفیہ:

حنفیہ کے نزدیک بیع استجرار کی حسب ذیل صورتیں وارد ہیں:

۳- پہلی صورت: یہ کہ انسان تاجر سے روزمرہ استعمال کی چیزیں مثلاً روٹی، نمک، تیل اور دال وغیرہ رفتہ رفتہ لے، اور لیتے وقت ثمن مجہول ہو، پھر ان کو استعمال کرنے کے بعد خرید لے۔

اصل اس بیع کا عدم انعقاد ہے، اس لئے کہ خریداری کے وقت بیع معدوم ہے، اور معقود علیہ کی شرائط میں سے اس کا موجود ہونا ہے، لیکن فقہاء نے اس بیع میں زمی سے کام لیتے ہوئے اس کو اس ضابطہ سے کہ وجود بیع شرط ہے، خارج کر دیا ہے۔ اور یہاں احتساباً معدوم کی بیع جائز قرار دی ہے، جیسا کہ ”البحر الرائق“ اور ”المنہج“ میں ہے۔

بعض حنفیہ نے کہا: یہ معدوم کی بیع نہیں ہے۔ بلکہ یہ مالک کی اجازت عرفی سے تلف کی ہوئی چیزوں کے ضمان کے قبیل سے ہے اور اس کی وجہ آسانی پیدا کرنا اور دفع حرج ہے، جیسا کہ عرف ہے، لیکن اس علت کو جموی وغیرہ نے پسند نہیں کیا ہے۔

ابن عابدین نے کہا: مسئلہ احتسابی ہے۔ اور اس کی تخریج

### تعریف:

۱- بیع کا معنی ہے: تملیک و تملک کے طور پر مال کا مال سے تبادلہ<sup>(۱)</sup>۔

لغت میں استجرار کا معنی: کھینچنا ہے۔ کہا جاتا ہے: أجردته الدین: میں نے اس کو قرض میں مہلت دی<sup>(۲)</sup>۔

بیع استجرار: بیچنے والوں سے ضرورت کی چیزیں تھوڑی تھوڑی لیا، اور اس کے بعد ان کا ثمن ادا کرنا<sup>(۳)</sup>۔

### متعلقہ الفاظ:

### بیع بالتعاظمی:

۲- معاظاة اور تعاظمی کے معنی ہیں: لین دین اور تبادلہ کرنا۔

بیع بالتعاظمی: یہ ہے کہ بائع اور مشتری صیغہ کہے بغیر ایک دوسرے کے مال پر قبضہ کر لیں، یعنی بائع بیع دے لیکن زبان سے کچھ نہ کہے، اور مشتری ثمن دے اور وہ بھی زبان سے کچھ نہ کہے<sup>(۴)</sup>۔

بیع استجرار اور بیع تعاظمی میں فرق یہ ہے کہ بیع استجرار میں عموم

(۱) المغنی ۳/۶۰، مجلۃ الاحکام العدلیۃ: دفعہ (۱۰۵)۔

(۲) لسان العرب، المصباح الممیر۔

(۳) ابن عابدین ۳/۱۲، المدونہ ۳/۲۹۲، کنی الطالِب ۳/۳، المحرر ۱/۲۹۸۔

(۴) البزازی شرح الہدایہ ۶/۱۷۷۔



## بیع التجار ۴-۹

۶- چوتھی صورت: یہ کہ انسان تاجر کو چند دراہم یہ کہے بغیر دے کہ ”میں نے خریدا“، اور ہر روز پانچ رطل لے، ان کی قیمت معلوم نہ ہو تو بیع بالتعاطی منعقد نہ ہوگی، اس لئے کہ ثمن مجہول ہے، لہذا اگر لینے والے نے بیع میں تصرف کر دیا ہو اور بائع نے اس کو دینے، اور اس کے عوض کے طور پر اس میں تصرف کرنے سے راضی ہو کر اس کو دے دیا ہو تو یہ بیع نہ ہوگی، اگرچہ بیع کی نیت سے ہو، اس لئے کہ نیت سے بیع نہیں ہوتی، لہذا یہ اس قرض کے مشابہ ہوگا جس کا ضمان اس کے مثل یا قیمت سے دیا جاتا ہے۔ اگر وہ دونوں مثل یا قیمت کے بدلہ کسی اور چیز پر راضی ہو جائیں تو لینے والے کا ذمہ بری ہو جائے گا<sup>(۱)</sup>۔

### مذہب مالکیہ:

مالکیہ کے یہاں یہ صورتیں آئی ہیں:

۷- یہ کہ انسان تاجر کے پاس کچھ دراہم رکھ جائے پھر دراہم کے متعین جزو کے عوض متعین سامان لینا رہے۔ تو یہ بیع صحیح ہے، اس لئے کہ سامان اور ثمن دونوں متعین ہیں۔

۸- یہ کہ تاجر کے پاس کچھ دراہم رکھتے ہوئے یہ کہے: میں تم سے اس کے عوض مثلاً اتنی کھجوریں لوں گا یا اتنا دودھ وغیرہ اور اس کے ساتھ مل کر کسی سامان کی مقدار مقرر کر لے، اور اس کے ثمن کی کوئی مقدار مقرر کر لے، سامان اس کے پاس چھوڑ دے کہ جب چاہے لے لے گا یا اس کے لینے کا وقت مقرر کر دے تو یہ بیع بھی جائز ہے۔

۹- یہ کہ تاجر کے پاس کچھ دراہم معین یا غیر معین سامان کے لئے اس شرط پر چھوڑ دے کہ اس میں سے روزانہ اس کے نرخ سے لینا رہے گا اور وہ دونوں اس بیع کا عقد کر لیں۔ تو یہ بیع ناجائز ہے، اس لئے کہ

ایمان (اشیاء) کے قرض پر ممکن ہے۔ اور اس کا ضمان استحساناً ثمن کے ذریعہ ہوگا، جیسا کہ ذوات التیم اشیاء میں انتفاع کا حلال ہونا، اس لئے کہ ذوات التیم کقرض پر دینا فاسد ہے، اس سے انتفاع حلال نہیں، کوکہ قبضہ کے ذریعہ ملکیت میں آجائے۔

۴- دوسری صورت: بعینہ پہلی صورت ہے، بس فرق ثمن کی معرفت کے تعلق سے ہے یعنی انسان اپنی ضرورت کی چیز رفتہ رفتہ لے، لیتے وقت ثمن کا علم ہو اور اس کا حساب بعد میں کرے۔

یہ بیع جائز ہے، اس کے انعقاد میں کوئی اختلاف نہیں، اس لئے کہ جب اس نے کوئی چیز لی تو اس کی بیع متعین ثمن کے بدلے میں ہوئی، اور یہ بیع تعاطی ہوگی، بیع تعاطی منعقد ہوتی ہے، خواہ ثمن لیتے وقت ادا کر دے یا وہ ادھار ہو۔

یہی حکم اس صورت کا بھی ہے کہ انسان تاجر کو کچھ دراہم یہ کہے بغیر دے دے کہ میں نے خریدا، اور ثمن کے علم کے ساتھ روزانہ اس سے پانچ رطل لے۔

یہ بیع جائز ہے، اور اس کا کھانا حلال ہے، اس لئے کہ اگرچہ دیتے وقت اس کی نیت خریداری کی تھی، تاہم محض نیت سے بیع نہیں ہوتی، بلکہ اسی وقت تعاطی کے ذریعہ بیع ہوگی، اور اس وقت بیع معلوم ہے لہذا بیع صحیح منعقد ہوگی۔

۵- تیسری صورت: یہ کہ انسان تاجر کو چند دراہم دے کر یہ کہے دے کہ میں نے تم سے مثلاً سو رطل روٹی خریدی اور ہر روز پانچ رطل لے۔

یہ بیع فاسد ہے اور اس کا کھانا مکروہ ہے، کراہت کی وجہ بیع کی جہالت ہے، اس لئے کہ اس نے ایسی روٹی خریدی جس کی طرف اس نے اشارہ نہیں کیا، لہذا بیع مجہول ہوگی، اور بیع کی صحت کی شرائط میں سے یہ ہے کہ بیع معلوم ہو۔

(۱) الدر المختار مع حاشیہ ابن عابدین ۱۲/۳، ۱۳، البحر الرائق ۲/۵، ۲۷۹، اشباہ ابن کبیر ص ۳۶۳۔

## بیع اسخر ار ۱۰-۱۳

۱۲- دوم: انسان تاجر سے کہے: مجھے اتنے میں مثلاً گوشت یا روٹی دے دو، اور وہ اس کو مطلوبہ چیز دے دے، وہ اس پر قبضہ کر لے اور اس سے راضی ہو جائے، اور ایک مدت کے بعد حساب کر کے اپنے ذمہ لازم ثمن کو ادا کر دے، تو یہ بیع قطعی طور پر ان لوگوں کے نزدیک صحیح ہے جو بیع معاظاۃ کو جائز مقرر دیتے ہیں<sup>(۱)</sup>۔

مذہب حنابلہ:

۱۳- حنابلہ کے یہاں بیع اسخر ار کے مسائل اس بیع پر مبنی ہیں، جو ثمن کے ذکر کے بغیر ہو، مرداوی نے ”الانصاف“ میں ان مسائل کو ذکر کرتے ہوئے کہا:

ایسی چیز کے عوض بیع جس پر نرخ ختم ہو جائے صحیح نہیں ہے، ”مذہب“ یہی ہے، اصحاب کی یہی رائے ہے، امام احمد سے ایک دوسری روایت ہے کہ یہ بیع صحیح ہے، تقی الدین ابن تیمیہ نے اسی کو اختیار کرتے ہوئے کہا: مذہب امام احمد میں دو میں سے ایک قول یہی ہے۔

بیع کی شرائط میں سے عقد کے وقت ثمن کا معلوم ہونا ہے، مذہب میں صحیح یہی ہے اور یہی اصحاب کی رائے ہے، ابن تیمیہ نے صحت بیع کو اختیار کیا ہے اگرچہ ثمن مقرر نہ ہو، اور اس کے لئے ثمن مثل ہوگا، اس کی نظیر مہر کی تعیین کے بغیر نکاح کا صحیح ہونا ہے، اور عورت کے لئے مہر مثل ہوتا ہے<sup>(۲)</sup>۔

ابن سنی نے اپنی کتاب ”النکت و الفوائد السنیة علی مشکل المحرور“<sup>(۳)</sup> میں بیع بلا ذکر ثمن کے مسائل میں امام احمد

جس ثمن پر انہوں نے عقد کیا ہے وہ مجہول ہے، اور یہ ایسا مقرر ہے جو صحت بیع سے مانع ہے۔

۱۰- انسان تاجر سے ضرورت کا سامان متعین نرخ میں لے، اور ہر روز متعین وزن اور متعین نرخ میں لے، اور ثمن متعین مدت یا عطاء (وظیفہ) ملنے تک کے لئے مؤخر ہو اگر عطاء (وظیفہ) معلوم و مامون ہو تو یہ بیع جائز ہے<sup>(۱)</sup>۔

مذہب شافعیہ:

شافعیہ کے یہاں بیع اسخر ار کی دو صورتیں ہیں:

۱۱- اول: انسان تاجر سے ضرورت کی چیز تھوڑی تھوڑی لیتا رہے اور اس کو کچھ نہ دے اور وہ دونوں لفظاً بیع نہ کریں بلکہ دونوں اس کے عام ثمن میں لینے کی نیت کریں، اور وہ ایک مدت کے بعد اس کا حساب کر کے ثمن دے دے، جیسا کہ بہت سے لوگ کرتے ہیں۔

نووی نے کہا: یہ بیع بلا اختلاف (یعنی شافعیہ کے یہاں) باطل ہے، اس لئے کہ یہ نہ تو لفظی بیع ہے اور نہ تعاطی کے ساتھ۔

اذری نے کہا: بغوی کا فتویٰ یہی ہے، اور ابن صلاح نے اپنے فتاویٰ میں اسی کے مثل لکھا ہے۔

امام غزالی نے نرمی سے کام لیتے ہوئے اس کو مباح قرار دیا ہے، اس لئے کہ اس کا عرف ہے، اور اس کی اباحت کے بارے میں یہی ان کی دلیل ہے۔

اذری نے کہا: نووی کے اس قول میں کہ ”اس کو نہ معاظاۃ شمار کیا جاتا ہے اور نہ ہی بیع“ اشکال ہے بلکہ لوگ اس کو بیع شمار کرتے ہیں، اور اکثر یہ ہوتا ہے کہ ضرورت کی چیز لیتے دیتے وقت ثمن کی مقدار دونوں کے علم میں ہوتی ہے، گو کہ وہ لفظاً اس کو ذکر نہ کریں۔

(۱) المجموع ۹/۱۵۰، ۱۵۱، مغنی المحتاج ۲/۳، اسنی المطالب ۲/۳، طہیہ

المشروانی علی تحفۃ المحتاج ۳/۲۱۶، ۲۱۷۔

(۲) الانصاف ۳/۳۱۰۔

(۳) النکت و الفوائد السنیة علی مشکل المحرور ۱/۲۹۹، ۲۹۸۔

(۱) المغنی شرح اموطا للباہجی ۱۵/۱۵ طبع ۱۳۵۰ھ، المدونہ ۲/۲۹۲۔

## بیع استجرار ۱۳-۱۵

بلکہ حساب کرنے کے وقت ہوئی، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ نزع پر بیع درست ہے (یعنی اس نزع پر جس پر اس کی فروختگی مروج ہے)۔

مشی بن جامع سے مروی ہے کہ امام احمد سے دریافت کیا گیا: ایک شخص کسی کو اپنے ساتھ کسی معاملہ کرنے والے کے پاس اس لئے بھیجتا ہے تاکہ وہ اس کے پاس کپڑا بھیج دے، وہ اس کے پاس جاتا ہے اور اس سے کپڑے کی قیمت پوچھتا ہے۔ وہ اس کو بتا دیتا ہے، تو وہ اس سے کہتا ہے: اس کو لکھ لو۔ اور ایک شخص کھجور لینا ہے اور اس کا ثمن مقرر نہیں کرتا پھر کھجور والے کے پاس سے گذرتے ہوئے کہتا ہے: اس کا ثمن لکھ لو؟ تو امام احمد نے اس کو جائز قرار دیا، بشرطیکہ اس کو لینے کے دن کے نزع پر اس کا ثمن مقرر کرے۔ اور یہ (روایت) اس سلسلے میں صریح ہے کہ قبضہ کے وقت کے ثمن مثل کے بدلہ میں نہ کہ حساب کرتے وقت کے ثمن مثل کے بدلہ میں خریداری جائز ہے، خواہ عقد میں اس کا ذکر ہو یا بیع کے وقت میں لینے کے الفاظ مطلق ہوں۔

جواز کی اسی روایت کو ابن تیمیہ اور ابن القیم نے اختیار کیا ہے۔ ابن القیم ”اعلام المؤمنین“ میں کہتے ہیں: عقد کے وقت ثمن کی تعیین کے بغیر اس چیز کے عوض جس پر نزع ختم ہو جاتا ہے، بیع کے جواز کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ ایسے شخص سے خریداری کرے جس کے ساتھ معاملہ کرتا ہے مثلاً روٹی یا گوشت یا گھی وغیرہ فروخت کرنے والے سے روزانہ متعین مقدار میں لے، پھر مہینہ یا سال کے آغاز میں سب کا حساب کر کے اس کو اس کا ثمن دے دے۔ اس کو اکثر حضرات ممنوع کہتے ہیں، اور وہ اس میں قبضہ کو ملکیت منتقل کرنے والا نہیں مانتے ہیں، اور یہ قبضہ فاسد ہے، جو غصب کے ذریعہ قبضہ کی ہوئی چیز کے قائم مقام ہے، اس لئے کہ اس

سے اختلاف روایات کا ذکر کیا ہے اور وہ ایسی صورتیں لکھی ہیں جن میں امام احمد کی رائے میں اختلاف ہے، ایک روایت میں انہوں نے بیع کو ناجائز، اور دوسری روایت میں جائز کہا ہے۔

۱۳- خلال نے متعین ثمن کے بغیر فروختگی کے بارے میں حرب کے حوالہ سے کہا: میں نے امام احمد سے دریافت کیا کہ ایک شخص دوسرے سے کہتا ہے: میرے لئے ایک جریب گیہوں بھیج دو، اور اس کا حساب میرے اوپر اس نزع سے لگا لو جس پر تم فروخت کرتے ہو، تو امام احمد نے فرمایا: بیع جائز ہے یہاں تک کہ اس سے نزع بیان کر دے۔

اسحاق بن منصور سے مروی ہے کہ میں نے امام احمد سے دریافت کیا کہ ایک شخص دوسرے سے سامان لیتے ہوئے کہتا ہے: میں نے اس سامان کو اس قیمت میں لے لیا جس میں باقی سامان فروخت کرو گے، تو انہوں نے کہا: ناجائز ہے۔ اور حنبل سے مروی ہے کہ میرے چچا نے کہا: میں اس کو مکروہ سمجھتا ہوں، اس لئے کہ یہ بیع مجہول ہے، نزع بدلتا ہے، اس میں کمی بیشی ہوتی ہے۔

ان دونوں روایتوں کے مطابق امام احمد اس بیع کو جائز قرار نہیں دیتے ہیں۔

۱۵- جواز کی دو روایتیں یہ ہیں:

ابوداؤد نے اپنے مسائل میں کہا: ثمن کی تعیین کے بغیر خریداری کا بیان۔ میں نے سنا جبکہ امام احمد سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص بننے کے پاس بھیج کر اس سے تھوڑی تھوڑی چیز لینا ہے اور اس کے بعد اس کا حساب کرتا ہے، تو امام احمد نے کہا: مجھے توقع ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا، امام احمد سے دریافت کیا گیا: بیع اسی وقت ہو جائے گی؟ انہوں نے کہا: نہیں۔

ابن تیمیہ نے کہا: اس کا ظاہر یہ ہے کہ وہ دونوں بیع پر قبضہ اور اس میں تصرف کے بعد ثمن پر متفق ہیں، اور یہ کہ قبضہ کے وقت تک بیع نہ تھی

## بیع استخرا ۱۶، بیع استننامہ

قیاس صحیح ہے۔ لوگوں کے مصالح اسی سے پورے ہوں گے (۱)۔

## بیع استننامہ

دیکھئے: ”استرسال“۔



پر عقد فاسد کے ذریعہ قبضہ کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود متشدد حضرات کے علاوہ ہر شخص اس کو کرتا ہے، اور اس کو اس سے چارہ کار نہیں ہوتا، حالانکہ وہ اس کے بطلان کا فتویٰ دیتا ہے، اور یہ کہ وہ بائع کی ملکیت میں باقی ہے، اور اس کے لئے اس سے چھٹکارا ممکن نہیں، الا یہ کہ ہر ضروری چیز کے لئے خواہ اس کا ثمن تھوڑا ہو یا زیادہ اس سے بھاؤ تاؤ کرے اور اگر وہ ان لوگوں میں سے ہو جو لفظاً ایجاب و قبول کو شرط قرار دیتے ہیں، تو بھاؤ تاؤ کے ساتھ ساتھ ضروری ہے کہ لفظاً ایجاب و قبول بھی ہو۔

۱۶- ابن القیم نے کہا: دوسرا قول جو بالکل درست ہے، اور جس پر ہر زمان و مکان میں لوگوں کا عمل رہا ہے، یہ ہے کہ اس چیز کے عوض بیع جائز ہے جس پر نرغ ختم ہو جائے۔ امام احمد کے یہاں منصوص یہی ہے، اور اسی کو ہمارے شیخ (یعنی ابن تیمیہ) نے اختیار کیا ہے۔ میں نے انہیں یہ کہتے ہوئے سنا: خریدار کی قلبی راحت بمقابلہ بھاؤ تاؤ اسی میں زیادہ ہے، وہ کہتا ہے: عام لوگوں کی طرح میں بھی اتنے ہی میں لوں گا جتنے میں دوسرے لوگ لیتے ہیں۔ انہوں نے کہا: جو لوگ اس کو ممنوع قرار دیتے ہیں ان کے لئے اس کو ترک کرنا ممکن نہیں، وہ خود اس میں ملوث ہیں، کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ، اجماع امت، قول صحابی اور قیاس صحیح، کہیں سے کوئی ایسی دلیل نہیں ملتی جو اس کو حرام قرار دے مہر مثل پر نکاح صحیح ہونے کے بارے میں امت کا اجماع ہے، اور اکثر حضرات اجرت مثل پر عقد اجارہ کو جائز قرار دیتے ہیں، مثلاً میت کو نہلانے والا، مان بانی، ملاح، مالک حمام اور جانوروں کو کر ایہ پر دینے والا۔ نرغ پر بیع میں زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ وہ ثمن مثل پر بیع ہوگی، لہذا وہ جائز ہے، جیسا کہ ان صورتوں اور ان کے علاوہ صورتوں میں ثمن مثل میں معاوضہ جائز ہے، یہی

(۱) اعلام المؤمنین ص ۶۵۔

## بیع امانت ۱-۵

اور کبھی بائع کی طرف سے۔

۳- اگر خریدار کی طرف سے مطلوب ہو تو اس کا تحقق بیع و فاء کے ذریعہ ہوگا، اس لئے کہ خریدار بیع و فاء میں بیع کے بارے میں ائین ہے یہاں تک کہ اس کو وہ ثمن واپس مل جائے جو اس نے ادا کیا ہے، اور بائع بیع کو لے لے۔

لیکن اگر امانت و اعتماد بائع کی جانب سے مطلوب ہو، جس پر واجب ہے کہ اپنی بیع کے ثمن کو اور اپنی خریداری کو صحیح صحیح بتا دے تو اگر بیع اس ثمن کے مثل میں ہو، جس میں اس نے خرید اہے اور اس میں کوئی کمی یا زیادتی نہ ہو تو اس کو بیع تولیہ کہتے ہیں، اور اگر بعض بیع کو بعض ثمن میں فروخت کرنا ہو تو یہ بیع اشراک ہے۔ اگر ثمن مع اضافہ کے ہو تو یہ بیع مراہجہ ہے، اور اگر ثمن سے کم میں ہو تو یہ بیع وضعیہ یا حطیہ ہے۔

اگر قیمت خرید سے صرف نظر کر کے خریداری ہو یعنی مساوات یا زیادتی یا نقصان کا لحاظ نہ کر کے بیع ہو بلکہ بازار کے نرخ پر ہو تو اس کو بیع ہسٹرسل یا ”بیع سحر اسوق“ (بازار بھاؤ پر فروختگی) کہتے ہیں۔

۴- بیع امانت کے بالمقابل بیع مساومت ہے۔ اور یہ اس ثمن پر بیع ہے جس پر عاقدین ثمن اول کو، جس میں بائع نے اس کو خرید اہے مد نظر رکھے بغیر رضامند ہو جائیں۔

## بیع الوفاء:

۵- بیع الوفاء اس شرط کے ساتھ بیع کرنا ہے کہ جب بائع ثمن لوٹائے گا تو خریدار بیع واپس کر دے گا۔ اس کو بیع وفاء اس لئے کہتے ہیں کہ خریدار شرط پوری کرنے کا پابند ہوتا ہے۔ جو لوگ اس کے جواز کے قائل ہیں ان کے نزدیک اس پر بیع امانت کا اطلاق محض اس لئے ہے کہ بیع خریدار کے ہاتھ میں امانت کے درجہ میں ہے۔ اسے حق

## بیع امانت

تعریف:

۱- امانت لغت میں: اطمینان کو کہتے ہیں، کہا جاتا ہے: ”أَمِنَ أَمْنًا وَأَمَانًا وَأَمْنَةً“ جب کوئی شخص مطمئن اور بے خوف ہو جائے۔ فاعل کے لئے ”أَمِنَ وَأَمِنَ، اور أَمِينٌ“ کہتے ہیں۔ اور أَمِنَ الرَّجُلُ اور أَمِنَ کا معنی: ائین ہوا۔ مصدر ”امانت“ ہے۔ اعیان میں اس کا استعمال مجازاً ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: ودیعت امانت ہے۔

أَمِنَ فُلَانًا عَلٰی كَذَا كَمَا مَعْنٰی: اس نے اس پر بھروسہ کیا اور اس سے مطمئن ہوا (۱)۔

اصطلاح میں: ”بیع امانت“ کا اطلاق اس بیع پر ہوتا ہے جس میں بائع کی طرف سے اطمینان ہو، اس لئے کہ وہ مشتری کے ہاتھ میں امانت ہے، لہذا بیع امانت کا مدار طرفین کے درمیان باہمی معاملات میں اعتماد اور اطمینان پر ہے۔

## بیع امانت کی انواع:

۲- بیع امانت کا اطلاق: ”بیع الوفاء“، ”بیع اللجھہ“، ”بیع اسوق“، ”الوضیعیہ“، ”الاشراک“، ”بیع ہسٹرسل“ یا ”بیع سحر اسوق“ پر ہوتا ہے۔

یہ امانت اور اعتماد کبھی خریدار کی طرف سے مطلوب ہوتا ہے،

(۱) المصباح، المعجم الوسیط مادۃ ”امن“۔

## بیع امانت ۶-۱۰

بیع مراہمہ فقہاء کے نزدیک جائز بیوع میں سے ہے، جبکہ مالکیہ کی رائے ہے کہ وہ خلاف اولیٰ ہے، اس کا ترک کرنا زیادہ پسندیدہ ہے، اس لئے کہ اس میں بکثرت بائع کو بیان کرنے کی ضرورت پڑتی ہے<sup>(۱)</sup>، لہذا ان کے نزدیک اولیٰ مساومت (بھاؤ تاؤ کرنے کے طور پر بیع کرنا ہے۔

### بیع التولیہ:

۷- بیع التولیہ: کل بیع کو مولیٰ کی طرف (جس کے ساتھ بیع التولیہ کی جائے) جتنے میں خریدار کو پڑی ہے منتقل کر دینا، اور الفاظ یہ ہوں: میں نے تمہارے ساتھ ”تولیہ“ کر لیا وغیرہ زائد نفع یا نقصان کے بغیر۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: ”تولیہ“۔

### بیع الاشراک:

۸- یہ بیع التولیہ ہی کی طرح ہے البتہ اس میں بعض بیع کو بعض شمن سے فروخت کرنا ہوتا ہے۔  
تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”اشراک“ اور ”بیع“۔

### بیع الوضیعہ:

۹- یہ کسی چیز کو شمن اول میں متعین کسی کے ساتھ فروخت کرنا ہے۔ اور یہ بیع المراہمہ کی ضد ہے۔  
تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”وضیعہ“۔

### بیع المسترسل:

۱۰- مالکیہ نے اس کی تعریف یہ کی ہے: ایک شخص دوسرے سے  
(۱) ابن ماجہ بن ۳۷۲، البحر الرائق ۸/۶، معین لولکام ص ۱۸۳، الفتاویٰ الہندیہ ۲۰۸/۳، مجلۃ الأحکام العدلیۃ دفعہ (۱۱۸)، لفظ اب ۳۷۳، ۳۷۴، بیع المسترسل ص ۱۳۳، کشف القناع ۱۳۹/۳، ۱۵۰۔  
(۲) انصباح الحمیر۔

نہیں کہ اس میں کوئی ایسا تصرف کرے جو بیچنے والے کے علاوہ کسی اور کی طرف ملکیت کو منتقل کر دے، مالکیہ اس کو ”بیع التئیا“، شافعیہ اس کو ”بیع العہدہ“ اور حنابلہ اس کو ”بیع لآمانت“ کہتے ہیں۔  
مالکیہ، حنابلہ، متقدمین حنفیہ اور شافعیہ کی رائے ہے کہ بیع الوفاء فاسد ہے۔

بعض متأخرین حنفیہ اور شافعیہ اس کے جواز کے قائل ہیں۔

بعض حنفیہ کی رائے یہ بھی ہے کہ بیع الوفاء رہن ہے۔ اس کے لئے رہن کے تمام احکام ثابت ہوں گے<sup>(۱)</sup>۔  
تفصیل کے لئے دیکھئے: ”بیع الوفاء“۔

### بیع المراہمہ:

۶- مراہمہ: رابع کا مصدر ہے، کہا جاتا ہے: ”بعته المتناع أو اشتريته منه مراہمہ“ (میں نے مراہمہ کے طور پر اس کے ہاتھ سامان فروخت کیا یا اس سے خرید ا): اگر شمن کی ہر مقدار کو ربح کا نام دے دو<sup>(۲)</sup>۔

اصطلاح میں مراہمہ: بائع کا اپنی مملوکہ چیز کو جتنے میں اس کو پڑی اس پر اضافہ کے ساتھ فروخت کرنا ہے۔

یا سامان کو شمن خرید اور زائد نفع کے ساتھ جو دونوں کے علم میں ہے فروخت کرنا ہے۔

مالکیہ کے نزدیک لفظ مراہمہ، مساوات اور وضیعہ میں حقیقت عرفیہ ہے، البتہ مراہمہ کی زیادہ تر پیش آنے والی نوع وہی ہے جو پہلے گذری۔

(۱) ابن ماجہ بن ۳۷۲، البحر الرائق ۸/۶، معین لولکام ص ۱۸۳، الفتاویٰ الہندیہ ۲۰۸/۳، مجلۃ الأحکام العدلیۃ دفعہ (۱۱۸)، لفظ اب ۳۷۳، ۳۷۴، بیع المسترسل ص ۱۳۳، کشف القناع ۱۳۹/۳، ۱۵۰۔  
(۲) انصباح الحمیر۔

## بیع امانت ۱۱-۱۲

اگر بائع مرجائے تو بیع وراثت کے طور پر اس کے وراثت کی طرف منتقل ہو جائے گی (۱)۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: ”بیع الوفاء“۔

۱۲- جہاں تک دوسری بیوع امانت کا تعلق ہے تو اگر بیع المراسمہ میں خیانت ظاہر ہو جائے تو یہ خیانت صفتِ ثمن میں ظاہر ہوگی یا مقدارِ ثمن میں؟

اگر خیانت صفتِ ثمن میں ظاہر ہو مثلاً کوئی چیز ادھار خریدی، پھر پہلی قیمت پر مراسمہ کے طور پر فروخت کر دی، اور یہ بیان نہیں کیا کہ اس نے ادھار خریدی ہے۔ یا تولیہ کے طور پر بیع کر لی، اور اس کو بیان نہیں کیا، پھر مشتری کو اس کا علم ہوا، تو بلاجماع اسے ”خیار“ ہے: اگر چاہے تو اس کو لے لے اور اگر چاہے تو واپس کر دے، اس لئے کہ مراسمہ امانت پر معنی عقد ہے، کیونکہ خریدار نے ثمن اول کے بارے میں خبر دینے کے تعلق سے بائع پر اعتماد اور اطمینان کیا، لہذا امانت اس عقد میں مطلوب تھی، اس لئے خیانت سے اس کو بچانا دلالتِ شرط ہے، اور اس کا فوت ہونا خیار کو ثابت کرتا ہے، جیسا کہ عیب سے سلامتی کا فوت ہونا۔

اگر مراسمہ اور تولیہ میں مقدارِ ثمن میں خیانت کا ظہور ہو مثلاً اس نے کہا: میں نے دس میں خریدا اور تمہیں پورے دس دینار پر ایک دینار نفع کے ساتھ فروخت کیا یا اس نے کہا: میں نے دس میں خریدا اور جتنے میں خریدا تم کو تولیہ کر دیا، پھر معلوم ہوا کہ نو میں خریدا تھا تو اس کے حکم کے بارے میں اختلاف ہے۔

شافعیہ کے یہاں ”ظہر“ حنابلہ کے یہاں ”مذہب“ اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ اس کو ”خیار“ حاصل نہیں ہوگا، البتہ ان دونوں میں خیانت کے بقدر کمی کر دی جائے گی یعنی ایک

کہے: مجھ سے فروخت کر دو، جیسا کہ لوگوں سے فروخت کرتے ہو یا بازار کے نرخ سے یا آج کے نرخ سے یا جتنے میں فلاں کہے گا یا تجربہ کار لوگ کہیں گے وغیرہ۔

مستزسل جیسا کہ امام احمد نے اس کی تعریف کی ہے: وہ شخص ہے جو سامان کی قیمت سے ماوا تفر ہو، جو قیمت کم کرانے کا سلیقہ نہیں رکھتا یا قیمت کم نہیں کرتا۔

بیع المستزسل اس تعریف کے اعتبار سے باتفاق فقہاء منعقد ہو جائے گی، البتہ مستزسل کے لئے اس میں ”خیار“ کے ثبوت کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے (۱)۔

## بیوع امانت میں خیانت کا حکم:

بتایا جا چکا ہے کہ ان بیوع کو بیوع امانت اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ان کا مدار طرفین یعنی بائع و مشتری کے مابین باہمی لین دین میں اعتماد و اطمینان پر ہے۔

۱۱- جبکہ بیع الوفاء میں ان لوگوں کے نزدیک جو اس کے جواز کے قائل ہیں، خریدار پر واجب ہے کہ ثمن وصول کرنے کے بعد بیع بائع کو واپس کر دے۔ بیع کو روکنا اس کے لئے جائز نہیں، اس لئے کہ بیع الوفاء سے خریدار کے لئے ملکیت کو منتقل کرنے والے تصرف کا جواز نہیں پیدا ہوتا۔ اسی وجہ سے بائع کے علاوہ کے ہاتھ اس کی بیع جائز نہیں ہے، اور اس میں شفعہ نہیں ہے، اس کا خراج اس کے بائع پر ہے، اگر بیع خریدار کے ہاتھ میں رہتے ہوئے کوتاہی کے بغیر ہلاک ہو جائے تو کسی کا دوسرے پر کچھ نہیں، اس لئے کہ بیع پر خریدار کا قبضہ امانت کا قبضہ ہے۔

(۱) القواعد الفقہیہ / ص ۲۶۹، مواہب الجلیل ۳۰۷، الدرستی ۵۵۳، ائرنقانی ۵/۵، المغنی ۳/۵۸۳، ابن ماجہ ۱/۵۹، روہۃ الطائین ۳/۱۹، المجموع ۱۲/۱۱۸۔

(۱) ابن ماجہ ۳/۲۳، الفتاویٰ الہندیہ ۳/۲۰۹، معین الحکام ص ۱۸۳، بیعہ المستزسل ص ۱۳۳۔

## بیع امانت ۱۳-۱۵

ہاتھ فروخت کرے جو قیمت کم نہیں کرانا، یا قیمت کم کرانے کا سلیقہ نہیں رکھتا، تو کو یا خریدار نے بائع پر چھوڑ دیا ہے، اور اس پر اطمینان کر لیا ہے۔ اور بائع نے جو کچھ اس کو دیا اس نے لے لیا، قیمت کم نہ کرانی اور نہ ہی اس کو بائع کے غبن کا علم ہوا۔

اس تعریف کے لحاظ سے بیع المسترسل باتفاق فقہاء منعقد ہوگی، البتہ مسترسل کے لئے اس میں خیار کے ثبوت کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے:

حنفیہ کے یہاں ظاہر الروایہ اور شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ اس کے لئے خیارتا بت نہ ہوگا، اس لئے کہ سامان کے صحیح سالم ہونے کے ساتھ اس کی قیمت میں کمی لزوم عقد سے مانع نہیں ہے، اور محض اس کا مغبون (غریب خوردہ) ہونا اس کے لئے خیارتا بت نہیں کرتا، البتہ یہ شافعیہ کے یہاں مکروہ ہے۔

حنفیہ کے یہاں قول مفتی بہ اور مالکیہ اور حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر غبن فاحش ہو تو اس کے لئے خیارتا بت ہوگا۔ حنفیہ نے غبن فاحش کی تفسیر میں کہا: جو قیمت لگانے والوں کی قیمت کے تحت نہ آئے، اس لئے کہ جس میں شرعاً تحدید نہ ہو اس کے بارے میں عرف کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ جبکہ مالکیہ اور حنابلہ نے غبن فاحش کی تشریح میں کہا: جو ٹکٹ سے زائد ہو، اس لئے کہ حضور ﷺ نے وصیت کے بارے میں فرمایا: "الثلث، والثلث کثیر" (۱) (تہائی کرو، تہائی بہت ہے)۔ اس حدیث میں حضور ﷺ نے تہائی کو بہت فرمایا ہے، ایک قول ہے کہ وہ چھٹا حصہ ہے، ایک اور قول ہے کہ یہ وہ غبن ہے جو عادتاً لوگوں میں نہیں چلتا۔ ان حضرات کا استدلال

درہم تولیہ میں اور ایک درہم مراہمہ میں، اور اس کے حصہ کا نفع ایک درہم کا دسواں حصہ ہے اور بیع لازم ہوگی۔

امام ابو حنیفہ نے کہا: مراہمہ میں خریدار کو خیار حاصل ہوگا: اگر چاہے پورے ثمن دے کر لے لے اگر چاہے تو چھوڑ دے، البتہ تولیہ میں اس کو خیار نہیں ہوگا، ہاں خیانت کے بقدر کمی کر دی جائے گی، اور باقی ثمن میں عقد لازم ہوگا۔

مالکیہ کی رائے ہے کہ اگر بائع زائد کو جس میں اس نے جھوٹ بولا ہے اور اس کے نفع کو ساقط کر دے تو بیع لازم ہوگی، اور اگر ساقط نہ کرے تو خریدار پر لازم نہیں ہوگی، اور اس کے لئے بیع کو اختیار کرنے اور رد کرنے کا اختیار ہوگا۔

شافعیہ کے یہاں دوسرا قول جو امام محمد کا بھی قول ہے، یہ ہے کہ خریدار کو مراہمہ اور تولیہ دونوں میں خیار حاصل ہوگا، اگر چاہے تو پورے ثمن میں لے لے، اور اگر چاہے تو بائع کو لوٹا دے۔

۱۳- رہی بیع الموضع: تو اس پر بیع المراہمہ کی شرائط اور احکام جاری کئے جاتے ہیں، کیونکہ موضعہ: ثمن اول میں متعین کمی کے ساتھ بیع کرنا ہے۔

اس طرح "اشراک" کا حکم تولیہ کی طرح ہے، البتہ "اشراک" بعض بیع کا بعض ثمن کے بدلے تولیہ ہے (۱)۔

۱۴- رہی بیع المسترسل تو اس کی ایک صورت یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے سے کہے: میرے ہاتھ بیچ دو جیسا کہ لوگوں سے بیچتے ہو، یہ بیع مالکیہ کے نزدیک صحیح ہے تاہم اگر عرف و عادت سے زائد دھوکا دیا ہو تو اس کو خیار حاصل ہوگا۔

۱۵- بیع المسترسل کی ایک اور صورت یہ ہے کہ کسی ایسے شخص کے

(۱) حدیث: "الثلث، و الثلث کثیر" کی روایت بخاری (فتح ۱۳/۱۳ طبع المستقیم) نے کی ہے۔

(۱) البدائع ۵/۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۸، ابن ماجہ ۳/۲۳، الدر منی ۳/۱۶۸، تلبی ۲/۲۳، کشاف القناع ۳/۲۳۱۔



## بیع باطل

اس حدیث پاک سے ہے: ”غبن المسترسل حرام“<sup>(۱)</sup>  
(مسترسل کا غبن حرام ہے)، نیز اس لئے کہ یہ ایسا غبن ہے جو بیع کے بارے میں اس کی ناواقفیت کے سبب ہوا ہے، لہذا یہ خیار کو ثابت کرے گا، جیسا کہ ”تلکئی رکبان“ میں غبن<sup>(۲)</sup>۔

## بیع باطل

### تعریف:

۱- لغت میں لفظ ”بیع“، ”شراء“ کی طرح اضداد میں سے ہے، اور بیع میں اصل مال کا مال سے تبادلہ کرنا ہے، اور یہ اعیان کے وصف میں حقیقت ہے، اور عقد پر اس کا اطلاق مجازاً ہے، اس لئے کہ وہ تملیک (مالک بنانا) اور تملک (مالک بننا) کا سبب ہے۔

باطل: بطل الشئ سے ماخوذ ہے، یعنی فاسد ہوا، یا اس کا حکم ساقط ہوا، لہذا وہ باطل ہے<sup>(۱)</sup>۔

بیع اصطلاح میں: مال کا مال سے تبادلہ کرنا<sup>(۲)</sup>۔

حنفیہ کے نزدیک بیع باطل وہ ہے جو اصل اور وصف کسی اعتبار سے مشروع نہ ہو<sup>(۳)</sup>۔

جمہور کے نزدیک جو فاسد اور باطل میں فی الجملہ تفریق نہیں کرتے، باطل وہ بیع ہے جس پر اس کا اثر مرتب نہ ہو، اور وہ بار آور نہ ہو، اور اس سے حصول ملکیت کا فائدہ حاصل نہ ہو<sup>(۴)</sup>۔  
یہ بھی حنفیہ کی رائے کے موافق ہے۔



(۱) المصباح لمیر، لسان العرب مادة ”بیع“، ”بطل“۔

(۲) مجلہ لأحكام العدلیة دفعہ (۱۰۵)، نہایہ الجناح ۳۱/۳، ابن عابدین ۳۳/۳، المغنی ۳۳/۳، ۵۶۰، حامیہ الدسوقی ۲۳۳۔

(۳) ابن عابدین ۳۳/۳، ۱۰۰، فتح القدر ۶/۳، بیع کردہ دار احیاء التراث العربی، الریاضی ۳۳/۳۔

(۴) معج البخلیل ۲/۵۵۰، المواقفات للشاطبی ۱/۲۹۲، روح البناظر ۳۱/۳، القواعد والفوائد الاصولیہ ۱۱۰، الاشباہ والنسیب علی ۳۱۰، ۳۱۲، طبع عیسیٰ الخلیفی۔

(۱) حدیث: ”غبن المسترسل حرام“ کی روایت طبرانی (۱۳۹/۸) طبع وزارة الاوقاف، عراق) نے کی ہے، ثنونی نے کہا اس میں موسیٰ بن عمیر اعمی ہے، جو نہایت ضعیف ہے (مجمع الزوائد ۶/۳، طبع القدسی)۔

(۲) ابن عابدین ۳۳/۳، ۱۵۹، مقدمات ابن رشد ۲/۶۰۳، سواہب البخلیل ۳۳/۳، ۷۰، روح البناظر ۳۳/۳، ۱۱۸، المجموع ۲/۱۱۸، المغنی ۳۳/۳، ۵۸۳۔

## بیع باطل ۲-۵

متصل وصف کی وجہ سے ممنوع قرار دی گئی ہو مثلاً اذان جمعہ کے بعد بیع، یہ حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کے یہاں ہے۔ حنابلہ کا اختلاف ہے، کیونکہ حنابلہ کے نزدیک ”نہی“ مطلقاً فساد کی متقاضی ہے۔ بیع مکروہ اپنے اثر کے مرتب ہونے کے لحاظ سے بیع صحیح سے متفق ہے، تاہم ممنوع ہونے کے لحاظ سے وہ بیع صحیح سے مختلف ہے (۱)۔

### شرعی حکم:

۵- بیع باطل کا اقدام کرنا بطلان کے علم کے باوجود حرام ہے، ایسا کرنے والا گنہگار ہوگا، کیونکہ اس نے مشروع کی مخالفت کر کے اور شرعاً منہی عنہ کی رعایت نہ کر کے معصیت کا ارتکاب کیا، اس لئے کہ بیع باطل نہ اصل کے لحاظ سے مشروع ہے اور نہ ہی وصف کے لحاظ سے (۲)۔

تاہم ضرورت و مجبوری کی حالت اس سے مستثنیٰ ہے، جیسا کہ مضطر شخص ثمن مثل سے زائد میں کھانا خریدے اور جیسے وہ عقد جس کے ذریعہ بچہ کے ”رشد“ کا امتحان لیا جائے (۳)۔

چنانچہ ایک قول ہے کہ ولی کوئی چیز خرید کر کسی کو دے دے، پھر بچہ کو حکم دے کہ اس سے وہ چیز خریدے، یہ ان بیوع کا حکم ہے جو بالاتفاق باطل ہیں مثلاً مجنون اور بے شعور بچے کی بیع، اور جیسے مردار، خون، ملائح و مضامین کی بیع۔

رعی وہ بیع جس کے باطل ہونے میں مذہب کا اختلاف ہے

متعلقہ الفاظ:

الف- بیع صحیح:

۲- جو اصل و وصف دونوں لحاظ سے مشروع ہو، اور ذاتی طور پر اگر موانع سے خالی ہو تو حکم کا فائدہ دے۔ یا بیع صحیح وہ ہے جس پر اس کا اثر یعنی ملکیت کا حصول اور بیع سے انتفاع مرتب ہو (۱)۔ لہذا بیع صحیح بیع باطل کی ضد ہے۔

ب- بیع فاسد:

۳- جمہور کے نزدیک بیع فاسد اور بیع باطل میں فرق نہیں، جبکہ حنفیہ بیع فاسد کو بیع صحیح اور بیع باطل کے درمیان کا ایک درجہ مانتے ہیں۔ حنفیہ کے یہاں بیع فاسد کی تعریف یہ ہے کہ جو اصل کے لحاظ سے مشروع اور وصف کے لحاظ سے غیر مشروع ہو۔

یا جس پر اس کا اثر مرتب ہو، لیکن شرعاً اس کو آپس میں فسخ کر لیا مطلوب ہو، اور یہ باطل کی ضد ہے جیسا کہ ابن عابدین کہتے ہیں، اس لئے کہ جو بیع صرف اصل کے لحاظ سے مشروع ہو، وہ اس سے مختلف ہے جو بالکل غیر مشروع ہو۔ نیز فاسد کا حکم یہ ہے کہ وہ قبضہ کے بعد ملکیت کا فائدہ دیتی ہے، جبکہ بیع باطل اس کا بالکل فائدہ نہیں دیتی، اور ان دونوں کے حکموں کا مختلف ہونا، ان دونوں کے ذاتی طور پر مختلف ہونے کی دلیل ہے (۲)۔

ج- بیع مکروہ:

۴- جو اصل و وصف دونوں لحاظ سے مشروع ہو لیکن کسی غیر لازم

(۱) ابن ماجہ ۱/۱۷۱، نہایت المحتاج ۳/۳۳۰، شمس الارادت ۲/۱۵۳، ۱۵۵۔  
(۲) کشف الاسرار ۱/۲۵۷، ۲۶۱، ابن ماجہ ۲/۵۹، ۱۰۰، بدائع الصنائع ۵/۳۰۵، الموافقات للہا طیبی ۲/۳۳۳، ۳۳۷، الدرر السنی ۳/۵۲، نہایت المحتاج ۳/۳۲۹، المغنی ۲/۲۲۹، ۲۵۲، التبصرہ بہامش فتح العلی ۱/۱۹۹ اور اس کے بعد کے صفحات، مباح کردہ دار المعرف، بیروت۔  
(۳) المحوری القواعد ۱/۵۳، ۵۵، ۵۳، ابن ماجہ ۲/۵۲، شمس الارادت ۲/۱۵۵۔

(۱) الزیلعی ۲/۳۳۳، الموافقات للہا طیبی ۱/۲۹۲، مع الجلیل ۲/۵۵۰، جمع الجوامع ۱/۱۰۱، روح الناظر ۳۱۔  
(۲) ابن ماجہ ۲/۲۵۷، ۲۹۲، الزیلعی ۲/۳۳۳، اشباہ ابن کثیر ۲/۳۳۷۔

## بیج باطل ۶

کے لئے یہ لازم نہیں ہے، کیونکہ یہ سب اللہ تک رسائی کے راستے ہیں<sup>(۱)</sup>۔

### بطان بیج کے اسباب:

۶- جمہور فقہاء (مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ) کی رائے ہے کہ بیج فاسد اور بیج باطل میں کوئی فرق نہیں؛ دونوں ہم معنی ہیں، اس لئے کہ بیج فاسد و باطل میں سے ہر ایک شریعت کے مطلوب کے خلاف واقع ہوا ہے، اسی لئے شریعت نے اس کا اعتبار نہیں کیا اور نہ ہی اس پر وہ اثر مرتب کیا جو صحیح بیج پر مرتب کیا ہے اور وہ اثر حصول ملکیت اور انتفاع کا حلال ہونا ہے۔

بیج کے فساد کے اسباب بعینہ، اس کے بطان کے اسباب ہیں، اور ان اسباب کی بنیاد عقد کے ارکان میں سے کسی رکن یا شرائط صحت میں سے کسی شرط میں آنے والا خلل ہے یا اس وجہ سے کہ فعل کے ساتھ لازمی طور پر متصل وصف سے یا وصف مجاور (وہ وصف جو اتفاقی طور پر فعل سے متصل ہو گیا ہے) سے ممانعت وارد ہے، یہ حنابلہ کے نزدیک ہے<sup>(۲)</sup>۔

جمہور نے اس کے لئے حسب ذیل دلائل پیش کئے ہیں:

الف۔ بیج باطل یا فاسد شرعاً ممنوع ہے، اور ممنوع حرام ہوتا ہے، اور حرام اثر کے مرتب ہونے کا سبب بننے کے لائق نہیں ہے، اس لئے کہ کسی تصرف سے ممانعت اسی وضاحت کے لئے ہے کہ یہ

(۱) الذخیرہ، ۱۳۹، ۱۳۱، مائع کردہ وزارت الاوقاف کوہیت، فتح اعلیٰ الممالک ۱/ ۶۰، ۶۵، التقریر والتحریر فی شرح التقریر ۳۳۹، طبع بولا، اعداد اھول، ۲۷، الموافقات للھا طبعی ۳/ ۱۳۳، ۱۳۰، ۱۳۷۔

(۲) جامعہ الرسول، ۳۳، ۵۳، القوانین الفقہیہ لابن جزیر، ۷۰، نہایۃ المحتاج ۳/ ۳۹، ۳، اشباہ امیوٹی ۳/ ۳۱۳، طبع عیسیٰ الخلیسی، روحہ الناظر، ۱۱۳، المغنی ۳/ ۲۲۹، اور اس کے بعد کے صفحات، شرح منشی لرا رادات ۳/ ۱۵۳، ۱۵۶، ۱۵۷، البدائع، ۲۹۹، ۳۰۰، بدلیۃ الجھد ۳/ ۱۲۵، ۱۶۷، ۱۶۹۔

کہ ایک مذہب میں باطل ہو اور دوسرے مذہب میں غیر باطل ہو، مثلاً بیج فضولی، بیج معاظاۃ اور اس کتے کی بیج جس کے پالنے کی اجازت ہے، تو اگر اس کا اقدام کرنے والا مجتہد ہے، درجہ اجتہاد پر پہنچ چکا ہے، تو اس کے حق میں بیج کو باطل نہیں مانا جائے گا، اور نہ ہی اس پر اس میں گناہ ہے، اس لئے کہ اس نے کوشش کر کے شارع کے مقصود کو تلاش کیا، یہاں تک کہ اس کو رہنما دلیل مل گئی، اس اعتبار سے کہ اگر اس کے سامنے اپنی رائے کے خلاف رائے اس سے قوی تر دلیل سے ظاہر ہو جائے تو اس کی طرف رجوع کر لے گا، اجتہاد میں غلطی کرنے والے پر مواخذہ نہیں بلکہ وہ معذور و ماجور ہے<sup>(۱)</sup>۔

تاہم اختلاف سے بچنا مستحب ہے بایں معنی کہ جو شخص کسی چیز کے جواز کا قائل ہو اس کے لئے مستحب ہے کہ اس کو ترک کر دے اگر دوسرا شخص اس کو حرام سمجھتا ہو<sup>(۲)</sup>۔

اسی طرح مقلد گناہ کے سابقہ ہونے میں مجتہد کے حکم میں ہے، اگر وہ اپنے امام کی جائز تھلید کرتا ہے۔

عام آدمی کے لئے مناسب ہے کہ ایسے شخص سے فتویٰ لے جس کے بارے میں اس کا غالب گمان یہ ہو کہ وہ اہل علم و دین اور صاحب ورع ہے، اور اگر اس میں علماء کا اختلاف ہو تو اس عالم کے قول کو اختیار کرے جس کو وہ اپنے دل میں سب سے بڑا صاحب علم، سب سے زیادہ متقی، اور غالب صواب والا سمجھے، اپنی خواہش نفس سے کوئی قول اختیار نہ کرے، اس لئے کہ اس کے نتیجے میں بلا کسی دلیل کے تمام مذاہب کا تتبع کرے گا، اور کچھ حضرات نے کہا: اس

(۱) املوئح علی التوضیح ۳/ ۱۱۸، ۱۲۱، فتح اعلیٰ الممالک ۱/ ۶۰، الموافقات للھا طبعی ۳/ ۲۲۰، ۲۲۱، املوئح ربی القواعد ۳/ ۱۳۰۔

(۲) املوئح ربی القواعد ۳/ ۱۲۷، ۱۲۸۔

## بیع باطل ۶

لیکن حنفیہ کے نزدیک بطلان بیع کا سبب رکن بیع، یا شرط انعقاد میں خلل پیدا ہونا ہے، لہذا اگر رکن یا کوئی شرط انعقاد منفقود ہو تو بیع باطل ہوگی، اس کا کوئی وجود نہیں ہوگا، اس لئے کہ تصرف کا حقیقتاً کوئی وجود ہی نہیں الایہ کہ ”اہل“ کی طرف سے ”محل“ میں ہو۔ اور عقد ہر اعتبار سے بے معنی ہوگا، یا اس لئے کہ تصرف کا مقصد معدوم ہے، مثلاً مردار اور خون کی بیع، یا اس لئے کہ تصرف کی اہلیت معدوم ہے، مثلاً مجنون اور غیر عاقل بچے کی بیع۔

رہا شرائط صحت میں سے کسی شرط میں خلل پیدا ہونا تو یہ بیع کو باطل نہیں کرتا جیسا کہ جمہور کہتے ہیں، بلکہ بیع فاسد ہو جاتی ہے۔ اس مسئلہ میں حنفیہ کا استدلال یہ ہے کہ بیع فاسد مشروع ہے، لہذا انی الجملہ ملکیت کا فائدہ دے گی، اصل کے لحاظ سے اس کے مشروع ہونے کی دلیل بیع کے بارے میں وارد عام اور مطلق نصوص ہیں مثلاً فرمان باری: ”وَ أَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ“<sup>(۱)</sup> (حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے)، اس کے علاوہ اور دوسری عام نصوص جو اس باب میں وارد ہیں<sup>(۲)</sup>۔

یہاں قابل لحاظ امر یہ ہے کہ بعض شافعیہ بیع باطل اور بیع فاسد میں تفریق کرنے میں مذہب حنفی کے ساتھ ہیں، حالانکہ ان کے یہاں عام قواعد اس کے خلاف ہیں۔

”أَسْنَى الْمَطَالِبِ“ میں ہے: ”اصحاب“ نے باطل اور فاسد میں فرق کرتے ہوئے کہا: اگر خلل رکن عقد سے وابستہ ہو مثلاً بچے کی بیع تو باطل ہے، اور اگر اس کی شرط یا صفت سے وابستہ ہو تو فاسد ہے<sup>(۳)</sup>۔

(۱) سورۃ بقرہ ۲۷۵۔

(۲) البدائع ۲/۵۹۹، ۳۰۰، الزیلعی ۳/۶۳، الخلو ج علی التوضیح ۲/۱۲۳، جمع الجوامع ۱/۱۰۵، ۱۰۷۔

(۳) أسنى المطالب شرح روض الطالب مع جامع الرئى ۲/۱۷۱۔

تصرف معتبر اور مشروع ہونے سے خارج ہے۔

ب فرمان نبوی ہے: ”من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد“<sup>(۱)</sup> (جو شخص ہمارے دین میں وہ بات نکالے جو اس میں نہیں، وہ قابل رد ہے)۔ بیع منہی عنہ شریعت کے حکم کے خلاف واقع ہوئی، لہذا امر رد ہوگی، گویا کہ اس کا وجود ہی نہیں ہوا۔

بیع ممانعت کے ذریعہ فساد پر استدلال کرنے پر اسلاف امت کا اجماع ہے<sup>(۲)</sup>، چنانچہ انہوں نے ربا کے فساد کو اس فرمان باری سے سمجھا: ”وَذُرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا“<sup>(۳)</sup> (اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اسے چھوڑ دو)۔ نیز اس فرمان نبوی سے: ”لا تبيعوا الذهب بالذهب إلا مثلاً بمثل“<sup>(۴)</sup> (سونا، سونے سے نہ بیچو مگر برابر برابر)، نیز اس فرمان نبوی سے: ”نہی عن بیع وشرط“<sup>(۵)</sup> (حضور ﷺ نے ایک ساتھ بیع و شرط سے منع فرمایا ہے)۔

یہ جمہور کے نزدیک ہے۔

(۱) حدیث: ”من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد“ کی روایت بخاری (فتح ۳۱/۵ طبع استیعاب) اور مسلم (۳/۳۲۲ طبع مجلس) نے کی ہے۔  
(۲) دیکھئے صلاح الدین بن کیرکانی علائی کی کتاب: تحقیق المراد فی أن النهی يقتضى الفساد، ڈاکٹریٹ کا مقالہ، تحقیق کردہ ڈاکٹر محمد ابراہیم مستعینی، طبع مجمع المدین العربیہ دمشق۔

(۳) سورۃ بقرہ ۲۷۵۔

(۴) حدیث: ”لا تبيعوا الذهب بالذهب إلا مثلاً بمثل.....“ کی روایت بخاری (فتح ۳۲۹ طبع استیعاب) اور مسلم (۳/۱۳۰۸ طبع مجلس) نے کی ہے۔  
(۵) جمع الجوامع ۱/۱۰۵، روضہ المناظر ۱/۱۳، المستعینی للقرانی ۲/۲۶۲، ۲۷۷، جامعہ الدینی ۳/۵۲، بدیہ الجہد ۳/۱۶۷، ۱۶۹، لفروق للقرانی ۲/۸۲، ۸۳، نہایہ المحتاج ۳/۲۹۳، المحور فی القواعد ۳/۷، ۱۳، المغنی ۳/۲۲۹، ۲۵۸، منشی لا رادات ۲/۱۵۲، ۱۵۷۔

حدیث: ”نہی عن بیع وشرط.....“ کی روایت طبرانی نے ”الأوسط“ میں کی ہے جیسا کہ نصب الرایہ میں ہے زیلعی نے ابن قفطان کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حدیث ضعیف ہے (نصب الرایہ ۳/۱۸ طبع مجلس العلمی)۔

## بیع باطل ۷-۹

جس بیع کے باطل ہونے پر فقہاء کا اجماع ہے اس کے بارے میں یہ حکم فقہاء کے یہاں بالاتفاق ہے، رعی مختلف فیہ بیع مثلاً بیع فضولی، تو اگر حاکم اس کی صحت کا فیصلہ کر دے تو قضاء عقد صحیح ہے، حتیٰ کہ ان لوگوں کے نزدیک بھی جو اس کے باطل ہونے کے قائل ہیں، یعنی شافعیہ اور حنابلہ کے یہاں ان کے اصح قول کے مطابق، اس لئے کہ حاکم کا حکم اختلاف کو اٹھا دیتا ہے، لیکن حنابلہ کے یہاں اصح کے مقابل قول یہ ہے کہ اس میں ”اجازت“ کا دخل ہے (۱)۔

اگر بیع باطل کا وقوع ہو جائے تو صورتاً اس کے وجود سے بعض احکام متعلق ہیں، جن کی تشریح یہ ہے:

الف- تراود (باہمی واپسی):

۹- اگر بیع باطل کا وقوع ہو جائے اور طرفین میں سے کوئی کچھ سپرد کر دے تو اس کو واپس کرنا واجب ہے، اس لئے کہ بیع باطل میں قبضہ سے ملکیت حاصل نہیں ہوتی ہے۔ اور طرفین میں سے ہر ایک پر واجب ہے کہ جو اس نے لیا ہے اگر باقی ہو تو اس کو واپس کر دے۔ یہ حکم بالاتفاق ہے (۲)۔

ابن رشد کہتے ہیں: علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر بیوع فاسدہ کا وقوع ہو جائے، اور وہ فوت نہ ہوئی ہوں (یعنی بیع اور ثمن دونوں موجود ہوں) تو ان کا حکم رد کرنا ہے یعنی بائع ثمن لوٹا دے

۷- حنفیہ اور جمہور کے مذہب کے درمیان اس تفریق کے باوجود کچھ باطل بیوع ایسی ہیں جن کے بطلان پر مذاہب اربعہ میں اتفاق ہے، جیسے کہ وہ بیع جس کے رکن یا شرائط انعقاد میں سے کسی شرط میں خلل پیدا ہو جائے مثلاً مردار، خون، ”ملائح“ اور ”مضامین“ کی بیع، یہ بالاتفاق باطل بیوع ہیں۔

کچھ بیوع ایسی ہیں جن کے بطلان میں مذاہب کا اختلاف ہے، اور وہ ہر ایسی بیع ہے جس میں خلل اوپر ذکر کردہ خلل کے علاوہ سے ہو۔

مثلاً بیع فضولی صحیح ہے، لیکن حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اجازت پر موقوف ہوگی، جبکہ شافعیہ کے یہاں اصح قول اور حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ باطل ہے۔ اذان جمعہ کے وقت بیع حنابلہ کے نزدیک باطل ہے، اور یہی بات بیع تعاطی، اس کتے کی بیع جسے رکھنے کی اجازت ہے اور بیع نجس وغیرہ کے بارے میں کہی جاسکتی ہے۔

اس طرح کی بیوع پر باطل ہونے یا باطل نہ ہونے کا حکم لگانے میں اختلاف کا سبب دلیل میں اختلاف ہے (۱)۔

### بیع باطل سے متعلق احکام:

۸- بیع باطل پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا، بس صورتاً اس کا وجود ہے۔ کوئی اور وجود نہیں، وہ بنیادی طور پر ختم ہے، اس کو ختم کرنے کے لئے تاقضی و حاکم کے فیصلہ کی ضرورت نہیں (۲)۔

اس میں اجازت کا دخل نہیں ہے، کیونکہ وہ معدوم ہے، اور اجازت معدوم سے متعلق نہیں ہوتی ہے۔

(۱) ابن عابدین ۳/۷، منح الجلیل ۲/۵۷۲، کشاف القناع ۳/۱۵۷، نہایت

الکناج ۳/۳۸۹، ۳۹۰، قلیوبی و عمیرہ ۲/۶۰، حاشیہ الدرستی ۳/۷۱۔

(۲) البدائع ۵/۳۰۵، ابن عابدین ۳/۱۰۵، الدرستی ۳/۷۱، القوانین

العقیمیہ ۲/۱۷۳، ۱۷۴، نہایت الکناج ۳/۳۶۳، ۳۶۵، کشاف القناع

۳/۱۵۰، المغنی ۲/۲۵۲، ۲۵۳۔

(۱) لفرق للقرانی ۲/۸۲، ۸۳ (فرق ۷۰)، منح الجلیل ۲/۵۵۰، بدیہ

الکناج ۲/۱۹۳، ۱۶۷۔

(۲) البدائع ۵/۳۰۵، ابن عابدین ۳/۱۰۵، حاشیہ الدرستی ۳/۵۳، منشی

لإرادات ۲/۱۹۰۔

## بیع باطل ۱۰-۱۱

اور خریدار بیع لوٹا دے (۱)۔

بیع - ضمان:

۱۱- اگر بیع خریدار کے قبضہ میں تلف ہو جائے تو حنفیہ کے یہاں ”قول صحیح“ اور شافعیہ اور حنابلہ کا مذہب یہ کہ اس پر اس کا ضمان مثلی میں مثل کے ذریعہ اور ذوات التیم میں قیمت کے ذریعہ لازم ہے۔ شافعیہ کے نزدیک ذوات التیم میں قبضہ کے وقت سے تلف کے وقت تک کی اعلیٰ قیمت لگائی جائے گی۔ ایک قول یہ ہے کہ تلف کے دن کی اس کی قیمت کا اعتبار ہوگا، ایک اور قول یہ ہے کہ قبضہ کے دن کی اس کی قیمت کا اعتبار ہے۔

حنابلہ کے نزدیک جس شہر میں قبضہ ہوا ہے اس میں تلف کے دن کی قیمت معتبر ہے: ”تقاضی“ اسی کے قائل ہیں، اور امام احمد نے غصب کے بارے میں اسی کی صراحت کی ہے، نیز اس لئے کہ اس کا قبضہ مالک کی اجازت سے ہے، لہذا یہ عاریت کے مشابہ ہو گیا، اور خرقی نے غصب کے بارے میں لکھا ہے: اس پر اس کی زیادہ سے زیادہ قیمت لازم ہے، لہذا یہاں بھی اسی طرح سے اس کی تخریج ہوگی، اور یہی اولیٰ ہے، اس لئے کہ ”عین“ اپنے مالک کی ملکیت میں زیادتی کی حالت میں تھی، اور اسی پر اس کی زیادتی کے ساتھ اس کے نقص کا ضمان ہے تو تلف کی حالت میں بھی یہی حکم ہوگا۔

مالکیہ کے یہاں اس سلسلہ میں تفصیل ہے، وہ کہتے ہیں: اگر بیع خریدار کے ہاتھ میں فوت ہو جائے تو مختلف فیہ بیع فاسد (کوکہ اختلاف مذہب مالکی سے باہر کا ہو) اس ضمن کے ساتھ مانڈ ہو جائے گی جس پر بیع ہوئی ہے۔ اور اگر مختلف فیہ نہ ہو بلکہ بالاتفاق فاسد ہو تو خریدار قبضہ کے وقت کی اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اگر ذوات التیم میں سے ہو، اور ”مثلی“ کے مثل کا ضامن ہوگا اگر کیل یا وزن سے فروخت ہو، اور اس کے کیل یا وزن کا علم ہو، اور اس کا وجود محال نہ ہو، ورنہ اس کے خلاف واپسی کا فیصلہ ہونے کے دن اس کی

بیع کی واپسی اس کے متصل و منفصل اضافہ کے ساتھ، اور مشتری کے قبضہ میں باقی رہنے کی مدت کی اجرت مثل کے ساتھ ہوگی، اور اگر اس میں نقص پیدا ہو گیا ہو تو اس کا ضمان دے گا، اس لئے کہ اس کا ضمان اس پر واجب ہے تو اس کے اجزاء کا ضمان بھی واجب ہوگا۔ اس کی صراحت شافعیہ اور حنابلہ نے کی ہے، مذہب حنفی کے قواعد سے بھی یہی سمجھ میں آتا ہے۔

جبکہ مالکیہ کے نزدیک اصل بیع میں اگر کوئی زیادتی یا نقص پیدا ہو جائے تو اسے بیع کا فوت ہونا قرار دے کر اس میں حق ضمان کی طرف منتقل ہو جائے گا (۲) (یعنی بیع واپس کرنے کے بجائے ضمان دے گا)۔

ب- بیع میں تصرف:

۱۰- اگر بیع باطل کے بیع میں خریدار نے تصرف کرتے ہوئے بیع یا بیہ وغیرہ کر دیا تو اس کا تصرف نافذ نہ ہوگا، اس لئے کہ وہ اس کا مالک نہیں، لہذا وہ دوسرے کی ملکیت میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنے والا ہو گیا، اور اس کے تصرفات غاصب کے تصرفات کی طرح ہوں گے۔ اور اسی وجہ سے یہ تصرف واپس کرنے سے مانع نہیں، کیونکہ وہ نافذ ہی نہیں۔ یہ حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہے۔ جبکہ مالکیہ کے نزدیک بیع میں تصرف فوت کرنے والا مانا جاتا ہے، اور اس میں حق ضمان کی طرف منتقل ہو جائے گا (۳)۔

(۱) بدلیۃ الجہد، ۲/ ۱۹۳، طبع عیسیٰ الجلیسی۔

(۲) روئے الطالبین، ۳/ ۲۰۸، حاشیہ الجمل علی شرح المبیع، ۳/ ۸۳، المغنی، ۳/ ۲۵۳، القوانین الفقہیہ، ۲/ ۱۷۲، بدلیۃ الجہد، ۲/ ۱۹۳۔

(۳) الفتاویٰ الحاشیہ برہامش الہندیہ، ۲/ ۱۳۳، الدرر النوری، ۳/ ۷۱، ۷۲، حاشیہ الجمل علی المبیع، ۳/ ۸۵، ۸۳، المغنی، ۳/ ۲۵۵۔

## بیع باطل ۱۲

جب عقد بعض میں باطل ہے تو سارے میں باطل ہوگا، اس لئے کہ ایک ہی معاملہ میں کئی حصے نہیں ہو سکتے، یا اس وجہ سے کہ حرام و حلال کے اجتماع کے وقت حرام غالب ہوتا ہے یا ثمن کے مجہول ہونے کی وجہ سے۔

شافعیہ کا قول ”ظہر“، امام احمد سے دوسری روایت اور مالکیہ میں سے ابن قسار کا قول ہے کہ ایک ہی معاملہ میں کئی حصے ہونا جائز ہے، لہذا جائز میں صحیح اور ناجائز میں باطل ہوگی، اس لئے کہ ایک کے باطل ہونے کی وجہ سے سارے میں عقد کو باطل کرنا، ایک کے صحیح ہونے کی وجہ سے سارے کو صحیح قرار دینے سے اولیٰ نہیں، لہذا وہ دونوں اپنے اپنے حکم پر باقی رہیں گے، اور جائز میں صحیح، اور ناجائز میں باطل ہوگی۔

امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہا: اگر ابتداء میں ہر شق کے لئے ثمن سے اس کا حصہ معین کر دے تو اس صورت میں اس معاملہ کو دو مستقل معاملہ مانا جائے گا، اور ان میں تجزی (حصہ ہونا) جائز ہے، ایک معاملہ صحیح اور دوسرے باطل ہوگا۔

یہ تفریق معاملہ کی ایک صورت ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شق میں عقد صحیح اور دوسری شق میں موقوف ہو مثلاً اپنے اور دوسرے کے گھر کو ایک ہی معاملہ میں فروخت کرنا، بیع ان دونوں میں صحیح ہے، اس کے مملوکہ گھر میں بیع لازم ہوگی اور دوسرے کے مملوکہ گھر میں لزوم بیع اس کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ یہ مالکیہ اور امام زفر کے علاوہ دوسرے ائمہ حنفیہ کے نزدیک ہے، اور یہ حنفیہ کے نزدیک اس قاعدہ پر مبنی ہے کہ ”ابتداء کسی حصہ کی بیع جائز نہیں ہوتی ہے، مگر انتہاء جائز ہو جاتی ہے“۔

امام زفر کے نزدیک سب باطل ہے، اس لئے کہ عقد مجموعہ پر واقع ہے، اور مجموعہ میں تجزی نہیں ہوتی۔

قیمت کا ضمان ہوگا (۱)۔

حنفیہ کی ایک رائے اور ہے، وہ کہتے ہیں: بیع خریدار کے پاس امانت ہے، اور وہ تعدی (زیادتی) یا حفاظت میں کوتاہی کئے بغیر ضامن نہیں ہوگا، اس لئے کہ یہ ایسا مال ہے جس پر اس نے اس کے مالک کی اجازت سے ایسے عقد میں قبضہ کیا ہے جو صورتاً موجود ہے، حقیقتاً نہیں۔ پس عقد معدوم کی طرح ہو گیا اور قبضہ کے لئے اس کی اجازت باقی رہ گئی (۲)۔

## د- بیع باطل کی تجزی:

۱۲- بیع باطل کی تجزی سے مراد یہ ہے کہ بیع کے ایک ہی معاملہ میں جائز اور ناجائز چیزیں داخل ہوں، تو بیع ایک شق میں صحیح اور دوسری شق میں باطل ہوگی، اور فقہی قاعدہ ہے کہ اگر حلال و حرام جمع ہوں تو حرام غالب ہوگا۔ فقہاء نے اس قاعدہ کے تحت ”تفریق صفتہ“ کو داخل کیا ہے جو یہ ہے کہ ایک عقد میں جائز اور ناجائز چیزوں کو جمع کر دیا جائے۔

عقد بیع اگر ایک شق میں صحیح اور دوسری شق میں باطل ہو مثلاً شیرہ اور شراب کو جمع کرنا یا ذبیحہ اور مردار کو جمع کرنا، اور اس کو ایک ہی معاملہ میں بیجا گیا ہو تو سارا معاملہ باطل ہے۔ یہ حنفیہ اور مالکیہ (بہ استثناء ابن قسار) کا مسلک اور شافعیہ کے یہاں ایک قول ہے (اسنوی نے ”کتاب المہمات“ میں دعویٰ کیا ہے کہ یہی مذہب ہے) اور یہی امام احمد سے ایک روایت ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ

(۱) ابن عابدین ۱۰۵/۳، البدائع ۳۰۵/۵، الدوسقی ۳۱۳/۱، منہج الجلیل

۸۳/۲، ۵۷۷/۵، ۵۷۸/۵، روایت الطالینین ۳۰۸/۳، حاشیہ الجمل علی الصحیح ۳۳/۸۳،

اشباہ السیوطی ۲/۳۷۳، کشف القناع ۳/۱۹۷، ۱۹۸، المغنی ۳/۲۵۳۔

(۲) البدائع ۳۰۵/۵، ابن عابدین ۱۰۵/۳، درر الحکام ۲/دفعہ (۳۷۰)،

## بیع باطل ۱۳ - ۱۴

اسی وجہ سے گیہوں میں آٹے کی، زیتون کے پھل میں اس کے تیل کی، تھن میں دودھ کی، تربوزے میں بیج کی اور کھجور میں گٹھلی کی بیع ناجائز ہے، اس لئے کہ وہ معدوم ہے، حتیٰ کہ اگر بائع خریدار کو دودھ یا آٹا یا عصیر (شیرہ) سپرد کر دے تو بھی بیع صحیح نہ ہو سکے گی، اس لئے کہ عقد کے وقت معقود علیہ معدوم ہے، اور اس کے بغیر عقد کا انعقاد متصور نہیں، لہذا وہ منعقد ہی نہیں ہوگی، اس لئے نفاذ کا احتمال نہیں رکھے گی<sup>(۱)</sup>۔

۱۴ - جمہور کے نزدیک جو بیع فاسد اور باطل میں فرق نہیں کرتے بیع باطل مفسد کے ہٹا دینے سے صحیح نہیں ہو جائے گی، چنانچہ شافعیہ کی کتابوں میں ہے: اگر عاقدین مفسد عقد کو حذف کر دیں، کو مجلس خیابا ہی میں، تو بھی عقد صحیح نہ ہوگا، اس لئے کہ فاسد کا کوئی اعتبار ہی نہیں<sup>(۲)</sup>۔

ابن قدامہ کی ”المغنی“ میں ہے: اگر اس شرط کے ساتھ فروخت کرے کہ اس کو قرض دے یا خریدار نے یہ شرط بائع پر لگائی تو یہ حرام ہے اور بیع باطل ہے، اس لئے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”لا یحل سلف و بیع، ولا شرطان فی بیع، ولا ربح مالم یضمن، ولا بیع مالیس عندک“<sup>(۳)</sup> (ایک ساتھ قرض اور بیع حلال نہیں ہے، ایک بیع میں دو شرطیں حلال نہیں ہیں، اس چیز کا نفع حلال نہیں ہے جو اپنے ضمان

(۱) ابن ماجہ بن ۴۰۸، ۱۱۳، الریشی ۴۷۳، ۵۰، فتح القدیر ۶/۵۲، ۵۲۶

کردہ دار احیاء التراث، البدائع ۵/۱۳۹۔

(۲) نہایت المحتاج ۳/۳۳۳، ۳۳۵، روضۃ الطالبین ۳/۱۰، مغنی المحتاج ۲/۴۰، حاشیۃ الجمل ۳/۸۳، ۸۵۔

(۳) حدیث: ”لا یحل سلف و بیع، ولا شرطان فی بیع، ولا ربح مالم یضمن، ولا بیع مالیس عندک“ کی روایت ابو داؤد (۶۹/۳) طبع عزت عید دہاس، ترمذی (۵۳۵/۳) طبع الجلیسی اور حاکم (۱۷/۳) طبع المعارف الحثائبی نے کی ہے حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک پہلی صورت میں پایا جانے والا سابقہ اختلاف اس میں بھی جاری ہوگا، اس لئے کہ عقد موقوف ان کے نزدیک دراصل باطل ہے۔

تیسری صورت جس کو ابن قدامہ نے ذکر کیا، یہ ہے کہ معلوم و مجہول کو ایک ساتھ فروخت کرے مثلاً کہے: میں نے تمہارے ہاتھ ایک ہزار میں یہ گھوڑیاں اور ان دوسری گھوڑیوں کے پیٹ میں جو بچے ہیں انہیں فروخت کیا، یہ بیع بہر حال باطل ہے۔ ابن قدامہ نے کہا<sup>(۱)</sup>، میرے علم کے مطابق اس کے باطل ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

## ۵ - بیع باطل کی تصحیح:

۱۳ - بیع باطل کی تصحیح کی دو ممکن صورتیں ہیں،

اول: اگر مبطل عقد ختم ہو جائے تو کیا بیع صحیح ہو جائے گی؟  
دوم: اگر عقد باطل کا صیغہ کسی دوسرے عقد صحیح کے معنی تک پہنچائے تو کیا یہ بیع باطل دوسرے عقد صحیح میں بدل جائے گی؟  
اس کی توضیح حسب ذیل ہے:

پہلی صورت: حنفیہ بیع باطل اور بیع فاسد میں فرق کرتے ہیں، لہذا ان کے نزدیک بیع فاسد کی تصحیح مفسد کے اٹھ جانے سے ہو جائے گی، البتہ بیع باطل کی نہیں، حنفیہ اس کی تعلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ فاسد میں مفسد کے اٹھ جانے سے بیع لوٹ کر صحیح ہو جائے گی، اس لئے کہ بیع فاسد کے ساتھ قائم ہے، اور بطلان کے ساتھ صفت بطلان کی وجہ سے وہ قائم نہ تھی، بلکہ معدوم تھی۔

(۱) الاشیاء لابن کثیر ۱۱۳، ۱۱۴، البدائع ۵/۱۳۵، ابن ماجہ بن ۴۰۳، ۱۰۳، الاخیار ۲/۲۳، جوہر الإطلیل ۶/۲، القوائین المقطعہ ۲/۷۲، الدوسقی ۲/۲۶۶، الاشیاء للسیوطی ۲/۱۲۰، ۱۲۲، المنہج فی القواعد ۲/۳۸۲، نہایت المحتاج ۳/۶۱، روضۃ الطالبین ۳/۲۰، المغنی ۶/۲۶۲، ۲۶۳۔



## بیع باطل ۱۵

کہ ان کے ساتھ بیع صحیح نہیں، گوکہ شرط کو حذف کر دیا جائے، وہ شرائط یہ ہیں:

(۱) جس نے کوئی سامان ادھار قیمت میں اس شرط کے ساتھ خرید ا کہ اگر وہ مر گیا تو قیمت اس پر صدقہ ہے۔ تو اس بیع کو فسخ کر دیا جائے گا، گوکہ اس شرط کو ساقط کر دے، اس لئے کہ یہ ”غرر“ ہے، اسی طرح اگر یہ شرط ہو کہ اگر وہ مر گیا تو بائع اس کے ورثاء سے قیمت کا مطالبہ نہیں کرے گا۔

(۲) شرط ثنیا (بیع الوفاء والی شرط) بیع کو فاسد کر دیتی ہے اگرچہ شرط کو ساقط کر دیا جائے، مشہور یہی ہے (۱)۔

(۳) بیع خیاری میں نقد کی شرط۔ ابن حجب نے کہا: اگر نقد کی شرط کو ساقط کر دے تو بھی صحیح نہیں ہے۔

رعی وہ شرط جس کے نتیجے میں شروط صحت میں سے کسی شرط میں خلل پیدا ہو تو وہ موجب فسخ ہے، عاقدین کے لئے اس عقد کو جاری رکھنا جائز نہیں ہے (۲)۔

۱۵ - مذکورہ مسائل میں حکم کا مدار فقہاء کے یہاں، جیسا کہ ابن رشد نے کہا، یہ ہے کہ اگر بیع میں فساد شرط کی وجہ سے پیدا ہو تو کیا شرط کے اٹھ جانے سے فساد اٹھ جاتا ہے یا نہیں؟ جیسا کہ وہ فساد نہیں اٹھتا جو حائل بیع میں حرام لعینہ کے جوڑ دینے کی وجہ سے لاحق ہوتا ہے، مثلاً کوئی شخص ایک گھوڑا سو دینار اور ایک مہکے شراب میں فروخت کرے، اور جب عقد بیع کر لے تو کہے کہ میں ایک مہکے شراب کو چھوڑتا ہوں، یہ بیع علماء کے یہاں باجماع فسخ شدہ ہے۔

یہ بھی ایک دوسرے اصل پر مبنی ہے، وہ یہ ہے کہ یہ فساد حکمی (تعبدی) ہے یا عقلی؟ اگر ہم اسے حکمی کہیں، تو شرط کے اٹھ جانے

میں نہ ہو، اس چیز کی بیع حائل نہیں ہے جو تمہارے پاس نہ ہو)۔

نیز اس لئے کہ اس نے ایک عقد میں دوسرے عقد کی شرط لگائی، لہذا فاسد ہوگا، جیسا کہ ایک بیع میں دو بیع، نیز اس لئے کہ اگر قرض کی شرط لگائے گا تو اس کی وجہ سے ثمن میں اضافہ کرے گا، اس طرح ثمن میں ہونے والا اضافہ قرض کا عوض اور اس کا نفع ہوگا، اور یہ سود ہے جو حرام ہے، اس لئے فاسد ہوگا، جیسا کہ اگر اس کی صراحت کر دیتا، نیز اس لئے کہ یہ بیع فاسد ہے لہذا وہ صحیح نہیں ہو جائے گی جیسا کہ اگر ایک درہم میں دو درہم کفر و خست کرے، پھر ایک درہم کو ترک کر دے (۱)۔

”شرح منتهی الارادات“ میں ہے: جس نے ضمان درک کی شرط کے ساتھ فروخت کیا، اور درک سے زید کا استثناء کیا، اس کے لئے اس کی بیع صحیح نہیں ہوگی، اس لئے کہ ضمان درک سے زید کا استثناء کرنا بتاتا ہے کہ بیع میں اس کا حق ہے، اس لئے کہ اس نے اس کی بیع کی اجازت نہیں دی، لہذا وہ باطل ہوگی، پھر اگر وہ زید کو بھی ضمان درک میں شامل کر لے تو بیع صحیح نہیں ہو جائے گی، اس لئے کہ فاسد صحیح نہیں ہو جاتا (۲)۔

مالکیہ کے نزدیک اصل یہ ہے کہ ہر ایسی شرط جو مقتضائے عقد کے مخالف ہو مثلاً بیع الثنیا (بیع الوفاء) اور وہ یہ ہے کہ سامان اس شرط پر خریدے کہ بائع جب ثمن لوٹا دے گا تو سامان اس کا ہو جائے گا) اسی طرح ہر ایسی شرط جو مقدار ثمن میں مخل ہو جیسے بیع اور قرض کی شرط، تو اس سے عقد فاسد ہوگا۔

لیکن اگر قرض کی شرط کو حذف کر دیا جائے تو بیع صحیح ہو جائے گی، اسی طرح ہر وہ شرط جو مقصود کے مخالف ہو، البتہ بعض شرائط ایسی ہیں

(۱) منہج الجلیل ۲/ ۵۷۰، ۵۷۱، نیز دیکھئے الموانع للشاطبی ۱/ ۲۹۵، ۲۹۶۔

(۲) منہج الجلیل ۲/ ۵۷۲۔

(۱) المغنی ۳/ ۲۶۰، طبع المریض۔

(۲) شرح منتهی الارادات ۲/ ۲۵۰۔

## بیع باطل ۱۶

الفاظ و مہمانی کا نہیں، اور اسی وجہ سے بیع الوفاء میں رہن کا حکم جاری ہوتا ہے (۱)۔

مذہب مالک میں ہے: جس نے زمین جائیداد یا کوئی اور چیز فروخت کی اور خریدار پر یہ شرط لگائی کہ اس کو فروخت نہیں کرے گا، اور ہبہ نہیں کرے گا یہاں تک کہ اس کو ثمن دے دے تو اس میں کوئی حرج نہیں، اس لئے کہ یہ رہن کے درجہ میں ہے، اگر ثمن کا دینا مقررہ مدت پر ہو (۲)۔

اسی طرح بیع باطل کے دوسرے صحیح عقد میں بدل جانے کا حکم اس قاعدہ کے ضمن میں جاری ہے جس کا ذکر پہلے آیا۔

سے فساد نہیں اٹھے گا، اور اگر عقلی کہیں تو شرط کے اٹھ جانے سے فساد اٹھ جائے گا۔

امام مالک اس کو ”عقلی“ سمجھتے ہیں، اور جمہور اس کو غیر عقلی سمجھتے ہیں۔

ربا اور غروالے بیوع میں پایا جانے والا فساد اکثر حکمی ہوتا ہے، اسی وجہ سے ان کے نزدیک اس کا بالکل انعقاد نہیں ہوتا، کو کہ بیع کے بعد ربا کو ترک کر دے یا ”غرر“ ختم ہو جائے (۱)۔

۱۶- ربی دوسری صورت یعنی بیع باطل کا کسی دوسرے صحیح عقد میں بدل جانا تو اس کی بنیاد اس قاعدہ میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ اعتبار عقود کے صیغوں کا ہے یا ان کے معانی کا؟

سیوطی کہتے ہیں: عقود کے صیغوں کا اعتبار ہے یا ان کے معانی کا؟ یہ اختلافی مسئلہ ہے فروع میں ترجیح مختلف ہے مثلاً:

اگر بیع کو بائع کے ہاتھ اس پر قبضہ سے پہلے ثمن اول کے مثل میں فروخت کر دے تو یہ لفظ بیع کے ذریعہ اقالہ ہے۔ سکی نے اس کی تخریج قاعدہ مذکورہ پر کی ہے، تخریج قاضی حسین کی ہے، انہوں نے کہا: اگر ہم لفظ کا اعتبار کریں تو صحیح نہ ہوگا اور اگر معنی کا اعتبار کریں تو اقالہ ہے (۲)۔ اور یہ بیع فاسد ہے، اس لئے کہ یہ قبضہ سے پہلے بیع پر واقع ہے، لیکن وہ اس کے باوجود اقالہ صحیح میں بدل جائے گا، اس لئے کہ عقد میں اقالہ کے تمام عناصر موجود ہیں۔

ابن کجیم کی ”الاشباہ“ میں ہے: اعتبار معنی کا ہے، الفاظ کا نہیں، علماء نے کئی جگہوں پر اس کی صراحت کی ہے (۳)۔

”درر الحکام“ میں ہے: عقود میں اعتبار مقاصد و معانی کا ہے،



(۱) بدایۃ المجتہد ۲/۱۶۳ طبع عینی لکھنؤ۔

(۲) الاشباہ و التامیہ ۱۸۳، ۱۸۵۔

(۳) الاشباہ لابن کجیم ۲۰۷۔

(۱) درر الحکام شرح مجلہ الاحکام دلفی (۳) ۱۸، ۱۹۔

(۲) منہج الجلیل ۲/۵۶۸۔

## بیع التلجہ ۱-۲

اصطلاح میں اس کا معنی الجاء کے معنی کی طرف لوٹنا ہے، اور وہ اکراہ نام یا اکراہ ملجئی ہے۔ اور اس کا معنی جیسا کہ ”حاشیہ ابن عابدین“ سے سمجھ میں آتا ہے، یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کو جان یا عضو کے تلف کرنے یا سخت مار کی دھمکی دے، اگر وہ اس کا مطلوب فعل انجام نہ دے<sup>(۱)</sup>۔

## بیع التلجہ

تعریف:

۱۔ بعض حنفیہ نے بیع التلجہ کی تعریف یہ کی ہے: ایسا عقد جس کو کوئی شخص کسی امر کی مجبوری کی وجہ سے انجام دے، اس طرح وہ اس پر مجبور کی طرح ہو جاتا ہے<sup>(۱)</sup>۔

صاحب ”الانصاف“ نے اس کی تعریف یہ کی ہے: بائع اور مشتری ایسی بیع کا اظہار کریں جس کو وہ دل سے نہیں چاہیں، بلکہ ظالم وغیرہ کے خوف سے اس کوٹانے کے لئے کریں<sup>(۲)</sup>۔

شافعیہ نے اس کو ”بیع امانت“ کہا ہے<sup>(۳)</sup>۔ اس کی صورت جیسا کہ نووی نے ”المجموع“ میں لکھا ہے، یہ ہے کہ بائع اور مشتری عقد کے اظہار پر اتفاق کر لیں، ظالم وغیرہ کے خوف کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے۔ اور وہ دونوں اس بات پر اتفاق کر لیں کہ جب وہ دونوں بیع کا اظہار کریں گے تو وہ بیع نہ ہوگی، پھر بیع کی جائے<sup>(۴)</sup>۔

رہا تلجہ جس کی طرف اس بیع کی اضافت کی گئی ہے تو وہ لغت میں اکراہ اور اضطرار کے معنی میں آتا ہے<sup>(۵)</sup>۔

متعلقہ الفاظ:

الف- بیع الوفاء:

۲- اس کی صورت یہ ہے کہ کسی ”عین“ کو ایک ہزار میں اس شرط کے ساتھ فروخت کرے کہ جب اس کو ٹخن لوٹائے گا تو وہ اس کو عین واپس کر دے گا<sup>(۲)</sup>۔ بیع التلجہ اور بیع الوفاء حقیقت بیع کا ارادہ نہ ہونے میں متفق ہیں، اور ان میں باہمی اختلاف یہ ہے کہ بیع الوفاء رہن یا بیع اور شرط ظاہر کی طرف لوٹتی ہے، جبکہ بیع التلجہ میں عدم ارادہ بیع پر اتفاق بائع و مشتری کے درمیان مضمحل ہوتا ہے، اور کوئی بیع ہوتی ہی نہیں ہے۔

علاوہ ازیں بیع التلجہ اور بیع الوفاء کے درمیان فرق یہ ہے کہ بیع التلجہ میں متعاقدین ظالم وغیرہ کے خوف یا کسی اور وجہ سے اظہار بیع پر متفق ہوتے ہیں، نیز اس بات پر بھی اتفاق ہوتا ہے کہ جب وہ دونوں اس کا اظہار کریں گے تو وہ بیع نہ ہوگی، جبکہ بیع الوفاء میں وہ دونوں اس بات پر متفق ہوتے ہیں کہ ان میں سے ایک دوسرے کے ہاتھ ”عین“ کو متعین قیمت میں فروخت کرے گا، اسی طرح وہ دونوں

(۱) الفتاویٰ الہندیہ ۲۰۹/۳ طبع المکتبۃ الاسلامیہ، بولچھ انصاف ۶/۵ ۱۷ طبع الجمالیہ۔

(۲) الانصاف ۲۶۵/۳ طبع التراث۔

(۳) آسنی الطالب ۱۱/۲ طبع المکتبۃ الاسلامیہ۔

(۴) المجموع ۳۳۳۔

(۵) القاموس المحیط، الصحاح، امصباح المہیر مادۃ ”تلجہ“۔

(۱) ابن عابدین ۸۰/۵، طبع امصباح کشف الاسرار عن اصول فخر الاسلام لہر دوی ۳۵۷/۳ طبع دارالکتاب العربی۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین علی الدر المختار ۲۳۶/۳ طبع امصباح الفتاویٰ الہندیہ

۲۰۹/۳ طبع المکتبۃ الاسلامیہ، جامعۃ الخطاوی علی الدر المختار ۱۳۳/۳، ۱۳۳ طبع دارالمعرفہ۔

## بیع التلجہ ۳-۵

سے اس کا معنی موضوع کہ مراد لیا جائے (۱)۔

بیع التلجہ اور بیع ہازل کے درمیان فرق یہ ہے کہ بیع التلجہ کا سبب و باعث کو کہ غالباً اکراہ ہوتا ہے، تاہم وہ اپنی حقیقت کے لحاظ سے بیع ہازل ہی ہے، اس لئے کہ بیع التلجہ میں بائع صیغہ بیع کا تلفظ کرتا ہے، حالانکہ حقیقت میں وہ بیع کو مراد نہیں لینا، اور اسی وجہ سے صاحب ”البدائع“ نے لکھا ہے کہ وہ بیع ہازل کے مشابہ ہے (۲)۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ہزل اختیار حکم اور اس پر رضامندی کے منافی ہے، لیکن وہ، مباشرت (انجام دینے) اور اس کے اختیار کرنے پر رضامندی کے منافی نہیں، لہذا یہ بیع میں اختیار شرط کے حکم میں ہو گیا (۳)۔

### بیع کے علاوہ میں تلجہ:

۵- نکاح میں تلجہ ہوتا ہے جیسا کہ اگر کسی صاحب قہر و غلبہ نے دوسرے کے پاس اس کی کسی بیٹی کے لئے پیغام نکاح بھیجا، تو لڑکی والے نے اس کا نکاح کر دیا، اور استرعاء کے گواہوں کو خفیہ طریقہ پر گواہ بنا دیا کہ میں اس کے خوف سے ایسا کر رہا ہوں۔ اور وہ شخص ایسا ہے کہ اس سے دشمنی کرنا اندیشہ کا باعث ہے، اور یہ کہ اگر وہ چاہے گا تو لڑکی کو بلا نکاح اپنے لئے لے لے گا، اس لئے اس کے ساتھ اس نے نکاح کر دیا، تو یہ نکاح ہمیشہ کے لئے فسخ رہے گا۔

تلجہ تحیس (وقف)، طلاق، ہبہ اور دوسرے تطوعات میں بھی جاری ہوتا ہے (۴)۔

اس بات پر بھی متفق ہوتے ہیں کہ جب بائع ثمن حاضر کر دے گا تو وہ بیع واپس لے لے گا، چنانچہ بیع الوفا، حقیقت میں بہ لفظ بیع رہن ہے یا بہ لفظ بیع ایک مدت کے لئے قرض ہے، اس لئے اس میں تلجہ کی شرط لگانا اس کو فاسد کر دے گا (۱)۔

### ب- بیع مکروہ:

۳- بیع مکروہ سے مراد بائع کو اس کی رضامندی کے بغیر بیع پر آمادہ کرنا ہے، کیونکہ اکراہ لغت میں انسان کو کسی ناپسندیدہ چیز پر مجبور کرنے کے معنی میں ہے، اور شرع میں ایسا فعل جو مکروہ کی طرف سے وجود میں آئے، اور محل میں کوئی ایسی وجہ پیدا ہو جائے جس کے سبب وہ اس فعل کے انجام دینے پر مجبور ہو جائے جو اس سے مطلوب ہے (۲)۔

بیع التلجہ، اور بیع مکروہ کے درمیان فرق یہ ہے کہ بیع التلجہ صرف ظاہر میں بیع ہے، حقیقت میں نہیں، جبکہ بیع مکروہ بیع حقیقی ہے، لہذا اس کے حکم کے بارے میں اختلاف ہے کہ فاسد ہوگی یا موقوف۔

### بیع ہازل:

۴- بیع میں ہازل وہ شخص ہے جو بیع کی بات کرے، لیکن حقیقت بیع کا ارادہ نہ ہو۔

ہزل: یہ ہے کہ لفظ سے اس کا معنی مراد نہ لیا جائے، نہ حقیقی، نہ مجازی۔ اور ہزل، جد کی ضد ہے، اور ”جد“ یہ ہے کہ کسی چیز

(۱) کشف الاسرار عن اصول ابیر دوی ۳۵۷/۳، تعریفات البحر جانی۔

(۲) بدائع الصنائع ۱۷۶/۵، ۱۷۷-۱۔

(۳) ابن ماجہ بن ۳۳۳/۳، اصول ابیر دوی ۳۵۷/۳۔

(۴) التبصر ۲۵/۲، ۵۔

(۱) المجموع للمووی ۳۳۳/۳، ابن ماجہ بن ۳۳۶/۳، جامع المقبولین

۳۳۳/۳، ۳۳۶/۳، کشف القناع ۱۳۹/۳، ۱۵۰-۱۔

(۲) الدر المختار ۵/۱۰، المصباح مادہ ”کرہ“۔

## بیع التلجھہ ۶-۷

بیع التلجھہ کی قسمیں:

بطلان کے قول کی وجہ یہ ہے کہ عاقدین نے الفاظ بیع کا تلفظ حقیقت کے ارادہ سے نہیں کیا، اور یہی ہزل کی تشریح ہے، اور ”ہزل“ جواز بیع سے مانع ہے، اس لئے کہ وہ سب کو انجام دینے میں رضامندی کو ختم کر دیتا ہے، لہذا حکم کے حق میں یہ بیع منعقد نہیں ہوئی،<sup>(۱)</sup> اسی طرح دلائل حال یہ ہے کہ وہ دونوں اس طرح کی بیع میں بیع کا ارادہ نہیں رکھتے، کوکہ وہ دونوں عقد میں یہ نہ کہیں کہ ہم نے یہ بیع تلجھہ کے طور پر کی ہے<sup>(۲)</sup>۔

دوم: بیع جائز ہے: امام ابوحنیفہ سے امام ابو یوسف کی روایت یہی ہے، شافعیہ کا مذہب، اسی طرح حنابلہ کے یہاں دوسرا قول یہی ہے<sup>(۳)</sup>۔

اس قول کی وجہ یہ ہے کہ ان کے خفیہ اتفاق کا اعتبار نہیں، اعتبار اس عقد کا ہے جس کا انہوں نے اظہار کیا ہے، نیز اس لئے کہ انہوں نے خفیہ طور پر جو شرط لگائی ہے، اس کو انہوں نے عقد میں ذکر نہیں کیا، بلکہ انہوں نے عقد صحیح کی شرطوں کے مطابق عقد کیا ہے، لہذا سابق شرط اس میں اثر انداز نہ ہوگی، جیسا کہ اگر وہ دونوں متفق ہوں کہ بیع کے وقت دونوں کوئی فاسد شرط لگائیں گے، پھر بلا شرط بیع کریں<sup>(۴)</sup> (اس صورت میں بیع صحیح ہوگی شرط فاسد کے وعدہ کا کوئی اثر بیع پر نہ ہوگا)۔

سوم: یہی امام محمد سے مروی ہے کہ بیع جائز (غیر لازم) ہے۔ اگر وہ دونوں ایک ساتھ جائز فرار دے دیں تو لازم ہو جائے گی، اس لئے کہ اس بیع کو باطل فرار دینا ضرورت کی وجہ سے ہے، لہذا اگر ہم بیع کے وقت وجود شرط کا اعتبار کر لیں تو ضرورت ختم نہ ہوگی، اگر ان

۶- بیع التلجھہ کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم وہ ہے جس میں تلجھہ نفس بیع میں ہوتا ہے، دوسری قسم وہ ہے جس میں تلجھہ ثمن میں ہوتا ہے۔ اور ان دونوں اقسام میں سے ہر ایک کی دو انواع ہیں: کیونکہ تلجھہ اگر نفس بیع میں ہو، تو انشاء بیع میں ہوگا یا فرار بیع میں؟ اور اگر ثمن میں ہو تو اس کی مقدار میں ہوگا یا اس کی جنس میں؟

قسم اول: تلجھہ نفس بیع میں ہو:  
اس کی دو انواع ہیں:

نوع اول: تلجھہ انشاء بیع میں ہو:

۷- وہ یہ ہے کہ خفیہ طور پر وہ دونوں کسی مجبوری کی وجہ سے اس بات پر اتفاق کر لیں کہ وہ دونوں بیع کا اظہار کریں گے، لیکن حقیقت میں ان دونوں کے درمیان بیع نہیں ہوگی۔ یہ محض ریاء اور دکھاوا ہوگا، مثلاً کسی کو سلطان سے ڈر ہو تو وہ دوسرے سے کہے: میں ظاہر کروں گا کہ میں نے تم سے اپنا گھرنہ وخت کر دیا، یہ حقیقت میں بیع نہیں ہوگی، بلکہ تلجھہ ہوگا، چنانچہ انہوں نے بیع کر لی تو جواز و بطلان کے بارے میں اس میں تین قول ہیں:

اول: بیع باطل ہے، امام ابوحنیفہ سے ظاہر الروایہ، اور امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول یہی ہے<sup>(۱)</sup>۔ یہی حنابلہ کے یہاں ”وجہ صحیح“ اور مشہور ہے ”قاضی“ وغیرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

بہوتی نے لکھا ہے: یہ باطل ہے، یہی ایک قول ہے، کیونکہ ان دونوں نے اس پر اتفاق کیا ہے<sup>(۲)</sup>۔

(۱) بدائع الصنائع ۱۷۶/۵۔

(۲) کشاف القناع ۱۳۹/۳۔

(۳) بدائع الصنائع ۱۷۶/۵، المجموع ۳۳۳/۹، المفروع ۳۹۳/۳۔

(۴) بدائع الصنائع ۱۷۶/۵، المجموع ۳۳۳/۹۔

(۱) بدائع الصنائع ۱۷۶/۵۔

(۲) المفروع ۳۹۳/۳، کشاف القناع ۱۳۹/۳، طبع النصر، الانصاف ۲۶۵/۳۔

طبع التراث۔

## بیع التلجھہ ۸-۱۰

اہلہ اگر وہ دونوں تلجھہ پر متفق ہوں، پھر وہ دونوں بیع کے وقت کہیں: ہمارے درمیان جو بھی شرط تھی، باطل ہے، تو تلجھہ باطل ہو جائے گا اور بیع جائز ہوگی، اس لئے کہ یہ فاسد اور زائد شرط ہے، لہذا اس وقت کرنے سے ساقط ہو جائے گی۔ اور جب ساقط ہوگی تو عقد جائز ہو گیا (۱)۔

نوع دوم: اقرار بیع میں تلجھہ ہو:

۹- تلجھہ اگر اقرار بیع میں ہو یعنی ان دونوں نے باہم اتفاق کیا ہو کہ ایسی بیع کا اقرار کریں گے جو نہیں ہوئی ہے، چنانچہ انہوں نے اس کا اقرار کر لیا، پھر ان دونوں نے اتفاق کر لیا کہ وہ بیع نہیں تھی، تو یہ بیع باطل ہے جیسا کہ صاحب ”البدائع“ نے لکھا ہے، اور ان دونوں کی اجازت سے جائز نہ ہوگی، اس لئے کہ اقرار خبر دینا ہے اور خبر دینے کی درستگی یہ ہے کہ خبر دیتے وقت مجربہ (جس کی خبر دی جا رہی ہے) ثابت ہو تو اگر وہ ثابت ہو تو خبر دینا سچا ہوگا، ورنہ جھوٹا ہوگا، لہذا اجازت کا احتمال نہیں رکھے گی، اس لئے کہ اجازت موجودی کی ہوتی ہے، معدوم کی نہیں (۲)۔

قسم دوم: وہ بیع جس میں تلجھہ ثمن یا بدل میں ہو:

اس کی بھی دو انواع ہیں:

۱۰- نوع اول: وہ بیع جس میں تلجھہ مقدار ثمن میں ہو:

اس کی مثال یہ ہے کہ وہ دونوں خفیہ طور پر اتفاق کر لیں کہ ثمن

دونوں میں سے ایک اجازت دے دے، دوسرا نہ دے تو جائز نہیں، اور اگر وہ دونوں اجازت دے دیں تو جائز ہوگی، اس لئے کہ شرط سابق یعنی باہمی خفیہ اتفاق حکم کے حق میں عقد کے انعقاد سے مانع ہے، لہذا یہ فریخت کنندہ اور خریدار کے لئے اختیار شرط کے درجہ میں ہے۔ اس لئے ان دونوں کی رضامندی ہی سے صحیح ہوگی، اور خریدار قبضہ کی وجہ سے اس کا مالک نہ ہوگا۔

بیع التلجھہ میں جانبداری میں سبب کے انجام دینے سے رضامندی کا اصلاً وجود ہی نہیں، لہذا حکم کے حق میں سبب کا انعقاد نہیں ہوا، اس لئے ان میں سے ایک پر موقوف ہوگا، اس طرح وہ فریخت کنندہ اور خریدار کے لئے اختیار کی شرط کے مشابہ ہے (۱)۔

۸- اس بیع کے بطلان کے قول پر یہ مسئلہ متفرع ہوتا ہے کہ اگر دونوں بیع کرنے والوں میں اختلاف ہو، ان میں سے ایک تلجھہ کا دعویٰ کرے دوسرا تلجھہ کا منکر ہو، اور دعویٰ کرے کہ یہ بیع خوہش اور رضامندی سے ہوئی ہے اور تلجھہ کے انکار کرنے والے کے قول کا اعتبار کیا جائے گا، اس لئے کہ ظاہر اس کی تائید کر رہا ہے، لہذا تلجھہ کا دعویٰ کرنے والے کے مقابلہ میں اس منکر تلجھہ کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اگر یہ ثمن کا مطالبہ کرے، اور اگر تلجھہ کا دعویٰ کرنے والا گواہ پیش کر دے تو اس کے گواہ قبول ہوں گے، اس لئے کہ اس نے شرط کو اسی کے ذریعہ ثابت کر دی، لہذا اس کا بیع مقبول ہوگا جیسا کہ اگر بیع سے اختیار ثابت کر دے۔

جبکہ اس بیع کے جواز کے قول پر اس دعویٰ کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا، اس لئے کہ تلجھہ کا دعویٰ اگرچہ سچا ہو، بیع ظاہر میں اثر انداز نہیں۔

(۱) بدائع الصنائع ۵/۱۷۷، ۱۷۸، الاختیار ۳/۲۲۔

(۲) بدائع الصنائع ۵/۱۷۷، حاشیہ ابن عابدین ۳/۶۰، حاشیہ الطحاوی علی الدر المختار ۳/۳۳۸۔

(۱) بدائع الصنائع ۵/۱۷۷، ۱۷۸، حاشیہ ابن عابدین ۳/۲۲، ۲۳، حاشیہ الطحاوی علی الدر المختار ۳/۳۳، الاختیار ۳/۲۱۔

## بیج النجہ ۱۱

اس قول کی دلیل کہ خفیہ طور پر طے پانے والا ثمن ہی ثمن ہے، یہ ہے کہ ان دونوں نے اتفاق کیا ہے کہ انہوں نے ایک ہزار سے زائد کا ارادہ نہیں کیا، تو گویا انہوں نے اس کو ہزل (مذاق) کے طور پر کہا ہے<sup>(۱)</sup>۔ یعنی اس کو ثمن میں شامل نہیں کیا جائے گا۔ اور ثمن وہی ہوگا جس پر انہوں نے خفیہ طور پر اتفاق کیا ہے۔ یہ خفیہ اور حنا بلہ کے نزدیک ہے جو بیج ہازل کے فساد کے قائل ہیں<sup>(۲)</sup>۔

شافعیہ کے نزدیک جو دو آراء میں سے زیادہ صحیح رائے کے مطابق بیج ہازل کی صحت کے قائل ہیں، زائد ایک ہزار کو ثمن میں شامل کیا جائے گا<sup>(۳)</sup>۔

علاوہ ازیں صاحب ”البدائع“ کی عبارت سے سمجھ میں آتا ہے کہ آیا خفیہ ثمن معتبر ہے یا اعلانیہ، یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب وہ دونوں موضعہ (اتفاق) کے وقت کہیں کہ دو ہزار جن کا اعلانیہ عقد میں ذکر ہوگا ان میں سے ایک ہزار کا ذکر ریاء اور دکھاوا کے لئے ہوگا۔ لیکن اگر وہ موضعہ کے وقت یہ نہ کہیں تو ثمن وہی ہے جس پر انہوں نے عقد کیا ہے، اس لئے کہ ثمن اس چیز کا نام ہے جس کا عقد کے وقت ذکر کیا جائے اور عقد کے وقت دو ہزار کا ذکر کیا گیا ہے<sup>(۴)</sup>۔

### ۱۱- نوع دوم: وہ بیج جس میں تلجہ جنس ثمن میں ہو:

اس کی مثال یہ ہے کہ وہ دونوں خفیہ طور پر اتفاق کر لیں کہ ثمن ایک ہزار درہم ہے، پھر ایک سو دینار میں بیج ظاہر کریں تو کیا یہ بیج باطل ہوگی یا اعلانیہ ثمن کے بدلے صحیح ہوگی؟

امام محمد کی رائے ہے کہ یہ بیج قیاس کے اعتبار سے باطل ہوگی،

ایک ہزار ہے، پھر بظاہر دو ہزار میں بیج کریں تو اس بیج میں ظاہر کا اعتبار ہوگا یا باطل؟

اس مسئلہ میں فقہاء کے دو اقوال ہیں:

قول اول: اعتبار ظاہر کا ہے یعنی جس پر انہوں نے عقد کیا اور وہ اعلانیہ ثمن ہے۔

یہ امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے جیسا کہ امام ابو یوسف نے ان سے روایت کیا ہے<sup>(۱)</sup>۔ یہی شافعیہ کا مذہب اور حنا بلہ کے یہاں اظہر رائے ہے، قاضی نے اسی کو یقینی قرار دیا ہے<sup>(۲)</sup>۔

قول دوم: اعتبار باطلن کا ہے، یعنی خفیہ طور پر انہوں نے جس پر اتفاق کیا۔ اس قول کو امام محمد نے ”الاملاء“ میں بلا اختلاف نقل کیا ہے، اور یہی امام ابو یوسف کا قول بھی ہے۔

حنا بلہ کے یہاں بھی ایک قول یہی ہے اور مالکیہ کا مذہب یہی ہے جیسا کہ مالکیہ نے ”خفیہ مہر“ اور ”اعلانیہ مہر“ میں اس کی صراحت کی ہے<sup>(۳)</sup>۔

اعلانیہ ثمن ہی ثمن ہے، اس قول کی وجہ یہ ہے کہ جو ثمن عقد میں مذکور ہو اسی کے ذریعہ عقد صحیح ہوتا ہے، اور انہوں نے خفیہ طور پر جس ثمن کا ذکر کیا ہے اس کا ذکر حالت عقد میں نہیں کیا، اس لئے اس کا حکم ساقط ہو گیا، نیز یہ کہ اتفاق سابق لغو ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر وہ دونوں کسی شرط فاسد پر اتفاق کر لیں، پھر بلا شرط عقد کریں تو عقد صحیح ہے<sup>(۴)</sup>۔

(۱) الاقویار ۲/۲۱، ۲۲۔

(۲) الاقویار ۲/۲۱، الفتاویٰ الہندیہ ۳/۲۰۹، المجموع ۹/۳۳۳، لفروع ۳/۵۱، ۵۲، ۵۳، الانصاف ۳/۲۶۶۔

(۳) الاقویار ۲/۲۱، الفتاویٰ الہندیہ ۳/۲۰۹، لفروع ۳/۵۰، الدرستی ۳/۳۱۳، الخرش ۳/۲۷۲۔

(۴) الاقویار ۲/۲۱، المجموع ۹/۳۳۳۔

(۱) الاقویار ۲/۲۱۔

(۲) بدائع الصنائع ۵/۱۷۶، کشاف القناع ۳/۱۵۰۔

(۳) المجموع ۹/۳۳۳۔

(۴) بدائع الصنائع ۵/۱۷۷۔

## بیع النخل ۱۲-۱۳

اور بطور استحسان صحیح ہوگی یعنی اعلانیہ ثمن میں (۱)۔

صورت میں ہیں جبکہ ان دونوں نے خفیہ طور پر اتفاق کیا ہو، لیکن خفیہ طور پر عقد نہ کیا ہو، اور اگر انہوں نے خفیہ طور پر اتفاق کیا، اور خفیہ طور پر ہی کسی ثمن میں عقد کر لیا، اس کے بعد انہوں نے باہم اتفاق کیا کہ عقد کو اس سے زیادہ میں یا دوسری جنس کے ثمن میں ظاہر کریں گے پھر اگر انہوں نے یہ نہ کہا ہو کہ عقد دوم ریاء اور دکھاوا ہے تو عقد دوم عقد اول کو ختم کر دے گا، اور ثمن وہ ہوگا جو عقد دوم میں مذکور ہے، اس لئے کہ بیع فسخ اور اتقاد کا احتمال رکھتی ہے، لہذا ان دونوں کا عقد ثانی کا آغاز کرنا عقد اول کو باطل کرنا ہے، اس لئے اول باطل ہو گیا، اور عقد ثانی اس ثمن کے ساتھ جو اس میں مذکور ہے منعقد ہو گیا، اور اگر انہوں نے کہا: عقد دوم ریاء اور دکھاوا ہے پھر اگر ثمن دوسری جنس سے ہو تو عقد پہلا ہی معتبر ہوگا، اس لئے کہ جب انہوں نے ریاء اور دکھاوے کا ذکر کیا تو عقد دوم میں مقرر ثمن کو باطل کر دیا، اس لئے عقد دوم صحیح نہیں ہوا، اور عقد اول باقی رہ گیا، اور اگر اول کی جنس سے ہو تو معتبر عقد دوم ہے، اس لئے کہ بیع فسخ کا احتمال رکھتی ہے، اس لئے معتبر عقد دوم ہوا، لیکن ثمن اول کے ساتھ ہوگا، اور زیادتی باطل ہے، اس لئے کہ انہوں نے اس کو باطل کر دیا، کیونکہ اس کو انہوں نے ہزل کے طور پر کہا ہے (۱)۔

۱۳- شافیہ کے نزدیک بیع اعلانیہ ثمن میں صحیح ہے، اور اتفاق سابق کا کوئی اثر نہیں ہوگا، اس لئے کہ وہ لغو ہے، اور یہ ایسے ہی ہو گیا جیسا کہ اگر وہ دونوں کسی شرط فاسد کے لگانے پر اتفاق کر لیں پھر بلا شرط بیع کر لیں (۲)۔

۱۴- جہاں تک حنا بلہ کا تعلق ہے تو ”افروع“ کی کتاب الصداق

یہ اختلاف اس صورت میں ہے (جیسا کہ ”البدائع“ میں ہے) جب ان دونوں نے مواضع کے وقت کہا ہو کہ اعلانیہ ثمن ریاء اور دکھاوا ہے لیکن اگر انہوں نے یہ نہ کہا ہو تو ثمن وہی ہے جس پر انہوں نے عقد کیا ہے، اس لئے کہ ثمن اس چیز کا نام ہے جو عقد کے وقت مذکور ہو اور عقد کے وقت مذکور سو دینا رہی ہے (۲)۔

ازروئے قیاس اس بیع کے باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خفیہ ثمن کا ذکر انہوں نے عقد میں نہیں کیا، اور اعلانیہ ثمن کا انہوں نے قصد نہیں کیا، کیونکہ انہوں نے اس کو ہزل کے طور پر کہا ہے، لہذا وہ ساقط ہے، اور بیع بلا ثمن باقی رہ گئی، لہذا صحیح نہیں ہوگی (۳)۔

اور استحسان کے طور پر اس بیع کی صحت کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے بیع باطل نہیں بلکہ صحیح کا قصد کیا ہے، لہذا اس کو حتی الامکان صحت پر محمول کرنا واجب ہے۔ اور اس کو اعلانیہ ثمن اعلانیہ کے بغیر صحت پر محمول کرنا ناممکن ہے، تو کو یا انہوں نے جس چیز کی شرط خفیہ طور پر لگائی تھی، اس سے رجوع کر لیا، لہذا حکم ظاہر سے متعلق ہو گیا۔ جیسا کہ اگر وہ دونوں اس بات پر اتفاق کر لیں کہ اس کو بیع النخلہ کریں گے، پھر ایک دوسرے کو بیہ کر دیں۔ برخلاف ”ہزار“ اور ”دو ہزار“ کے، اس لئے کہ جس ثمن کا خفیہ طور پر ذکر کیا گیا تھا اور اس کی شرط لگائی گئی تھی وہ عقد میں زیادتی کے ساتھ مذکور ہے، اس لئے عقد کا تعلق اسی سے ہوگا (۴)۔

۱۲- صاحب ”البدائع“ نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ تمام اختلافات اس

(۱) الاقویار ۲/۲۲۲۔

(۲) بدائع الصنائع ۵/۱۷۷۔

(۳) بدائع الصنائع ۵/۱۷۷، الاقویار ۲/۲۲۲۔

(۴) بدائع الصنائع ۵/۱۷۷، الاقویار ۲/۲۲۲۔

(۱) بدائع الصنائع ۵/۱۷۷۔

(۲) المجموع ۸/۳۳۳۔



## بیع التلجہ ۱۵-۱۷

کے ذکر کردہ دھمکی اور اندیشہ سے واقف ہو<sup>(۱)</sup>۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی اندیشہ یا قائل خوف امر کے سبب مکروہ علی البیع پر مالکیہ کے نزدیک بیع لازم نہیں ہوتی، بلکہ اس کو اس میں رجوع کرنے کا اختیار ہوتا ہے، حتیٰ کہ ثمن پر قبضہ کرنے کے بعد بھی جبکہ استرعاء کے کواہ بیع پر اکراہ اور دھمکانے سے واقف ہوں۔

فروخت کنندہ اور خریدار کے مابین اختلاف کا اثر:

۱۷- اگر ان میں سے ایک بیع التلجہ کا دعویٰ کرے اور دوسرا انکار کرے، اور تلجہ کا مدعی بیع پیش کرے تو بیع قبول کیا جائے گا، ورنہ مدعی اصل (یعنی عدم تلجہ) کا قول اس کی یقین کے ساتھ معتبر ہوگا، اور اگر ہر ایک بیع پیش کرے تو مدعی تلجہ کا بیع مقدم ہوگا، اس لئے کہ وہ خلاف ظاہر کو ثابت کرتا ہے۔

اگر ان دونوں نے اعلانیہ بیع کی اور اعتراف کیا کہ اس کی بنیاد تلجہ پر ہے تو اعلانیہ والی بیع باطل ہوگی، اس لئے کہ ان دونوں کا اتفاق ہے کہ انہوں نے اس کو ہزل کے طور پر کیا ہے، ورنہ بیع لازم ہوگی۔

یہ سب ان لوگوں کے مذہب کی بنیاد پر ہے جو خفیہ بیع کی صحت اور اعلانیہ بیع کے باطل ہونے کے قائل ہیں، اور وہ حنفیہ میں سے امام ابو یوسف اور امام محمد ہیں، حنابلہ کا مذہب یہی ہے، اور مالکیہ کے مذہب سے یہی سمجھ میں آتا ہے۔

لیکن جو لوگ بیع دوم کی صحت اور خفیہ طور پر سابقہ اتفاق کے باطل ہونے کے قائل ہیں ان کے نزدیک یہ تفصیلات نہیں ہیں۔ اور یہ امام ابو حنیفہ، ثانیہ اور حنابلہ میں سے قاضی ہیں<sup>(۲)</sup>۔

میں ہے: اگر وہ دونوں بیع کرنے سے قبل کسی ثمن پر اتفاق کر لیں، پھر دوسرے ثمن میں بیع کریں تو اس میں دو اقوال ہیں:

اول: ثمن وہ ہے جس پر انہوں نے اتفاق کیا ہے۔

دوم: ثمن وہ ہے جس پر عقد ہوا ہے جیسا کہ نکاح<sup>(۱)</sup>۔

۱۵- جہاں تک مالکیہ کا تعلق ہے تو دوسرے فقہاء کی طرح انہوں نے اپنی کتابوں میں بیع التلجہ کی صراحت نہیں کی، البتہ انہوں نے ”بیع مکروہ“، ”بیع مضبوط“ اور ”بیع ہازل“ کا ذکر کیا ہے۔ اور اس کی طرف اشارہ آچکا ہے۔ لیکن انہوں نے عقد نکاح اور خفیہ و اعلانیہ مہر پر کلام کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ عمل خفیہ مہر پر ہوگا اگر اس بات پر بیع ہو کہ اعلانیہ مہر کا اعتبار نہیں، اس کا ذکر محض شان اور فخر کے طور پر ہے۔ اور اگر بیع نہ ہو اور زوجین خفیہ مہر پر اتفاق کر لیں تو اسی پر عمل ہوگا۔ اور اگر اختلاف کریں تو بیوی شوہر سے حلف لے گی، اگر بیوی کا دعویٰ ہو کہ خفیہ مہر قلیل سے اعلانیہ کثیر کی طرف رجوع ہو گیا ہے۔ اگر شوہر حلف اٹھالیتا ہے تو خفیہ مہر پر عمل ہوگا، اور اگر حلف سے انکار کرے تو بیوی سے رجوع پر حلف لی جائے گی، اور اعلانیہ مہر پر عمل ہوگا، اور اگر بیوی حلف سے انکار کرے تو خفیہ مہر پر عمل ہوگا<sup>(۲)</sup>۔

۱۶- صاحب ”المتبصرہ“ نے ”شہادت استرعاء“ کے ذریعہ فیصلہ کی بحث میں لکھا ہے کہ استرعاء بیوع میں ناجائز ہے، مثلاً بیع سے قبل کواہ بنا لے کہ وہ بیع سے رجوع کرے گا۔ اور یہ کہ بیع ایک اندیشہ کی وجہ سے ہے، اس لئے کہ بیع کا یہ معاملہ اس کی رضامندی کے خلاف ہے، بائع نے اس میں ثمن لے لیا ہے، اور اس میں خریدار کا حق ہے، الا یہ کہ کواہ بیع پر اکراہ اور دھمکانے کو جانتے ہوں تو استرعاء جائز ہے اگر بیع سے قبل اس کا انعقاد ہو۔ اور عقد میں ایسے شخص کی شہادت شامل ہو جو اس

(۱) لفروع ۵/۲۶۷۔

(۲) الدسوقی ۲/۳۱۳، جوہر لا تکیل ۲/۳۱۳، الخرشبی ۳/۲۷۲۔

(۱) المتبصرہ ۵/۲۰۵۔

(۲) الدر المختار بحاشیہ ابن ماجہ ۵/۲۳۵، جامعہ الطحاوی علی الدر المختار ۳/۱۳۳،

## بیع التولیہ، بیع الثنئیہ، بیع جبری ۱-۲

یہ بات اجمالی ہے، مسئلہ کی تفصیل اور اس میں اختلاف کو ”بیع“ اور ”دعویٰ“ کے مباحث میں دیکھا جائے۔

## بیع جبری

تعریف:

۱- بیع جبری: دو لفظوں سے مرکب ہے: ”بیع“ اور ”جبری“۔

بیع: مخصوص طریقہ پر مال کا مال سے تبادلہ کرنا ہے (۱)۔

جبری: جبہ علی الأمر جبراً (اس کو زبردستی آمادہ کیا)

سے ماخوذ ہے (۲)۔

استعمال فقہاء میں بیع جبری وہ ہے جو حق کی بنا پر اکراہ کرنے والے کی طرف سے ہو یا وہ بیع ہے جو کسی شخص کی مرضی کے خلاف اس کی طرف سے نیابت ہو، تا کہ اس پر واجب حق کو ادا کیا جائے یا ضرر کو دور کیا جائے یا عام مفاد کو بروئے کار لایا جائے (۳)۔

متعلقہ الفاظ:

الف- اکراہ علی البیع:

۲- اکراہ لغت میں: انسان کو کسی امر پر اس کے اختیار کے بغیر آمادہ

کرنا ہے (۳)۔

## بیع التولیہ

دیکھئے: ”تولیہ“۔

## بیع الثنئیہ

دیکھئے: ”بیع الوفاء“۔



(۱) آسنی المطالب ۲/۲۔

(۲) المصباح لمیر مادہ ”جبر“۔

(۳) یہ تعریف ہم نے کتب فقہ میں مذکور بیع جبری کی مثالوں سے اخذ کی ہے۔

(۴) مختار الصحاح، المصباح لمیر مادہ ”کرہ“، ابن حبان ۵/۸۰۔

= القوائین الفقہیہ لابن جزیر ص ۲۵۲، اروضہ ۵/۳، ۵۷۵، ۵۸۷، المجموع ۳۳۲، کشاف القناع ۶/۳، ۲۳۱، المغنی ۳/۲۳ طبع الریاض۔

### بیع جبری ۳-۵

اس کے وجود میں لانے پر آزادانہ رضامندی سے قائم ہوتی ہے، اس لئے کہ فرمان باری ہے: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالِكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ“ (۱) (اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر نہ کھاؤ، ہاں البتہ کوئی تجارت باہمی رضامندی سے ہو)۔

حدیث میں ہے: ”إنما البيع عن تراض“ (۲) (بیع تو رضامندی کے ذریعہ ہوتی ہے)، فقہاء کسی ایسی بیع کو برتر نہیں رکھتے جو جانبین یعنی بائع اور مشتری کی رضامندی سے قائم نہ ہو، الا یہ کہ مفاد عامہ کا تقاضا ہو، یعنی احقاق حق یا عام مصلحت کو پورا کرنا یا خاص یا عام ضرر کو دفع کرنا ہو جس کو فقہاء کے عرف میں: ”اکراہ مشروع“ یا ”اکراہ بہ حق“ کہتے ہیں۔ اور ان ہی میں سے وہ عقود جبریہ ہیں جن کو حاکم منعقد کرتا ہے یا تو بذات خود اس شخص کی نیابت میں جس پر اس کا جاری کرنا واجب ہے، اگر وہ اس سے گریز کرے یا خود اسی کو اس کے اجراء پر مجبور کرتا ہے۔

فقہاء بیع پر جائز جبر کی کئی مثالیں ذکر کرتے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:

مدیون کو اپنا مال بیچنے پر مجبور کرنا:

۵- مدیون (دین دار) کو اپنا مال فروخت کرنے پر مجبور کیا جائے گا تاکہ اس پر فوری واجب الاداء دین کو ادا کیا جائے اگر وہ اس کی ادائیگی نہ کرے اور اس کے پاس ظاہری مال ہو، حاکم اس کو اس پر تعزیر (قید یا

شرع میں: وہ ایسا فعل ہے جو اکراہ کرنے والے کی طرف سے پایا جائے اور وہ اکراہ کردہ شخص کو اس سے مطلوب امر پر مجبور کر دے (۱)۔

بیع بالاکراہ اور بیع جبری میں فرق یہ ہے کہ بیع جبری ناحق نہیں ہوتی، جبکہ بیع بالاکراہ میں اصلاً عموم ہے۔ لیکن اس کا غالب اطلاق ناحق اکراہ پر ہوتا ہے۔

ب- بیع التلجھ:

۳- بیع التلجھ اصطلاح فقہاء میں یہ ہے کہ بیچنے والا اور خریدار بیع کا اظہار کریں لیکن اس کا ارادہ نہ کریں، صاحب مال کسی دشمن یا ظالم بادشاہ کے خوف سے ایسا کرنے پر مجبور ہوتا ہے (۲)۔

بیع التلجھ اور بیع جبری میں فرق یہ ہے کہ بیع التلجھ میں بیع کی صورت ہوتی ہے، حقیقت نہیں۔

شرعی حکم:

۴- بیع جبری کا حکم اس کے سبب کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے، اگر ایفاء حق کے لئے ہو مثلاً اس کے مال کو اس پر فوری واجب الاداء دین ادا کرنے کے لئے، اور صاحب حق کے مطالبہ کے سبب فروخت کرنا تو یہ واجب ہے، اسی طرح اگر اس میں کوئی عام مصلحت ہو مثلاً اس مسجد کی توسیع جو نمازیوں کے لئے تنگ ہو گئی ہو یا عام راستہ کی توسیع (۳)۔

بیع فقہ اسلامی میں دیگر قوی عقود کی طرح جانبین کی طرف سے

(۱) سورۃ نساء ۲۹۔

(۲) حدیث: ”إنما البيع عن تراض“ کی روایت ابن ماجہ (۲/۳۷۷ طبع

الجلدی) نے کی ہے پھر ی نے کہا اس کی اسناد صحیح ہے، اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

(۱) حاشیہ ابن ماجہ ۵/۸۰۔

(۲) حاشیہ ابن ماجہ ۲/۲۳۳۔

(۳) الدرستی ۶/۶۳۔

## بیع جبری ۶-۸

ادا نیگی نہ کرے، تو حاکم اس کو رہن رکھے ہوئے مال کی فروختگی پر مجبور کرے گا، یا اس کی اجازت کے بغیر اس کا نائب بن کر اس کو فروخت کر دے گا، اس لئے کہ یہ اس پر واجب حق ہے، اگر اس کی ادا نیگی نہ کرے تو حاکم اس کی ادا نیگی میں اس کا قائم مقام ہوگا، جیسا کہ جنس دین کی صورت میں ادا نیگی کرنا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: ”رہن“۔

امام ابوحنیفہ نے کہا: اس کا سامان یا غیر منقولہ جائیداد فروخت نہ کرے گا بلکہ اس کو قید میں رکھے گا یہاں تک کہ وہ اپنا مال فروخت کرنے پر یا اس کے علاوہ پر آمادہ ہو جائے (۱)۔

مخمس (ذخیرہ اندوز) کو فروختگی پر مجبور کرنا:

۷۔ اگر کسی کے پاس اس کی ضرورت سے فاضل نلہ ہو، لوگوں کو اس کی ضرورت ہو اور وہ ان کے ہاتھ فروخت نہ کرے تو دفع ضرر کے لئے حاکم اس کو اس کی فروختگی پر مجبور کرے گا (۲)۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: ”احتکار“۔

واجب نفقہ کے لئے بیع پر مجبور کرنا:

۸۔ اگر مکلف اپنے ذمہ واجب نفقہ نہ دے مثلاً بیوی، اولاد اور والدین کا نفقہ، اور اس کے پاس ظہری نفقہ معلوم نہ ہوں تو حاکم ان لوگوں کے نفقہ کے لئے اس کے سامان یا غیر منقولہ جائیداد کو فروخت کرے گا۔

تفصیل: ”نفقہ“ میں دیکھیں۔

ضرب) کے ذریعہ دین کی ادا نیگی پر مجبور کرے گا، اگر وہ عدم ادا نیگی پر مصر ہو تو حاکم اس کا دین اس کے مال سے بے جبر ادا کرے گا اگر اس کے پاس دین کی جنس کا ظاہری مال ہو۔

اس پر فقہاء کا اتفاق ہے۔

اگر اس کا مال دین کی جنس کے علاوہ ہو مثلاً غیر منقولہ جائیداد، اور سامان تو جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ امام اس کی رضامندی کے بغیر جبراً اس کی نیابت میں اس کا مال بیچ دے گا (۱)۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک حاکم اس کے مال کو اس کی رضامندی کے بغیر فروخت نہیں کرے گا، بلکہ اس کو قید میں رکھے یہاں تک کہ وہ اپنا مال فروخت کر کے یا کسی اور طرح سے اپنے دین کی ادا نیگی کر دے، اس لئے کہ حاکم کی ولایت امام صاحب کی نظر میں مدیون پر ہے، اس کے مال پر نہیں، اس لئے اس کے مال میں اس کی اجازت کے بغیر حاکم کی بیع نافذ نہیں ہوگی، نیز اس لئے کہ بیع تجارت ہے اور وہ بلا رضامندی نہیں ہوتی، نیز اس میں ایک طرح کا حجر (پابندی) ہے، جس کو امام ابوحنیفہ جائز قرار نہیں دیتے، اس مسئلہ میں صاحبین امام صاحب کے خلاف ہیں، اور انہوں نے جائز قرار دیا ہے کہ حاکم اس کے مال کو اس کے دین کی ادا نیگی کے لئے جبراً فروخت کر دے، اور صاحبین ہی کی رائے پر مذہب میں فتویٰ ہے (۲)۔

بیع مرہون:

۶۔ اگر کوئی ”عین“ فوری واجب الاداء دین یا دین مؤجل جس کی مدت پوری ہو چکی ہو، کے بدلہ رہن رکھے، اور مدیون دین کی

(۱) روہتہ الطائین ۳۷/۱۳، بدلیہ الجہد ۲/۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، الدرستی ۳۶۹/۳، الانصاف ۵/۲۶۷، المغنی ۳/۸۳، الاقویار تحلیل الفقار ۲/۸۹۔

(۲) ابن ماجہ ۵/۹۵، الاقویار ۲/۹۸۔

## بیع جبری ۹، بیع جزاف ۱-۲

شفعہ کی وجہ سے جبر الینا:

۹- شفعہ ایساق ہے جو شریعت نے شریک قدیم یا متصل پر وہی کو دیا ہے، لہذا وہ فروخت شدہ قطعہ کا اس کے خریدار کی رضامندی کے بغیر اس ضمن اور خرچہ میں جو اس پر آیا ہے، جبراً مالک ہو جائے گا۔  
تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”شفعہ“۔

## بیع جزاف

تعریف:

۱- جزاف: جازف مجازفة باب مفاعلت سے ام ہے۔  
جزاف (ضمہ کے ساتھ) خلاف قیاس ہے، قیاس کا تقاضا ہے کہ یہ لفظ جیم کے کسرہ کے ساتھ ہو۔

یہ لغت میں ”جزف“ سے ماخوذ ہے یعنی زیادتی کے ساتھ لیما اور جزف فی الکیل جزفا کا معنی ہے: زیادہ مانپنا، اور جو شخص بغیر کسی ضابطہ کے غیر ذمہ دارانہ باتیں کرتا ہے اس کے لئے کہتے ہیں: ”جازف فی کلامہ“، لہذا گفتگو کے صحیح انداز کو کیل و وزن کے قائم مقام کر دیا گیا ہے (۱)۔

بیع الجزاف اصطلاح میں: کیلی یا وزنی یا عددی چیز کو کیل و وزن اور عدد کے بغیر اکل سے فروخت کرنا ہے (۲)۔

شرعی حکم:

۲- اصل یہ ہے کہ عقد بیع کی صحت کے لئے بیع کا معلوم ہونا شرط ہے، لیکن ہر اعتبار سے اس کا معلوم ہونا شرط نہیں بلکہ اصل بیع، اس کی مقدار اور صفت کا معلوم ہونا شرط ہے۔ اور بیع الجزاف میں مقدار کا علم ہوتا ہے مثلاً غلہ کے ڈھیر کی بیع جس کے کیل یا وزن کا علم نہ ہو،



(۱) لسان العرب، المصباح الممیر مادۃ ”جزف“۔

(۲) المشرح الصغیر ۳۵۳۔

### بیج جزاف ۳

تعالیٰ تھا جو اس کے جواز کی دلیل ہے، اور روایت کے الفاظ بتاتے ہیں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تھا، جس سے ”مرفوع“ ہونے کا حکم معلوم ہوتا ہے۔

اسی وجہ سے فقہاء فی الجملہ اس کے جواز پر متفق ہیں، اور شافعیہ کے یہاں زیادہ قوی قول، کراہت کے ساتھ جواز کا ہے (۱)۔

#### بیج جزاف کی شرائط:

۳- مالکیہ نے بیج جزاف کے جواز کے لئے چھ شرائط ذکر کی ہیں:

الف۔ اُکل سے بیچی جانے والی چیز کو عقد کی حالت میں دیکھے یا عقد سے پہلے جبکہ وہ اسی حالت میں بلا تغیر وقت عقد تک برقرار رہے۔ یہ اس صورت میں ہے جبکہ دیکھنے سے بیج کا خراب ہونا لازم نہ آئے، مثلاً سرکہ کے مٹی سے بند کئے ہوئے گھڑے کہ ان کو کھولنے سے وہ خراب ہو جائیں گے، تو مجلس عقد میں ان کا دیکھنا کافی ہے۔

ب۔ بیچنے والا اور خریدنے والا دونوں کیل یا وزن یا عدد کی مقدار سے واقف ہوں، اگر ان میں سے کوئی ایک اس کی مقدار سے واقف ہو تو صحیح نہیں ہے۔

ج۔ اس پر عقد کے ارادہ کے وقت دونوں اس کی مقدار کا اندازہ اور تخمینہ لگائیں۔

د۔ زمین جس پر بیج رکھی ہو برآمد ہو۔

ه۔ جس چیز کو اُکل سے بیچنے کا ارادہ ہو وہ بہت زیادہ نہ ہو۔ کیونکہ اس کا اندازہ لگانا محال ہے، خواہ کیلی ہو یا وزنی یا عددی۔

اسی طرح شرط ہے کہ اگر عددی ہو تو بہت قلیل نہ ہو، کیونکہ شمار کے ذریعہ اس کی مقدار کا علم کوئی مشکل نہیں ہے۔

تعداد کے علم کے بغیر جانور کے ریوڑ کی بیج، پیمائش کے علم کے بغیر زمین کی بیج، اور طول کے علم کے بغیر کپڑے کی بیج۔

لوگوں کی حاجت و مجبوری کی وجہ سے جو باہمی لین دین میں تسہیل کی متقاضی ہے، بیج جزاف کو اصل سے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ دسوقی نے کہا: اصل بیج جزاف میں یہ ہے کہ وہ ممنوع ہو، لیکن عددی اشیاء میں سے جس شی کا علم دشوار ہو یا کیلی اور وزنی اشیاء میں سے جس شی جس کی جہالت معمولی ہو اس میں تخفیف کر دی گئی ہے (۱)۔

اس کی دلیل حضرت ابن عمرؓ کی یہ روایت ہے: ”کنا نشتر ی الطعام من الرکبان جزافاً، فنہانا رسول اللہ ﷺ أن یبیعہ حتی ننقلہ من مکانہ“ (ہم سواروں سے اناج اُکل سے خریدا کرتے تھے، تو رسول اللہ ﷺ نے اس اناج کو فروخت کرنے سے منع فرمایا، یہاں تک کہ ہم اس کی جگہ سے منتقل کر لیں)۔

ایک اور روایت میں ہے: ”رأیت الناس فی عہد رسول اللہ ﷺ إذا ابتاعوا الطعام جزافاً یضربون فی أن یبیعوه فی مکانہ، وذلک حتی یؤوہہ إلی رحالہم“ (میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جب لوگ اناج اُکل سے خریدتے تو انہیں اس بات پر مار پڑتی کہ وہ اپنے مکانوں میں لے جانے سے قبل اسی جگہ پر اسے بیچتے)۔

ایک اور روایت میں ”یحولہ“ کا لفظ ہے (یعنی اس کو منتقل کر دیں)، ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اناج اُکل سے خریدتے پھر اس کو اپنے گھراٹھاللاتے (۲)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے درمیان اُکل سے بیج کا

(۱) الدسوقی ۲۰/۳۔

(۲) حدیث: ”کنا نشتر ی الطعام من الرکبان جزافاً، فنہانا رسول اللہ ﷺ أن یبیعہ حتی ننقلہ من مکانہ“ کی روایت مسلم (۳/۱۱۶) طبع الجلی (۱) نے کی ہے۔

(۱) نہایت المختار ۳/۳۹۲، حاشیہ الدسوقی ۳/۲۰، کشاف القناع ۳/۱۶۹، تبیین الحقائق ۳/۵۸، روہت الطالین ۳/۵۸۔

## بیع جزاف ۴-۵

جیسا کہ آئے گا<sup>(۱)</sup>۔

نوع دوم: جس ڈھیر کے کیل یا وزن کی مقدار معلوم نہ ہو اس کو ہر کیل یا وزن کے نرخ کی بنیاد پر فروخت کرنا۔ اس کے بارے میں مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور حنفیہ میں سے محمد بن الحسن اور ابو یوسف کی رائے ہے کہ ایسے ڈھیر کی بیع اٹکل سے جائز ہے جس کے صاع کی تعداد مجہول ہو مثلاً کہے: ”میں نے تمہارے ہاتھ اناج کا یہ ڈھیر ہر صاع ایک درہم کے نرخ پر فروخت کر دیا“، اس کی وجہ یہ ہے کہ ڈھیر کو دیکھنا اس کے اندازہ کے لئے کافی ہے، اور مجموعی ثمن کی جہالت مضر نہیں، کیونکہ اس کا تفصیلی علم ڈھیر کے کیل کرنے کے ذریعہ ممکن ہے، جس کی وجہ سے غرر ختم ہو جائے گا اور جہالت زائل ہو جائے گی۔

امام ابو حنیفہ کی رائے ہے کہ ایک تفتیز میں بیع جائز ہے، بقیہ سارے ڈھیر میں ناجائز ہے، الا یہ کہ صاع کی تعداد معلوم ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ بیع کو سب کی طرف پھیرنا محال ہے، کیونکہ بیع و ثمن مجہول ہیں، لہذا اقل کی طرف پھیرا جائے گا جو معلوم ہے۔

اگر جہالت تمام تفتیز کے ذکر کرنے یا مجلس عقد میں ڈھیر کے کیل کر لینے سے زائل ہو جائے تو ڈھیر کی بیع جائز ہے اور اس طرح سے وہ اٹکل کی بیع ہونے سے خارج ہو جائے گا<sup>(۲)</sup>۔

اٹکل کی بیع کے وقت اناج کے ڈھیر کی جگہ کا برابر ہونا:

۵- اناج کے ڈھیر کی اٹکل سے بیع کی صورت میں بائع کے لئے حامل نہیں کہ اس کو ایسی جگہ رکھے جو ڈھیر میں کمی پیدا کر دے مثلاً چبوترہ یا پتھر وغیرہ پر ہو، اسی طرح گھی وغیرہ سیال چیزیں جو ظرف یا

(۱) المغنی ۳/۱۳۳۔

(۲) بیع القدر ۵/۷۲، شرح المغیر ۳/۳۵، نہایۃ الحجاج ۳/۳۹۲، ۳۹۶،

کشاف القناع ۳/۱۶۹۔

البتہ اگر کیلی یا وزنی ہو تو جائز ہے اگرچہ بہت کم ہو۔

و۔ اس کا شمار کرنا دشوار ہو، اس کے افراد کی بیع مقصود نہ ہوتی ہو، خواہ اس کا ثمن کم ہو یا کم نہ ہو مثلاً انڈے۔ لیکن اگر اس کے افراد مقصود ہوتے ہوں تو اس کو اٹکل سے بیچنا جائز ہے اگر ایک دوسرے کے لحاظ سے ثمن کم و بیش ہوتا ہو، اور اگر ثمن تھوڑا نہ ہو تو اس کی اٹکل سے بیع ممنوع ہے جیسے کپڑے۔

اگر اس کو شمار کرنا دشوار نہ ہو تو اس کی بیع اٹکل سے جائز نہیں، خواہ اس کے افراد مقصود ہوں یا نہ ہوں، اس کا ثمن قلیل ہو یا قلیل نہ ہو<sup>(۱)</sup>۔

صرف مالکیہ نے اس طریقہ سے شرائط کی تفصیل کی ہے، کوکہ ان میں بعض شرائط غیر مالکیہ کے یہاں بھی معتبر ہیں، مثلاً شرط اول، دوم اور چہارم، جیسا کہ اس کی تفصیل آئے گی۔

بیع الجزاف کی چند صورتیں ہیں جن کے احکام تفصیل ذیل کے ساتھ الگ الگ ہیں:

غله کا ڈھیر اٹکل سے فروخت کرنا:

۴- ”صبرہ“ غله وغیرہ کے ڈھیر کو کہتے ہیں۔ ڈھیر جس کی مقدار مجہول ہو، اور مشاہدہ کے ذریعہ اس کا علم ہو، اس کی بیع یا تو اجمالی ثمن میں ہوگی یا ہر فرد کے ریٹ کی بنیاد پر، مثلاً کہے: اس میں سے ہر صاع اتنے میں ہے۔

نوع اول: اس کے بارے میں ابن قدامہ نے کہا: ہمارے علم میں اس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں اگر اس کے اجزاء مساوی ہوں، اور ہر ایک کے یہاں شرط ہے کہ وہ احوال ربویہ میں سے نہ ہو اگر کوئی ربوی مال اس کی جنس سے فروخت کیا جائے،

(۱) شرح المغیر ۳/۳۵، ۳۷۔

## بیع جزاف ۶-۷

جائز ہے (۱)۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ ناجائز ہے، شافعیہ میں سے ابن القطن کا قول یہی ہے۔

ناپی جانے والی، تولی جانے والی، گنی جانے والی اور پیمائش کی جانے والی اشیاء کے درمیان فرق یہ ہے کہ اول الذکر کے اجزاء میں عام طور پر بہت زیادہ فرق نہیں ہوتا، اگر ان کو الگ الگ کر دیا جائے، لہذا مجموعی طور پر ان کا دیکھ لینا کافی ہوگا۔

جہاں تک گنی جانے والی اور پیمائش کی جانے والی اشیاء کا تعلق ہے، مثلاً جانور اور زمین تو ان کے اجزاء میں تفاوت ہوتا ہے اگر ان کو الگ الگ کر دیا جائے اور اجمالی طور پر ان کا دیکھ لینا کافی نہیں ہوگا (۲)۔

خریدار اور فروخت کنندہ میں سے کسی ایک کے مقدار بیع سے واقف ہونے کے ساتھ بیع جزاف:

۷- بیع جزاف کی صحت کے لئے شرط ہے کہ خریدار اور فروخت کنندہ میں سے ہر ایک مقدار بیع سے ناواقف ہو یا دونوں اس سے واقف ہوں، بیع جزاف اس صورت میں جائز نہیں کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک مقدار بیع سے واقف ہو اور دوسرا ناواقف، یہ مالکیہ اور حنابلہ کا مذہب اور شافعیہ کے یہاں ایک قول ہے (۳)۔

ان کے نزدیک عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ اس میں دھوکا ہے، اس لئے کہ اُکل سے بیع ضرورت و حاجت کے سبب ان چیزوں میں جائز ہے جو تخمینہ اور اندازے سے فروخت ہوتی ہوں، لہذا اگر اس کی مقدار کا علم ہو جائے تو اس کی اُکل سے بیع جائز نہیں، کیونکہ اس کی

(۱) لشرح المغیر ۳۳۳، ۳۵، روہۃ الطائین ۳۶۶/۳، المغنی ۳۴۳/۳۔

(۲) فتح القدیر ۵/۲۲۔

(۳) جامعہ الدوسقی ۳۰۳، روہۃ الطائین ۳۵۸، المغنی ۳۴۷/۳۔

برتن میں رکھ کر فروخت ہوتی ہیں، اگر ان کی بیع جزاف ہو تو بائع کے لئے جائز نہیں کہ برتن ایسا ہو جس کے اجزاء مولے یا باریک ہونے میں مختلف ہوتے ہوں، اس لئے کہ یہ غش (دھوکہ) ہے، جس کے نتیجے میں غرر، جہالت اور نزاع پیدا ہوگی، اور ایسی صورت میں ڈھیر کا اندازہ لگانا محض اس کے مشاہدہ سے ناممکن ہوگا۔

اگر ڈھیر کسی چبوترہ یا ٹیلہ یا پتھر پر ہو جس کی وجہ سے اس میں کمی پیدا ہوتی ہو، خواہ بائع نے اس کا قصد کیا ہو یا نہ کیا ہو، اور خریدار نے اس سے ناواقفیت میں اس کو خرید لیا، تو بیع بائع کے لئے صحیح اور لازم ہوگی، اور خریدار کو اختیار ہوگا کہ عقد کو فسخ کر دے یا بائع سے ہونے والی کمی کے بقدر ثمن میں سے واپس لے، یعنی چبوترہ یا پتھر پر رکھنے کے ساتھ ڈھیر کی قیمت لگائی جائے اور ایک بار اس کے بغیر اس کی قیمت لگائی جائے، پھر اس کے ثمن میں جو کمی پیدا ہو، اتنا خریدار بائع سے اس کو واپس لے۔

اگر اس سے اناج کا ڈھیر فروخت کیا اور اس کے نیچے گڑھا نکالا تو خریدار کو اختیار نہیں ملے گا، اس لئے کہ یہ خریدار کے لئے مفید ہے، اس کے لئے مضرت نہیں، کیونکہ اس کی وجہ سے مقدار بڑھ جائے گی۔ بائع کو اختیار ہے اگر اس کو گڑھے کا علم نہ ہو (۱)۔

پیمائش کی جانے والی اشیاء اور متفاوت عدوی اشیاء کی بیع جزاف:

۶- جمہور کی رائے ہے کہ جانور کے ریوڑ کی فروختگی اس کی تعداد معلوم نہ ہونے کے ساتھ اس طور پر کہ ہر جانور اتنے میں ہے، اسی طرح زمین اور کپڑے کی اُکل سے بیع ان دونوں کی مجموعی پیمائش نہ معلوم ہونے کے باوجود اس طور پر کرنا کہ ہر ذراع اتنے میں ہے،

(۱) لشرح المغیر ۳۵۳، کشاف القناع ۱۶۹/۳، ۱۷۰، روہۃ الطائین



## بیع جزاف ۸-۹

کوئی ضرورت نہیں۔ اکل سے بیع میں مماثلت کا تحقق نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ وہ

تخمینہ اور اندازہ پر قائم ہے اس لئے ربا کا احتمال باقی رہے گا اور حضور ﷺ نے ”مزبانہ“ سے منع فرمایا، اور ”مزبانہ“ تر پھل کی خشک پھل سے بیع ہے۔ اس کا ثبوت حضرت ابن عمرؓ کی اس روایت میں ہے: ”نہی رسول اللہ ﷺ أن یبیع الرجل تمر حانطه إن کان نخلا بتمر کیلا، و إن کان کرما أن یبیعہ بزبیب کیلا، و إن کان زرعاً أن یبیعہ بکیمل طعام، نہی عن ذلک کله،“ (۱) (رسول ﷺ نے منع کیا ہے کہ اپنے باغ کے کھجور اگر درخت پر ہوں تو خشک کھجور کے بدلے ماپ سے بیچے، اور اگر انگور ہو تو کشمش کے بدلے ماپ سے بیچے، اور اگر کاشت ہو تو اسے اناج کے بدلے میں ماپ سے بیچے، آپ نے ان سب سے منع کیا)۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ خشک ہو جانے پر کم ہو جائے گا، لہذا اس کی مقدار معلوم ہے۔

اشیاء ربویہ میں ضابطہ ہے کہ مماثلت سے ناواقفیت کی بیشی سے واقف ہونے کی طرح ہے (۲)۔

بیع میں کسی معلوم چیز کا یا اٹکل کا اٹکل میں ضم کرنا:

۹- اگر دو چیزوں کو اٹکل سے ایک ٹمن یا دو ٹمن کے بدلے لفر وخت کیا تو یہ صحت بیع سے مانع نہیں ہے، اس لئے کہ یہ ایک اٹکل کی بیع کے حکم میں ہے۔ اس لحاظ سے کہ رخصت ان دونوں کو شامل ہے۔ جیسا کہ کہنے میں نے تمہارے ہاتھ کھجور اور اناج کے ان دونوں ڈھیروں کو

اس کے نتیجے میں خریدار اس سامان کو واپس کر دے گا جس کو اٹکل سے خریداہے، اگر اسے معلوم ہو جائے کہ بیچنے والے کو اس کی مقدار کا علم تھا، اور بیچنے والے کو عقد فسخ کرنے کا اختیار ہے اگر اس کو یہ معلوم ہو جائے کہ خریدار کو اس کی مقدار کا علم تھا۔

حنفیہ کا مذہب اور شافعیہ کے یہاں ”صح“ یہ ہے کہ بیچنے والے اور خریدنے والے میں سے کسی ایک کے مقدار بیع سے واقف ہونے کے باوجود بیع الجزاف صحیح ہے۔ امام احمد سے ایک روایت ہے کہ یہ مکروہ ہے، حرام نہیں، اس کی وجہ اس میں علماء کے اختلاف کی رعایت کرنا ہے (۱)۔

مال ربوی کی ہم جنس سے اٹکل کی بیع:

۸- مال ربوی کی ہم جنس سے بیع جزاف جائز نہیں، اس لئے کہ فرمان نبوی ہے: ”الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعیر بالشعیر، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلاً بمثل، سواء بسواء، یداً بیداً“ (۲) (سونے کو سونے کے بدلے، چاندی کو چاندی کے بدلے، گیہوں کو گیہوں کے بدلے، جو جو کے بدلے، کھجور کو کھجور کے بدلے، اور نمک کو نمک کے بدلے برابر برابر ٹھیک ٹھیک، نقد نقد بیچو)۔

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مال ربوی کی ہم جنس مال سے فروختگی کے لئے ضروری ہے کہ ان کے درمیان مماثلت ہو اور ایک دوسرے پر قبضہ ہو جائے۔

(۱) حدیث: ”لہی عن المزبانہ.....“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۳/۳۸۳ طبع مجلس) اور مسلم (۳/۱۱۷ طبع مجلس) نے کی ہے نیز دیکھئے نیل وأوطارہ/۱۹۸۔

(۲) روایت الطائین ۳/۳۸۳، کشاف القناع ۳/۵۳، المجموع ۱۰/۵۳، فتح القدیر ۵/۷۰، الدرر النوری ۳/۲۳۔

(۱) المغنی ۳/۱۷۳۔

(۲) حدیث: ”المہب بالمہب.....“ کی روایت مسلم (۳/۱۱۷ طبع مجلس) نے کی ہے۔

## بیع جزاف ۹

دوسری تینوں صورتوں میں بیع فاسد ہوگی، اس لئے کہ ان دونوں میں یا کسی ایک میں اصل کی مخالفت ہوگی، جس کی مثالیں یہ ہیں:

الف۔ غلہ کی اندازے سے بیع زمین کی پیمائش کی بیع کے ساتھ (یعنی ایسی زمین جس کی مقدار مساحت کے ذریعہ معلوم ہو)۔  
ب۔ غلہ کی اُکل سے بیع غلہ کی کیل والی بیع کے ساتھ۔  
ج۔ ایک زمین کی اُکل سے بیع دوسری زمین کی پیمائش والی بیع کے ساتھ۔

یہ تمام تفصیلات اس اندازے والی بیع کے بارے میں ہیں جس میں فروختگی کیل، وزن وغیرہ کی بنیاد پر نہ ہو۔

لیکن اگر اندازے کی بیع کیل وغیرہ کی بنیاد پر ہو تو اس کے ساتھ کسی دوسری چیز کو علی الاطلاق ضم کرنا جائز نہیں ہے، مثلاً کہے: میں نے تمہارے ہاتھ یہ ڈھیر، ہر صاع ایک درہم کے حساب سے بیچ دیا اس شرط کے ساتھ کہ بیع کے ساتھ فلاں سامان بھی ہے، اور اس سامان کے لئے ثمن مقرر نہ کیا گیا ہو، بلکہ اس کا ثمن خریدے ہوئے ڈھیر کے ثمن میں سے ہو جائے گا (عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ فروختگی کے وقت یہ نہیں معلوم ہے کہ سامان کی مخصوص قیمت کیا ہے، اس لئے کہ سامان کے ساتھ خاص ثمن بیع کے وقت مجہول ہے، اور ”علی الاطلاق“ کا مطلب یہ ہے کہ سامان ڈھیر کی جنس سے ہو یا اس کی جنس کے علاوہ سے ہو، برابر ہے، اس لئے کہ اگر ثمن مقرر کر دے گا تو ظاہر ہو جائے گا کہ وہ اس سے زیادہ کے برابر ہے، اور بائع معاملہ کو جزافاً مکمل کرنے کی خاطر نرمی سے کام لے رہا ہے، تو ثمن مقرر کرنا اور نہ کرنا برابر ہوگا، اس لئے کہ وہ غیر مقرر کے درجہ میں ہو جائے گا۔

اگر اس کا ثمن مقرر نہ کرے تو سامان کا خصوصی ثمن مجہول

تین دینار میں فروخت کیا یا میں نے اپنے ان دونوں باغوں کے پھلوں کو اُکل سے تین دینار میں فروخت کر دیا یا یہ کہے: ان میں سے پہلا ایک دینار میں اور دوسرا دو دینار میں فروخت کیا۔

اسی طرح اگر اُکل کی بیع کے ساتھ ایسا سامان ضم کر دیا جائے جو کیل یا وزن سے فروخت نہیں کیا جاتا مثلاً اگر کہے کہ میں نے تمہارے ہاتھ یہ ڈھیر اور یہ جانوریں دینار میں فروخت کر دیا (تو یہ بھی جائز ہے)۔

اگر بیع میں جزاف کے ساتھ کیل یا وزن یا تعداد کے ذریعہ معلوم چیز کو ضم کیا جائے تو بسا اوقات اس کے نتیجے میں بیع فاسد ہو جائے گی، اس لئے کہ اس کا جزاف کے ساتھ ملنا معلوم القدر چیز میں ایسی جہالت پیدا کر دے گا جو موجود نہ تھی۔

مالکیہ<sup>(۱)</sup> نے کیل یا وزن یا تعداد کے ذریعہ معلوم المقدار چیز کے انضمام کو چار صورتوں میں تقسیم کیا ہے: اس لئے کہ جس چیز کی اندازے سے بیع کی جارہی ہے یا تو اس میں اصل (عرف کے لحاظ سے) یہ ہوگی کہ اس کو اندازے سے فروخت کیا جائے مثلاً زمین یا اس میں عرف کے لحاظ سے اصل یہ ہوگی کہ مقدار سے اس کی فروختگی کی جائے مثلاً کیل کے ذریعہ جیسے غلوں میں، اسی طرح وہ معلوم المقدار جو اس کے ساتھ ضم کی گئی ہے یا تو اس میں اصل یہ ہوگی کہ اس کو اندازے سے فروخت کیا جاتا ہے یا مقدار سے۔ جس چیز کو اندازے سے بیچا گیا ہے اگر اس میں اصل اندازے سے بیچنا ہو اور معلوم المقدار میں اصل یہ ہو کہ اس کو کیل یا وزن یا تعداد کے ذریعہ فروخت کیا جاتا ہو جیسے زمین کو اندازے سے بیچا گیا اور اس کے ساتھ غلے کو ناپ کے حساب سے فروخت کیا گیا، تو اس صورت میں بیع صحیح ہوگی، اس لئے کہ ہر ایک کی اپنی اصل پر بیع ہوئی ہے۔

(۱) جامعہ الصوئی علی الخرشنی ۳۱/۵۔

## بیع جزاف ۱۰-۱۱

ہوگا (۱)۔

میں اتفاق پیدا کرنا محال ہے۔

شافعیہ کے یہاں دوسرا قول یہ ہے کہ اشارہ کو غالب قرار دیتے ہوئے بیع صحیح ہے (۱)۔

بیع کا طے شدہ مقدار سے کم یا زائد نکلنا:

۱۱- جس نے نلہ کا ڈھیر اس شرط پر سو درہم میں خرید اکہ وہ سو قفیز ہے۔ اور اس کو کم یا زائد پایا، اور جس نے کپڑا اس درہم میں اس شرط کے ساتھ خرید اکہ وہ اس ذراع ہے، یا زمین سو درہم میں اس شرط پر خریدی کہ وہ سو ذراع ہے اور اس کو کم یا زیادہ پایا تو جمہور کے نزدیک اس صورت میں بیع صحیح ہوگی، خواہ عقد میں طے شدہ مقدار سے بیع کم نکلے یا زیادہ۔

خواہ بیع کپڑا یا زمین ہو جو مذروعات (پیمائش کی جانے والی چیزوں) میں سے ہے یا اناج کا ڈھیر ہو جو مکیلات (ناپی جانے والی چیزوں) میں سے ہے۔

حنابلہ کے یہاں ایک روایت یہ ہے کہ بیع باطل ہوگی، اگر بیع زمین یا کپڑا ہو، اس لئے کہ ان دونوں کے وصف میں خلل پیدا ہو گیا ہے، کیونکہ فروخت کرنے والے کو زیادتی کے سپرد کرنے پر مجبور کرنا ممکن نہیں ہے، اور نہ ہی خریدار کو بعض کے لینے پر مجبور کرنا ممکن ہے، اس لئے کہ اس نے سارا خرید لیا ہے، جس طرح ان دونوں کو قدر زائد میں شریک ہونے پر مجبور کرنا ممکن نہیں ہے، اس لئے کہ شرکت کی وجہ سے ضرر ہوگا۔

فی الجملہ فقہاء متفق ہیں کہ سابقہ صورت میں زیادتی کی حالت میں بیچنے والے کے لئے خیار اور نقصان کی حالت میں خریدار کے لئے خیار ثابت ہے۔

حنابلہ کے نزدیک: اگر کہے: میں نے اس ڈھیر کو اور اس دوسرے ڈھیر سے ایک قفیز کو اس درہم میں فروخت کیا تو صحیح ہے۔ لیکن اگر کہے: میں نے یہ ڈھیر ہر قفیز ایک درہم کے حساب سے فروخت کیا، اس شرط کے ساتھ کہ میں تمہیں اس دوسرے ڈھیر میں سے ایک قفیز مزید دے دوں گا تو صحیح نہیں، انہوں نے کہا: کیونکہ اس صورت میں تفصیل کرنے پر ثمن مجہول ہو جائے گا، اس لئے کہ یہ ”ایک قفیز اور کچھ چیز“ ایک درہم میں ہو جائے گی، اور ”کچھ چیز“ کو وہ دونوں نہیں جانتے، اس لئے کہ وہ دونوں ڈھیر میں قفیزوں کی مقدار سے ناواقف ہیں (۲)۔

شافعیہ کے یہاں اس صورت میں بیع باطل ہے جبکہ بائع کہے: میں نے یہ ڈھیر، ہر صاع ایک درہم میں فروخت کر دیا، اس شرط کے ساتھ کہ میں اس دوسرے ڈھیر میں سے ایک قفیز مزید دوں گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اجمالی اور تفصیلی ثمن میں جہالت پیدا ہو رہی ہے، یہ ایسے ہی ہو گیا کہ اس نے ایک صاع اور کچھ ایک درہم میں فروخت کیا، اور ”کچھ“ غیر معروف ہے، اس لئے کہ ڈھیر میں کتنے صاع ہیں یہ معلوم نہیں ہے (۳)۔

اس مسئلہ میں حنفیہ کے یہاں ہمیں تفصیل نہیں ملی۔

۱۰- اگر ”یہ ڈھیر“ یا کوئی اور چیز (مثلاً ریوڑ) سو درہم میں، ہر صاع یا ہر راس یا ہر ذراع ایک درہم میں فروخت کرے تو بیع صحیح ہوگی، بشرطیکہ بیع سونکلے، اس لئے کہ اجمال و تفصیل میں اتفاق ہے، لہذا غریب جہالت نہیں۔ اور اگر سونہ نکلے، مثلاً کم یا زیادہ ہو تو شافعیہ کے یہاں ”صحیح قول“ یہ ہے کہ بیع صحیح نہیں ہوگی، کیونکہ اجمالی اور تفصیلی ثمن

(۱) سابقہ حوالہ۔

(۲) المغنی ۳/۱۳۳۔

(۳) المجموع ۴/۳۱۳۔

(۱) نہایت المحتاج ۳/۹۹۔

## بیع جزاف ۱۱

جس چیز کی فروختگی اندازے سے ہو رہی ہو اگر وہ مذروعات میں سے ہو مثلاً کپڑا اور زمین اور بعد میں ظاہر ہوا کہ زمین اور کپڑا اس مقدار سے کم ہے جس پر دونوں کا اتفاق ہوا تھا تو حنفیہ اور شافعیہ کی رائے ہے کہ خریدار کو اختیار ہے کہ موجودہ زمین یا کپڑے کو سارے ٹمن میں لے یا بیع کو چھوڑ دے، اور خریدار کا اختیار اس صورت میں ساقط نہیں ہوگا جبکہ بائع نقص کے بقدر ٹمن کم کر دے۔

حنابلہ کی رائے ہے کہ خریدار کو اختیار ہے کہ موجودہ کو اس کے حصہ ٹمن میں لے یا بیع کو ترک کر دے۔

اگر ظاہر ہوا ہو کہ بیع طے شدہ مقدار سے زائد ہے تو حنفیہ کی رائے ہے کہ زیادتی اسی ٹمن میں خریدار کے لئے ہے، اس لئے کہ ”ذرع“ وصف کی طرح ہے، اور اوصاف کے بالمقابل کچھ ٹمن نہیں ہوتا اور بائع کو اختیار نہیں ہوگا۔

حنابلہ اور شافعیہ کی رائے ہے کہ بائع کو اختیار ہے۔

حنابلہ کے یہاں ان کے مذہب میں کچھ تفصیل ہے:

ان کی رائے ہے کہ فروخت کرنے والے کو اختیار ہے کہ زیادتی کے ساتھ بیع سپرد کرے یا مقررہ مقدار سپرد کرے۔ اگر سارے کو سپرد کرنے پر راضی ہو جائے تو خریدار کو اختیار حاصل نہیں، اس لئے کہ بائع نے خریدار کے لئے اضافہ خیر کیا ہے۔ اور اگر زیادتی کے ساتھ سپرد کرنے سے انکار کرے تو خریدار کو اختیار ہے کہ بیع کرے یا سارا مقررہ ٹمن اور زائد کی قیمت دے کر لے لے۔

اگر لینے پر راضی ہو جائے تو دس ذراع کو لے گا، اور ایک ذراع میں بائع اس کا شریک ہوگا۔

بائع کو بیع کا اختیار دینے میں دو احوال ہیں:

اول: اس کے لئے بیع کا اختیار ہے، اس لئے کہ شرکت میں اس کا ضرر ہے۔

حنفیہ اور حنابلہ نے مذروعات مثلاً کپڑا اور زمین، اور مکیلات مثلاً غلہ کا ڈھیر، کے درمیان حکم میں فرق کیا ہے، لیکن شافعیہ ان دونوں کے درمیان حکم میں فرق نہیں کرتے، البتہ علی الاطلاق جس کا ضرر ہو اس کے لئے اختیار ثابت کرتے ہیں۔

لہذا اس صورت میں جبکہ ناج کا ڈھیر سو درہم میں اس شرط کے ساتھ خریدار کو وہ سوتفیز ہے، اور اس کو کم پایا تو حنفیہ اور حنابلہ کی رائے ہے کہ خریدار کو اختیار ہے: اگر چاہے تو موجودہ ناج کو اس کے حصہ ٹمن کے بدلے لے لے، اور اگر چاہے تو بیع فسخ کر دے، اس لئے ٹمن مثلی بیع (کیلی ہو یا وزنی) کے اجزاء پر منقسم ہوتا ہے اور خریدار اس سے راضی نہیں، اس لئے کہ جس پر عقد ہوا ہے وہ اس سے کم ہے اور اسی وجہ سے اس کو اختیار ہے کہ اگر چاہے تو موجود چیز کو اس کے حصہ ٹمن کے بدلے لے لے اور اگر چاہے تو اس کو فسخ کر دے، اس لئے کہ اس نے بیع کو ناقص پایا۔

حنابلہ کے یہاں ایک قول یہ ہے کہ اس کو بیع کا اختیار نہیں ہے، اس لئے کہ مقدار کی کمی باقی کیل میں عیب نہیں۔

شافعیہ کے نزدیک خریدار کو اختیار ہے کہ موجود چیز کو پورے مقررہ ٹمن میں لے یا فسخ کر دے۔

اگر ڈھیر کو طے شدہ مقدار سے زائد پائے تو خریدار زیادتی بائع کو واپس کر دے، اس لئے کہ زیادتی کی وجہ سے بائع کا ضرر ہے، نیز اس لئے کہ بیع مقدار معین پر ہوئی ہے، لہذا جو اس سے زائد ہو وہ بیع میں داخل نہ ہوگا۔ یہ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہے۔

شافعیہ کے نزدیک بیچنے والے کے لئے اختیار ثابت ہے، اور اس کا اختیار اس صورت میں بھی ساقط نہ ہوگا جبکہ خریدار بائع سے کہے: تم فسخ نہ کرو، میں قدر شرط پر ہی قناعت کروں گا یا میں تمہیں زائد کا ٹمن دے دوں گا۔

## بیج جزاف ۱۱

اس لئے کہ اگر وہ سارے ثمن میں لے تو وہ ہر ذراع ایک درہم میں لینے والا نہیں ہوا۔ اور اگر اس کو زائد پائے تو اس کو اختیار ہے کہ اگر چاہے تو سارے کو ہر ذراع ایک درہم کے حساب سے لے اور اگر چاہے تو فسخ کر دے، کیونکہ جب اس کے لئے پیمائش میں زیادتی ہوئی ہے تو ثمن کا اضافہ اس پر لازم ہوگا، لہذا یہ ایسا نفع ہے جس میں ثنائبہ ضرر ہے، اس لئے اس کو زیادتی کے لینے اور فسخ بیج کے درمیان اختیار دیا جائے گا<sup>(۱)</sup>۔

دوم: اس کے لئے اختیار نہیں، اس لئے کہ وہ سارے کو اس ثمن میں فروخت کرنے پر راضی ہے۔ جب اس کے پاس ثمن پہنچ گیا اور ساتھ ہی اس کا ایک حصہ اس میں باقی ہے تو یہ اس کی رضامندی کے مطابق ثمن پر اضافہ ہے، اس لئے اس اضافہ کی وجہ سے وہ فسخ کا مستحق نہ ہوگا۔ اگر بائع اس اضافہ کو ثمن لے کر خریدار کو دینا چاہے یا خریدار ثمن کے ذریعہ اس کا مطالبہ کرے تو دوسرے پر اس کا قبول کرنا لازم نہیں۔ اس لئے کہ یہ معاوضہ ہے جس میں دونوں کی رضامندی کا اعتبار ہے، لہذا اس پر کسی ایک کو مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اور اگر دونوں اس پر راضی ہو جائیں تو جائز ہے۔

مندوعات اور مکیلات کے درمیان فرق کی وجہ یہ ہے کہ مکیلات پر عقد میں متفق علیہ ”قدر“ ہے جبکہ مندوعات میں ”وصف“ ہے۔ قدر (مقدار) کے مقابلہ میں ثمن ہوتا ہے جبکہ وصف بیع کے تابع ہوتا ہے، اور اس کے مقابلہ میں کچھ ثمن نہیں ہوتا، اسی وجہ سے وہ بیع کو اس کے حصہ ثمن کے بدلے لے لے گا اگر متفق علیہ مقدار فوت ہو جائے، اور بیع کو سارے ثمن میں لے گا اگر وصف متفق علیہ فوت ہو جائے، لہذا اگر فروخت کرنے والا کہے: میں نے تمہارے ہاتھ کپڑا سو درہم میں اس شرط کے ساتھ فروخت کیا کہ وہ سو ذراع ہے، اور ہر ایک ذراع ایک درہم میں ہے اور اس کو ناقص پایا۔ تو خریدار کو اختیار ہے کہ اس کے حصہ ثمن کے بدلے میں لے لے اور اگر چاہے تو اس کو ترک کر دے۔

اس لئے کہ وصف اگر بیع کے تابع ہے لیکن وہ اصل بن گیا ہے، اس لئے کہ مستقل طور پر اس کے لئے ثمن کا ذکر کیا گیا ہے، لہذا ہر ذراع کو مستقل کپڑے کے درجہ میں رکھا جائے گا۔

(۱) فتح القدیر ۵/۶۷۵، ۷/۴۷۷، ۸/۴۷۸، نہایۃ الحاج ۳/۳۰۰، ۳۰۱، المغنی ۳/۳۶۶، ۳۷۷۔

## بیع الحاضر للبادی ۱-۳

سے کی ہے۔ اور ”عمودی“، ”بدوی“ کے معنی میں ہے اور عمود کی طرف منسوب ہے، اس لئے کہ بدوی خیموں میں رہتے ہیں<sup>(۱)</sup>۔  
لیکن حنابلہ نے ”بدوی“ کے لفظ کو بادیہ میں مقیم اور شہر میں داخل ہونے والے غیر شہری کے لئے شامل مانا ہے، خواہ وہ بدوی ہو یا قریہ کار رہنے والا یا دوسرے شہر کا ہو<sup>(۲)</sup>۔  
یہی مالکیہ کے یہاں ایک قول ہے<sup>(۳)</sup>۔

۲- ”بیع الحاضر للبادی“ سے مراد جمہور کے نزدیک یہ ہے کہ کوئی شہری بدوی کے سامان کو فروخت کرنے کی ذمہ داری لے لے یعنی شہری فروخت کرنے والے بدوی کا دلال بن جائے۔  
حلوانی نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ شہری دلال دیہاتی کو فروخت کرنے سے یہ کہتے ہوئے روک دے کہ تم خود بیع نہ کرو، مجھے اس کا زیادہ علم ہے، اور وہ اس کا وکیل بن جائے، اور گراں قیمت میں فروخت کرے، اگر وہ دیہاتی کو خود سے فروخت کرنے کے لئے چھوڑ دیتا تو لوگوں کے لئے وہ سامان سستا پڑتا<sup>(۴)</sup>۔  
لہذا یہ بیع شہری کی شہری سے دیہاتی کی نیابت میں گراں قیمت میں ہوتی۔

اس تشریح کے مطابق: ”لابیع حاضر لباد“ میں لام اپنی حقیقت یعنی تعلیل پر ہوگا جیسا کہ ابن عابدین کہتے ہیں۔  
۳- بعض حنفیہ مثلاً صاحب ”الہدایہ“ کی رائے ہے کہ حدیث سے مراد یہ ہے کہ شہری اپنا سامان بدوی کے ہاتھ گراں ثمن کی لالچ میں

## بیع الحاضر للبادی

تعریف:

۱- حاضر: بادی کی ضد ہے، اور حاضر بادیہ کی ضد ہے<sup>(۱)</sup>۔  
حاضر: جو اہل حضر میں سے ہو اور وہ ”حاضرہ“ کا باشندہ ہے۔  
اور حاضرہ: شہر، گاؤں اور ”ریف“ کو کہتے ہیں، اور ”ریف“ وہ زمین ہوتی ہے، جس میں عام طور پر کھیتی اور سبزہ ہو۔  
شلمی نے کہا: حاضر کا معنی ہے: شہروں اور گاؤں میں رہنے والا، اور ”بادی“ بادیہ میں رہنے والا، اور ”بادیہ“ شہر، گاؤں اور ”ریف“ کے علاوہ کو کہتے ہیں۔ فرمان باری ہے: ”وَإِن يَأْتِ الْأَحْزَابُ يَوَدُّوا لَوْ أَنَّهُمْ بَادُونَ فِي الْأَعْرَابِ“<sup>(۲)</sup> (اور اگر حملہ آور پھر آجائیں تو یہ چاہیں گے کہ وہ دیہات میں بدوؤں کے درمیان ہوں) یعنی وہاں مقیم ہوں۔ اور شلمی نے کہا: اس سے مراد بادیہ میں اقامت اختیار کرنے والے ہیں۔ ”اور حاضرہ“ کی طرف نسبت کے لئے ”حضری“ اور ”بادیہ“ کی طرف نسبت کے لئے ”بدوی“ کہا جاتا ہے<sup>(۳)</sup>۔

بعض مالکیہ نے اس بیع کی تعبیر ”بیع حاضر لعمودی“ کے الفاظ

(۱) شرح الکبیر للدرر ۶۹، ۳، القوائین الفقہیہ ۱۷۱۔

(۲) المغنی ۲۷۹، ۳، کشاف القناع ۱۸۳، ۳۔

(۳) ابن جزئی نے القوائین الفقہیہ ۱۷۱ میں صیغہ تفعیہ ”قیل“ کے ذریعہ

اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(۴) فتح القدیر ۱۰۷، ۱، رد المحتار ۱۳۳، شرح الکبیر للدرر ۶۹، ۳،

القوائین الفقہیہ ۱۷۱، ۱، تحت المحتاج ۳۰۹، ۳، المغنی ۲۷۹، ۳۔

(۱) مختار الصحاح مادة ”حضر“۔

(۲) سورۃ احزاب ۲۰۔

(۳) شرح المجلد علی المسماح معھا ۱۸۲، ۲، ۱۸۳، تحت المحتاج

۳۰۹، ۳، رد المحتار ۱۳۲، ۳، حاشیہ اہلئ علی تبیین الحقائق ۶۸، ۳۔

## بیع الحاضر للبادی ۴

اس بیع سے ممانعت:

۴- اس بیع کی ممانعت میں فقہاء کا اختلاف نہیں ہے، کیونکہ اس کی ممانعت کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لا تلقوا الركبان، ولا بیع بعضکم علی بیع بعض، ولا تناجشوا، ولا بیع حاضر لباد، ولا تصرفوا الغنم“ (۱) (تافلہ سے بیع کے لئے نہ ملو، کوئی تم میں سے دوسرے کی بیع پر بیع نہ کرے، بیع میں ایک دوسرے سے بڑھ کر بولی نہ بولو بستی والا باہر والے کمال نہ بیچے، اور بکریوں کا دودھ تھن میں اکھٹا نہ کرو)۔

حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں فرمان نبوی ہے: ”لا بیع حاضر لباد، دعوا الناس، یرزق اللہ بعضهم من بعض“ (۲) (بستی والا باہر والے کمال نہ بیچے، بلکہ لوگوں کو چھوڑ دو، اللہ تعالیٰ ایک کو دوسرے سے رزق دیتا ہے)۔

حضرت انسؓ کی حدیث ہے: ”نہینا أن بیع حاضر لباد، و إن كان أخاه و أباه“ (ہمیں منع کیا گیا کہ بستی والا باہر والے کا مال فروخت کرے اگرچہ وہ اس کا بھائی یا باپ ہو)۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں ”وإن كان أخاه لأبيه و أمه“ (۳) (اگرچہ اس کا حقیقی بھائی ہو) ہے۔

فروخت کرے، تو اس سے منع کیا گیا ہے، اس لئے کہ اس میں شہریوں کو ضرر پہنچانا ہے (۱)۔ اور اس تشریح کے مطابق: ”لا بیع حاضر لباد“ میں لام ”من“ کے معنی میں ہوگا۔ جیسا کہ باہر تہی کہتے ہیں (۲)۔ یہ ان لوگوں کی تشریح ہے جنہوں نے کہا کہ ”حاضر“ مالک ہے اور ”بادی“ خریدار ہے۔

خیر الدین ربلی نے کہا: اس تشریح کی تائید اس قول سے ہوتی ہے جو ”الفصول العمدیہ“ میں امام ابو یوسف سے منقول ہے کہ اگر بدوی کوفہ میں آئیں، اور اناج کا ذخیرہ وہاں سے لیما چاہیں تو آپ دیکھتے ہیں کہ شہر والے ذخیرہ اندوزی کے لئے خریدنے سے منع کرتے ہیں، تو یہ بدرجہ اولیٰ ہے (۳)۔

حنفیہ میں سے صفحہ کی صراحت کی ہے (۴) کہ صحیح جیسا کہ ”المجتبیٰ“ میں ہے، یہ ہے کہ ان دونوں سے مراد دلال اور بائع ہیں اور یہی پہلی تشریح ہے جس پر جمہور ہیں۔ اس کی دو جوہات ہیں:

اول: یہی تشریح بعض روایات میں حدیث کے آخری لکڑے سے ہم آہنگ ہے، جو یہ ہے: ”دعوا الناس، یرزق اللہ بعضهم من بعض“ (۵) (لوگوں کو چھوڑ دو، اللہ رزق دیتا ہے ایک کو دوسرے سے)۔

دوم: یہ لام کے ساتھ متعدی ہے، ”من“ کے ساتھ نہیں۔

لہذا حنفیہ کا مذہب اس حدیث کی تشریح میں جمہور کی طرح ہوگا (۶)۔

(۱) حدیث حضرت ابو ہریرہؓ ”لا تلقوا الركبان ولا بیع بعضکم علی بیع بعض“ کی روایت بخاری (فتح المبارک ۳۶۱/۳ طبع استغیہ) اور مسلم (۱۱۵۵/۴ طبع لکھنؤ) نے کی ہے اور الفاظ مسلم کے ہیں۔  
(۲) حدیث حضرت ابن عباسؓ ”لا بیع حاضر لباد، دعوا الناس یرزق اللہ بعضهم من بعض“ کی روایت مسلم (۱۱۵۷/۴ طبع لکھنؤ) نے کی ہے۔  
(۳) حدیث حضرت انسؓ ”نہینا أن بیع حاضر لباد، و إن كان أخاه و أباه“ کی روایت بخاری (فتح المبارک ۳۷۳/۳ طبع استغیہ) اور مسلم (۱۱۵۸/۴ طبع لکھنؤ) نے کی ہے اور حدیث کی روایت صرف مسلم نے کی ہے۔

(۱) الہدایہ مع شروع ۶/۱۰۷، الدر المختار ۴/۱۳۲۔

(۲) شرح التناہی علی الہدایہ ۶/۱۰۸۔

(۳) رد المحتار ۴/۱۳۲، نیز اس تشریح کے بارے میں دیکھئے: تمییز الحقائق مع جامعہ العلمی ۴/۶۸۔

(۴) امصباح لمیر مادہ ”بیع“ رد المحتار ۴/۱۳۳۔

(۵) حدیث کی تخریج فقہ ۴/۳۳۲ میں آئے گی۔

(۶) الدر المختار و رد المحتار ۴/۱۳۲، ۱۳۳۔

## بیع الحاضر للبادی ۵-۹

چیزوں کو صرف بدویوں کے ہاتھ گراں قیمت میں فروخت کرے  
(۱)۔

### ممانعت کی قیود:

جمہور فقہاء نے بیع الحاضر للبادی سے ممانعت کو مختلف شرائط اور  
قیود سے مقید کیا ہے مثلاً:

۷- بدوی جو سامان لے کر آ رہا ہے اس کی عمومی ضرورت ہو، خواہ وہ  
کھانے پینے کی چیز ہو یا دوسری کوئی چیز، لہذا جس چیز کی ضرورت  
وحاجت شاؤنادر پڑتی ہو، وہ اس ممانعت کے تحت داخل نہیں  
ہوگی (۲)۔

۸- یہ کہ بدوی کا مقصد فوری بیع کرنا ہو، یعنی جس کو اس دن کے  
نرخ پر بیع کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، لہذا اگر اس کا مقصد رفتہ  
رفتہ بیچنا ہو اور اس سے شہری نے درخواست کی کہ اس کے سپرد کر دے  
تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ اس نے لوگوں کو ضرر نہیں  
پہنچایا، اور مالک کو اس سے روکنے کی کوئی وجہ نہیں (۳)۔

بیدونوں شرطیں شافعیہ اور حنابلہ کی ہیں۔

۹- یہ کہ فوری بیع کے مقابلہ میں اس کی مدت بجا بیع زیادہ قیمت  
میں ہو، جیسا کہ بعض شافعیہ نے اس کو ترجیح دی ہے۔ انہوں نے کہا:  
اس لئے کہ اگر شہری بدوی سے بیفرومائش کرے کہ اس مال کی مدت بجا  
بیع اس دن کے نرخ پر کرنے کے لئے اس کے سپرد کرے، تو یہ چیز  
بدوی کو اس سے موافقت کرنے پر آمادہ نہ کرے گی، لہذا یہ تنگی پیدا

## بیع الحاضر للبادی سے ممانعت کی علت:

اس ممانعت کی علت فقہاء کے یہاں مختلف فیہ ہے:

۵- الف۔ پہلی تشریح کے مطابق جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اس  
ممانعت کی علت یہ ہے کہ اس بیع کے نتیجے میں شہر والوں کا نقصان  
ہوگا (۱)، لوگوں پر تنگی ہوگی (۲) اور اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ لوگوں کے  
ہاتھ ستے دام میں فروخت کریں (۳)۔

ابن القاسم نے کہا: اس سلسلہ میں اہل علم کا اختلاف نہیں کہ  
بیع الحاضر للبادی سے ممانعت شہر والوں کے نفع ہی کے لئے  
ہے (۴)، اس لئے کہ اگر بدوی کو اپنا سامان فروخت کرنے دیا  
جائے تو لوگ اس کو ستے دام میں خریدیں گے، اور ان کے لئے  
نرخ میں سہولت ہوگی۔ لیکن اگر شہری اس کو بیچنے کی ذمہ داری لے  
لے، اور شہر کے نرخ سے کم پر فروخت نہ کرے تو شہر والوں کے لئے  
تنگی ہوگی، حضور ﷺ نے اپنی تعلیل میں اسی وجہ کی طرف اشارہ  
فرمایا ہے (۵)۔

۶۔ بعض حنفیہ مثلاً مرغینانی (جیسا کہ ہم نے ذکر کیا) اور کاسانی اسی  
طرح ترمناشی (بہ ظاہر دوسری تشریح کی بنیاد پر) کی رائے ہے کہ اس  
ممانعت کی علت شہر والوں کو ستے دام کے علاوہ ایک دوسری جہت  
سے ضرر پہنچانا ہے اور وہ یہ ہے کہ شہر والے قحط اور محتاجی کی حالت  
میں ہوں، لاج اور چارے کی ضرورت ہو۔ اس کے باوجود شہری ان

(۱) بدائع الصنائع ۵/۲۳۲، الہدایہ مع شروح ۶/۱۰۷، الدر المختار ۳/۳۲۲،

تمییز الحقائق ۳/۶۸۔

(۲) تحفۃ المحتاج ۳/۳۰۹، شرح المکمل علی الصہاج ۲/۱۸۲، المغنی ۳/۲۸۰،

کشاف القناع ۳/۱۸۲۔

(۳) شرح المکمل علی الصہاج ۲/۱۸۲، المغنی ۳/۲۸۰، کشاف القناع ۳/۱۸۲۔

(۱) تمییز الحقائق ۳/۶۸۔

(۲) شرح المکمل علی الصہاج ۲/۱۸۲، شرح المحتاج بحیثیہ التحلیل ۳/۸۷۔

(۳) حاشیہ الدسوقی علی المشرع الکبیر للذہری ۳/۶۹۔

(۴) حاشیہ الصدوق علی شرح الخرشبی ۵/۸۳۔

(۵) المغنی ۳/۲۸۰، کشاف القناع ۳/۱۸۲۔



## بیع الحاضر للبادی ۱۰-۱۳

۱۱- حنا بلہ کی شرط ہے کہ بدوی سامان لے کر آئے اور اس کو فروخت کرنے کے لئے آئے، اس لئے کہ اگر اس کو ذخیرہ کرنے یا کھانے کے لئے لائے اور شہری اس کے پاس جا کر اس کو فروخت کرنے پر آمادہ کر لے تو یہ کشادگی اور سہولت پیدا کرنا ہے، تنگی پیدا کرنا نہیں (۱)۔

۱۲- مالکیہ کی شرط ہے کہ بیع شہری کے ہاتھ ہو، لہذا اگر شہری (بدوی کا مال) اسی جیسے بدوی کے ہاتھ فروخت کرے تو جائز ہے، اس لئے کہ بدوی ان سامانوں کے نرخ سے ناواقف نہیں ہوگا، اس لئے ان کے نرخ پر ہی لے گا، خواہ اس نے شہری سے خرید اہو یا بدوی سے، لہذا شہری کا اس کے ہاتھ فروخت کرنا بدوی کا بدوی کے ہاتھ فروخت کرنے کے درجہ میں ہے (۲)۔

۱۳- حنا بلہ کی شرط ہے کہ بدوی کے پاس نرخ سے واقف شہری جائے، لہذا اگر بدوی خود شہری کے پاس جائے، تو تنگی پیدا کرنے میں شہری کا کوئی اثر نہیں ہوگا (۳)۔

اگر ممانعت کی شرائط میں سے کوئی شرط مفقود ہو تو بیع الحاضر للبادی ان لوگوں کے نزدیک حرام نہ ہوگی (۴)، جو اس شرط کے قائل ہیں۔  
۱۴- حنفیہ جن میں سے بعض نے ممانعت کی صورت یہ بیان کی ہے کہ شہری اناج یا چارہ بدوی کے ہاتھ زیادہ ٹمن کی لالچ میں فروخت کرے، انہوں نے تحریم کے لئے یہ قید لگائی ہے کہ اس بیع سے اہل شہر کا نقصان ہو، یعنی ان کے یہاں اناج اور چارے کی قلت ہو۔ لیکن اگر ان کے یہاں سرسبزی اور کشادگی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ ضرر نہیں ہے (۵)۔ حنفیہ کی عبارت یہ ہے: یہ قبط

کرنے کا سبب نہیں، برخلاف اس صورت کے جبکہ اس سے گراں قیمت میں فروخت کرنے کے لئے درخواست کرے تو بسا اوقات یہ زیادتی اس کو اس سے اتفاق کرنے پر آمادہ کر سکتی ہے جس کے نتیجے میں تنگی ہوگی (۱)۔

۱۰- بدوی نرخ سے ناواقف ہو (۲)، اس لئے کہ اگر بدوی کو اس کا علم ہوگا تو شہری اس کو اس سے زیادہ نہ دے گا (۳)، اور ممانعت اس وجہ سے بھی ہے تاکہ وہ لوگوں کے ہاتھ سے دام میں فروخت کریں، اور یہ علت اسی وقت پائی جائے گی جبکہ بدوی نرخ سے ناواقف ہوں، اور اگر ان کو نرخ کا علم ہو تو وہ ان کو ان کی قیمت ہی میں فروخت کریں گے جیسا کہ شہری نرخ کرے گا، اس لئے شہری کی بیع اس صورت میں بدویوں کی بیع کے درجہ میں ہوگی (۴)۔ یہ شرط مالکیہ اور حنا بلہ کی ہے۔

تاہم خرفی نے ممانعت کو مطلق رکھا ہے، خواہ بدوی نرخ سے ناواقف ہو یا واقف ہو (۵)۔

مالکیہ کے یہاں معتمد کیا ہے؟ اس سلسلہ میں اختلاف ہے: عدوی کے یہاں معتمد نرخ سے ناواقف ہونے کی شرط ہے (۶) اور ابن جزی نے اسی کی صراحت کی ہے (۷)۔ دوسروں کے نزدیک معتمد (جیسا کہ دسوقی نے نقل کیا ہے) اطلاق ہے (۸)۔

- (۱) حاشیہ الحاصل علی شرح بیع الحج ۸۶/۳۔
- (۲) الشرح الکبیر للردیہ بحاشیہ الدسوقی ۶۹/۳، المغنی ۲۸۰/۳، کشاف القناع ۱۸۲/۳۔
- (۳) کشاف القناع ۱۸۲/۳۔
- (۴) حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر للردیہ ۶۹/۳۔
- (۵) شرح الخرشبی ۸۳/۵۔
- (۶) حاشیہ الصدوی علی شرح الخرشبی ۸۳/۵۔
- (۷) القوائین الفقہیہ ۱۷۱۔
- (۸) حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر للردیہ ۶۹/۳۔

- (۱) کشاف القناع ۱۸۲/۳، المغنی ۲۸۰/۳۔
- (۲) الشرح الکبیر للردیہ مع حاشیہ الدسوقی ۶۹/۳۔
- (۳) کشاف القناع ۱۸۲/۳۔
- (۴) ساہتہ مراجع۔
- (۵) بدائع الصنائع ۲۳۲/۵۔

## بیع الحاضر للبادی ۱۵-۱۶

ممانعت تحریم کے لئے ہے، لہذا اس کے باوجود اس کا ارتکاب کرنے والا گنہگار ہوگا، تاہم بیع صحیح ہوگی (۱)۔

ب۔ امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ بیع صحیح ہوگی، اس میں کوئی کراہت نہیں ہوگی، اور یہ کہ ممانعت ابتداء اسلام کے ساتھ خاص ہے جب مسلمانوں پر تنگی تھی، امام احمد نے کہا: ایسا ایک مرتبہ ہوا تھا (۲)۔

ج۔ مالکیہ کا مذہب اور حنابلہ کے یہاں مذہب اور ”ظہر“ یہ ہے کہ بیع حرام ہے، اور باطل و فاسد بھی ہے جیسا کہ خرقی نے اس کی صراحت کی ہے، اس لئے کہ یہ ممنوع ہے، اور ممانعت ممنوع کے فساد کی متقاضی ہے (۳)۔

اسی طرح بہوتی نے اس کی صراحت اپنے اس قول سے کی ہے کہ وہ حرام ہوگی صحیح نہیں ہوگی، کیونکہ اس کی ممانعت باقی ہے (۴)۔ امام احمد سے اس بیع کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا: میں اس کو مکروہ سمجھتا ہوں اور اس کی بیع کو رد کرتا ہوں (۵)۔ مالکیہ نے اس کے بارے میں تفصیل کرتے ہوئے یہ کہا ہے: اول: بیع فسخ ہوگی جب تک سامان موجود ہو، بیع یا عیب یا موت وغیرہ کے سبب فوت نہ ہو اور۔

دوم: اگر سامان فوت ہو چکا ہو تو اس ضمن کے ساتھ جس پر بیع ہوئی ہے بیع نافذ ہوگی۔ یہی معتمد ہے۔ ایک قول ہے کہ ”قیمت“ (مارکیٹ ریٹ) کے ساتھ نافذ ہوگی (۶)۔

ذیل میں اس بیع سے متعلق غیر حنفیہ کے یہاں بعض تفصیلی

اور محتاجی کی حالت کا حکم ہے، ورنہ نہیں، اس لئے کہ ضرر نہیں (۱)۔

۱۵۔ حنفیہ میں سے جنہوں نے ممانعت کی شکل یہ بیان کی ہے کہ شہری بدوی کا سامان فروخت کرے اور قیمت بڑھادے اور یہی اصح ہے (۲)، انہوں نے اس کے لئے یہ قید لگائی ہے کہ:

وہ سامان عام ضرورت و حاجت کا ہو مثلاً خوراک، لہذا اگر عام ضرورت کا نہ ہو یا خوراک کی کثرت ہو، اس کی ضرورت نہ ہو تو تحریم کے بارے میں تردد ہے (۳)۔

اور یہ کہ اہل شہر کو اس سے ضرر پہنچتا ہو (۴)۔

## بیع الحاضر للبادی کا حکم:

۱۶۔ الف۔ جمہور فقہاء کے نزدیک وہ صحیح ہونے کے باوجود حرام ہے، بعض حنفیہ نے اس کی صراحت کی ہے (۵)۔ اور بعض حنفیہ نے اس کو ”کراہت“ سے تعبیر کیا ہے جو مطلق بولے جانے کی صورت میں تحریم کے معنی میں ہے، جیسا کہ مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے اس کی صراحت کی ہے، اس کے باوجود جمہور کے نزدیک یہ بیع صحیح ہے جیسا کہ امام احمد سے یہ ایک روایت ہے۔ اور اس سے ممانعت فساد و بطلان کو مستلزم نہیں ہے، اس لئے کہ اس کا تعلق ذات بیع سے نہیں ہے، کیونکہ اس کا کوئی رکن مفقود نہیں ہے، اور نہ اس کا تعلق لازم ذات ہے، کیونکہ اس کی کوئی شرط مفقود نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق ایک خارجی غیر لازم امر سے ہے مثلاً تنگی کرنا اور ایذا رسانی ہے (۶)۔ محلی نے کہا:

(۱) الدر المختار ۳/۳۲، الہدایۃ بیع القدر ۶/۱۰۷۔

(۲) الدر المختار ۳/۳۲۔

(۳) حاشیہ العلامی علی تبیین الحقائق ۳/۶۸۔

(۴) تبیین الحقائق حوالہ سابق، بدائع الصنائع ۵/۲۳۲۔

(۵) حاشیہ العلامی علی تبیین الحقائق ۳/۶۸، الدر المختار ۳/۳۲، الہدایۃ بیع شروح ۱/۱۰۸۔

(۶) شرح المحلی علی المنہاج مع حاشیہ اقلیو بی ۲/۱۸۲، نیز المغنی ۳/۲۸۰ سے موازنہ کریں۔

(۱) ساہتہ مراجع۔

(۲) المغنی ۳/۲۸۰، الانصاف ۳/۳۳۳۔

(۳) المغنی ۳/۲۸۰۔

(۴) کشاف القناع ۳/۱۸، المشرح الکبیر للذریع مع حاشیہ الدرستی ۳/۶۹۔

(۵) المغنی ۳/۲۸۰۔

(۶) المشرح الکبیر للذریع مع حاشیہ الدرستی ۳/۶۹۔

## بیع الحاضر للبادی ۱۷-۱۸

جزئیات ذکر کی جاتی ہیں:

کو تابعی کرنے والا ہو، جیسا کہ ظاہر ہے۔ اور یہ ان کے اس قول سے ماخوذ ہے کہ جو شخص کوئی کام کرے اس پر واجب ہے کہ اس سے متعلق وہ تمام چیزیں سیکھے جو کثرت سے واقع ہوتی ہیں<sup>(۱)</sup>۔

۱۸- چونکہ نص بیع للبادی (بدوی کے لئے بیچنا) سے ممانعت کے بارے میں وارد ہے، اس لئے شراء للبادی (بدوی کے لئے خریدنا) کے بارے میں اختلاف ہے:

الف۔ مالکیہ کے مذہب میں نقد کے ذریعہ ”شراء للبادی“ یا سامان کے ذریعہ ”شراء للبادی“ کے درمیان تفصیل ہے۔

کچھ مالکیہ علی الاطلاق نقد اور سامان کے ذریعہ ”شراء للبادی“ (بدوی کے لئے خریدنے) کے جواز کے قائل ہیں یعنی وہ سامان نقد کے ذریعہ حاصل کرے یا بغیر نقد کے برابر ہے شیخ خلیل کے کلام کا ظاہر یہی ہے۔ خردی نے خریداری کے جواز کو ان سامانوں کے ساتھ خاص کیا ہے جن کو اس نے نقد ثمن دے کر حاصل کیا ہے، رہے وہ سامان جن کو اس نے بغیر نقد حاصل کیا تو بدوی کے لئے ان کے ذریعہ سامان خریدنا اس کے لئے ناجائز ہے۔ انہوں نے کہا: اس لئے کہ اس صورت میں وہی علت پائی جائے گی جو اس کے لئے بیع سے ممانعت میں ہے<sup>(۲)</sup>۔

کچھ دوسرے مالکیہ نے کہا: ائمہ کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ اس کے لئے خریداری نقد ہی کے ذریعہ جائز ہے، سامان کے ذریعہ علی الاطلاق ناجائز ہے، ورنہ یہ اس کے سامان کو فروخت کرنا ہو جائے گا، اور یہ معتقد قول کے مطابق (جیسا کہ گزرا) علی الاطلاق ممنوع ہے، وصوفی نے اس کو ”وجیہ“ قرار دیا ہے<sup>(۳)</sup>۔

۱۷- اول: مالکیہ نے صراحت کی ہے کہ بیع کے فوت نہ ہونے کی شرط پر بیع کے فسخ کرنے کے ساتھ مالک، شہری اور بدوی ہر ایک کی تادیب کی جائے گی، اگر ان میں سے کوئی اس سے ناواقفیت کے سبب معذور نہ ہو یعنی وہ حرمت سے واقف ہو، جاہل کی تادیب نہیں کی جائے گی، اس لئے کہ جہل کے سبب وہ معذور ہے<sup>(۱)</sup>۔

لیکن کیا مطلقاً تادیب ہوگی یا اگر وہ اس بیع کا عادی ہو تب ہوگی؟

اس سلسلہ میں مالکیہ کے یہاں دو اقوال ہیں<sup>(۲)</sup>۔

شافعیہ نے کہا ہے کہ تحریم سے واقف شخص گنہگار ہوگا جیسا کہ مالکیہ نے کہا، اسی طرح کو تابعی کرنے والا جاہل بھی گنہگار ہوگا اگرچہ وہ ایسا حکم ہو جو عموماً مخفی رہتا ہو۔ انہوں نے کہا: حاکم کو حق ہے کہ جو حکم عموماً مخفی نہ رہتا ہو اس کے ارتکاب پر تعزیر کرے، اگرچہ وہ ناواقف ہونے کا دعویٰ کرے۔ قلیوبی نے کہا: حرمت علم یا تقصیر کے ساتھ مقید ہے، اور تعزیر عدم خفاء کے ساتھ مقید ہے<sup>(۳)</sup>۔

لیکن ائمہ شافعیہ میں سے قتال نے کہا: یہاں پر گناہ شہری پر ہوگا، بدوی پر نہیں، اور قتال کہتے ہیں کہ خریدار کو اختیار نہیں حاصل ہوگا<sup>(۴)</sup>۔

پھر شافعیہ نے ہر ممنوع میں حرمت کے علم کی شرط کو عام رکھا ہے۔ ابن حجر نے کہا: یہاں اور تمام دوسری ممنوعات میں بھی ضروری ہے کہ وہ ممانعت سے واقف ہو یا اس کی واقفیت حاصل کرنے میں

(۱) حوالہ سابق۔

(۲) حوالہ سابق، نیز فسخ بونہا دہب کے بارے میں دیکھئے: شرح الخرشی مع حامیہ

العدوی ۵ / ۸۳۔

(۳) شرح الخلی مع حامیہ اقلیو بی ۲ / ۱۸۲۔

(۴) شرح الخلی حوالہ سابق۔

(۱) تحفہ المحتاج ۳۳ / ۳۱۱۔

(۲) القوانین الفقہیہ / ص ۱۷۱ کے ساتھ مزید ذکر کریں۔

(۳) الشرح المکبیر للدرر مع حامیہ الدسوقی ۳۳ / ۶۹، ۷۰، شرح الخرشی ۵ / ۸۳۔

## بیع الحاضر للبادی ۱۹-۲۲

کہ بیع سے ممانعت اہل حضر کے لئے سہولت پیدا کرنا ہے، تاکہ ان کے لئے نرخ میں گنجائش رہے اور ضرر زائل ہو جائے، اور اس کے لئے خریدار کی صورت میں یہ چیز نہیں، اس لئے کہ اہل حضر کا ضرر نہیں، کیونکہ اہل بادیہ کے لئے غبن نہیں بلکہ یہ ان سے ضرر کو زائل کرنا ہے، اور شریعت کی نظر میں ساری مخلوق برابہ ہے، شریعت نے اہل حضر سے دفع ضرر کے لئے حکم بتایا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اہل بادیہ پر ضرر کو لازم کرے (۱)۔

۲۱- سوم: یہاں ایک اور مسئلہ ہے جس کا تعلق ”بیع و شراء الحاضر للبادی“ سے ہے، وہ یہ کہ اگر شہری بدوی کو مشورہ دے، خود اس کے لئے بیع نہ کرے تو:

ابن قدامہ نے نقل کیا ہے کہ امام مالک اور لیث نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے (۲)۔

شافعیہ نے کہا: اس کو ذخیرہ کرنے یا بیع کرنے کی ہدایت دینے کے وجوب کے بارے میں دو قول ہیں: وجہ تر یہ ہے کہ اس کو ہدایت دینا واجب ہے (۳)، کیونکہ اس کے حق میں بہتر کا مشورہ دینا واجب ہے۔

ابن قدامہ نے ہی نقل کیا ہے کہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ، اوزاعی اور ابن المنذر نے اس کی اجازت دی ہے۔

ابن قدامہ نے کہا: قول صحابی حجت ہے اگر اس کے برخلاف ثابت نہ ہو (۴)۔

۲۲- چہارم: مالکیہ میں سے ابن جزئی نے صراحت کی ہے کہ بدوی کو نرخ بتانا اس کے لئے بیع کرنے کی طرح ہے، لہذا ناجائز ہے (۵)۔

۱۹- ب۔ اس کی وجہ سے گنہ گار قرار دینے میں بھی شافیہ کے مذہب میں تردد ہے، لہذا اگر کوئی بادیہ سے خریدنے کے لئے آئے، اور کوئی شہری اس کے سامنے آ کر اس کے لئے سستے دام میں خریدنے کی پیش کش کرے تو:

(۱) ابن یونس نے کہا: یہ حرام ہے، اور اذریعی کی تحقیق ہے کہ وہ قطعی طور پر گنہ گار ہے۔ اور اس کی وجہ جیسا کہ ابن حجر نے کہا: بیع پر قیاس کرنا ہے، شروانی نے کہا: معتمد یہی ہے۔ البتہ انہوں نے یہ قید لگائی ہے کہ شمن عام ضرورت کی چیز ہو۔ ممانعت کا قول حنابلہ میں سے ابن ہانی نے بھی نقل کیا ہے۔

(۲) متاخرین کی ایک جماعت کے نزدیک مختار یہ ہے کہ خریداری میں گناہ نہیں ہے، انہوں نے بدوی کے لئے بیچنے اور خریدنے کے درمیان تفریق کرتے ہوئے کہا کہ خریداری اکثر نقد کے ذریعہ ہوتی ہے اور یہ عام ضرورت کی چیز نہیں ہے۔

(۳) جبکہ ابن حجر نے دونوں قول میں تطبیق کی راہ اختیار کرتے ہوئے قول اول (گنہ گار ہونے) کو اس صورت پر محمول کیا ہے جبکہ خریداری ایسے سامان کے ذریعہ ہو جو عام ضرورت کا ہو، اور گنہ گار نہ ہونے کے قول کو اس کے خلاف پر محمول کیا یعنی اس صورت پر جبکہ خریداری ایسے سامان کے ذریعہ ہو جس کی عام ضرورت نہیں (۱)۔

۲۰- ج۔ بادیہ والے کے لئے خریدنے کے بارے میں حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ صحیح ہے، اس کے بارے میں صرف ایک روایت ہے (۲)، اس کی وجہ یہ ہے کہ ممانعت کے الفاظ خریداری کو شامل نہیں ہیں اور نہ ہی خریداری میں وہ بات ہے جو فر و خنگی میں ہے، اس لئے

(۱) المغنی ۳/۲۸۰۔  
 (۲) ساتھ مراجع۔  
 (۳) حاشیہ اشروانی علی تحفۃ المحتاج ۳/۳۱۰۔  
 (۴) المغنی ۳/۲۸۰۔  
 (۵) القوائین الفقہیہ ۱/۱۷۱۔

(۱) تحفۃ المحتاج مع حاشیہ اشروانی ۳/۳۱۱، الانصاف ۳/۳۳۵۔  
 (۲) المغنی ۳/۲۸۰، کشاف القناع ۳/۱۸۳، الانصاف ۳/۳۳۵۔

## بیع الحصاة ۱-۵

ب۔ شافعیہ نے اس کی تشریح میں کہا: ان کپڑوں میں سے جس پر کنگری پڑے وہ میں نے تمہیں فروخت کر دیا (۱)۔

ج۔ حنابلہ نے اس کی تشریح یوں کی ہے: فروخت کرنے والا کہے: یہ کنگری مارو جس کپڑے پر کنگری پڑے گی، وہ اتنے دام میں تمہارا ہے (۲)۔

فروخت کنندہ کنگری پھینکے یا خریدار دونوں میں کوئی فرق نہیں جیسا کہ عمیرہ برلمی کہتے ہیں (۳)۔

۳۔ اس نوعیت کی بیع کی ایک اور تشریح ہے، وہ یہ کہ بائع خریدار سے کہے: میرے کھڑے ہونے یا فلاں کے کھڑے ہونے کی جگہ سے یہ کنگری جہاں تک پہنچے وہ زمین میں نے تمہیں اتنے دام میں فروخت کر دی۔ مالکیہ اور حنابلہ نے اس تشریح کی صراحت کی ہے۔ اول الذکر (مالکیہ) نے اس میں یہ قید لگائی ہے کہ بیع لازمی طور پر ہو (۴)۔

۴۔ شافعیہ کے یہاں ایک اور تشریح ہے: وہ یہ کہ فروخت کرنے والا کہے: جب میں یہ کنگری پھینک دوں تو یہ کپڑا تمہارے ہاتھ میں دس میں فروخت ہو گیا۔ یعنی پھینکنے کو صیغہ بیع قرار دے (۵)۔

۵۔ مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے یہاں اس کی ایک چوتھی تشریح یہ ہے کہ فروخت کرنے والا خریدار سے کہے: میں نے تمہارے ہاتھ یہ سامان اتنے دام میں اس شرط کے ساتھ فروخت کیا کہ جب میں یہ

## بیع الحصاة

تعریف:

۱۔ بیع الحصاة: پتھر پھینک کر بیع کرنا، اس کا عرف دور جہالت میں تھا (۱)۔ اس سے ممانعت وارد ہے، اور وہ ”نبی عن الغرر“ کی حدیث میں ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں ہے: ”أن النبی ﷺ نہی عن بیع الحصاة، وعن بیع الغرر“ (۲) (نبی اکرم ﷺ نے بیع الحصاة اور بیع الغرر سے منع فرمایا ہے)۔ فقہاء اس کی تفسیر کے بارے میں مختلف ہیں۔

۲۔ حنفیہ نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ ایسی جگہ کنگری پھینکے، جہاں کچھ کپڑے رکھے ہوں جس کپڑے پر کنگری پڑ جائے، بلا تاویل اور بغیر دیکھے ہوئے وہی بیع ہو جائے۔ اور اس کے بعد اختیار نہ ہو (۳)۔

حدیث کی یہ تشریح تمام فقہاء مذاہب نے ذکر کی ہے:

الف۔ مالکیہ نے کہا: وہ ایسی بیع ہے کہ مثلاً جس کپڑے پر کنگری پڑ جائے گی اس پر بیع لازم ہوگی، کنگری پھینکنے والا کسی معین شی کا قصد نہ کرے (۴)۔ درودیر نے اسے اس شرط کے ساتھ مقید کیا ہے کہ کپڑے اور سامان باہم ایک دوسرے سے مختلف ہوں۔

(۱) شرح کھلی علی اسمہاج ۱۷۶/۲۔

(۲) کشاف القناع ۳۳، ۱۶۷، اشراح الکبیر فی ذیل المغنی ۳۳، ۲۸، ۲۹۔

(۳) حاشیہ عمیرہ علی اشراح کھلی ۱۷۷/۲۔

(۴) اشراح الکبیر للرد رہبر مع حاشیہ الدسوقی ۵۶/۳، کشاف القناع ۳۳، ۱۹۷۔

اشراح الکبیر فی ذیل المغنی ۳۳، ۲۹۔

(۵) شرح کھلی علی اسمہاج ۱۷۶/۲، ۱۷۷۔

(۱) لسان العرب مادة ”ھھی“۔

(۲) حدیث: ”لھی عن بیع الحصاة، و عن بیع الغرر.....“ کی روایت مسلم (۳/۱۱۵۳ طبع کھلی) نے کی ہے۔

(۳) رد المحتار ۳۳، ۱۰۹، تبیین الحقائق ۳۳، ۲۸، فتح القدیر ۶/۵۵۔

(۴) اشراح الکبیر للرد رہبر مع حاشیہ الدسوقی ۳۳، ۵۷۔

## بیع الحصاصۃ ۶-۱۰

ہونے کے ساتھ مشروط ہے۔ لیکن اگر اس بیع میں ثمن کا ذکر نہ ہو تو فساد ثمن کے ذکر نہ کرنے کی وجہ سے ہوگا، اگر اس سے سکوت ہو، اس لئے کہ ان کے یہاں طے ہے کہ ثمن کی نفی کے ساتھ بیع باطل اور ثمن سے سکوت کے ساتھ فاسد ہے<sup>(۱)</sup>۔

اسی طرح مالکیہ نے اس کے فساد کی توجیہ عین بیع کی جہالت سے کی ہے، البتہ انہوں نے (جیسا کہ ہم نے دیکھا) سامان کے مختلف ہونے کے ساتھ ساتھ یہ بھی شرط لگائی ہے کہ پھینکنے والا ان میں سے کسی معین چیز کا قصد نہ کرے۔ لیکن اگر قصد کے ساتھ پھینکنے تو جائز ہے اگر پھینکنا خریدار کی طرف سے ہو یا فروخت کرنے والے کی طرف سے ہو اور اس نے خریدار کو اختیار دے دیا ہو۔

اسی طرح اگر سامان ایک طرح کے ہوں تو بیع جائز ہے، خواہ کنکری اس سامان پر پڑے جس کا قصد تھا یا کسی دوسرے سامان پر<sup>(۲)</sup>۔

۸- دوسری صورت میں (یعنی زمین کی ایک خاص مقدار کی بیع پھینکنے والا جہاں کھڑا ہے وہاں سے کنکری کے گرنے کی جگہ تک) فساد مقدار بیع کی جہالت کی وجہ سے ہے، اس لئے کہ پھینکنے میں اختلاف ہوتا ہے۔ جیسا کہ مالکیہ نے اس کی تعلیل بیان کی ہے۔ اور انہوں نے طے کیا ہے کہ فساد اس صورت میں ہوگا جبکہ بیع کے لازم ہونے کی شرط ہو<sup>(۳)</sup>۔

۹- تیسری صورت میں (جس کو شافیہ نے لکھا ہے) فساد کی وجہ انہوں نے صیغہ بیع کے نہ پائے جانے کو بتایا ہے، اس لئے کہ اس نے کنکری پھینکنے کو بیع گردانا، اور صیغہ کو چھوڑ کر اسی پر اکتفا کیا<sup>(۴)</sup>۔

۱۰- چوتھی صورت میں فساد (یعنی خریدار اور فروخت کنندہ میں سے

کنکری پھینکوں تو بیع واجب اور لازم ہو جائے گی<sup>(۱)</sup>۔

۶- مالکیہ نے ایک پانچویں تشریح پیش کی ہے:

الف- بائع خریدار سے کہے: اس کنکری کو پھینکو اور اس ٹوٹی ہوئی کنکری کے جتنے اجزاء نکلیں گے ان ہی کی تعداد میں میرے لئے دینا یا درہم ہوں گے۔

ب- یا خریدار بائع سے کہے: اس کنکری کو پھینکو، پھینکنے کے دوران اس کے جو متفرق اجزاء نکلیں گے ان ہی کی تعداد میں تمہارے لئے دینا یا درہم ہوں گے۔

ج- ان کے نزدیک ایک احتمال یہ ہے کہ کنکری سے مراد کنکری کی جنس ہو یعنی بائع خریدار سے کہے: اپنی ایک یا دونوں ہتھیلیوں میں کچھ کنکریاں لو اور اس کو مثلاً ایک یا دو بار بلاؤ، جتنی کنکری گرے گی اس کی تعداد میں دینا یا درہم میرے لئے ہوں گے<sup>(۲)</sup>۔

## بیع الحصاصۃ کا حکم:

حدیث کی ان تمام تشریحی صورتوں میں بلا اختلاف فقہاء بیع فاسد ہے، اور ہر صورت کے بارے میں انہوں نے ایسی چیزیں مقرر کی ہیں جن سے ان کی وجہ فساد کا اشارہ ملتا ہے۔

۷- مثلاً پہلی صورت میں حنفیہ نے اس کے فساد کی توجیہ یہ کی ہے کہ اس میں جہالت ہے اور تملیک کو خطرہ پر مطلق کرنا ہے، اس لئے کہ یہ اس قول کے معنی میں ہے: اگر میرا پتھر کسی کپڑے پر پڑے تو میں نے تمہیں اس کو یا تم نے اس کو مجھ سے اتنے میں فروخت کر دیا، اور تملیکات میں اس کا احتمال نہیں ہوتا، کیونکہ اس سے جو لازم آئے گا<sup>(۳)</sup>۔

حنفیہ نے کہا ہے کہ اس وجہ سے فساد ثمن کے پہلے سے مذکور

(۱) دیکھئے الدر المختار اور اس کے مجموعہ مراجع، رد المحتار ۱۰۹/۳۔

(۲) المشرع الکبیر للدرر مع حاشیہ الدسوقی ۵۷/۳۔

(۳) الدسوقی ۵۶/۳۔

(۴) شرح کھلی علی اسمہاج ۱۷۷، ۱۷۸۔

(۱) المشرع الکبیر مع حاشیہ الدسوقی ۵۶/۳، القوانین الفقہیہ ۷۰، شرح کھلی علی اسمہاج ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹۔

(۲) المشرع الکبیر للدرر مع حاشیہ الدسوقی ۵۷/۳۔

(۳) فتح القدیر والعتاب علی الہدایہ ۵۵/۶، نیز دیکھئے رد المحتار ۱۰۹/۳۔

## بیع الحصاصۃ ۱۱، بیع سلم، بیع صرف

### بیع سلم

دیکھئے: ”سلم“۔

کسی ایک یا ان کے علاوہ کی طرف سے کنکری کرنے پر بیع کا لزوم) غیر معین زمانہ میں کنکری کے کرنے پر بیع کے لزوم کو معلق کرنے کی وجہ سے ہے، لہذا کنکری کرنے کا زمانہ مجہول ہونے کے سبب بیع فاسد ہے، اس میں جیسا کہ مالکیہ کہتے ہیں<sup>(۱)</sup>، مجہول اجل کے ساتھ مؤجل کرنا جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں: زمانہ خیاری کی جہالت ہے<sup>(۲)</sup>۔ ہاں اگر اپنے اختیار سے کنکری کرنے کے لئے معلوم اجل مقرر کر دے، اور اجل زمانہ خیاری کے بقدر ہو، اور وہ ہر چیز میں اپنے اپنے اعتبار سے ہوتا ہے (جیسا کہ عدوی کہتے ہیں) مثلاً کہے: اگر طلوع آفتاب سے ظہر تک یا آج سے کل تک تصداً کنکری گرے تو بیع لازم ہوگی، فاسد نہ ہوگی<sup>(۳)</sup>۔

### بیع صرف

دیکھئے: ”صرف“۔

۱۱- پانچویں صورت میں (جس کو مالکیہ نے پیش کیا ہے) یعنی کرنے والی کنکری سے بکھرنے والے لکڑوں کی تعداد میں درہم یا دینار کے عوض بیع، فساد بیع مقدار ثمن کی جہالت کی وجہ سے ہے، اس لئے کہ یہ نہیں معلوم کہ کرنے والی کنکری سے بکھرنے والے لکڑوں کی تعداد کیا ہوگی۔

لہذا ابلا اختلاف تمام صورتوں کے بارے میں مذکورہ قیود اور تعلیلات کے ساتھ بیع الحصاصۃ فاسد ہے۔

اسی کے سلسلہ ابن قدامہ کہتے ہیں: یہ تمام بیوع فاسد ہیں، کیونکہ ان میں دھوکہ اور جہالت ہے، اس میں ہمارے علم میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔



(۱) شرح الکبیر للذہبی مع حاشیہ الدسوقی ۵۶/۳۔

(۲) شرح المغنی علی الصواعق ۱۷۷/۲۔

(۳) شرح الخیر مع حاشیہ العدوی ۱۵/۱۔

## بیع عرایا ۱-۲

حنا بلہ نے اس کی تعریف یہ کی ہے: درختوں پر لگی ہوئی تر کھجور کو اندازہ سے، اپنی خشک کھجور کے عوض اسی کے مثل سے معلوم کیل میں فروخت کرنا ہے نہ کہ اندازے سے (۱)۔

## اس کا حکم:

۲- بیع العرایا فی الجملہ جمہور فقہاء (مالک، شافعی، احمد، اسحاق اور ابن منذر) کے نزدیک جائز ہے (۲)۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ امام مالک ان حضرات کے ساتھ نہیں (۳)۔

جواز کے قائل جمہور کے دلائل حسب ذیل ہیں:

الف۔ حضرت اہل بن ابو شامہ کی حدیث میں ہے: ”أن النبی ﷺ نہی عن بیع التمر بالتمر، و رخص فی العریة، أن تباع بخرصھا، یا کلھا أهلھا رطباً“ (۴) (رسول اللہ ﷺ نے کھجور کو کھجور کے بدلے فروخت کرنے سے منع فرمایا، اور عریہ میں رخصت دی ہے کہ اندازہ سے فروخت کی جائے، تاکہ اہل عریہ تر کھجور کھائیں)۔

ابن قدامہ نے کہا: رخصت: سبب مانع کے باوجود ممنوع چیز کو مباح کرنا ہے۔ اگر سبب مانع پائے جانے کی صورت میں مباح کرنے سے ممانعت ہو تو ہمارے لئے کسی بھی حالت میں کوئی رخصت باقی نہ رہے (۵)۔

(۱) کشاف القناع ۳/۵۸، ۲/۵۹، الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۳/۱۵۲۔

(۲) الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۳/۱۵۲۔

(۳) فتح القدیر ۶/۵۳۔

(۴) حدیث اہل بن ابو شامہ: ”نہی عن بیع التمر بالتمر، و رخص فی العریة.....“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۳/۳۸۷ طبع انتقادیہ) اور مسلم

(۳/۱۱۷۰ طبع علمی) نے کی ہے۔

(۵) المغنی ۳/۱۸۲، نیز دیکھئے: الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۳/۱۵۲۔

## بیع عرایا

## تعریف:

۱- عرایا: عریة کی جمع ہے۔ عریة: کھجور کا درخت ہے جسے اس کا مالک کسی محتاج آدمی کو دے دے اور اس سال اس کا پھل اس کے لئے مقرر کر دے، اور وہ غریب آدمی اس درخت کے پاس آئے۔ ”عریة“ بروزن ”فعیلة“، مفعول کے معنی میں ہے، اس پر ”ہاء“ داخل ہے، اس کو اسماء کے درجہ میں رکھا گیا ہے، جیسے ”نطیحة“ اور ”کیلة“۔ اگر ”نخلہ“ کے ساتھ اس کا ذکر ہو تو ”ہاء“ کو حذف کر دیتے ہیں اور کہا جاتا ہے: ”نخلۃ عریی“، جیسا کہ کہا جاتا ہے: ”امراة فتمیل“ (مقتولہ عورت) اس کی جمع ”عرایا“ ہے (۱)۔

”فتح الباری“ میں ہے: یہ دراصل کھجور کے درخت کا پھل عطیہ کرنا ہے بذات خود درخت کا عطیہ نہیں، عرب والے قحط کے وقت میں ان لوگوں کو اس طرح کا عطیہ دیتے تھے جن کے پاس پھل نہ ہوں (۲)۔

شافعیہ نے اس کی اصطلاحی تعریف یہ کی ہے: درخت پر لگی ہوئی تر کھجور کو زمین پر موجود خشک کھجور کے عوض یا درخت میں لگے ہوئے تر انگور کو خشک انگور کے عوض فروخت کرنا ہے، بشرطیکہ پانچ وسق سے کم ہو (۳)۔

(۱) امصباح لمیر مادۃ ”عریة“۔

(۲) نیل الاوطار ۵/۲۰۰۔

(۳) شرح کلمی علی المصباح ۳/۲۳۸، تجرید المحتاج ۳/۳۷۲۔



## بیع عرایا ۳-۴

حضرت عبادہ بن صامتؓ کی بعض روایات میں ہے: "فمن زاد أو استزاد، فقد أربى، الآخذ والمعطي فيه سواء" (۱) جس نے زیادہ دیا یا زیادہ لیا، اس نے سودی معاملہ کیا، اس کا لینے والا اور دینے والا دونوں برابر ہیں۔

یہ اور اس جیسی بے شمار نصوص سب کے سب مشہور ہیں، ان کو امت کے یہاں تلخی بالقبول حاصل ہے۔ لہذا ان کو چھوڑنا یا ان کے خلاف عمل کرنا ناجائز ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ مساوات نص کی وجہ سے واجب ہے، اور تفاضل نص ہی کی وجہ سے حرام ہے، اور اسی طرح بیع اور ثمن پر قبضہ سے قبل جدا ہونا۔ لہذا اس کی بیع اکل سے ناجائز ہے، اسی طرح اگر ان میں کوئی ادھار ہو، جیسا کہ اگر پانچ وسق سے زائد ہونا جائز ہے۔

یہ اس لئے ہے کہ کمی بیشی کا احتمال موجود ہے تو یہ ایسے ہی ہو گیا جیسا کہ اگر ان میں یقین کے ساتھ کمی بیشی ہو یا وہ دونوں زمین پر رکھے ہوں (۲)۔

۴- مانعین کے نزدیک مذکورہ بالا احادیث میں عرایا کا مفہوم اور ان کی توجیہ:

الف- یہ کہ کسی شخص کے بہت سارے کھجور کے درختوں کے بیچ میں، ایک شخص کے ایک یا دو درخت ہوں۔ جب پھل کا وقت ہوتا تو اہل مدینہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ اپنے باغات میں چلے جاتے تھے، اب وہ ایک یا دو درخت والا آتا تو بہت سارے درختوں والے کو ضرر پہنچتا، تو رسول اللہ ﷺ نے اجازت دی کہ وہ بہت سارے درختوں کا مالک دوسرے کو اس کی تر کھجوروں کے عوض اندازہ سے اس کو خشک کھجور دے دے، تاکہ وہ اور اس کے گھر والے اس سے

ب- حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں ہے: "أن النبي ﷺ رخص في بيع العرایا، في خمسة أوسق، أو دون خمسة أوسق" (۱) (نبی کریم ﷺ نے پانچ وسق یا پانچ وسق سے کم میں بیع عرایا کی اجازت دی)۔

شافعیہ میں سے مٹھی نے کہا: ایک راوی حدیث داؤد بن حصین کو شک ہے، اس لئے امام شافعی نے اقل کو لیا ہے۔ ان کے دو اقوال میں سے اظہر یہی ہے (۲)۔

۳- حنفیہ (اسی طرح تحقیق کے مطابق امام مالک) بیع عرایا کو جائز نہیں سمجھتے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مزبانہ سے ممانعت ہے۔ اور مزبانہ: درخت پر لگی تر کھجور کو اس کے کیل کے برابر توڑی ہوئی کھجور کے بدلہ میں اندازہ سے بیچنا ہے (۳)۔

نیز حضرت عبادہ بن صامت کی مشہور صحیح حدیث ہے کہ انہوں نے کہا: "قال رسول الله ﷺ: الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلا بمثل، سواء بسواء، يدا بيد، فإذا اختلفت هذه الأصناف فبيعوا كيف شئتم، إذا كان يدا بيد" (۴) (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سونے کو سونے کے بدلے، چاندی کو چاندی کے بدلے، گیسوں کو گیسوں کے بدلے، جو کو جو کے بدلے، کھجور کو کھجور کے بدلے اور نمک کو نمک کے بدلے برابر برابر، ہاتھوں ہاتھ بیچو۔ ہاں اگر ان کی اصناف بدل جائیں تو جیسے چاہو بیچو، بشرطیکہ ہاتھوں ہاتھ ہو)۔

(۱) حدیث ابی ہریرہؓ "رخص في بيع العرایا" کی روایت بخاری (فتح ۳۸۷ طبع استنبیہ) اور مسلم (۱۱۷۱ طبع الحلبي) نے کی ہے۔

(۲) شرح مٹھی علی الصہیح ۲/۲۳۸۔

(۳) ابن ماجہ ۱۰۹۳، قلیوبی ۲/۲۳۸۔

(۴) حدیث عبادہ بن صامتؓ "الذهب بالذهب و الفضة بالفضة....." کی روایت مسلم (۱۲۱۱ طبع الحلبي) نے کی ہے۔

(۱) روایت: "فمن زاد أو استزاد فقد أربى، الآخذ والمعطي فيه سواء" حوالہ سابق۔

(۲) تمیز الحقائق ۳/۷۳، ۳/۸، تصرف کے ساتھ۔

## بیع عرایا، بیع عربون ۱

ہٹ کر چلے جائیں۔ امام مالک سے یہی مروی ہے (۱)۔

ب۔ امام ابوحنیفہ سے ان کا قول مروی ہے کہ اس کا مفہوم ہمارے نزدیک یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کو اپنے کھجور کے درختوں میں سے ایک درخت دے دے، اور جب مناسب سمجھے اس کے حوالے کرے تو آپ ﷺ نے اجازت دی کہ اس درخت کو روک لے، اور اس کی جگہ اندازہ سے توڑی ہوئی خشک کھجور اندازہ سے اس کے بدل کے طور پر دے دے (۲)۔

## بیع عربون

تعریف:

۱۔ عربون (عین اور راء کے فتح کے ساتھ) ”حَلَرُونَ“ (ایک زم اور چکنا کیڑا جو بغیر ناگوں کے رہتا ہے) کی طرح ہے، اور ”غُصْفُور“ کے وزن پر عربون بھی ایک لغت ہے (۱)۔ تیسری لغت عربان (ضمہ کے ساتھ) بروزن ”قربان“ ہے (۲)، البتہ عین کے فتح اور راء کے سکون کے ساتھ بولنا غلط ہے۔ عربوں نے اس طرح اس کا تلفظ نہیں کیا (۳)۔

عربون عجمی لفظ ہے جس کو عربی بنایا گیا ہے (۴)، اس کی لغوی تشریح یہ ہے: جس کے ذریعہ بیع ہو (یعنی بیعانہ) (۵)۔

فقہی اصطلاح میں عربون یہ ہے کہ کوئی سامان خریدے اور بائع کو ایک درہم یا زیادہ اس شرط کے ساتھ دے دے کہ اگر سامان لے گا تو اس کو ضمن میں شامل کر دیا جائے گا، اور اگر نہ لے تو وہ بائع کا ہے (۶)۔

یہ حنفیہ کے نزدیک جائز ہے جیسا کہ انہوں نے کہا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ موہوب لہ (جس کو بہہ کیا گیا) قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے پھل کا مالک نہیں ہوا، لہذا بائع اپنی ملکیت کا اپنی عی ملکیت کے عوض فروخت کرنے والا ہو گیا اور یہ جائز ہے، اس کا جواز بطور معاوضہ نہیں ہے، بلکہ اس لئے ہے کہ یہ نیا بہہ ہے، اس کو مجازاً بیع کہا گیا ہے، اس لئے کہ وہ اس کا مالک نہیں ہوا، اس لئے ابتداء احسان ہے، جیسا کہ مرغینانی کہتے ہیں (۳)۔

۵۔ حنابلہ نے بیع عرایا کے جواز کے لئے بہت سی شرطیں لگائی ہیں، بعض میں شافیہ نے ان سے اتفاق کیا ہے (۴)۔

عرایا کی مکمل شرائط اس کے احکامات اور اس کی صورتوں کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”عرایا“۔

(۱) المصباح المہیر مادہ ”عرب“۔

(۲) مختار الصحاح مادہ ”عربین“۔

(۳) حاشیہ اقلیوبی علی شرح کلمی ۱۸۶/۲۔

(۴) تحفۃ المحتاج ۳۳۲۔

(۵) القاموس المحیط مادہ ”عربون“، باب نون، فصل عین، اس کا نون اصلی ہے، جیسا کہ فیوی نے اس کی صراحت کی ہے۔

(۶) المشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۵۸۳، نیز دیکھئے کشاف القناع ۱۹۵/۳، اور

المشرح الکبیر للذہبی سے سوازنہ کریں ۶۳۳، شرح کلمی علی المصباح

۱۸۶/۲، تحفۃ المحتاج ۳۳۲/۲، نیز اس تعریف سے سوازنہ کریں جو المصباح

المہیر میں نفس مادہ کے تحت مذکور ہے۔

(۱) دیکھئے بیع القدر ۶/۵۳، نیز دیکھئے نیل وأوطار ۵/۲۰۰، ۲۰۱۔

(۲) بیع القدر ۶/۵۳، طحاوی نے اس ناویل کی توجیہ کی ہے اور شعر عرب سے اس پر استدلال کیا ہے نیز دیکھئے حوالہ سابق میں کمال الدین کی ذکر کردہ تفصیلات۔

(۳) البہار مع بیع القدر ۶/۵۳، تبیین الحقائق ۳۸۳، نیل وأوطار ۵/۲۰۰، ۲۰۱۔

(۴) المشرح الکبیر مع المغنی ۱۵۵، ۱۵۲/۳، المغنی ۱۸۲، ۱۸۵، کشاف القناع

۲۵۸، ۲۵۹، شرح کلمی علی المصباح ۲۳۸، ۲۳۹، تحفۃ المحتاج

## بیع عربون ۲-۵

اجمالی حکم:

۲- فقہاء اس بیع کے حکم کے بارے میں مختلف رائے رکھتے ہیں:

الف۔ جمہور (حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ میں ابو الخطاب) کی رائے ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے، اور یہی حضرت ابن عباسؓ اور حسن سے مروی ہے، جیسا کہ ابن قدامہ کہتے ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی روایت میں اس سے ممانعت ہے، انہوں نے فرمایا: ”نہی النبی ﷺ عن بیع العربان“ (۱) (حضور ﷺ نے بیع عربان سے منع فرمایا)۔

نیز اس لئے کہ یہ لوگوں کا مال ناحق کھانا ہے، اور اس میں دھوکہ ہے (۲)۔ نیز اس لئے کہ اس میں دو مفسد شرطیں ہیں: عربون کو بیہ کرنے کی شرط اور بالفرض عدم رضا مندی کی صورت میں بیع کو واپس کرنے کی شرط (۳)۔

نیز اس لئے کہ اس نے بائع کے لئے بلاعوض ایک چیز کی شرط لگائی ہے، لہذا صحیح نہیں، جیسا کہ اگر اس کی شرط کسی اجنبی کے لئے لگائے (۴)۔

نیز یہ کہ یہ خیال مجہول کے درجہ میں ہے، کیونکہ مدت کے ذکر کئے بغیر اس کی یہ شرط ہے کہ وہ بیع کو واپس کر سکتا ہے، اس لئے صحیح نہیں، جیسا کہ اگر کہے: مجھے اختیار ہے جب چاہوں سامان اور اس

(۱) حدیث: ”لہی عن بیع العربان.....“ کی روایت ابوداؤد (۳/۶۸) طبع عزت ہیددعاس) نے کی ہے ابن حجر نے تخصیص الثمیر (۳/۱۷) طبع شرکت الطباعة الفیہ) میں اس کو ضعیف کہا ہے۔

(۲) شرح الخرشنی بحامیۃ الصدوق ۵/۷۸۔

(۳) شرح التبیح وحامیۃ الجمل ۳/۷۲، تحتہ المحتاج ۳/۳۲۲، شرح المکمل علی المہاج ۶/۱۸۶، نیز دیکھئے نیل الاوطار ۵/۱۵۳۔

(۴) شرح الکبیری فی ذیل المغنی ۳/۵۸۔

کے ساتھ ایک درہم لوٹا دوں گا (۱)۔

۳- ب۔ حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ بیع کی یہ شکل جائز ہے۔

حنابلہ نے صراحت کی ہے کہ امر کی رائے (جو عدم جواز کی ہے) قیاس کے مطابق ہے، لیکن انہوں نے کہا: امام احمد نے اس مسئلہ میں حضرت مافع بن حارث کی روایت کو لیا ہے کہ انہوں نے حضرت عمرؓ کے لئے صفوان بن امیہ سے قید خانہ اس طور پر خریدا کہ اگر عمر راضی ہو گئے تو ٹھیک ہے، ورنہ اس کے لئے یہ یہ ہوگا۔ اثرم نے کہا: میں نے امام احمد سے عرض کیا: آپ کی یہی رائے ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: میں کیا کہوں گا؟ یہ تو حضرت عمرؓ ہیں۔

عربون سے ممانعت کے بارے میں حضرت عمرو بن شعیب کی روایت کی تضعیف کی گئی ہے (۲)۔ لیکن شوکانی کا فیصلہ ہے کہ مذہب جمہور راجح ہے، اس لئے کہ حضرت عمرو بن شعیب کی روایت کئی سندوں سے وارد ہے جن میں سے بعض کو بعض سے تقویت ملتی ہے، نیز اس لئے کہ اس میں ممانعت (ممانعت) ہے، اور ممانعت کے مقابلہ میں زیادہ راجح ہے، جیسا کہ اصول فقہ میں بیان کیا گیا ہے (۳)۔

بیع عربون کے اہم ترین احکام:

۴- اگر مشتری عربون (بیعانہ) اس شرط کے ساتھ دے کہ اگر بیع ناپسند ہوئی تو بیعانہ کو واپس لے لے گا، ورنہ اس کا حساب کرے گا، تو یہ جائز ہے جیسا کہ مالکیہ کہتے ہیں (۴)۔

۵- یہ بیع ان کے نزدیک فسخ کر دی جائے گی، اور اگر فوت ہو جائے (یعنی فسخ محال ہو) تو بیع قیمت کے عوض مانڈ ہوگی (۵)۔

(۱) حوالہ سابق ۳/۵۸، ۵۹۔

(۲) حوالہ سابق ۳/۵۹۔

(۳) نیل الاوطار ۵/۱۵۳، ۱۵۴۔

(۴) شرح الکبیر للردردیر ۳/۶۳، نیز دیکھئے القوانین العظیمہ ص ۱۷۱۔

(۵) شرح الکبیر للردردیر ۳/۶۳۔

## بیع عربون ۶، بیع عہدہ، بیع عینہ ۱

۶- اگر خریدار فرخت کرنے والے کو ایک درہم دے کر کہے: یہ سامان دوسرے خریدار کو فرخت نہ کرو، اگر میں نے تم سے سامان نہ لیا تو یہ درہم تمہارا ہے تو:

الف- اگر خریدار اس سامان کو عقد جدید کے ساتھ خریدے اور درہم کو ثمن میں وضع کرے تو صحیح ہے، اس لئے کہ بیع، شرط مفسد سے خالی ہوگی۔ احتمال ہے کہ صفوان بن امیہ سے حضرت عمر کے لئے جیل خانہ کی خریداری اسی شکل پر ہو، اس لئے اسی پر محمول ہوگی، تا کہ حضرت عمر کے فعل اور حدیث کے درمیان تطبیق دی جاسکے، اور قیاس سے ہم آہنگی ہو جائے اور ان امر کی موافقت ہو جائے جو بیع عربون کو فاسد کہتے ہیں۔ ب- اگر خریدار نے وہ سامان نہیں خرید تو بائع اس درہم کا مستحق نہیں ہوا، اس لئے کہ وہ اس کو بلا عوض لے گا، اور درہم والا اس کو واپس لے سکتا ہے۔

اس کو انتظار اور اس کی وجہ سے بیع میں تاخیر کا عوض قرار دینا صحیح نہیں، اس لئے کہ اگر وہ اس کا عوض ہوتا تو خریداری کی حالت میں اس کو ثمن میں وضع کرنا درست نہ ہوتا، نیز اس لئے کہ بیع میں انتظار کا عوض لیا جائز نہیں۔ اگر یہ جائز ہوتا تو اس کی مقدار کا معلوم ہونا واجب ہوتا، جیسا کہ اجارہ میں ہے (۱)۔

## بیع عینہ

تعریف:

۱- عینہ (عین کے کسرہ کے ساتھ) کے لغوی معنی: سلف (اوصار) ہے۔ کہا جاتا ہے: اعتنان الرجل: ایک چیز دوسری چیز کے عوض اوصار خریدنا (۱) یا اوصار کے بدلے میں خریدنا، جیسا کہ رازی کہتے ہیں (۲)۔

اس بیع کو ”عینہ“ اس لئے کہا جاتا ہے کہ سامان کو اوصار خریدنے والا اس کا بدل (بائع سے) عین یعنی نقد حاضر کی صورت میں لیتا ہے (۳)۔

کمال بن ہمام کی نظر میں بیع عینہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ عین مسترجعہ (واپس لئے گئے سامان) سے ماخوذ ہے (۴)۔

دسوقی کے یہاں یہ کہنا مستحسن ہے کہ اس کو عینہ اس لئے کہا گیا کہ بیع عینہ کرنے والا مجبور شخص کی اس کے مطلوب کی تحصیل میں حیلہ کے طور پر زیادہ کے مقابلہ میں تھوڑا دے کر اعانت کرتا ہے (۵)۔

فقہی اصطلاح میں اس کی کئی تعریفات کی گئی ہیں۔

## بیع عہدہ

دیکھئے: ”بیع الوفاء“۔

- (۱) المصباح للمیر مادۃ ”عین“۔
- (۲) مختار الصحاح مادۃ ”عین“۔
- (۳) المصباح للمیر نفس مادۃ، کشاف القناع ۱۸۶/۳۔
- (۴) رد المحتار ۲۷۹/۳۔
- (۵) حاشیہ الدسوقی علی لشرح الکبیر للذری ۸۸/۳۔

(۱) لشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۵۹/۳۔

## بیع عینہ ۲-۴

اس کا حکم:

۳- اس صورت میں اس کے حکم کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے:

امام ابوحنیفہ، مالک اور احمد نے کہا: یہ بیع ناجائز ہے۔ اور محمد بن الحسن نے کہا: یہ بیع میرے دل میں پہاڑوں کی طرح ہے، اس کو سود خوروں نے ایجاد کیا ہے (۱)۔

امام شافعی سے مذکورہ صورت کا جواز منقول ہے (گویا ان کی نظر ظاہر عقد پر اور ارکان عقد پائے جانے پر ہے، انہوں نے نیت کا اعتبار نہیں کیا ہے)۔

حنابلہ میں سے ابن قدامہ نے امام شافعی کے حق میں یہ دلیل پیش کی ہے کہ وہ ایسا ثمن ہے جس کے ذریعہ سامان کو اس کے بائع کے علاوہ دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے، لہذا اس کے بائع کے ہاتھ فروخت کرنا بھی جائز ہوگا، جیسا کہ اگر اس کو ثمن مثل میں فروخت کرے (۲)۔

۴- مالکیہ نے عدم جواز کی وجہ یہ بتائی ہے کہ یہ نفع لانے والا قرض ہے (۳)۔

اس میں سود ہونے کی وجہ (جیسا کہ حنفیہ میں سے زیلعی کہتے ہیں) یہ ہے کہ ثمن بائع کے ضمان میں اس پر قبضہ سے قبل داخل نہیں ہوا، اور جب اپنے پاس اپنا عین مال اسی صفت کے ساتھ لوٹا لیا جس کے ساتھ اس کی ملکیت سے نکالا تھا اور بعض ثمن بعض کے بدلہ میں ہو گیا، تو اس کا دوسرے کے ذمہ اضافہ رہ گیا جو بلا معاوضہ ہے، لہذا یہ غیر مضمون کا نفع ہے اور یہ نص سے حرام ہے (۴)۔

(۱) القوائین لغویہ ص ۱۷۱۔

(۲) المغنی ۲/۵۶۳۔

(۳) المشرح المکبیر للدرودیر ص ۸۹۳۔

(۴) رد المحتار ص ۱۵۳۔

الف۔ ”رد المحتار“ میں ہے: کسی چیز کو اس کی اصلی قیمت سے زیادہ قیمت پر ادھار بیچنا، تاکہ مستقرض (طالب قرض) اس کو اپنے قرض کی ادائیگی کے لئے نوری کم قیمت میں فروخت کر دے (۱)۔

ب۔ رافعی کی تعریف ہے: کوئی چیز دوسرے کے ہاتھ ادھار ثمن پر فروخت کرے، اور اس کو خریدار کے حوالے کر دے، پھر ثمن پر قبضہ کرنے سے قبل اس کے خریدار سے اس کا بائع اس کو اس سے کم نقد ثمن پر خریدے (۲)۔ حنابلہ کی تعریف اس کے قریب ہے۔

ج۔ مالکیہ نے اس کی تعریف جیسا کہ ”المشرح المکبیر“ میں ہے یہ کی ہے: کسی شخص سے کوئی سامان مطلوب ہو جس کا وہ مالک نہیں ہے، تو وہ اس کو خرید کر طالب کے ہاتھ فروخت کر دے۔

آئندہ آنے والی تفصیل کے لحاظ سے اس کی یہ تعریف کی جاسکتی ہے: وہ زیادتی کو حلال کرنے کے لئے قرض بہ صورت بیع ہے۔

## بیع عینہ کی صورت:

۲- عینہ ممنوعہ کی کئی تشریحات ہیں، جن میں مشہور ترین یہ ہے: کوئی سامان ثمن کے بدلے متعین مدت تک کے لئے فروخت کرے، پھر اسی سامان کو نقد اس سے کم قیمت میں خرید لے۔ اور مدت پوری ہونے پر خریدار ثمن اول ادا کرے۔ دونوں ثمن کے درمیان فرق اضافہ ہے جو ربا ہے، یہ بائع اول کا ہو۔

انجام کار عملی طور پر یہ دس کا قرض دینا ہے، تاکہ پندرہ واپس کرے، اور بیع ربا کا ایک ظاہری وسیلہ ہے۔

(۱) الدر المختار ردود المحتار ص ۲۷۹۔

(۲) نیل الاوطار ص ۲۰۷۔

## بیع عینہ ۵

واتبعوا أذناب البقر، وتركوا الجهاد في سبيل الله، أنزل الله بهم بلاء، فلا يرفعه حتى يراجعوا دينهم“<sup>(۱)</sup> (جب لوگ دینار و درہم میں بخل کریں، اور بیع عینہ کریں، اور بیل کی دم کے پیچھے لگ جائیں، اور اللہ کی راہ میں جہاد ترک کر دیں، تو اللہ تعالیٰ ان پر بلا نازل کر دے گا، جس کو اسی وقت اٹھائے گا، جب وہ اپنے دین کی طرف لوٹ آئیں)۔

ایک روایت میں ہے: ”إذا تباعتم بالعينة، وأخذتم أذناب البقر، ورضيتم بالزرع، وتركتم الجهاد، سلط الله عليكم ذلا، لا ينزعه حتى ترجعوا إلى دينكم“<sup>(۲)</sup> (جب تم بیع عینہ کرو گے اور بیل کی دم کے پیچھے لگ جاؤ گے، اور زراعت پر مطمئن و راضی ہو جاؤ گے اور جہاد کو چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط کر دے گا، اور جب تک تم اپنے دین پر واپس نہیں آؤ گے اس کو نہیں ہٹائے گا)۔



(۱) حدیث: ”إذا ضن الناس بالمينار و الدرهم.....“ کی روایت احمد نے اپنی مسند (۲/۲۸ طبع المیوینہ) میں کی ہے ابن قفطان نے اس کو صحیح قرار دیا ہے جیسا کہ زبیلی نے نصب الراية (۳/۱۷ طبع مجلس العلی) میں ان کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

(۲) حدیث: ”إذا تباعتم بالعينة.....“ کی روایت ابوداؤد (۳/۷۳۰ طبع عزت عبیدہ ماس) نے کی ہے، ابن حجر نے بلوغ المرام (ص ۱۹۲ طبع عبد الحمید احمد خلی) میں کہتے ہیں: اس کی اسناد میں کلام ہے پھر ابن حجر نے ساتھ ساتھ مذکور کیا جو ان الفاظ کے ساتھ ہے ”إذا ضن الناس“ اور کہہ اس کے رجال ثقہ ہیں۔

۵- بیع عینہ حرام ہونے پر حنا بلہ نے حسب ذیل استدلال کیا ہے:

الف۔ غندر نے شعبہ سے، وہ ابواسحاق سبیعی سے، وہ اپنی بیوی عالیہ سے روایت کرتے ہیں: ”دخلت أنا وأم ولد زيد بن أرقم على عائشة، فقالت أم ولد زيد بن أرقم: إني بعثت غلاما من زيد، بشمانمانه درهم إلى العطاء، ثم اشتريته منه بستمانه درهم نقدا. فقالت لها: بنس ما اشتريت، وبنس ما شريت، أبلغني زيدا: أن جهاده مع رسول الله ﷺ بطل، إلا أن يتوب“<sup>(۱)</sup> (میں اور حضرت زید بن ارقم کی ام ولد حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، زید بن ارقم کی ام ولد نے کہا: میں نے ایک غلام زید کے ہاتھ آٹھ سو درہم میں عطاء (وظیفہ) ملنے تک کے لئے فروخت کر دیا، پھر میں نے وہ غلام ان سے نقد چھ سو درہم میں خرید لیا، تو حضرت عائشہ نے اس سے فرمایا: خرید کر تم نے برا کیا، اور فروخت کر کے تم نے برا کیا، زید کو بتا دو کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کا جہاد باطل (اکارت) ہو گیا، الا یہ کہ وہ توبہ کر لیں)۔ حنا بلہ نے کہا: حضرت عائشہ اس طرح کی بات حضور ﷺ سے سن کر ہی کہہ سکتی ہیں۔

ب۔ نیز اس لئے کہ یہ ربا کا ذریعہ ہے، تاکہ ایک ہزار کی (مثلاً) پانچ سو کے عوض ادھار بیع کو مباح کر سکے، اور ذریعہ کا شریعت میں اعتبار ہے، اس کی دلیل قائل کو وراثت سے محروم رکھنا ہے<sup>(۲)</sup>۔

ج۔ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”إذا ضن الناس بالمينار و الدرهم، وتباعوا بالعينة،

(۱) حدیث: ”أبلغني زيدا.....“ کی روایت دارقطنی (۳/۵۲ طبع ابن کثیر) نے کی ہے دارقطنی کہتے ہیں: امیرہ اور عالیہ مجہول ہیں ان دونوں سے استدلال نہیں کیا جاسکتا، یعنی جو اس حدیث کی سند میں موجود ہیں۔

(۲) کشاف القناع ۳/۱۸، المغنی ۳/۲۵۷۔

## بیع غرر، بیع فاسد

## بیع غرر

دیکھئے: ”غرر“۔

## بیع فاسد

تعریف:

۱- بیع: مال کا مال سے تبادلہ، اور فساد: صلاح کی ضد ہے۔  
بیع فاسد اصطلاح میں: جو اصل کے اعتبار سے مشروع ہو  
اور وصف کے اعتبار سے غیر مشروع۔ اصل سے مراد: صیغہ، عاقدین،  
اور معتقود علیہ، اور وصف سے مراد: جو اس کے علاوہ ہو<sup>(۱)</sup>۔

یہ حنفیہ کی اصطلاح ہے جو فاسد و باطل کے درمیان تفریق  
کرتے ہیں، ان کے نزدیک بیع فاسد، بیع صحیح اور بیع باطل کے درمیان  
ایک درجہ ہے، اور اسی وجہ سے وہ حکم کا فائدہ دیتی ہے اگر اس کے  
ساتھ قبضہ پایا جائے، لیکن شرعاً اس کو فسخ کرنا مطلوب ہے<sup>(۲)</sup>۔

جمہور فقہاء کے نزدیک فاسد و باطل یکساں ہیں، جس طرح بیع  
باطل حکم کا فائدہ نہیں دیتی، اسی طرح فاسد کا ان کے نزدیک کوئی اثر  
نہیں<sup>(۳)</sup>، یہ اجمالی بات ہے، ورنہ بعض شافعیہ نے فاسد و باطل کے  
درمیان تفریق میں حنفیہ سے موافقت کی ہے، چنانچہ انہوں نے کہا:  
اگر خلل رکن عقد میں پایا جائے تو بیع باطل ہے اور اگر عقد کی شرط میں



(۱) اخصاب الحییر، مجلۃ الاحکام العدلیۃ: دفعہ (۱۰۵، ۱۰۹)، تبیین الحقائق  
۳۳/۳۳، فتح القدر ۱/۳۳۔

(۲) تبیین الحقائق للریاضی ۳۳/۳۳، ابن عابدین ۳/۱۰۰، البدائع ۵/۳۹۹،  
فتح القدر مع الہدایہ ۱/۳۳۔

(۳) الدرر النوری ۳/۵۳، الواشیہ للسیوطی ۱/۳۱۲، المنہج للزرکشی ۳/۷، القواعد  
والفوائد اصولیہ ۱/۱۱۰۔

## بیع فاسد ۲-۵

پایا جائے تو فاسد ہے (۱)۔

کیا گیا ہو (۱)۔ مثلاً اذان جمعہ کے وقت بیع اور ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کی بیع پر بیع کرنا وغیرہ۔

بیع مکروہ جمہور فقہاء (حنفی، مالکیہ اور شافعیہ) کے نزدیک درست اور منعقد ہے، اس پر اس کا اثر مرتب ہوتا ہے۔ مثلاً بد لین میں ملکیت کا ثبوت، البتہ حنفیہ کی اصطلاح کے مطابق اگر وہ مکروہ تحریمی ہے تو اس میں گناہ ہے، کیونکہ اس میں ایک عارضی وصف کی وجہ سے ممانعت آئی ہے، مثلاً نماز جمعہ کی اذان کے ساتھ اس (بیع) کا ملنا (۲)۔ اگر مکروہ تنزیہی ہے تو اس میں گناہ نہیں، مثلاً امام احمد سے ایک روایت کے مطابق بیع الحاضر للبادی (شہری شخص کا دیہاتی کے لئے خرید و فروخت کرنا)۔

حنابلہ نے کہا: اذان جمعہ کے بعد امام منبر پر بیٹھ جائے تو اس وقت بیع صحیح نہیں، اس لئے کہ فرمان باری ہے: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ“ (۳) (اے ایمان والو جب جمعہ کے دن اذان کہی جائے نماز کے لئے تو چل پڑا کرو اللہ کی یاد کی طرف، اور خرید و فروخت چھوڑ دیا کرو)، اور نبی، فساد کی متقاضی ہے (۴)۔  
(دیکھئے: ”بیع مہبی عنہ“)

## د- بیع موقوف:

۵- بیع موقوف: جو اصل اور وصف کے لحاظ سے مشروع ہو اور موقوف ہونے کے طور پر حکم کا فائدہ دے، اور کسی دوسری وجہ سے بیع مکمل نہ ہو سکے، مثلاً دوسرے کے مال کو فروخت کرنا۔ اس صورت

متعلقہ الفاظ:

الف- بیع صحیح:

۲- بیع صحیح: جو اصل اور وصف کے لحاظ سے مشروع ہو، اور موانع سے خالی ہونے کی صورت میں بذات خود حکم کا فائدہ دے، لہذا بیع صحیح پر اس کا اثر یعنی ملکیت کا حصول، بیع سے انتفاع وغیرہ مرتب ہوتا ہے، اور قبضہ کی ضرورت نہیں ہوتی، یہ مذاہب کے مابین متفق علیہ ہے (۲)۔

ب- بیع باطل:

۳- بیع باطل: جو اصل و وصف کسی لحاظ سے مشروع نہ ہو، لہذا اس پر کوئی اثر مرتب نہ ہوگا، اور نہ ہی اس کے ذریعہ کوئی فائدہ حاصل ہوگا، نہ اس کو منعقد مانا جائے گا، لہذا اس کا سرے سے کوئی حکم نہیں، اس لئے کہ حکم موجود کا ہونا ہے اور اس بیع کا شرعاً کوئی وجود نہیں، کوکہ صورتاً وجود ہو، مثلاً بچہ اور مجنون کی طرف سے ہونے والی بیع اور مثلاً مردار، آزاد، اور ہر اس چیز کی بیع جس کو مال نہیں مانا جاتا (۳)۔  
(دیکھئے: ”باطل“ اور ”بیع باطل“)

ج- بیع مکروہ:

۴- مکروہ لغت: میں محبوب کی ضد ہے۔

بیع مکروہ جمہور فقہاء کے نزدیک: جو اصل اور وصف کے لحاظ سے مشروع ہو، لیکن کسی غیر لازم متصل وصف کی وجہ سے اس سے منع

(۱) ابن ماجہ ۳۳/۱۰۰، بدلیۃ الجہد لابن رشد ۳/۱۹۳، نہایۃ المحتاج ۳/۳۳۰، منی الارادات ۳/۱۵۲۔

(۲) سابقہ مراجع۔

(۳) سورۃ جعر ۹۔

(۴) منی الارادات ۳/۱۵۲، کشاف القناع ۳/۱۸۰۔

(۱) اسنی المطالب ۲/۱۷۱۔

(۲) التزیلی ۳/۳۳، ابن ماجہ ۳/۱۰۰، منی الجلیل ۳/۵۵۱، روایت الناظرین ۳۱۔

(۳) البدائع ۵/۳۰۵، ابن ماجہ ۳/۱۰۰، بدلیۃ الجہد ۳/۱۹۳، لأشباہ

للسیوطی ۳/۳۱۰، روایت الناظرین ۳۱، الدرستی ۳/۵۲۔



## بیع فاسد ۶-۸

باطل نہیں ہوتا، اور ان حالات میں بیع قبضہ کی شرط کے ساتھ حکم کا فائدہ دیتی ہے، اور اس پر فاسد کے احکام جن کا ذکر آ رہا ہے جاری ہوں گے، یہ اسباب جمہور فقہاء کے نزدیک عقد کے بطلان اور اس کے بالکلہ غیر معتبر ہونے کے اسباب مانے جاتے ہیں۔ چوں کہ بیع فاسد صرف حنفیہ کی اصطلاح ہے، اس لئے انہی کے نزدیک اسباب فساد کے ذکر پر اکتفاء کیا جائے گا۔

الف- ضرر اٹھائے بغیر سپرد کرنے کی قدرت نہ ہونا:

۸- بیع صحیح کی ایک شرط یہ ہے کہ بائع کو کوئی ضرر لاحق ہوئے بغیر بیع حوالہ کرنے کی قدرت ہو۔ اگر بیع کی حوالگی ضرر لازم کے بغیر ناممکن ہو تو بیع فاسد ہے، اس لئے کہ عقد کی وجہ سے ضرر کا استحقاق نہیں، اور عاقد کے التزام عقد سے صرف معقود علیہ کا سپرد کرنا لازم ہوتا ہے، اس کے علاوہ کوئی اور چیز لازم نہیں ہوتی۔

لہذا اگر چھت میں لگی ہوئی شہتیر یا دیوار میں لگی ہوئی اینٹ یا ایک ذراع دیباج (ریشمی کپڑا) فروخت کرے تو ناجائز ہے، اس لئے کہ اس کو سپرد کرنا اکھاڑے اور کاٹے بغیر ناممکن ہے، اور اس میں بائع کا ضرر ہے، اور عقد کی وجہ سے ضرر کا استحقاق نہیں ہوتا ہے، لہذا یہ ایسی چیز کی بیع ہوتی جس کو شرعاً سپرد کرنا واجب نہیں، اس لئے بیع فاسد ہوگی (۱)۔

اگر بائع اس کو نکال کر عقد فسخ کرنے سے قبل خریدار کے سپرد کر دے تو بیع جائز ہے، یہاں تک کہ خریدار کو لینے پر مجبور کیا جائے گا، اس لئے کہ جواز سے مانع صرف یہ بات ہے کہ حوالہ کرنے میں بائع کا ضرر ہے، تو جب اس نے اپنے اختیار اور رضامندی سے سپرد کر دیا

میں بائع کو "فضولی" کہتے ہیں، کیونکہ اس نے دوسرے کے حق میں شرعی اجازت کے بغیر تصرف کیا ہے۔ لہذا جس نے دوسرے کی مملوک چیز فروخت کر دی تو بیع مالک کی اجازت پر موقوف ہوگی، اگر چاہے تو رد کر دے اور اگر چاہے تو اجازت دے دے، بشرطیکہ بیع اور خرید فروخت کرنے والے اپنی حالت پر ہوں (۱)۔

حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک بیع موقوف بیع صحیح ہے، شافعیہ و حنابلہ کا بھی ایک قول یہی ہے (۲)۔ اس لئے کہ بیع ایسے شخص کی طرف سے ہوئی ہے جو اس کا اہل ہے اور اس چیز کی بیع ہوئی ہے جو بیع کامل ہے، لیکن شافعیہ کے صحیح قول کے مطابق بیع موقوف بیع باطل ہے، حنابلہ کی دوسری روایت بھی یہی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ملکیت اور ولایت مفقود ہے۔

(دیکھئے: "بیع موقوف")۔

شرعی حکم:

۶- بیع فاسد کرنا حرام ہے اگر بیع کرنے والے کو اس کے فساد کا علم ہو، اس لئے کہ اس میں شرعی مخالفت ہے کہ عقد کے وصف میں ہو، اور بیع فاسد کے بارے میں نہی (ممانعت) وارد ہے، اور نہی اس کے غیر مباح ہونے پر دلالت کرتی ہے (۳)۔

اسباب فساد:

۷- درج ذیل اسباب کی بنا پر حنفیہ کے نزدیک عقد فاسد ہوتا ہے

(۱) مجلیہ الأحکام العدلیہ دفعہ (۱۱۱)، تبیین الحقائق للردیعی ۳/۳۳، ابن ماجہ بن ۳۹۹، ۴۲، الاقویار ۲/۷، القوانین الکامیہ لابن جزیری ص ۶۳، معنی المحتاج ۲/۱۵، المعنی مع الشرح الکبیر ۳/۲۷۳۔

(۲) سابقہ مراجع، نیز دیکھئے: المجموع ۵/۲۵۸۔

(۳) التوضیح والتبیین ۱/۲۱۷، تبیین الحقائق ۳/۳۳۔

(۱) البدائع للکاسانی ۵/۶۸، ابن ماجہ بن ۳/۱۰۸، ۱۰۹۔

## بیع فاسد ۹-۱۱

دراہم رائج ہوں تو جو زیادہ رائج ہو اس پر محمول ہوگا اور عقد صحیح ہوگا، لیکن اگر شہر میں چند قسم کے دراہم یکساں طور پر رائج ہوں تو بیع فاسد ہے، کیونکہ دشمن مجہول ہے، اس لئے کہ کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح حاصل نہیں (۱)۔

۱۰- اگر بیع میں ”اجل“ (مدت) ہو تو اس کی صحت کے لئے اجل کا معلوم ہونا شرط ہے، اور اگر اجل مجہول ہو تو بیع فاسد ہے، خواہ اجل کی جہالت غیر معمولی ہو، مثلاً ہوا کا اٹھنا، بارش کا برسنا، فلاں کی آمد یا موت وغیرہ یا جہالت قریبی (معمولی) ہو، مثلاً کٹائی اور گاہنے کا وقت، نوروز، مہرجان اور حاجیوں کی آمد وغیرہ، اس لئے کہ غیر معمولی جہالت کی صورت میں یہ خطرہ ہے کہ اس کا وجود ہو یا نہ ہو اور معمولی جہالت کی صورت میں پہلے آنے یا بعد میں آنے کا اندیشہ ہے، لہذا باعث نزاع بنے گا، اس لئے بیع فاسد ہوگی (۲)۔

ج- بیع بالاکراہ (زبردستی کی بیع):

۱۱- اکراہ ملجئتی ہو یعنی جان یا عضو کے تلف کرنے کی دھمکی ہو تو وہ رضا کو ختم اور اختیار کو فاسد کر دیتا ہے، لہذا اکراہ ملجئتی عقد بیع اور تمام عقود کو باطل کر دیتا ہے، اس کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اکراہ غیر ملجئتی مثلاً قید کرنے اور معمولی نقصان کی دھمکی تو حنفیہ کے نزدیک بیع کو فاسد کر دیتا ہے باطل نہیں کرتا، لہذا قبضہ ہونے پر اس سے ملکیت ثابت ہوگی، اور مکرمہ (جس پر اکراہ کیا جائے) کی اجازت سے بیع صحیح اور لازم ہو جائے گی، اس لئے کہ اکراہ غیر ملجئتی اختیار (یعنی کسی چیز کے فعل کو ترک پر ترجیح دینے) کو ختم نہیں کرتا، ہاں رضا (یعنی کسی چیز پر اطمینان) کو ختم کر دیتا ہے۔

تو مایع زائل ہو گیا (۱)۔

اگر اپنی تلوار میں لگی ہوئی زمینت فروخت کر دے اور وہ بلا ضرر الگ ہو سکتی ہے تو جائز ہے، لیکن اگر بلا ضرر الگ نہ ہو سکے تو بیع فاسد ہے، الا یہ کہ الگ کر کے سپرد کر دے (۲)۔

اور یہی حکم کسی ایسے کپڑے کے ایک ذراع کفر وخت کرنے کا ہے۔ جس کو کاٹنے میں نقصان ہو اور انگوٹھی میں لگی ہوئی نگ کے بیچنے کا ہے۔ اسی طرح کسی مشترک کپڑے میں سے اپنا حصہ غیر شریک کے ہاتھ فروخت کرنے کا ہے۔ اس لئے کہ ان سب میں سپرد کرنے میں ضرر ہے (۳)۔

ب- بیع یا دشمن یا اجل کی جہالت:

۹- بیع کی صحت کی شرائط میں سے یہ ہے کہ بیع دشمن اس طرح معلوم ہوں کہ نزاع پیدا نہ ہو سکے، اگر ان میں سے کوئی اس طرح مجہول ہو کہ نزاع کا سبب بنے تو بیع فاسد ہے۔ لہذا اگر کہے: اس ریوڑ کی ایک بکری یا اس گٹھر کا ایک کپڑا فروخت کیا تو بیع فاسد ہے، اس لئے کہ ریوڑ میں سے ایک بکری اور گٹھر میں سے ایک کپڑا اس درجہ مجہول ہیں کہ اس سے نزاع پیدا ہوگا، اس لئے کہ دو بکریوں، اور دو کپڑوں میں بہت زیادہ فرق ہوتا ہے۔ جو موجب فساد ہے۔ لیکن اگر بائع کپڑے یا بکری کو معین کر کے خریدار کے حوالے کر دے اور خریدار راضی ہو جائے تو جائز ہے، اور یہ رضامندی سے نئی بیع ہوگی (۴)۔

اگر کوئی چیز دس درہم میں فروخت کی اور شہر میں مختلف قسم کے

(۱) حوالہ سابق۔

(۲) البدائع ۵/۱۶۸۔

(۳) البدائع ۵/۱۶۸، ابن ماجہ بن ۱۰۹/۳۔

(۴) البدائع ۵/۱۵۶، ۱۵۸، الفتاویٰ الہندیہ ۳/۳۳۔

(۱) ساتھ مراجع۔

(۲) البدائع ۵/۷۸، الاختیار ۲/۲۶، ابن ماجہ بن ۱۰۶/۳۔

## بیع فاسد ۱۳

کی خریداری، بولنے والی ہونے کی شرط پر قمری کی، سینگ مارنے والا ہونے کی شرط پر مینڈھے کی، اور لڑنے والا ہونے کی شرط پر مرغ کی خریداری کو شامل کیا ہے، لہذا بیع امام ابوحنیفہ کے نزدیک فاسد ہے، امام محمد سے ایک روایت یہی ہے، اس لئے کہ یہ ایسی شرط ہے جس میں دھوکہ ہے<sup>(۱)</sup>۔

اس موضوع پر بہت سی مختلف فیہ مثالیں ہیں جن کو ان کے اپنے مقامات پر دیکھا جاسکتا ہے۔

مفسد عقد فاسد شرائط میں سے بہر ایسی شرط ہے جس کا عقد تقاضا نہیں کرتا ہے اور اس میں فروخت کنندہ یا خریدار کا فائدہ ہو، وہ شرط عقد کے مناسب نہ ہو اور نہ لوگوں میں اس کا تعامل جاری ہو مثلاً: اس شرط پر گھر فروخت کیا کہ بائع اس میں ایک ماہ رہے گا، پھر خریدار کے حوالے کرے گا، یا زمین اس شرط پر فروخت کرے کہ ایک سال کاشت کرے گا، یا جانور اس شرط پر فروخت کرے کہ بائع ایک ماہ اس پر سواری کرے یا کپڑا اس شرط کے ساتھ فروخت کرے کہ اس کو ایک ہفتہ استعمال کرے گا، تو ان تمام صورتوں میں بیع فاسد ہے، اس لئے کہ بیع میں مشروط منفعہ کی زیادتی، ربا ہوگی، اس لئے کہ اس زیادتی کے مقابلہ میں عقد بیع میں کوئی عوض نہیں، اور جس بیع میں ربا ہو وہ فاسد ہے، اسی طرح جس میں شبہ ربا ہو، وہ بھی فاسد ہے، اس لئے مذکورہ تمام شرطیں بیع کو فاسد کرنے والی ہیں۔ دیکھئے: ”ربا“۔

مفسد شرط میں سے: بیع میں دائمی اختیار کی بھی شرط ہے، اسی طرح غیر دائمی (موقت) اختیار کی شرط جس کے لئے متعین مدت میں غیر معمولی جہالت ہو، مثلاً ہوا کا اٹھنا، بارش کا ہونا۔ اس کی تفصیل اصطلاح: ”شرط“ میں ہے<sup>(۲)</sup>۔

رضا، ارکان بیع میں سے نہیں بلکہ شرط صحت ہے<sup>(۱)</sup>۔ جیسا کہ بحث ”اکراہ“ میں اس کی تفصیل ہے۔

اسی طرح بیع مضطر (مجبور) فاسد ہے، مثلاً کوئی شخص اپنا مال فروخت کرنے پر مجبور ہو اور خریدار اس کو ثمن مثل سے کم میں غبن فاحش کے ساتھ ہی خریدنے کے لئے راضی ہو<sup>(۲)</sup>۔

و- شرط مفسد:

۱۲- صحت بیع کی ایک شرط یہ ہے کہ بیع ان شرطوں سے خالی ہو جو بیع کو فاسد کرنے والی ہیں، شروط مفسدہ کی چند قسمیں ہیں:

ایک قسم یہ ہے کہ جس کا وجود ہی خطرہ میں ہو جس کے وجود میں غرر ہو مثلاً حاملہ ہونے کی شرط پر اونٹنی خریدی، اس لئے کہ یہ شرط وجود وعدم دونوں کا احتمال رکھتی ہے، اور فی الحال اس کا علم ممکن نہیں، اس لئے کہ پیٹ کا بڑا ہونا اور حرکت کرنا ہو سکتا ہے کہ کسی عارض کے سبب ہو، لہذا اس شرط پر بیع میں غرر ہے جو فساد کا موجب ہے۔ اس لئے کہ روایت میں ہے کہ حضور ﷺ سے مروی ہے: ”انہ نہی عن بیع الحصاة وعن بیع الغورد“<sup>(۳)</sup> (رسول اللہ ﷺ نے کنکری کی بیع، اور دھوکہ کی بیع سے منع فرمایا ہے)۔

حسن بن زیاد، امام ابوحنیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ اس شرط کے ساتھ بیع جائز ہے، اس لئے کہ اس کے حاملہ ہونے کی شرط ایسی ہے جیسے غلام کے کاتب یا درزی وغیرہ ہونے کی شرط اور یہ جائز ہے، لہذا وہ بھی جائز ہوگی۔

بعض فقہاء نے اس مثال میں دودھ والی ہونے کی شرط پر گائے

(۱) ابن ماجہ ۱۳/۴، ۵، ۴۔

(۲) ابن ماجہ ۱۰۶/۳۔

(۳) حدیث: ”لہی عن بیع الحصاة، و عن بیع الغورد“ کی روایت مسلم (۱۱۵۳/۳ طبع مجلس) نے کی ہے۔

(۱) البدائع لمصنوع فی ترتیب الشرائع لعلاء الدین اکا سانی ۵/۱۶۹، ۱۷۰۔

(۲) البدائع ۵/۱۶۹، ۱۶۸، ۱۷۰، ۱۷۱۔

## بیع فاسد ۱۳-۱۶

۵- عقد میں توقیت کا ہونا:

۱۳- بیع کی صحت کی شرائط میں سے: عقد کا غیر موقت ہونا ہے، اور اگر موقت ہو تو بیع فاسد ہے، اس لئے کہ عقد بیع ”عین“ کی تملیک کا عقد ہے، اور اعیان کی تملیک کے عقود موقت طور پر صحیح نہیں ہوتے، اور اسی وجہ سے بعض فقہاء نے بیع کی تعریف یوں کی ہے: مالی معاوضہ کا عقد جو ابدی طور پر عین کی ملکیت کا فائدہ دے (۱)۔  
تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”اجل“ اور ”تاقیت“۔

۶- عقد میں ربا کا ہونا:

۱۴- بیع کی صحت کی شرائط میں سے: ربا سے خالی ہونا ہے، اس لئے کہ جس بیع میں ربا ہو حنفیہ کے نزدیک فاسد ہے، کیونکہ ربا، نص قرآنی سے حرام ہے، فرمان باری ہے: ”وَاحْلَ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا“ (۲) (حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور ربا کو حرام کیا ہے)۔  
اسی طرح شرط ہے کہ بیع ربا کے شبہ اور ربا کے احتمال سے بھی خالی ہو، کاسانی نے کہا: جس طرح حقیقت ربا مفسد بیع ہے، اسی طرح ربا کا احتمال بھی مفسد بیع ہے، اس لئے کہ حرمت کے باب میں شبہ احتیاطاً حقیقت کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے، اس کی اصل یہ فرمان نبوی ہے: ”الحلال بین و الحرام بین، فذع ما یریبک الی ما لا یریبک“ (۳) (حلال واضح ہے، اور حرام واضح ہے۔ لہذا جو چیز تم کو شک میں ڈالے اس کو ترک کر دو، اور جو چیز شک میں نہ ڈالے اس کو اختیار کر لو)۔

(۱) الفتاویٰ الہندیہ ۳/۳۳، البدائع ۱/۱۱۸، مغنی المحتاج ۲/۲۳

(۲) سورہ بقرہ ۲۷۵۔

(۳) بدائع الصنائع ۵/۱۸۳، ۱۹۳، ۱۹۸۔

حدیث: ”الحلال بین و الحرام بین فذع ما یریبک الی ما لا یریبک“ کی روایت طبرانی نے ”لا وسط“ میں کی ہے اور شیخ نے مجمع الرواiek (۲/۳۳) طبع القدسی میں اس کو حسن قرار دیا ہے۔

ز- بیع بالغرر (غرر کے ساتھ بیع):

۱۵- غرر: کسی چیز کے حصول یا عدم حصول کا خطرہ۔ اگر غرر اصل بیع میں ہو، یعنی وہ وجود اور عدم وجود کا احتمال رکھے، مثلاً پھلوں کے آنے سے قبل ان کی بیع اور شکار کرنے سے قبل نضاء میں موجود پرندہ کی بیع، تو عقد باطل ہے، اور اگر غرر اوصاف بیع میں ہو، مثلاً درخت پر موجود ترکھور کی توڑی ہوئی خشک کھجور کے عوض بیع، تو یہ عقد حنفیہ کے نزدیک فاسد ہے، اس لئے کہ مقدار بیع مجہول ہے (۱)۔  
اس کی تفصیل اصطلاح ”غرر“ میں ہے۔

ح- قبضہ سے قبل منقول کی بیع:

۱۶- جس نے کوئی منقول چیز خریدی اس کے لئے یہ درست نہیں ہے کہ پہلے فروخت کرنے والے کے اس مال پر قبضہ کرنے سے قبل اس کی فروختگی کرے، اس لئے کہ روایت میں ہے: ”ان النبی ﷺ نہی عن بیع الطعام حتی یقبض“ (۲) (نبی ﷺ نے قبضہ سے قبل اناج کی بیع سے منع فرمایا ہے)۔

نیز اس لئے کہ یہ ایسی بیع ہے جس میں بیع کے بلاک ہونے کے سبب بیع کے فسخ ہو جانے کا خطرہ ہے، کیونکہ اگر وہ قبضہ سے قبل بلاک ہو جائے تو بیع اول باطل ہو جائے گی، لہذا دوسری بیع فسخ ہو جائے گی، کیونکہ وہ بیع اول پر مبنی ہے، خواہ اس نے اس کو بائع اول کے ہاتھ فروخت کیا ہو یا کسی اور کے ہاتھ۔

اسی طرح اگر خرید کردہ منقول بیع کے نصف پر قبضہ کیا ہو، پھر اس خرید کردہ میں دوسرے کو شریک کر لیا تو مقبوضہ میں یہ شرکت صحیح

(۱) الاختیار ۲/۲۳، ابن ماجہ ۲/۱۰۷۔

(۲) حدیث: ”نہی عن بیع الطعام حتی یقبض“ کی روایت بخاری (بیع الہاری ۳/۳۳) طبع المستقیم نے کی ہے۔

## بیع فاسد ۱-۱۸

امام ابوحنیفہ نے کہا: اگر مفسد مقارن کے سبب بعض بیع میں عقد فاسد ہو جائے تو کل بیع میں فاسد ہو جائے گا<sup>(۱)</sup>۔ اس لئے کہ اگر فساد مقارن ہو تو فاسد میں عقد کو قبول کرنا دوسرے میں عقد قبول کرنے کی شرط ہوگی، اور یہ شرط فاسد ہے، لہذا سب میں اثر انداز ہوگی، اور فساد طاری میں یہ علت نہیں پائی گئی، اس لئے فساد صرف مقدار مفسد تک محدود ہوگا۔

اسی لئے اگر ایک دینار دس درہم میں ادھار خریدے پھر مجلس میں دس میں سے کچھ درہم نقد ادا کر دے اور کچھ ادا نہ کرے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک سب فاسد ہے، اس لئے کہ فساد عقد کے مقارن ہے، لہذا سب کے فساد میں موثر ہوگا، جبکہ صاحبین کے نزدیک مقبوضہ مقدار میں صحیح اور باقی میں فاسد ہے، اس وجہ سے کہ فساد مفسد کے بقدر ہی محدود ہوگا<sup>(۲)</sup>۔

## بیع فاسد کی مثالیں:

۱۸- حنفیہ نے اپنی کتابوں میں (بیع باطل کے بیان کے بعد) بیع فاسد کی کچھ مثالیں ذکر کی ہیں، اور یہ بیع فاسد و باطل کے درمیان حنفیہ کے فرق کرنے کے اصول پر مبنی ہے۔ بیع فاسد کی چند مثالیں:

اس چیز کی بیع جس میں شمن سے سکوت ہو، مثلاً کسی چیز کی اس کے ریٹ پر فروختی، ایسے کپڑے میں سے ایک ذراع کی بیع جس کو نکلے کرنا اس کپڑے کے لئے نقصان دہ ہو، بیع ملامہ و منابذہ<sup>(۳)</sup>۔ اس لئے کہ حضرت ابوہریرہ کی حدیث ہے: ”نہی

ہے، اور غیر مقبوضہ میں ناجائز، اس لئے کہ شریک کرنا ایک طرح کی بیع ہے، اور بیع منقول ہے، لہذا غیر مقبوضہ شرعاً اس کا محل نہیں، اس لئے غیر مقبوضہ میں درست نہیں اور مقبوضہ مقدار میں درست ہے<sup>(۱)</sup>۔ (دیکھئے: ”قبض“)

## فساد کی تجزی:

۱- اصل یہ ہے کہ فساد صرف مفسد کے بقدر ہو، لہذا اگر کوئی معاملہ صحیح و فاسد پر مشتمل ہو تو فساد صرف مفسد کے بقدر ہوگا اور باقی میں صحیح ہے، اس پر فقہاء حنفیہ کا اتفاق ہے، بشرطیکہ فساد طاری (عارضی) ہو۔

بیع عینہ کی صورت میں آیا ہے: اگر کوئی چیز دس میں فروخت کی اور شمن پر قبضہ نہیں کیا، پھر اس کو پانچ میں خرید لیا تو یہ ناجائز ہے، البتہ اگر اس کو دوسرے کے ساتھ ضم کر کے خریدے تو صحیح ہے۔

”الہدایہ“ میں ہے: جس نے پانچ سو میں کوئی سامان خریدا، پھر اس کو ایک دوسرے سامان کے ساتھ بائع کے ہاتھ شمن نقد ادا کرنے سے قبل پانچ سو میں فروخت کر دیا تو بیع اس سامان میں صحیح ہے جس کو اس نے بائع سے نہیں خریدا تھا، اور دوسرے میں ناجائز ہے، اس لئے کہ شمن اس سامان کے مقابلہ میں رکھنا واجب ہے جس کو اس نے خرید نہیں، اس طرح وہ دوسرے سامان کو فروخت شدہ قیمت سے کم میں شمن ادا کرنے سے قبل خریدنے والا ہوگا، اور یہ ربا کے شبہ کی وجہ سے فاسد ہے<sup>(۲)</sup>۔

اگر فساد عقد کے ساتھ مقارن ہو تو امام ابو یوسف و محمد کے نزدیک یہی حکم ہے، اس لئے کہ وہ دونوں حضرات فساد طاری اور فساد مقارن کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔

(۱) ابن ماجہ ۶/۵۔

(۲) البدائع ۵/۳۱۷، ۳۵۰، ۳۵۱، الفتح والختایہ علی الہدایہ ۶/۴۳۔

(۳) ملامہ یہ ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کا کپڑا بے سوچے سمجھے

چھولے، تاکہ چھونے والے پر بیع لازم ہو جائے، اور دیکھئے پراس کو کوئی خیال نہ ہو۔

(۱) البدائع ۵/۱۸۰، ۱۸۱، الفتاویٰ الہندیہ ۳/۳۳۔

(۲) الفتح مع الہدایہ ۱، ۴۳، ابن ماجہ ۱۱۶/۳۔

## بیع فاسد ۱۸

حوالہ کرے گا تو یہ فاسد ہے، اس لئے کہ اعیان کی حوالگی کو مؤخر کرنا باطل ہے، کیونکہ اس میں کوئی فائدہ نہیں، اس لئے کہ تا جیل ثمن میں خریدار کے لئے آسانی پیدا کرنے کی خاطر مشروع ہے، تاکہ وہ ثمن حاصل کر سکے، اور یہ علت اعیان میں معدوم ہے، لہذا شرط فاسد ہوئی۔

بیع فاسد میں سے: بیع مزایہ و محالہ بھی ہے (۱)، اس لئے کہ حضور ﷺ نے ان دونوں سے منع فرمایا (۲) نیز اس لئے بھی کہ ان دونوں میں ربا کا شبہ ہے۔ اور اگر اس شرط پر بیع کی کہ خریدار کچھ دراہم قرض دے گا یا کپڑا اس شرط پر فروخت کیا کہ بائع اس کو سل دے گا تو بیع فاسد ہے۔ اس لئے کہ حضور ﷺ نے ”بیع مع شرط“ سے منع فرمایا ہے۔ اور یہ ایسی شرط ہے جس کا عقد متقاضی نہیں، اور نہ ہی وہ عقد کے (مناسب) ہے، اور اس میں عاقدین میں سے ایک کا فائدہ ہے، لہذا عقد فاسد ہوگا۔

نوروز، مہرجان، نصاریٰ کے روزے اور یہودیوں کے افطار تک کے لئے بیع، اگر فروخت کنندہ اور خریدار دونوں اس سے واقف ہوں تو فاسد ہے۔ اسی طرح کٹائی، پھل توڑنے، گاہنے اور حاجی کے آنے تک کے لئے بیع کرنا فاسد ہے، اس لئے کہ اجل مجہول ہے جو نزاع کا باعث بن سکتا ہے، اور اگر اجل کو اس کے آنے سے قبل ساقط کر دے تو فقہاء حنفیہ کے یہاں بیع جائز ہے، امام زفر کا اختلاف ہے، انہوں نے کہا: فاسد صحیح نہیں ہو سکتی (۳)۔

(۱) مزایہ: درخت پر لگی کھجور کو زمین پر موجود کھجور کے عوض اندازہ سے کیل کے ذریعہ فروخت کرنا۔

محالہ: بانی میں موجود گیہوں کو اسی کے مثل گیہوں کے عوض اندازہ سے کیل کے ذریعہ فروخت کرنا (ابن ماجہ ۱۱۹/۳)۔

(۲) حدیث: ”لہی عن الملامسة و المبادلة.....“ کی روایت بخاری (بیع الباری ۳۸۳/۳ طبع انتقادی) نے کی ہے۔

(۳) ابن ماجہ ۱۰۶، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۹، ۱۲۲۔

رسول اللہ ﷺ عن الملامسة و المنابذة“ (۱) (رسول اللہ ﷺ نے ملامسہ و منابذہ سے منع فرمایا ہے)، تھن میں دودھ کی بیع، پشت پر اون کی بیع، بکری میں گوشت کی بیع، چھت میں نصب شہتیر کی بیع، دو کپڑوں میں ایک کی بیع جبکہ خیار تعیین کی شرط نہ ہو۔

تھن میں دودھ کی بیع جہالت اور بیع کا غیر بیع سے اختلاط کے سبب فاسد ہے، انہی دو اسباب کی وجہ سے پشت پر اون کی بھی بیع فاسد ہے، نیز نزاع کے احتمال کی وجہ سے۔ اور حدیث نبوی ہے: ”لہی النبی ﷺ عن بیع لبن فی ضرع، و سمن فی لبن“ (۲) (نبی کریم ﷺ نے تھن میں دودھ کی بیع، اور دودھ میں گھی کی بیع سے منع کیا ہے)۔

بکری میں گوشت کی اور چھت میں لگی شہتیر کی بیع اس لئے فاسد ہے کہ باحق ضرر کے بغیر اس کو سپرد کرنا ناممکن ہے۔ اسی طرح کپڑے میں سے ایک ذراع اور تلوار میں لگی زینت کی بیع کا حکم ہے اور اگر الگ کر لے اور بیع فسخ کرنے سے قبل حوالے کر دے تو جائز ہے (۳)۔

اگر کوئی چیز اس شرط پر فروخت کی کہ اس کو مہینہ کے شروع میں

= اور منابذہ یہ ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک اپنا کپڑا دوسرے کی طرف بغیر دوسرے کے کپڑے دیکھے ہوئے پھینکے، تاکہ پھینکا بیع قرار پائے۔ ابن بیوع کا دور جاہلیت میں عرف و رواج تھا (ابن ماجہ ۱۰۹/۳)۔

(۱) حدیث: ”لہی عن الملامسة و المبادلة“ کی روایت مسلم (۳۸۳/۱۱ طبع العلمی) اور بخاری (بیع الباری ۳۵۹/۳ طبع انتقادی) نے کی ہے۔

(۲) حدیث: ”لہی عن بیع لبن فی ضرع و سمن فی لبن“ کی روایت دارقطنی (۳۳/۱۳ طبع دارالمحاسن) اور بیہقی (۳۳۰/۵ طبع دائرة المعارف اعلیٰ) نے کی ہے۔ بیہقی نے کہا اس کو مرفوع قرار دینا عمر بن فروخ کا تفرد ہے اور مرفوع قرار دینا قوی نہیں، اور اس کو موقوف طور پر روایت کیا ہے اسی طرح دارقطنی نے اس کا ابن عباس پر موقوف ہونے کو درست قرار دیا ہے۔

(۳) الاختیار ۲۳/۲، ۲۳، ابن ماجہ ۱۰۶، ۱۰۹، ۱۱۰۔

## بیع فاسد ۱۹-۲۱

کی بیع، اسی طرح آبق (بھگوڑے غلام) کی، اور تھن میں دودھ کی بیع (۱)۔

## بیع فاسد کے آثار:

۲۱- گذر چکا ہے کہ جمہور فقہاء (مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ) کے نزدیک، بیع فاسد و بیع باطل کے درمیان فی الجملہ کوئی فرق نہیں ہے، دونوں ہی غیر منعقد ہیں، لہذا جمہور فقہاء کے نزدیک بیع فاسد کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں، جیسا کہ بیع باطل کا اعتبار نہیں ہوتا ہے (۲)۔

جب خلیل نے اپنی ”مختصر“ میں کہا: ”فسد منہی عنہ“ (منہی عنہ فاسد ہے) تو درویر نے اس کی تشریح اپنے اس قول سے کی: یعنی باطل ہے یعنی منعقد نہیں، خواہ عبادت ہو مثلاً یوم عید کا روزہ یا عقد ہو مثلاً مریض اور محرم کا نکاح اور جیسے اس چیز کی فروختگی جس کی حوالگی پر قدرت نہ ہو یا جو مجہول ہو، اس لئے کہ نہی فساد کی متقاضی ہے (۳)۔

خلیل کی عبارت پر دسوقی نے لکھا: یعنی جس کے لین دین سے روکا گیا ہے۔ اور یہ ایک ایسا قاعدہ کلیہ ہے جو عبادات اور معاملات (یعنی عقود) سب کو شامل ہے (۴)۔

شافعیہ نے صراحت کی ہے کہ اگر دونوں عقد کرنے والے عقد کو فاسد کرنے والے سبب کو ختم کر دیں، اگرچہ حذف کرنا مجلس خیاری میں ہو تو بھی بیع فاسد صحیح نہ ہوگی، اس لئے کہ فاسد کا کوئی

= اور غائض سے مراد یہ ہے کہ کہنے میں ایک بار ڈکی لگاؤں گا، اور جتنی سوتی ٹکالوں ان کو تمہیں اتنے میں فروخت کیا (ابن ماجہ بن ۱۰۹۳)۔

(۱) ابن ماجہ بن ۳۷۰، ۱۰۹، ۱۱۲، الاقویا ۲۲/۲۳۔

(۲) حاشیہ الدسوقی ۳۳/۵۳، حاشیہ الجمل ۵۳/۸، المحمود للدررکشی ۳۳/۷۔

(۳) الشرح المکبیر للدررکشی حاشیہ الدسوقی ۳۳/۵۳۔

(۴) حاشیہ الدسوقی حوالہ سابق۔

۱۹- نیز حنفیہ نے بیع فاسد کی یہ مثالیں بھی ذکر کی ہیں: شراب اور خنزیر کے عوض بیع یا عین کے عوض شراب اور خنزیر کی بیع مقایضہ، لہذا اگر شراب و خنزیر ”عین“ کے بالمقابل ہوں مثلاً کپڑے کو شراب کے بدلہ خرید لیا شراب کو کپڑے کے بدلہ فروخت کیا تو بیع فاسد ہے، اور اگر ان دونوں کو ”دین“ کے بالمقابل رکھا جائے مثلاً دراہم و دنانیر کے عوض ان کی بیع تو یہ بیع باطل ہے۔

تفریق کی وجہ جیسا کہ مرغینانی نے لکھا ہے یہ ہے کہ شراب و خنزیر اہل ذمہ کے نزدیک مال ہیں، البتہ وہ غیر متقوم مال ہیں۔ اس لئے کہ شریعت نے اس کی توہین کرنے اور اس کا اعزاز نہ کرنے کا حکم دیا ہے، اور عقد کے ذریعہ اس کو اپنی ملکیت میں لیا اس کا اعزاز کرنا ہے۔ یہ اس لئے کہ جب اس نے انہیں دراہم کے بدلہ خرید تو دراہم مقصود نہیں، کیونکہ یہ وسیلہ ہیں، اس لئے کہ وہ ذمہ میں واجب ہوتے ہیں، مقصود صرف شراب ہے، لہذا ان کا مقصود ہونا بالکل ساقط ہو گیا، لہذا عقد باطل ہوا۔ برخلاف شراب کے عوض کپڑا خریدنے والے کے، کیونکہ اس میں کپڑے کا اعزاز ہے شراب کا نہیں۔ اسی طرح اگر شراب کو کپڑے کے عوض فروخت کرے تو عقد فاسد ہے۔ اس لئے کہ یہ کپڑے کو شراب کے عوض خریدنا مانا جائے گا، کیونکہ یہ مقایضہ ہے (۱)۔

۲۰- کچھ اور صورتیں ہیں، جن کو بیع فاسد یا بیع باطل قرار دینے میں فقہائے حنفیہ کا اختلاف ہے۔ مثلاً حمل کی بیع، نضا میں موجود پرندے کی بیع اور سمندر میں موجود مچھلی کی بیع ان دونوں کے شکار سے قبل، اگر ان دونوں کے بالمقابل سامان ہو، اور شکاری کے ایک بار شکار کرنے اور غوطہ خور کے ایک بار غوطہ لگانے کی بیع (۲)، سیپ میں موجود سوتی

(۱) الہدایہ مع فتح القدر ۶/۵۶، ابن ماجہ بن ۳۷۰، ۱۰۹، ۱۱۲۔

(۲) غائض سے مراد یہ ہے کہ کہنے ایک بار لگانے پر جتنی مچھلیاں نکلیں گی ان کو میں نے اتنے میں تم سے بیع دیا۔

## بیع فاسد ۲۲

جائید اور غیر منقولہ ہو تو پرہیزی کو حق شفعہ نہیں ہے (۱)۔

بیع فاسد کے ذریعہ حاصل شدہ بیع میں تصرف کے جواز کی دلیل حضرت عائشہ کی حدیث ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے تذکرہ کیا کہ وہ بریرہ کو خریدنا چاہتی ہیں، لیکن اس کے آقا فریخت کرنے کے لئے اپنے واسطے ولاء کی شرط لگاتے ہیں، تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: ”خذیہا واشترطی لہم الولاء، فإن الولاء لمن أعتق، فاشترتہا مع شرط الولاء لہم“ (۲) (اس کو لے لو اور ان کے لئے ولاء کی شرط رکھ لو، کیونکہ ولاء تو آزاد کرنے والے کے لئے ہوتا ہے، چنانچہ حضرت عائشہ نے اس کو ان کے لئے شرط ولاء کے ساتھ خرید لیا)۔ آپ نے بیع بالشرط (شرط کے ساتھ فروختگی) کے فساد کے باوجود آزاد کرنے کو جائز قرار دیا، مفید ملک ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ تملیک کا رکن یعنی دونوں عقد کرنے والوں کے ایجاب و قبول کے الفاظ (میں نے بیچا اور میں نے خریدا) ایسے شخص سے صادر ہوا جو شرعی ولایت کی بنا پر تملیک کا اہل ہے، یعنی وہ شخص جو مکلف ہے اور احکام شرع کا مخاطب ہے، اور یہ تملیک ایسی چیز کی طرف منسوب ہے جو تملیک کا محل ہے یعنی مال۔ کیونکہ گفتگو انہی دونوں کے بارے میں ہے، لہذا یہ عقد منعقد ہوگا، کیونکہ مصالح کا ذریعہ ہے اور فساد ایک ایسی علت کی بنا پر ہے جو اس سے متصل ہے، مثلاً اذان جمعہ کے وقت فروختگی اور ممانعت انعقاد کی نفی نہیں کرتی بلکہ انعقاد کو ثابت کرتی ہے، اس لئے کہ ممانعت کا تقاضا ہے کہ جس چیز سے روکا جا رہا ہے وہ متصور اور اس پر قدرت ہو، اس لئے کہ ایسی چیز سے روکنا جو غیر متصور ہے اور قدرت میں نہیں ہے قبیح بات ہے، لیکن ممانعت پائے جانے کی وجہ سے یہ عقد خبیث

اعتباری نہیں (۱)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک فاسد کو اجازت لاحق نہیں ہوتی۔ جس طرح حنفیہ کے نزدیک باطل کو اجازت لاحق نہیں ہوتی (۲)۔ قلیوبی اور جمل وغیرہ نے امام نووی کی گرفت کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے یہاں بیع فاسد کے حکم اور فاسد خریداری کے ذریعہ قبضہ کئے گئے مال کے حکم میں ایک فرق کو نظر انداز کر دیا، اور انہوں نے اس کے احکام مختصراً ذکر کئے ہیں (۳)۔

البتہ حنفیہ بیع فاسد و بیع باطل کے درمیان فرق کرتے ہیں، اور وہ باطل کے برخلاف فاسد کو منعقد مانتے ہیں اور باطل کو غیر منعقد۔ بیع باطل کے احکام اس کی اصطلاح میں آچکے ہیں۔

ہاں بیع فاسد کے احکام اجمالی طور پر ذیل میں ذکر کئے جا رہے ہیں:

## اول۔ قبضہ کے ذریعہ ملکیت کا منتقل ہونا:

۲۲۔ بیع فاسد حنفیہ کے نزدیک ملکیت کا فائدہ دیتی ہے اگر خریدار بیع پر بائع کی طرف سے صراحتاً یا دلائل اجازت سے قبضہ کر لے۔ مثلاً مجلس بیع میں قبضہ کیا اور بائع خاموش رہا، تو خریدار کے لئے جائز ہوگا کہ بیع میں بیع یا بھہ یا صدقہ یا اجارہ وغیرہ کا تصرف کرے، البتہ اس سے انتفاع نہیں کر سکتا (۴)۔

ابن عابدین نے کہا: اگر اس کا مالک ہو جائے تو اس کے لئے ملکیت کے تمام احکام ثابت ہوں گے، سوائے پانچ کے: اس کو کھانا جائز نہیں، اس کو پہننا جائز نہیں، (اگر بیع باندی ہے تو) اس سے وطی کرنا جائز نہیں اور نہ ہی اس سے بائع کی شادی جائز ہے اور اگر بیع

(۱) حاشیہ الجمل علی شرح المبیع ۸۵/۳۔

(۲) رد المحتار ۱۲۳۔

(۳) حاشیہ اقلیوبی ۱۸۱/۲، حاشیہ الجمل علی شرح المبیع ۸۳۔

(۴) البدائع ۵/۳، الریاضی ۶۳، ۶۵، ابن عابدین ۱۲۳۔

(۱) ابن عابدین ۱۲۳۔

(۲) حدیث عائشہ ”إلعا الولاء.....“ کی روایت بخاری (بیع المبارکی ۶۳/۳ طبع الاستیعاب) اور مسلم (۱۱۳/۵ طبع الجلیبی) نے کی ہے۔



## بیع فاسد ۲۳-۲۵

ملکیت کی منتقلی قیمت کے ذریعہ نہ کہ متعین کردہ ثمن کے ذریعہ:

۲۴- حنفیہ کا اتفاق ہے کہ بیع فاسد میں قبضہ کے ذریعہ ملکیت کا حصول بیع کی قیمت مارکٹ ریٹ کے بدلہ میں ہوگا، اس مقررہ ثمن کے مقابلہ میں نہیں جس پر یقین کا اتفاق ہوا تھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ عقد، منہی عنہ (ممنوع) ہے اور قیمت کی تعیین فاسد ہے، لہذا متعین کردہ قیمت واجب نہیں ہوگی۔ اور قیمت مارکٹ ریٹ کے بارے میں امام ابوحنیفہ و ابو یوسف کے نزدیک قبضہ کے دن کا اعتبار ہے، اور امام محمد کے نزدیک تلف کرنے کے دن کا ہے (۱)۔

## دوم- استحقاق فسخ:

۲۵- بیع فاسد اپنے وصف کے لحاظ سے غیر مشروع ہونے کے باوجود فساد اس کے ساتھ متصل ہے، اور فساد کو زائل کرنا واجب ہے، لہذا وہ مستحق فسخ ہے، نیز اس لئے کہ فاسد، نبی کی وجہ سے ملک خبیث کا فائدہ دیتا ہے، لہذا ان میں سے ہر ایک کو خباثت کو زائل کرنے اور فساد کو دور کرنے کے لئے حق فسخ ہے، نیز اس لئے کہ بیع فاسد کے اسباب میں سے: ربا کی شرط لگانا اور مجہول مدتوں کو داخل کرنا وغیرہ ہے، اور یہ معصیت ہے، معصیت سے روکنا واجب ہے، اور استحقاق فسخ معصیت سے روکنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس لئے کہ جب اس کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ فسخ ہوگی تو ظاہر ہے کہ وہ اس

ملکیت کا فائدہ دے گا (۱)۔

حنفیہ نے بیع فاسد کے مفید ملک ہونے کے لئے دو شرطیں لگائی ہیں:

اول: قبضہ، لہذا قبضہ سے پہلے ملکیت ثابت نہیں ہوگی، اس لئے کہ فساد کو ختم کرنے کے لئے اس کا فسخ کرنا واجب ہے، اور قبضہ سے پہلے ملکیت ثابت ہونے میں فساد کا برقرار رہنا ہے۔

دوم: قبضہ بائع کی اجازت سے ہو، لہذا بلا اجازت قبضہ سے ملکیت ثابت نہیں ہوگی (۲)۔

۲۳- بیع فاسد والے بیع میں تصرف اور حصول ملکیت کی کیفیت کے بارے میں علماء حنفیہ کا اختلاف ہے: بعض حنفیہ نے کہا: خریدار اس میں تصرف کا مالک اس اعتبار سے ہوتا ہے کہ بائع نے اس کو مسلط کیا ہے، اس اعتبار سے نہیں کہ وہ سامان کا مالک ہو گیا ہے، اسی وجہ سے اس نلہ کو کھانا جائز نہیں جس کو فاسد طریقہ پر خرید گیا ہو۔ بعض حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ تصرف کا جواز چیز کے مالک ہونے کی بنا پر ہے، ان کا استدلال یہ ہے کہ اگر کسی نے مکان فاسد طور پر خرید اور اس پر قبضہ کر لیا، پھر اس کے برابر میں ایک دوسرا مکان فروخت ہوا تو وہ اس کو شفعہ کے ذریعہ اپنے لئے لے سکتا ہے، حالانکہ جب شفعہ کا استحقاق ہوا تو اس وقت مکان کا وہ مالک نہیں تھا، لیکن اس میں شفعہ کے لئے شفعہ نہیں ہے اگرچہ اس میں ملکیت کا فائدہ دیتا ہے، اس لئے کہ بائع کا حق ختم نہیں ہوا (۳)۔ یعنی اس لئے کہ بیچنے اور خریدنے والے دونوں کو فسخ کا اختیار ہے۔

(۱) ثمن اور قیمت میں فرق: ثمن وہ ہے جس پر ماقدین راغنی ہوں خواہ قیمت سے زیادہ ہو یا کم۔ اور قیمت بلا کی زیادتی معیار کے درجہ میں جو کسی چیز کی قیمت لگائی جائے۔ (ابن ماجہ بن ۵۱/۳، ۵۲، الاختیار ۲۳/۳، الفریبی ۶۲/۳، جوہر الاکلیل ۲۳/۳، الجمل ۸۵/۳، الشرح الکبیر مع المغنی ۵۶/۳، کشاف القناع ۱۹۷/۳)۔

(۱) الاختیار لتطیل الحق والموصولی ۲۲/۳۔

(۲) البدائع ۵/۳۰۳۔

(۳) البزازی علی الہدایہ ۶/۳۷۷، الفریبی ۶۲/۳، البدائع ۵/۳۰۳، ابن ماجہ بن ۱۲۳/۳۔

## بیع فاسد ۲۶-۲۷

فسخ کا اختیار کس کو ہے؟

۲۷- فسخ یا تو قبضہ سے قبل ہوگا یا قبضہ کے بعد:

الف: اگر قبضہ سے قبل ہو تو دونوں عقد کرنے والوں میں سے ہر ایک کو دوسرے فریق کے علم میں لا کر فسخ کا اختیار ہے، خواہ دوسرا فریق راضی نہ ہو، اس لئے بیع فاسد قبضہ سے قبل ملکیت کا فائدہ نہیں دیتی، لہذا اس کو قبضہ سے پہلے فسخ کرنا ایجاب و قبول سے گریز کرنے کے درجہ میں ہے، لہذا اس کا ان دونوں میں سے ہر ایک مالک ہوگا، لیکن (جیسا کہ ذیل میں کہتے ہیں) یہ دوسرے کے علم پر موقوف ہے، اس لئے کہ اس میں دوسرے فریق کے لئے فسخ کو لازم کرنا ہے، لہذا اس کے علم کے بغیر اس پر لازم نہ ہوگا<sup>(۱)</sup>۔

ب: اگر فسخ قبضہ کے بعد ہو تو فساد بیع اور ثمن سے وابستہ ہوگا یا ان کے علاوہ سے:

(۱) اگر فساد، صلب عقد میں ہو، یعنی اس کا تعلق بیع یا ثمن سے ہو مثلاً ایک درہم کو دوسرے درہم میں فروخت کرنا اور مثلاً شراب اور خنزیر کے بدلہ فروخت کرنا، تو بھی یہی حکم ہے کہ ان میں سے کوئی ایک اکیلے فسخ کر سکتا ہے، اس لئے کہ بدل سے وابستہ فساد صلب عقد سے وابستہ ہوتا ہے، اس لئے اس کو صحیح بنا ناممکن نہیں، کیونکہ بدلین (بیع اور ثمن) کے بغیر عقد کا قیام نہیں، لہذا فساد قوی ہوگا اور صلب عقد میں موثر ہوگا، یعنی دونوں عقد کرنے والوں کے حق میں لازم نہیں ہوگا۔

(۲) اگر فساد بیع و ثمن سے وابستہ نہ ہو مثلاً شرط زائد کے ساتھ بیع اور مثلاً اجل مجہول کے ساتھ بیع، یا ایسی شرط کے ساتھ بیع جس میں کسی ایک کا فائدہ ہو تو:

اسیجانی کا فیصلہ ہے کہ فسخ کا اختیار صاحب شرط کو حاصل ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں، اس لئے کہ جس فساد کا تعلق بدل سے نہ

(۱) تبیین الحقائق ۶۳/۳۔

کے انجام دینے سے گریز کرے گا، جیسا کہ فقہاء نے اس کی علت بیان کی ہے<sup>(۱)</sup>۔

بیع فاسد کے فسخ کے لئے قاضی کا فیصلہ شرط نہیں، اس لئے کہ جو چیز شرعاً واجب ہو اس میں قاضی کے فیصلہ کی ضرورت نہیں<sup>(۲)</sup>۔ لیکن اگر دونوں عقد کرنے والے بیع فاسد کی بیع کو برقرار رکھنے پر مصر ہوں اور قاضی کو اس کا علم ہو جائے تو ان دونوں کی مرضی کے خلاف جبراً اس کو فسخ کر سکتا ہے، کیونکہ یہ شریعت کا حق ہے<sup>(۳)</sup>۔

شرائط فسخ:

۲۶- فسخ کی درج ذیل شرطیں ہیں:

الف: پہلی شرط یہ ہے کہ دوسرے عقد کرنے والے کے علم میں لا کر فسخ کیا جا رہا ہو، اس کی رضامندی شرط نہیں، کاسانی نے کرنی سے نقل کیا ہے کہ یہ شرط بلا اختلاف ہے، پھر اسپجانی سے نقل کیا کہ یہ امام ابوحنیفہ و محمد کے نزدیک شرط ہے، امام ابو یوسف کا اس میں اختلاف ہے۔ اور یہ کہ اس میں اختلاف خیار شرط اور خیار ردیت میں اختلاف کی طرح ہے۔

ب: بیع دونوں عقد کرنے والوں میں سے کسی ایک کے قبضہ میں برقرار ہو۔

ج: اس میں کوئی ایسی چیز پیدا نہ ہو جائے جس کی وجہ سے واپس کرنا ممکن ہو<sup>(۴)</sup>۔

(۱) الاختیار لتبیین الحقائق الموصولی ۲/۲۲، ابن ماجہ ۱۲۵/۳، البدائع للکاسانی ۳۰۰/۵۔

(۲) الدر المختار بہامش رد المحتار ۱۲۵/۳۔

(۳) الدر المختار ۱۲۵/۳۔

(۴) بدائع الصنائع ۳۰۰/۵، ابن ماجہ ۱۵۲/۳، حاشیہ الجمل علی شرح البیہق

۸۳/۳، کشاف القناع ۱۹۸/۳۔

## بیع فاسد ۲۸-۳۰

اور خریدار اس کے ضمان سے بری ہو جائے گا<sup>(۱)</sup>۔

حق فسخ کو باطل کرنے والی چیزیں:

۲۹- حق فسخ صحرا حثاً باطل کرنے اور ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتا، مثلاً کہے: میں نے ساقط کر دیا یا باطل کر دیا یا بیع کو واجب کر دیا یا لازم کر دیا۔ اس لئے کہ وجوب فسخ، فساد کو ختم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے حق کے طور پر ثابت ہے، اور جو چیز خالص اللہ کا حق ہونے کی حیثیت سے ثابت ہوتی ہے بندہ اس کو مقصود بنا کر ساقط نہیں کر سکتا جیسے خیار رد بیت۔

ہاں بطریق ضرورت ساقط ہو جاتا ہے، مثلاً بندہ اپنے ذاتی حق میں مقصود کے طور پر تصرف کرے جس کے ضمن میں حق اللہ کا سقوط بطریق ضرورت ہو۔

جب حق فسخ باطل ہو جائے تو بیع لازم ہو جائے گی اور ضمان ثابت ہو جائے گا، اور اگر باطل نہ ہو تو بیع غیر لازم ہوگی اور ضمان بھی ثابت نہیں ہوگا۔

ذیل میں اس کی اہم صورتیں پیش ہیں:

پہلی صورت - بیع فاسد والے بیع میں قوی تصرف:

۳۰- حنفیہ نے علی الاطلاق کہا ہے کہ حق فسخ ہر ایسے تصرف سے باطل ہو جاتا ہے جو بیع کو خریدار کی ملکیت سے نکال دے<sup>(۲)</sup>، کیونکہ اس سے بندہ کا حق متعلق ہو گیا<sup>(۳)</sup>، اسی تغلیل کو مالکیہ نے بنیاد بنایا ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ بیع کو مہر بنا دے یا بدل صلح بنا دے یا بدل اجارہ، مالکیہ نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ وہ اس اقدام کی وجہ سے

(۱) بدائع الصنائع ۵/۳۰۰، الدر المختار رد المحتار ۴/۱۵۵۔

(۲) رد المحتار ۴/۱۳۶ بحوالہ کتاب الوتایہ۔

(۳) الدر المختار ۴/۱۲۷، المشرح الکبیر ۳/۴۳۔

ہو وہ قوی نہیں ہوتا، لہذا اس کے ساقط ہونے کا احتمال ہے، لہذا صاحب شرط کے حق میں ظاہر ہوگا، لیکن اس پر لازم نہیں ہوگا۔

کرخی نے مسئلہ میں اختلاف لکھا ہے:

چنانچہ امام ابوحنیفہ و ابو یوسف کے قول کے مطابق: ان میں سے ہر ایک کے لئے حق فسخ ہے، اس لئے کہ فساد کے سبب یہ بیع غیر لازم ہے۔

اور امام محمد کے قول کے مطابق فسخ کا حق اس شخص کے لئے ہے جس کے لئے شرط کا نفع ہو، اس لئے کہ وہی اس مفسد کو ساقط کر کے عقد کو صحیح بنانے پر قادر ہے۔ اگر دوسرا اس کو فسخ کر دے تو اپنے ذمہ دوسرے حق کو باطل کر دے گا اور یہ ناجائز ہے<sup>(۱)</sup>۔

بیع فاسد کے فسخ کا طریقہ:

۲۸- بیع فاسد دو طریقے سے فسخ ہوتی ہے:

اول: قول کے ذریعہ یعنی جس کو فسخ کا اختیار ہے وہ یہ کہے: میں نے عقد فسخ کر دیا یا رد کر دیا یا توڑ دیا، اس طرح سے عقد فسخ ہو جائے گا، اور اس میں قاضی کے فیصلے یا فروخت کرنے والے کی رضامندی کی ضرورت نہیں، خواہ قبضہ سے قبل ہو یا قبضہ کے بعد، اس لئے کہ استحقاق فسخ فساد کو ختم کرنے کے لئے ثابت ہے۔ اور فساد کو ختم کرنا اللہ تعالیٰ کا حق ہے، لہذا تمام لوگوں کے حق میں ظاہر ہوگا اور قاضی کے فیصلے یا بیچنے والے کی رضامندی پر موقوف نہ ہوگا<sup>(۲)</sup>۔

دوم: فعل کے ذریعہ، یعنی بیع بائع کو کسی بھی طریقہ سے مثلاً بہہ یا صدقہ یا اعارہ یا بیع یا اجارہ کے ذریعہ لوٹا دے۔ اگر ایسا کر لیا اور بیع بائع کے ہاتھ میں حقیقتاً آگئی یا حکماً مثلاً تخلیہ، تو یہ بیع کو ترک کرنا ہے

(۱) رد المحتار ۴/۱۲۵، البدائع ۵/۳۰۰، تبیین الحقائق ۳/۶۳۔

(۲) البدائع ۵/۳۰۰۔

## بیع فاسد ۳۱-۳۲

کے مقابل میں آئے تو اللہ کے حکم سے حق العبد کو مقدم کیا جاتا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے، اس کا دامن عفو وسیع ہے جبکہ بندہ ہمیشہ اپنے رب کا محتاج ہوتا ہے۔

ج: نیز اس لئے کہ عقد اول اصل کے لحاظ سے مشروع ہے وصف کے لحاظ سے نہیں، جبکہ عقد دوم، اصل و وصف دونوں لحاظ سے مشروع ہے، لہذا محض وصف اس کا معارض نہیں ہوگا۔

د: نیز اس لئے کہ بیع دوم بائع اول کی طرف سے مسلط کرنے کی وجہ سے وجود میں آئی ہے، اس لئے کہ اس کی طرف سے تملیک (قبضہ کی اجازت کے ساتھ) تصرف کرنے پر مسلط کرنا ہے، لہذا وہ دوسرے خریدار سے واپس نہیں لے سکتا، ورنہ وہ اپنی طرف سے مکمل شدہ چیز کو توڑنے کی کوشش کرنے والا ہوگا، اور یہ مناقضہ کا سبب ہے<sup>(۱)</sup>۔

۳۲- حنفیہ نے اس سے اجارہ کو مستثنیٰ کیا ہے، اور انہوں نے طے کیا ہے کہ اجارہ بیع فاسد کے فسخ کرنے سے مانع نہیں، اس لئے کہ اجارہ اعذار کی بنا پر فسخ ہو جاتا ہے اور فساد کو ختم کرنا اعذار میں سے ہے، بلکہ فساد سے زیادہ قوی کوئی عذر ہی نہیں، جیسا کہ کاسانی کہتے ہیں<sup>(۲)</sup>۔

نیز اس لئے (جیسا کہ مرغینانی کہتے ہیں) کہ اجارہ رفتہ رفتہ منعقد ہوتا ہے، لہذا اس کو رد کرنا امتناع (گریز کرنا) ہوگا<sup>(۳)</sup>۔

حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ حق فسخ کے استعمال سے جو چیز مانع ہے اگر وہ زائل ہو جائے (مثلاً بیہ کرنے والا اپنے بیہ کو واپس لے لے، یا رہن رکھنے والا اپنے رہن کو چھڑا لے) تو حق فسخ لوٹ آتا

اس کی ملکیت سے خارج ہوگئی<sup>(۱)</sup>۔

یا اس کو بیہ کر کے حوالہ کر دے، اس لئے کہ بیہ سپردگی کے بغیر ملکیت کا فائدہ نہیں دیتا، برخلاف بیع کے۔

یا اس کو رہن رکھ کر حوالہ کر دے، اس لئے کہ سپرد کئے بغیر رہن لازم نہیں ہوتا۔

یا اس کو صحیح طور پر وقف کر دے، اس لئے کہ وقف کر کے اس نے اس کو خرچ کر دیا، اور اپنی ملکیت سے خارج کر دیا<sup>(۲)</sup>۔

یا اس کی وصیت کر کے مر گیا، اس لئے کہ وہ اس کی ملکیت سے موصی لہ (جس کے لئے وصیت کی گئی ہے) کی ملکیت میں منتقل ہو جائے گی، اور یہ نئی ملک ہے، لہذا یہ اس کو فروخت کرنے کی طرح ہو گیا۔

یا اس کو صدقہ کر کے سپرد بھی کر دے، اس لئے کہ سپرد کئے بغیر وہ صدقہ کرنے والے کی ملکیت سے خارج نہیں ہوتا<sup>(۳)</sup>۔

اسی طرح آزاد کرنے سے بھی حق فسخ ختم ہو جاتا ہے، کیونکہ اس کی قوت، سرایت اور اس کی طرف شارع کی توجہ و رغبت کے سبب، اس کو مستثنیٰ کیا ہے<sup>(۴)</sup>۔

۳۱- ان تمام صورتوں میں بیع فاسد نافذ ہو جاتی ہے، اس کو فسخ کرنا محال ہے، اس کی دلیل یہ ہے:

الف: اس لئے کہ خریدار اس کا مالک ہو گیا، لہذا اس میں تصرف کا بھی مالک ہو گیا۔

ب: اس لئے کہ دوسرے عقد کے سبب بندہ کا حق متعلق ہو گیا، اور پہلے عقد کو فسخ کرنا محض حق اللہ کے لئے تھا، اور حق العبد، حق اللہ

(۱) تبیین الحقائق ۳/۶۳، الدسوقی ۳/۴۳۔

(۲) الاقویار ۳/۲۳، ۲۳، ابن عابدین ۳/۱۲۶۔

(۳) الدر المختار و رد المحتار ۳/۱۲۶، ۱۲۷۔

(۴) الاقویار ۳/۲۳، ۲۳، ابن عابدین ۳/۱۲۶۔

(۱) الہدایہ فی فسخ القدر ۶/۹۹، ۹۹، نیز دیکھئے تبیین الحقائق ۳/۶۳، ۶۵۔

(۲) بدائع الصنائع ۵/۳۰۱، نیز دیکھئے الدر المختار و رد المحتار ۳/۱۲۷۔

(۳) الہدایہ مع شروح ۵/۱۰۰۔

## بیع فاسد ۳۳-۳۵

۳۴- موانع فسخ میں سے بیع میں اضافہ یا اس میں نقص ہونا ہے:  
الف- اضافہ: حنفیہ کا فیصلہ ہے کہ بیع کے ساتھ متصل اضافہ جو اس سے پیدا شدہ نہ ہو، مثلاً بیع کپڑا تھا اس کو سل دیا یا کپڑا تھارنگ دیا یا گیہوں تھا اس کو پیس دیا یا روٹی تھی اس کا سوت کات دیا اور اس جیسی تمام صورتوں میں فسخ ممنوع ہو جاتا ہے اور خریدار پر بیع کی قیمت لازم ہو جاتی ہے۔

رہا وہ متصل اضافہ جو پیدا شدہ ہے مثلاً بیع کامونا ہونا یا منفصل اضافہ جو پیدا شدہ ہو مثلاً اولاد، اور منفصل اضافہ جو پیدا شدہ نہ ہو مثلاً کمائی اور ہبہ، تو یہ سب مانع فسخ نہیں (۱)۔

ب: بیع میں نقص: حنفیہ نے بیان کیا ہے کہ اگر خریدار کے قبضہ میں بیع میں نقص پیدا ہو جائے تو رد کرنے کا اس کا حق ختم نہ ہوگا، اور فسخ کرنا ممنوع نہیں ہے، البتہ اگر اس کے قبضہ میں رہتے ہوئے اسی کے فعل سے نقص پیدا ہوا ہو یا بذات خود بیع کے فعل سے یا ساوی آفت سے تو بائع اسے خریدار سے لے لے گا، اور اس کو نقص کے تاوان کا ضامن بنائے گا، اور اگر خریدار کے قبضہ میں رہتے ہوئے بائع کے فعل سے نقص پیدا ہوا تو اس کی وجہ سے بائع کو بیع واپس لینے والا گردانا جائے گا، اور اگر کسی اجنبی کے فعل سے نقص پیدا ہوا ہو تو بائع کو اختیار ہوگا کہ اس کو خریدار سے لے یا جنایت کرنے والے سے لے (۲)۔

۳۵- حنفیہ میں سے زیلعی نے واپسی اور فسخ کے حق کو ممنوع قرار دینے والے انحال کا ضابطہ لکھتے ہوئے کہا: اگر خریدار بیع میں ایسا کام کر دے، جس کی وجہ سے غصب کی صورت میں مالک کا حق ختم ہو جاتا ہے، تو اس کی وجہ سے مالک کا واپس لینے کا حق بھی ختم

ہے، اس لئے کہ یہ عقود سب کے حق میں ہر طرح سے فسخ کے موجب نہیں۔

لیکن شرط یہ ہے کہ یہ قیمت یا مثل کا فیصلہ ہونے سے قبل ہو، اس کے بعد نہ ہو، اس لئے کہ قاضی کا یہ فیصلہ اس مال میں فروخت کرنے والے کے حق کو ختم کر دیتا ہے، اور اس کے حق کو شارع کے حکم سے قیمت یا مثل میں منتقل کر دیتا ہے، لہذا اس کا عین میں حق لوٹ کر نہیں آئے گا، گو کہ سبب اٹھ جائے جیسا کہ اس صورت میں ہوتا ہے جب غاصب کے خلاف غصب کردہ مال گم ہونے کی وجہ سے قیمت کا فیصلہ کر دیا جائے پھر غصب کردہ مال مل جائے (۱)۔

دوسری صورت: بیع فاسد کی بیع میں کئے جانے والے تصرفات:

۳۳- مثلاً تعمیر کرنا، درخت لگانا۔ اگر خریدار شرعاً فاسد کے طور پر خریدی ہوئی زمین پر تعمیر کر دے یا کوئی درخت لگا دے تو:

امام ابو حنیفہ کی رائے ہے کہ تعمیر کرنے اور درخت لگانے کی وجہ سے فسخ ممنوع ہو جائے گا، اس لئے کہ یہ دونوں چیزیں امام صاحب کے نزدیک استہلاک (خرچ کرنا) ہیں، کیونکہ یہ دونوں چیزیں ہمیشہ کے لئے کی جاتی ہیں، اور یہ دونوں چیزیں فروخت کرنے والے کی طرف سے مسلط کرنے کی وجہ ہوں، لہذا ان دونوں کے سبب لوٹانے کا حق ختم ہو جائے گا جیسا کہ بیع۔

صاحبین کی رائے ہے کہ تعمیر اور شجر کاری فسخ سے مانع نہیں ہیں، بائع کو حق ہے کہ ان دونوں کو توڑ کر بیع واپس لے لے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حق شفعہ (اگرچہ ضعیف ہے)، تعمیر اور شجر کاری کی وجہ سے باطل نہیں ہوتا تو یہ بدرجہ اولیٰ باطل نہ ہوگا (۲)۔

(۱) الدر المختار و رد المحتار ۱۳۱/۳۔

(۲) حوالہ سابق۔

(۱) الدر المختار و رد المحتار ۱۳۱/۳، ۱۳۸/۱۲۔

(۲) الدر المختار و رد المحتار ۱۳۱/۳، تبیین الحقائق مع حاشیہ اہلئہ ۶۵/۳۔

## بیع فاسد ۳۶-۳۷

کی تصحیح ممکن ہے، مثلاً غیر مؤقت خیاری کی شرط کے ساتھ بیع یا ایسے خیاری مؤقت کی شرط کے ساتھ بیع جس کا وقت مجہول ہو، مثلاً کٹائی اور بوائی اور مثلاً ایسے مؤخر ثمن کے بدلہ فروختگی جس کی مدت مجہول ہو، اجل جس کا حق ہے اس نے وہ وقت آنے سے پہلے اور بیع کو فسخ کرنے سے پہلے اجل کو ساقط کر دیا تو جائز ہوگی، کیونکہ مفسد زائل ہو گیا اگرچہ اسقاط اجل جدا ہونے کے بعد ہو، جیسا کہ ابن عابدین نے لکھا ہے۔ اسی طرح تمام فاسد بیوع مفسد کے حذف کرنے سے جائز ہو جاتی ہیں، چنانچہ چھت میں نصب کڑی کی بیع فاسد ہے، اسی طرح کپڑے میں سے ایک ذراع اور تلوار کی زینت کی بیع فاسد ہے، اس لئے کہ وہ ضرر جس کا اسے حق نہیں ہے اس کے بغیر بیع کو حوالہ کرنا ممکن نہیں ہے، لیکن اگر اس کو فسخ کرنے سے قبل اکھاڑ کر خریدار کے حوالے کر دے تو جائز ہے، اور خریدار کے لئے گریز کرنے کا حق نہیں۔ دو کپڑوں میں سے ایک کپڑے کی بیع فاسد ہے، کیونکہ بیع مجہول ہے، لیکن اگر کہے ان میں سے جس کو چاہے لے لے تو عدم نزاع کے سبب جائز ہے<sup>(۱)</sup>۔ اور اگر اس شرط پر بیع کی کہ خریدار اس کو رہن دے گا، اور رہن معین یا مقرر نہ ہو تو بیع فاسد ہے، البتہ اگر وہ دونوں مجلس میں تعیین رہن پر راضی ہو جائیں اور دونوں کے جدا ہونے سے قبل خریدار نے رہن اس کے پاس پہنچا دی یا خریدار نے ثمن فوراً دے دیا تو اجل باطل ہے، اور بیع فساد کے ختم ہونے کی وجہ سے استحساناً جائز ہو جائے گی<sup>(۲)</sup>۔

یہ سب اکثر فقہاء حنفیہ کے نزدیک ہے، اس میں امام زفر کا اختلاف ہے، کیونکہ انہوں نے کہا: بیع جب فساد کے ساتھ منعقد ہوگی تو اس کے بعد سبب فساد کو دور کر کے اس کے جائز ہونے کا امکان نہیں

(۱) البدائع ۵/۷۸، ابن عابدین ۳/۱۱۹، الاقویار ۲/۲۵، ۲۶۔

(۲) الفتاویٰ الہندیہ ۳/۱۳۳۔

ہو جائے گا، مثلاً گیبوں ہواں کو پیش دے<sup>(۱)</sup>۔

سوم۔ (بیع فاسد کے احکام میں سے) بیع فاسد کے بیع اور ثمن میں نفع کا حکم:

۳۶- فقہاء حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ ثمن میں ہونے والا نفع بائع کے لئے حلال ہے، اور بیع میں ہونے والا نفع خریدار کے لئے حلال نہیں، لہذا اگر کوئی چیز کسی سے بیع فاسد کے طور پر مثلاً ایک ہزار درہم میں خریدی، اور دونوں نے قبضہ کر لیا، اور اپنے اپنے مقبوضہ میں ہر ایک کو نفع ہوا تو ”عین“ (چیز) پر قبضہ کرنے والا نفع کو صدقہ کر دے، اس لئے کہ وہ تعیین سے متعین ہو جاتی ہے، اس لئے اس میں خباثت مستحکم ہو چکی ہے اور جس نے درہم پر قبضہ کیا اس کے لئے نفع حلال ہے، اس لئے کہ ”نقد“ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا<sup>(۲)</sup>۔

اس فرق کا حاصل یہ ہے کہ اگر بیع مقایضہ (عین کی عین سے بیع) ہو تو دونوں میں سے کسی کے لئے نفع حلال نہیں، اس لئے کہ بیع اور ثمن میں سے ہر ایک اعتبار سے بیع ہے، اس لئے ان دونوں میں ایک ساتھ خباثت مستحکم ہوگی ہے<sup>(۳)</sup>۔

چہارم۔ بیع فاسد کا تصحیح کو قبول کرنا:

۳۷- بیع فاسد میں فساد ضعیف ہو گا یا قوی:

الف: اگر فساد ضعیف ہو، یعنی صلہ عقد میں داخل نہ ہو تو اس

(۱) تمہین الخلق ۳/۶۵۔

(۲) سببیہ حنفیہ کے نزدیک بیع فاسد میں نقد کی تعیین کے بارے میں دو روایتیں ہیں، لیکن اگر بیع فاسد میں درہم پر قبضہ کرنے والے نے تجارت کی، اور دوسرے عقد میں اس کو نفع ہوا تو نفع اس کے لئے حلال ہے اس میں ایک ہی روایت ہے، کیونکہ عقد غبی میں نقد متعین نہیں ہوتا (دیکھئے ابن عابدین ۳/۱۲۹)۔

(۳) ابن عابدین ۳/۱۲۹۔

## بیع فاسد ۳۸-۴۰

الف: اگر خریدار کے قبضہ میں رہتے ہوئے خریدار کے فعل یا بذات خود بیع کے فعل یا سواوی آفت سے بیع میں نقص پیدا ہو تو نقص کے تاوان کا خریدار کو ضامن قرار دینے کے ساتھ بائع اس کو لے لے گا۔

ب: اگر نقص بائع کے فعل سے ہو تو اس کی وجہ سے وہ بیع کو واپس لینے والا ہو گیا، حتیٰ کہ اگر بیع خریدار کے پاس ہلاک ہو جائے، اور اس کی طرف سے بائع پر کوئی رکاوٹ اور پابندی نہیں پائی گئی تو بائع کا مال ہلاک ہوگا۔

ج: اگر اجنبی کے فعل سے نقص پیدا ہو تو بائع کو اختیار دیا جائے گا کہ:

اگر چاہے تو اس کو خریدار سے لے، پھر خریدار مجرم سے وصول کرے۔

اور اگر چاہے تو مجرم کے پیچھے لگے اور وہ خریدار سے وصول نہیں کرے گا<sup>(۱)</sup>۔

## ششم- بیع فاسد میں خیار کا ثبوت:

۴۰- حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ بیع فاسد میں خیار شرط ثابت ہوتا ہے، جیسا کہ بیع جائز میں ثابت ہوتا ہے، چنانچہ اگر غلام کو ایک ہزار درہم اور ایک رطل شراب میں فروخت کیا، اس شرط کے ساتھ کہ اس کے لئے خیار ہے، اور خریدار نے بائع کی اجازت سے اس پر قبضہ کر لیا، اور تین دنوں کے اندر اس کو آزاد کر دیا تو اس کا آزاد کرنا نافذ نہ ہوگا، اور اگر بائع کے لئے خیار شرط نہ ہوتا تو قبضہ کے بعد خریدار کا آزاد کرنا نافذ ہوتا۔ ابن عابدین نے کہا: اس کا حاصل یہ ہے کہ مدت خیار کے گزرنے کے بعد اس کا آزاد کرنا درست ہے، کیونکہ خیار ختم ہو گیا، اور یہ ظاہر ہے۔

(۱) رد المحتار ۳/۱۲۵۔

ہے، کیونکہ اس میں استحالہ (ایک حالت سے دوسری حالت میں بدلنا) ہے۔

ب: اگر فساد قوی ہو اس طرح کہ صلب عقد یعنی (بدل یا مبدل) میں ہو، تو سبب فساد کو ختم کرنے سے بالاتفاق جواز کا احتمال نہیں۔ مثلاً کوئی عین ایک ہزار درہم اور ایک رطل خمر میں فروخت کیا، پھر خریدار سے خمر کو ساقط کر دیا تو یہ بیع فاسد ہے، اور صحیح نہ ہوگی<sup>(۱)</sup>۔

## پنجم- بیع کے ہلاک ہونے پر ضمان:

۳۸- فقہاء کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ بیع فاسد کی بیع اگر خریدار کے قبضہ میں رہتے ہوئے ہلاک ہو جائے تو اس کا ضمان خریدار پر ثابت ہے، یعنی اگر وہ مثلی (کیلی یا وزنی یا عددی) ہو تو مثل لوٹائے گا، اور اگر ذوات التیم میں سے ہو تو قیمت لوٹائے گا، خواہ کتنی ہی ہو، خواہ ثمن سے زیادہ ہو یا اس سے کم یا اس کے برابر۔

ذوات التیم میں جمہور حنفیہ کے نزدیک قبضہ کے دن کی قیمت واجب ہے، اس لئے کہ قبضہ کی وجہ سے وہ اس کے ضمان میں داخل ہوئی ہے، لہذا وہی دن معتبر ہوگا جس دن ضمان کا سبب منعقد ہوا ہے<sup>(۲)</sup>۔

امام محمد کے نزدیک اتلاف (ہلاک کرنے) کے دن کی قیمت کا اعتبار ہے، اس لئے کہ اتلاف کی وجہ سے مثل یا قیمت کا ثبوت ہو جاتا ہے<sup>(۳)</sup>۔

۳۹- اگر بیع فاسد کی بیع میں خریدار کے قبضہ میں رہتے ہوئے نقص پیدا ہو جائے تو اس نقص کے ضمان کی حسب ذیل صورتیں ہیں:

(۱) البدائع ۵/۷۸۔

(۲) الدر المختار ۳/۱۲۵، کتایب المطالب ۲/۱۲۸۔

(۳) رد المحتار ۳/۱۲۵۔

## بیع فاسدہ ۴۰، بیع الفضولی ۱

بیع فاسد کی بیع میں جس طرح خیار شرط ثابت ہوتا ہے اسی طرح خیار عیب بھی ثابت ہوتا ہے، اور خریدار کو اختیار ہے کہ قبضہ کے بعد عیب کے سبب قاضی کے فیصلہ سے یا اس کے بغیر اس کو واپس کر دے<sup>(۱)</sup>۔

## بیع الفضولی

### تعریف:

۱- بیع لغت میں: کسی چیز کا کسی چیز سے تبادلہ کرنا ہے۔

اور شرع میں: مال منقوم کا مال منقوم سے مالک بننے اور بنانے کے لئے تبادلہ کرنا ہے<sup>(۱)</sup>۔

فضولی لغت میں: وہ شخص ہے جو لایعنی چیزوں میں مشغول ہو۔ اور اصطلاح میں: فضولی وہ شخص ہے جو عقد میں نہ ولی ہو، نہ اصیل ہو اور نہ وکیل ہو<sup>(۲)</sup>۔

”العنایہ“ میں ہے: فضولی: فاء کے ضمہ کے ساتھ ہی ہے، اور فضل کے معنی: زیادتی کے ہیں، مفرد لفظ ”فضل“ کے بجائے جمع کا لفظ ”فضول“ ہی ایسی چیز کے لئے عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے جس میں کوئی خیر نہ ہو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو لایعنی چیزوں میں مشغول رہے اس کو فضولی کہتے ہیں، اور فقہاء کی اصطلاح میں فضولی وہ ہے جو وکیل نہ ہو<sup>(۳)</sup>۔

تبیین الحقائق پر شلہی کے حاشیہ میں آیا ہے: حاشیہ ابن عابدین میں ہے کہ فضولی وہ ہے جو دوسرے کے حق میں شرعی



(۱) لسان العرب، القاموس المحیط، الصحاح، المصباح لمیر مادہ ”فضل“، التعریقات للبحر جانی۔

(۲) المصباح مادہ ”فضل“، التعریقات للبحر جانی۔

(۳) العنایہ علی الہدایہ صدر ہاشم فتح القدیر ۵/۳۰۹، طبع و امیر المصباح مادہ ”فضل“۔

(۱) الفتاویٰ الہندیہ ۳۹/۳، رد المحتار ۳/۱۲۳، ۱۲۶۔



## بیع الفضولی ۲-۴

دوم: بیع ممنوع اور باطل ہے۔

رہا فضولی کا خریداری کرنا تو کچھ فقہاء اس کو جائز قرار دیتے ہیں اور بیع کی طرح اجازت پر موقوف قرار دیتے ہیں، کچھ فقہاء اس کو اس طرح سے نہیں قرار دیتے جبکہ بعض اس میں تفصیل کرتے ہیں۔

دلایل:

۴- بیع فضولی کے جواز کے قائلین کا استدلال اس فرمان باری سے ہے: ”وَتَعَاوَنُوا عَلٰی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی“<sup>(۱)</sup> (ایک دوسرے کی مدد نیکی اور تقویٰ میں کرتے رہو)، اور اس میں اپنے مسلمان بھائی کا تعاون ہے<sup>(۲)</sup>۔

نیز ان کا استدلال حضرت عروہ بن ابوالجعد باری کی حدیث سے ہے، وہ حدیث یہ ہے: ”أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَعْطَاهُ دِينَارًا لِيَشْتَرِيَ لَهُ بِه شَاةً، فَاشْتَرَى لَهُ بِه شَاتَيْنِ، فَبَاعَ إِحْدَاهُمَا بِدِينَارٍ، فَجَاءَ بِدِينَارٍ وَشَاةً، فِدْعَا لَهُ بِالْبُرْكَاةِ فِي بَيْعِهِ، وَكَانَ لَوْ اشْتَرَى التَّرَابَ لَرُبِحَ فِيهِ“<sup>(۳)</sup> (نبی اکرم ﷺ نے ان کو ایک دینار دیا تاکہ آپ کے لئے ایک بکری خریدیں، انہوں نے اس دینار سے دو بکریاں خریدیں، پھر ان میں سے ایک بکری کو ایک دینار میں فروخت کر دیا، اور ایک دینار و ایک بکری لے کر آئے تو حضور ﷺ نے ان کے لئے بیع میں برکت کی دعا فرمائی۔ چنانچہ وہ اگر مٹی خریدتے تو بھی اس میں نفع ہوتا)۔

نیز حضرت حکیم بن حزام کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی

اجازت کے بغیر تصرف کرے، مثلاً اجنبی شادی کرائے یا بیع کرے، واحد (فصل) کی طرف نسبت نہیں آئی ہے کہ کوہ قیاس یہی تھا کہ واحد کی طرف نسبت ہو، کیونکہ غلبہ استعمال کی وجہ سے اس مفہوم کے لئے ”علم، علم بن کر انصاری اور اعرابی کی طرح ہو گیا ہے“<sup>(۱)</sup>۔

لفظ فضولی فقہاء کے نزدیک ہر اس شخص کو شامل ہے جو ملکیت، ولایت اور وکالت کے بغیر تصرف کرے، مثلاً غاصب، مال مغصوب میں بیع وغیرہ کا تصرف کرے، اور وکیل اگر اپنے مؤکل کے حکم کے خلاف بیع یا شراء یا تصرف کرے، تو اس کو بھی اس مخالفت کے سبب فضولی مانا جائے گا، اس لئے کہ وہ اپنے مؤکل کی طے کردہ حدود سے آگے بڑھ گیا ہے۔

شرعی حکم:

۲- جو فقہاء بیع فضولی کو باطل سمجھتے ہیں ان کی رائے کا تقاضا ہے کہ بیع فضولی کا اقدام کرنا حرام ہو، اس لئے کہ یہ باطل معاملات کا سبب بنتا ہے۔ اور جو فقہاء اس کو صحیح سمجھتے ہیں یعنی حنفیہ و مالکیہ، ان میں مالکیہ نے صراحت کی ہے کہ مالک کی مصلحت کے بغیر بیع فضولی حرام ہے، ہاں اگر کسی مصلحت کی وجہ سے ہو، مثلاً تلف یا ضیاع کا خوف ہو تو حرام نہیں، بلکہ بسا اوقات مندوب ہوتی ہے۔

شرعی حکم کے بارے میں حنفیہ کی صراحت ہم کو نہیں ملی۔

اجمالی حکم:

۳- بیع فضولی کے بارے میں فی الجملہ فقہاء کے دو نقطہ ہائے نظر ہیں:

اول: بیع جائز ہے اور مالک کی اجازت پر موقوف ہے۔

(۱) سورۃ مائدہ ۲/۴۔

(۲) المجموع ۲/۶۲، طبع التقریب، الفروق للقرنی ۳/۳۳۳، طبع دار المعرفہ۔

(۳) حدیث: ”عروۃ بن ابی الجعد.....“ کی روایت بخاری (فتح الباری

۶/۳۳۲، طبع المیاض) نے کی ہے۔

(۱) حاشیہ اعلیٰ علی تبیین الحقائق ۳/۱۰۳، طبع دار المعرفہ، حاشیہ ابن ماجہ بن

۱۳۵، طبع مصریہ۔

## بیع الفضولی ۵

میرے پاس آتا ہے اور ایسی چیز فروخت کرنے کی درخواست کرتا ہے جو میرے پاس موجود نہیں، کیا میں اس کے لئے بازار سے خرید لوں، پھر اس کو فروخت کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”لا تبیع مالیس عندک“<sup>(۱)</sup> (جو چیز تمہارے پاس نہیں، اس کو فروخت نہ کرو)۔

نیز حضرت عمرو بن شعیب کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضرت عمرو نے فرمایا: مجھ سے میرے والد نے، ان سے ان کے والد نے بیان کیا یہاں تک حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا ذکر کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لا یحل سلف و بیع، ولا شرطان فی بیع، ولا ربح مال م یضمن، ولا بیع مالیس عندک“<sup>(۲)</sup> (ایک ساتھ ادھار اور فروختگی جائز نہیں، اور نہ ہی فروختگی میں دو شرطیں جائز ہیں، اور نہ اس چیز کا نفع حلال ہے جو ضمان میں نہ ہو اور نہ اس چیز کا بیچنا جائز ہے جو تمہارے پاس نہیں ہے)۔

نیز حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”لا ینتقل الا فیما تملک، ولا یعتق الا فیما تملک، ولا یبیع الا فیما تملک“<sup>(۳)</sup> (طلاق نہیں مگر اس میں جس کے تم مالک ہو، حق نہیں مگر اس میں جس کے تم مالک ہو، اور بیع نہیں مگر اس میں جس

(۱) تخریج الاحوذی ۳/۳۳۰ طبع دوم، المجموع ۸/۲۶۳ طبع الاستیعاب، کشف القناع ۳/۱۵۷ طبع المنصر۔

حدیث حکیم بن حزامؓ ”لا بیع مالیس عندک.....“ کی روایت ترمذی (تخریج الاحوذی ۳/۳۳۰) نے کی ہے ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے۔  
(۲) تخریج الاحوذی ۳/۳۳۱، ۳۳۲ طبع دوم۔

حدیث عمرو بن شعیبؓ ”لا یحل سلف و بیع.....“ کی روایت ترمذی (۳/۵۳۵ طبع المنصر) نے کی ہے ترمذی نے کہا ”حسن صحیح ہے۔“  
(۳) المجموع ۸/۲۶۳، ۲۶۳ طبع الاستیعاب۔

حدیث عمرو بن شعیبؓ ”لا ینتقل الا فیما تملک.....“ کی روایت ابوداؤد (۳/۶۳۰ طبع عزت عبید دھاس) اور ترمذی (۳/۸۶۸ طبع المنصر) نے کی ہے الفاظ ابوداؤد کے ہیں ترمذی نے کہا ”حدیث حسن ہے اور یہ اسباب کی تمام روایات سے احسن ہے۔“

کریم ﷺ نے ان کو ایک دینار میں قربانی کا جانور خریدنے کے لئے بھیجا، انہوں نے قربانی کا جانور خریدا، اور اس میں ایک دینار نفع کمایا، پھر اس کی جگہ دوسرا جانور خریدا، اور قربانی کا جانور اور دینار خدمت نبوی میں لائے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: ”ضح بالشاة وتصدق بالمدینار“<sup>(۱)</sup> (بکری کی قربانی کر دو، اور دینار کو صدقہ کر دو)۔

رسول اللہ ﷺ نے اس بیع کو جائز قرار دیا۔ اگر باطل ہوتی تو اس کو رد کر دیتے، اور ایسی بیع کرنے والے پر نکیر فرماتے، نیز اس لئے کہ یہ تصرف تملیک ہے جو اس تصرف کے ”اہل“ کی طرف سے صادر ہوا ہے، لہذا اس کے منعقد ہونے کا قائل ہونا واجب ہے، کیونکہ مالک کو اس میں کوئی ضرر نہیں، اس لئے کہ اس کو اختیار حاصل ہے، بلکہ اس میں اس کا نفع ہے کہ وہ خریدار کی تلاش اور دشمن کے فرار (یعنی مطالبہ) وغیرہ کا بوجھ خود اٹھالینا ہے، اور اس میں عائد کا بھی نفع ہے، اس لئے کہ اس کے کام کو لغو کرنے سے بچاتا ہے۔ اور اس میں خریدار کا بھی نفع ہے، اس لئے کہ اس نے اس کا اقدام خوشی سے کیا ہے، انہی وجوہ کے سبب شرعی قدرت ثابت ہے<sup>(۲)</sup>۔

۵- عدم جواز کے قائلین کا استدلال، حکیم بن حزام کی اس روایت سے ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: ایک شخص

(۱) تبیین الحقائق ۳/۱۰۳ طبع دار المعرف، المجموع ۸/۲۶۳ طبع الاستیعاب، سنن البیہقی ۱/۱۱۳ طبع اول۔

حدیث حکیم بن حزامؓ ”ضح بالشاة.....“ کی روایت ترمذی (تخریج الاحوذی ۳/۵۳۵) نے کی ہے ترمذی نے کہا ہم اس کو صرف اسی طریق سے جانتے ہیں، میرے نزدیک حبیب بن ابی ثابت کا حکیم بن حزام سے سماع نہیں۔

(۲) فتح القدیر ۵/۳۱۰ طبع و امیر البحر الرائق ۱/۱۶۰ طبع المطبعیہ، تبیین الحقائق ۳/۱۰۳، ۱۰۳ طبع دار المعرف۔

## بیع الفضولی ۶-۸

کے تم مالک ہو۔) جدید اور امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ بیع صحیح ہے، البتہ مالک کی اجازت پر موقوف ہوگی۔

امام شافعی کا دوسرا جدید قول اور امام احمد سے دوسری روایت یہ ہے کہ بیع باطل ہے (۱)۔

۸- یہ سب صرف اجمالی بات ہے، اس لئے کہ حنفیہ بیع فضولی کے نفاذ کے لئے کچھ شرائط ذکر کرتے ہیں جو یہ ہیں: ملکیت کا باقی رہنا اور بقاء ملکیت کا تحقق دونوں عقد کرنے والوں یعنی فروخت کنندہ اور خریدار کی بقا سے ہوتا ہے، اور معتق و علیہ کا بغیر تبدیلی کے باقی رہنا، اس لئے کہ اجازت عقد میں تصرف ہے، لہذا عقد کی بقاء ضروری ہے، اور عقد کی برقراری دونوں عقد کرنے والوں اور محل عقد کی برقراری سے ہوتی ہے، جیسا کہ یہی حال عقد کو وجود میں لانے میں ہے، نیز حنفیہ کے یہاں یہ بھی شرط ہے کہ فضولی اس شے کو اس شرط پر نہ بیچے کہ وہ اس کی ذاتی ہے۔ رہائش تو حنفیہ کے یہاں اس کا قیام و بقاء شرط ہے اگر وہ سامان ہو، اس لئے کہ سامان تعین سے متعین ہو جاتا ہے، لہذا وہ بیع کی طرح ہو گیا، لیکن اگر ثمن دین ہو تو حنفیہ نے اس کے برقرار رہنے کی شرط نہیں لگائی ہے۔

نیز حنفیہ نے یہ بھی شرط لگائی کہ مالک اول بیعت کے لئے عقد بیع کی گئی ہے وہ باقی ہو، ساتھ ہی ساتھ اس کو اجازت کے وقت بیع کی حالت کا (کہ موجود ہے یا نہیں) علم ہو، اس لئے کہ عقد اس کی

یہ احادیث دلالت کرتی ہیں کہ فضولی شخص کی بیع باطل ہے، اس لئے کہ یہ ملکیت، اجازت، ولایت اور وکالت کے بغیر تصرف ہے۔

نیز اس لئے کہ اس نے ایسی چیز فروخت کی جس کے سپرد کرنے پر قادر نہیں، اس لئے صحیح نہیں، جیسا کہ بھگوڑے غلام، پانی میں مچھلی اور فضا میں پرندے کی بیع (۱)۔

ذیل میں فضولی کے تصرف کے بارے میں مذاہب کی تفصیل ہے:

## الف- بیع میں فضولی کا تصرف:

۶- فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بیع کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ بیع فروخت کرنے والے کی ملکیت ہو یا فروخت کرنے والے کو اس پر ولایت یا وکالت حاصل ہو جو اس میں اس کے تصرف کا جواز پیدا کرے، نیز فضولی کی بیع کی صحت پر اتفاق ہے اگر مالک حاضر ہو اور بیع کی اجازت دے دے، اس لئے کہ اس صورت میں فضولی وکیل کی طرح ہو جائے گا۔

اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ اگر بیع کا مالک اجازت دینے کا اہل نہ ہو، مثلاً فر و خنگلی کے وقت وہ مانع بچہ ہو تو فضولی کی بیع درست نہیں ہے۔

۷- بیع فضولی کے بارے میں اختلاف اس صورت میں ہے جب مالک تصرف کا اہل ہو، اور اس کے غائبانہ میں اس کا مال فروخت کیا گیا یا اس کی موجودگی میں فروخت کیا گیا اور وہ خاموش رہا تو کیا بیع فضولی صحیح ہوگی یا نہیں؟

حنفیہ و مالکیہ کا مذہب، امام شافعی کا قول قدیم اور ایک قول

(۱) مغنی المحتاج ۱۵/۳ طبع المجلدی، المجموع ۲/۶۱، ۲/۶۲ طبع الاستیعاب۔

(۱) بدائع الصنائع ۱۳/۵ طبع الجمالی، تمہین الحقائق ۳/۱۰۲، ۱۰۳ طبع دار المعرف، ابن عابدین ۱۳/۶، فتح القدر ۳۰۹/۵ طبع الامیریہ، حاشیہ الدسوقی ۱۳/۲ طبع الملک سواہب، الجلیل ۳/۲۹، ۲۷۰ طبع انوار، الخرشنی ۱۸/۵ طبع دار صادر، روضۃ الطالبین ۳/۵۳ طبع المکتب الاسلامی، تحت المحتاج ۳/۲۳، ۲۳ طبع دار صادر، المجموع ۲/۵۹، ۲/۵۹ طبع الاستیعاب، القناع ۳/۱۵ طبع البصر، الانصاف ۳/۲۸۳ طبع التراث، الفروع ۳/۶۱، ۳/۶۲ طبع اول المنار۔

## بیع الفضولی ۹-۱۱

پانچویں چیز (جس کی بقاء شرط ہے) وہ ثمن ہے جو سامان کی صورت میں ہے۔ اور اگر بیع کا مالک اجازت دے (جبکہ ثمن عرض ہو) تو فضولی دوسرے کے مال کو فروخت کرنے کے سبب سامان کو ایک اعتبار سے خریدنے والا ہو گیا۔ اور خریداری موقوف نہیں ہوتی اگر اس کو نفاذ مل جائے، اس لئے وہ فضولی پر نافذ ہوگی اور وہ سامان کا مالک ہو جائے گا، اور اجازت کا فائدہ یہ ہے کہ اس نے فضولی کو یہ اجازت دے دی کہ خریدے ہوئے اس سامان کا ثمن اپنے مال سے نقد ادا کر دے اور اسی وجہ سے اس کو اجازت عقد کہتے ہیں، گویا اس نے کہا: یہ سامان اپنے لئے خرید لو، اور اس کا ثمن میرے اس مال سے نقد ادا کر دو جو تمہارے اوپر قرض ہوگا، لہذا اگر مثلی ہو تو اس پر مثل، اور اگر ”ذوات التیم“ میں سے ہو مثلاً کپڑے تو اس کی قیمت واجب ہوگی، اس طرح وہ کپڑے کو قرض لینے والا ہو گیا، اور قرض ذوات التیم میں اگر چہ ناجائز ہے، لیکن یہ اس وقت ہے جبکہ قصداً ہو، اور یہاں خریداری کی صحت کے تقاضے کے تحت ضمانتی ثابت ہوا ہے، لہذا اس میں مقتضی کی صحت کی شرائط کی رعایت ہوگی، اور وہ شراہ ہے، کوئی اور چیز نہیں (۱)۔

۱۰- حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ فضولی کو اختیار ہے کہ اپنے اوپر سے دفع ضرر کے لئے مالک کی اجازت سے قبل فسخ کر دے، اس لئے کہ بیع کے حقوق اسی کی طرف لوٹتے ہیں، برخلاف نکاح میں فضولی کے، کیونکہ اس کی حیثیت محض ترجمان کی ہے (۲)۔

۱۱- حنفیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ اجازت کے بعد فضولی کا حکم وکیل کے حکم کی طرح ہو جائے گا، حتیٰ کہ اگر وہ ثمن میں کمی کر دے، پھر مالک بیع کی اجازت دے دے تو بیع بھی ثابت ہوگی اور ثمن کی کمی بھی ثابت

اجازت پر موقوف ہے، لہذا دوسرے کی اجازت سے نافذ نہ ہوگا، لہذا اگر مالک مر جائے تو وارث کی اجازت سے نافذ نہ ہوگا، خواہ ثمن دین ہو یا عرض (سامان) (۱)۔

اگر مالک کو اجازت کے وقت بیع کے حال کا علم نہ ہو (کہ وہ موجود ہے یا نہیں) تو امام ابو یوسف کے قول اول کے مطابق بیع جائز ہے، امام محمد کا بھی قول یہی ہے، اس لئے کہ اصل اس کا باقی رہنا ہے، پھر امام ابو یوسف نے اپنے قول سے رجوع کرتے ہوئے کہا: جب تک مالک کو اجازت کے وقت بیع کے برقرار ہونے کا علم نہ ہو بیع صحیح نہیں، اس لئے کہ شک شرط اجازت میں ہوا ہے، لہذا جب تک شرط اجازت کے بارے میں شک ہے اس وقت تک عقد ثابت نہ ہوگا (۲)۔

۹- جب مالک اجازت دے دے تو بیع خریداری کی ملکیت ہوگئی، اور ثمن مالک بیع کی ملکیت ہو گیا جو فضولی کے قبضہ میں امانت ہے۔ اگر ثمن ہلاک ہو جائے تو وکیل کی طرح فضولی اس کا ضامن نہ ہوگا، اس لئے کہ بعد میں آنے والی اجازت سابقہ وکالت کی طرح ہے، اس وجہ سے کہ اسی کے سبب اس کا تصرف نافذ ہو گیا۔ اور اسی وجہ سے اس نوعیت کی اجازت کو: (اجازت عقد) کہتے ہیں۔

یہ اس صورت میں ہے جبکہ ثمن دین ہو، لیکن اگر عین ہو اس طور پر کہ فضولی نے دوسرے کی مملوک چیز کو عین سامان کے بدلہ بیع مقایضہ کے طور پر فروخت کر دیا تو اس میں چاروں مذکورہ چیزوں کی بقاء شرط ہے جو یہ ہیں: بیچنے والا خریدنے والا، بیع اور مالک اول، اور

(۱) مجمع وانہر ۲/۹۳، ۹۵، طبع العثمانیہ، البحر الرائق ۶/۱۶۰، طبع اعلیٰ، جامع الفصولین ۱/۲۳۰، طبع بولاق۔

(۲) احنایہ مع فتح القدر ۵/۳۱۳، طبع وامیرہ تبیین الحقائق ۳/۱۰۶، طبع دار المعرفۃ، البحر الرائق ۶/۱۶۰، طبع اعلیٰ۔

(۱) مجمع وانہر ۲/۹۳، ۹۵، طبع العثمانیہ۔

(۲) مجمع وانہر ۲/۹۳، ۹۵، طبع العثمانیہ، فتح القدر ۵/۳۱۳، طبع وامیرہ۔

## بیع الفضولی ۱۲-۱۳

”صرف“ کے معاملات میں فضولی نے بیع کی تو اسے فسخ کر دیا جائے گا۔  
سوم: یہ ہے کہ غیر وقف میں ہو۔ اگر وقف میں ہو تو باطل ہے،  
واقف کی رضامندی پر موقوف نہیں، کوکہ ملکیت اسی کی ہو<sup>(۱)</sup>۔

۱۳- مالک نے یہ بھی لکھا ہے کہ مالک کو حق ہے کہ بیع فضولی کو  
توڑ دے، خواہ فضولی غاصب ہو یا کوئی اگر بیع فوت نہ ہوئی ہو، لیکن  
اگر عین بیع جاتی رہی تو فضولی کے ذمہ اس کے ثمن اور قیمت میں جو  
زائد ہے وہ واجب ہوگا<sup>(۲)</sup>۔

مالک نے کہا: جس شخص نے فضولی سے خرید ا ہے وہ مالک کے  
علم میں آنے سے پہلے اس چیز کی آمدنی اور پیداوار کا حق دار ہوگا،  
بشرطیکہ خریدار کو اس بات کا علم نہ ہو کہ بیچنے والے نے مالک کے حق پر  
زیادتی کی ہے یا وہاں کوئی ایسا شبہ ہو جو فروخت کرنے والے سے  
زیادتی کی نفی کرتا ہو، کیونکہ مثلاً وہ بچوں کا پرورش کرنے والا ہے مثلاً  
ماں، جو بچوں کی دیکھ ریکھ اور نگرانی کرتی ہے یا وہ مالک کے سبب میں  
ہے، یعنی ان لوگوں میں ہے جو مالک کی جانب سے اس کے کاموں  
کی انجام دہی کرتے ہیں اور اس کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہے  
کہ وہ مالک کا وکیل ہے، پھر مالک آجائے اور اس کا انکار کر دے  
وغیرہ، اس کی دلالت مسئلہ یمین سے ہوتی ہے کہ یہ قسم کھائے کہ فلاں  
سے فروخت نہیں کرے گا، پھر ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ جو  
اس کے سبب میں سے ہے<sup>(۳)</sup>۔

مالک نے کتابوں میں ایک اور حکم مذکور ہے جس کو مالک نے

ہوگی، خواہ مالک کو کم کرنے کا علم رہا ہو یا نہ رہا ہو، لیکن اگر کم کرنے کا  
علم اس کو اجازت کے بعد ہوا تو اس کے لئے اختیار ثابت ہوگا، اس کی  
وجہ (جیسا کہ جامع الفصولین میں ہے) یہ ہے کہ وہ اجازت کے  
سبب وکیل کی طرح ہو جاتا ہے، اور اگر وکیل ثمن کم کر دے تو مؤکل  
خریدار سے اس کا مطالبہ نہیں کر سکتا، تو یہی حکم یہاں بھی ہوگا<sup>(۱)</sup>۔

۱۲- مالک نے بیع فضولی کی صحت کے لئے تین شرطیں لگائی ہیں:

اول: مالک، مجلس بیع میں حاضر نہ ہو، لیکن شہر میں حاضر ہو یا شہر  
سے باہر قریب ہوا اتنا دور نہ ہو کہ اس کی آمدیا اس کے مشورہ کا انتظار  
کرنے میں ضرر ہو۔ اگر وہ مجلس بیع میں حاضر ہو اور خاموش رہے تو بیع  
اس پر لازم ہے، اور فروخت کرنے والے کو ثمن مل جائے گا، اور اگر  
تقریباً سال گزر گیا، اور مالک نے فروخت کرنے والے فضولی سے  
ثمن کا مطالبہ نہیں کیا تو فروخت کرنے والے کے ذمہ اس کا کچھ  
نہیں<sup>(۲)</sup>۔ اور سکوت کی صورت میں اس کی ناواقفیت عذر نہیں اگر وہ  
اس کا دعویٰ کرے۔ مالک فضولی سے ایک سال گزرنے سے قبل تک  
ثمن کا مطالبہ کر سکتا ہے، اور اگر سال گزر جائے اور وہ خاموش ہو تو  
ثمن میں اس کا حق ساکت ہو جائے گا، یہ اس صورت میں ہے جبکہ اس  
کی موجودگی میں بیع ہوئی ہو۔ لیکن اگر اس کی عدم موجودگی میں بیع  
ہوئی تو ایک سال تک وہ بیع کو توڑ سکتا ہے، اور ایک سال گزرنے پر  
توڑنے کا اس کا حق ساکت ہو جائے گا۔

ثمن میں اس کا حق مدت حیا زہ گزرنے سے قبل ساکت نہیں  
ہوتا، اور مدت حیا زہ: دس سال ہے<sup>(۳)</sup>۔

دوم: یہ ہے کہ فضولی کی بیع عقد صرف نہ ہو، اور اگر

(۱) الزرقانی ۱۹/۵ طبع الفکر۔

(۲) الزرقانی ۱۹/۵ طبع الفکر، الدوسقی ۳۳ ۱۲ طبع الفکر، جوہر والکلیل ۵۴ طبع  
دار المعرفہ۔

(۳) بشرح مع حاشیہ العروسی ۱۸/۵ طبع صادر، الزرقانی ۱۹/۵ طبع الفکر، الدوسقی  
مع شرح الکبیر ۳۳ ۱۲ طبع الفکر۔

(۱) جامع الفصولین ۲۳۱/۱ طبع الامیر۔

(۲) الزرقانی ۱۹/۵ طبع الفکر۔

(۳) بشرح الکبیر ۳۳ ۱۲ طبع الفکر، بشرح الصغیر ۲۶ طبع دار المعارف۔

## بیع الفضولی ۱۳-۱۵

ہے (۱)۔

بیع فضولی کو موقوف قرار دینے کے قول پر شیخین (رافعی اور نووی) کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ خود بیع کی صحت مالک کی اجازت پر موقوف ہے، اور امام احرار میں نے فرمایا کہ بیع تو عقد کے وقت ہی درست ہے، مالک کی اجازت پر صرف ملکیت (کی منتقلی) موقوف ہے اور ”لام“ میں وہ اسی پر چلے ہیں (۲)۔

اجازت کے باب میں ان کے نزدیک اعتبار عقد کے وقت تصرف کے مالک کی اجازت ہے، لہذا اگر فضولی، بچہ کا مال فروخت کر دے، پھر وہ بائع ہو اور اجازت دے تو نافذ نہ ہوگی۔

ان کے نزدیک بیع فضولی میں محل اختلاف (جیسا کہ نہایت احتجاج میں ہے) وہ صورت ہے جبکہ مالک حاضر نہ ہو، اور اگر دوسرے کا مال اس کی موجودگی میں فروخت کیا اور وہ خاموش ہے تو یہ بیع قطعاً درست نہیں ہوئی۔

شافعیہ کے نزدیک بطلان یا انعقاد کے اعتبار سے بیع فضولی میں مذکورہ اختلاف ہر اس شخص کے بارے میں جاری ہوگا جو دوسرے کی لڑکی کا نکاح کر دے یا دوسرے کی منکوحہ کو طلاق دے دے یا دوسرے کا گھرا جا رہے پر دے دے یا اس کو بیہ کر دے، اور یہ سب اس کی اجازت کے بغیر ہو (۳)۔

۱۵ - حنابلہ کے یہاں مذہب (اور اسی پر اکثر اصحاب ہیں) یہ ہے کہ بیع فضولی صحیح نہیں، جیسا کہ ”الانساف“ میں ہے، اور اسی میں یہ

جواز پر متفرع کیا ہے، غیر مالکیہ نے اس کی صراحت نہیں کی۔ اور وہ بیع پر فضولی کے اقدام کا حکم ہے۔ چنانچہ دسوقی نے اپنے حاشیہ میں لکھا ہے، ایک قول: اس کی ممانعت کا ہے، دوسرا قول: اس کے جواز کا، اور تیسرا قول: عقار (جائیداد غیر منقولہ) میں ممانعت، اور ”عروض“ (اموال منقولہ) میں جواز کا ہے (۱)۔

۱۳ - شافعیہ کے یہاں بیع فضولی کے بطلان کا قول ہی صحیح ہے، جس کی صراحت امام شافعی کی فقہ جدید میں کر دی گئی ہے اور اسی کو صاحب اہمذہب، جمہور عراقیوں، اور بکثرت یا اکثر خراسانیوں نے قطعی کہا ہے جیسا کہ ”المجموع“ میں ہے۔

مالک کی اجازت پر موقوف ہو کر اس کے انعقاد کا قول: قول قدیم ہے، جس کو خراسانیوں اور عراقیوں کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے، نیز ان ہی میں سے الحاملی نے ”اللمباب“ میں، اور شاشی اور صاحب البیان نے یہ بات کہی ہے۔

رہا امام احرار میں کا یہ قول کہ عراقی اس قول سے ماوانف ہیں اور وہ اس کو قطعاً باطل کہتے ہیں، تو اس سے ان کی مراد: متقدمین عراقی ہیں، جیسا کہ ”المجموع“ میں ہے۔ پھر جن جن لوگوں نے اس کو نقل کیا ہے انہوں نے خاص طور سے مذہب قدیم سے نقل کیا ہے، ”بوہی“ میں امام شافعی کی نص و تصریح یہی ہے اور یہ ”جدید“ میں سے ہے، امام شافعی نے ”بوہی“ کے باب القصب کے اخیر میں کہا: اگر عروہ باریقی کی روایت صحیح ہے تو جس نے بھی دوسرے کی مملوکہ شی کو اس کی اجازت کے بغیر فروخت کیا یا آزاد کر دیا، پھر مالک راضی ہو گیا، تو بیع اور حقیق دونوں جائز ہیں، یہ امام شافعی کی صراحت ہے۔ حضرت عروہ باریقی کی حدیث جس کی نص گذر چکی ہے صحیح ہے، اس طرح جدید میں امام شافعی کے دو اقوال ہو گئے، ان میں سے ایک قدیم کے موافق (۱) الدسوقی ۱۲/۳ طبع انکس، الفروق للقرافی ۲/۲۳۳ طبع دارالمعرفہ۔

(۱) المجموع ۲/۵۹، طبع المستقرب، معنی المحتاج ۲/۱۵، طبع المجلس، فتح المبارک ۲/۶۱۳، طبع الریاض، سنن الترمذی ۲/۱۱۳، طبع بول۔

حدیث عروہ کی تحریر بیع فقرہ ۳ کے تحت آ چکی ہے۔

(۲) تحفہ المحتاج ۲/۲۳، طبع دارصادر۔

(۳) المجموع ۲/۶۱۰، طبع المستقرب، نہایت المحتاج ۳/۳۹۱، طبع المکتبہ الاسلامیہ، روضۃ الطالبین ۳/۵۳، طبع المکتبہ الاسلامیہ۔

## بیع الفضولی ۱۶-۱۷

اسی کے لئے ہوگا جس کے لئے خریدا ہے، وہ اجازت دے یا نہ دے۔ لیکن اگر دوسرے کی طرف منسوب کرے، مثلاً بیچنے والے سے کہے: اپنا غلام فلاں کے ہاتھ بیچ دو۔ اس نے کہا: میں نے بیچ دیا، اور خریدار نے اس بیع کو فلاں کے لئے قبول کر لیا تو یہ خریداری موقوف ہوگی (۱)۔

۱۷- مالکیہ کے یہاں فضولی کی خریداری اس کی بیع کی طرح ہے، یعنی جس کے لئے خریداری کی گئی اس کی اجازت پر موقوف ہے، اور اگر وہ خریداری کی اجازت نہ دے تو سامان خریدار (فضولی) پر لازم ہوگا۔ اگر ثمن اس شخص کے مال میں سے ادا کیا گیا ہو جس کے لئے خریداری کی گئی ہے تو وہ عدم اجازت کی حالت میں فروخت کرنے والے سے واپس لینے کا اختیار نہیں رکھتا۔ الا یہ کہ فضولی (جس نے خریدا) نے خریداری کے وقت گواہ بنا دیا ہو کہ اس نے فلاں شخص ہی کے لئے اس کے مال سے خریدا ہے، اور فروخت کرنے والے کو اس کا علم ہو یا وہ خریدار کی بات کی تصدیق کرے یا اس بات پر بینہ قائم ہو جائے کہ جس چیز کے ذریعہ خریدا ہے، وہ جس کے لئے خریداری ہوئی ہے اس کی ملکیت ہے، اگر مشتری لہ (جس کے لئے خریداری کی گئی) اپنا مال لے لے اور خریداری کی اجازت نہ دے، تو اس صورت میں بیع ٹوٹ جائے گی جبکہ بائع نے تصدیق کی ہو، لیکن اگر یہ بینہ قائم ہوا تھا کہ مال مشتری لہ کا ہے تو بیع نہیں ٹوٹے گی، بلکہ بیچنے والا، خریدنے والے فضولی سے ثمن کا مثل وصول کرے گا، اور ابن القاسم اور اصحیح کے قول کے مطابق اس پر بیع لازم ہوگی۔

ابن المباشون نے کہا: اعتبار مشتری لہ (جس کے لئے خریداری کی گئی ہے) کے قول کا ہے، لہذا اس سے قسم لی جائے گی کہ

(۱) تبیین الحقائق ۳/۱۰۳ طبع دار المعرف، نتائج و افکار ۱۱/۳۱۱ طبع وامیرہ حاشیہ ابن عابدین ۶/۳۳ طبع المصریہ

بھی ہے کہ اسی کو ”الوجیز“ وغیرہ میں قطعی کہا ہے، اور انفروع، المحرر، الرعاتین، الخاویزین اور انظم وغیرہ میں اسے مقدم کیا ہے۔

صاحب کشاف القناع نے لکھا ہے کہ یہ بیع صحیح نہیں، حتیٰ کہ اگر مالک حاضر ہو اور خاموش رہے، پھر اس کے بعد اس کی اجازت دے دے تو بھی صحیح نہیں، اس لئے کہ شرط فوت ہو چکی ہے یعنی وقت بیع، ملکیت اور اجازت فوت ہے (۱)۔

رعی وہ روایت جو بیع فضولی کو صحیح قرار دے کر اس کو مالک کی اجازت پر موقوف کرتی ہے تو اس کو صاحب ”الناقص“ نے اختیار کیا، جیسا کہ ”الانصاف“ میں ہے، وہ لکھتے ہیں: اجازت سے قبل قبضہ کرنا اور قبضہ دلانا نہیں ہے (۲)۔

## ب- خریداری میں فضولی کا تصرف:

۱۶- حنفیہ کا مذہب ہے کہ فضولی کی خریداری اجازت پر موقوف نہیں اگر عقد کرنے والے پر نافذ ہو سکے، اور اگر نافذ نہ ہو سکے تو موقوف ہوگی، جیسا کہ اس بچہ کی خریداری جس کے تصرفات پر پابندی عائد ہو اور خریداری خریدار پر اس وقت نافذ ہوگی جبکہ اس کو دوسرے کی طرف منسوب نہ کیا ہو، اور خریداری اس پر نافذ ہو سکے، اور دوسرے کی طرف سے پہلے سے خریدار کے لئے توکیل نہ ہو۔ اور اگر ایسا ہو تو خریداری موقوف ہوگی، اور وکالت کی صورت میں مؤکل پر نافذ ہوگی، کیونکہ ”شرح الطحاوی“ میں مذکور ہے: اگر کسی نے کسی دوسرے کے لئے کوئی چیز اس کے حکم کے بغیر خرید لی تو اس کا خرید کردہ سامان

(۱) الانصاف ۳/۲۸۳ طبع التراث، انفروع ۲/۳۶۶، ۳۶۷ طبع المنان، المحرر ۱/۳۱۰ طبع الحمدیہ شرح شمسی لإرادت ۲/۱۳۳ طبع افکار، کشاف القناع ۳/۱۵۷ طبع المصریہ۔

(۲) الانصاف ۳/۲۸۳ طبع التراث، انفروع ۲/۳۶۷ طبع المنان، المحرر ۱/۳۱۰ طبع محمدیہ لمجمع ۲/۷۷، ۸ طبع المستوفی، المغنی ۳/۲۲۷ طبع المریض۔

## بیع الفضولی ۱۸-۱۹

دو ”وَجَمِئِیں“ ہیں۔

اگر کوئی چیز دوسرے کے لئے خود اپنے مال سے خریدی تو دیکھا جائے گا: اگر اس کا نام نہیں لیا تو مباشر (خود خریداری کرنے والے) کی طرف سے عقد ہوگا، خواہ دوسرا شخص اجازت دے یا نہ دے، اور اگر اس کا نام لیا ہو تو دیکھا جائے گا اگر اس نے اجازت نہیں دی تو نام لیا لغو ہوا، اور کیا خود اس کی طرف سے عقد ہوگا یا باطل ہو جائے گا؟ دو ”وَجَمِئِیں“ ہیں۔ اور اگر وہ اس کی اجازت دے دے تو کیا تسمیہ لغو ہوگا، دو ”وَجَمِئِیں“ ہیں، اگر ہم کہیں: ہاں، تو کیا بالکل باطل ہوگا یا مباشر (بذات خود خریداری کرنے والے) کی طرف سے ہو جائے گا؟ اس میں دو ”وَجَمِئِیں“ ہیں، اگر ہم کہیں: نہیں، تو اجازت دینے والے کی طرف سے ہوگا، اور کیا دیا گیا ثمن قرض ہوگا یا بیہ؟ دو ”وَجَمِئِیں“ ہیں (۱)۔

۱۹- حنا بلہ کے نزدیک فضولی کی خریداری صحیح نہیں، الا یہ کہ اپنے ذمہ میں خریدے اور کسی شخص کے لئے جس کا نام نہ لیا ہو خریداری کی نیت کرے تو یہ خریداری صحیح ہے، خواہ ثمن دوسرے کے مال سے ادا کیا ہو یا نہ کیا ہو، اس لئے کہ اس کا ذمہ قابل تصرف ہے۔ اور اگر اس کا نام لے لیا یا دوسرے کے لئے اس کے عین مال سے خریدی تو خریداری صحیح نہیں ہوگی، پھر اگر خریداری کی وہ شخص اجازت دے دے جس کے لئے خرید گیا ہے تو وہ اس کا اسی وقت سے مالک ہو جائے گا جب اس کے لئے خریداری کی گئی، اس لئے کہ اسی کے لئے خریدی گئی ہے تو یہ اس صورت کے مشابہ ہوگا جب اس کی اجازت سے خریداری ہوئی، اس لئے اس کے منافع اور بڑھوتری اسی کے لئے ہوگی، اور اگر وہ اجازت نہ دے تو خریداری عاقد کے لئے

اس نے خریدار کو حکم نہیں دیا، اور وہ اپنا مال خریداری یا فروخت کرنے والے میں سے جس سے چاہے لے لے گا، اگر وہ فروخت کرنے والے سے واپس لے تو وہ فروخت کرنے والے کو اختیار ہے کہ خریدار سے واپس لے لے اور خریداری اس پر لازم کر دے، اور اگر اس خریدنے والے فضولی سے لیا تو وہ فروخت کرنے والے سے واپس نہیں لے سکتا (۱)۔

۱۸- شافعیہ نے فضولی کی خریداری کے بارے میں تفصیل لکھی ہے، اس لئے کہ فضولی یا تو دوسرے کے لئے دوسرے کے عین مال سے خریدے گا یا دوسرے کے لئے اس کے ذمہ میں واجب سے خریدے گا یا دوسرے کے لئے، خود اپنے مال سے خریدے گا: اگر دوسرے کے لئے دوسرے کے عین مال سے خریدے تو اس میں دو اقوال ہیں: قول جدید یہ ہے کہ خریداری باطل ہے اور قول قدیم یہ ہے کہ یہ خریداری دوسرے کی اجازت پر موقوف ہے، اور اگر ذمہ میں خرید اتو دیکھا جائے: اگر مطلق رکھے یا نیت کرے کہ وہ چیز دوسرے کے لئے ہے تو جدید قول میں مباشر یعنی خریدار کے لئے ہوگی، اور قدیم قول میں اجازت پر موقوف ہوگی، اگر وہ رد کر دے تو فضولی کے حق میں نافذ ہوگی، اور اگر کہے: میں نے فلاں کے لئے ایک ہزار کے عوض خریداجو اس کے ذمہ میں ہوگا تو یہ دوسرے کے عین مال سے خریدنے کی طرح ہے۔ اور اگر صرف یہ کہا: فلاں کے لئے ایک ہزار میں خریداجو اس کے ذمہ کی طرف منسوب نہیں کیا، تو جدید کے مطابق دو ”وَجَمِئِیں“ ہیں، اول: عقد لغو ہے، دوم: بذات خود عقد کرنے والے کی طرف سے خریداری ہوگی، اور قول قدیم میں فلاں کی اجازت پر موقوف ہوگا، اور اگر وہ رد کر دے تو اس میں

(۱) روضۃ الطالبین ۳/۵۳، ۳/۵۳، طبع المکتب الاسلامی، المجموع ۲۶۰/۹ طبع السنۃ۔

(۱) مواہب الجلیل ۲/۲۳، طبع البیروت، جامعہ المدینۃ العلمیۃ، طبع ۱۸/۵ طبع دارصادر۔





## بیع مالہ تقبض ۲-۳

۲- شافعیہ کا مذہب، امام ابو یوسف کا قول اول، امام محمد کا قول اور امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ (۱) قبضہ سے قبل بیع کو فروخت کرنا صحیح نہیں، خواہ منقول ہو یا جائیداد غیر منقولہ، کوکہ بائع اجازت دے دے اور ثمن پر قبضہ کر چکا ہو۔ اس کی دلیل حکیم بن حزام کی یہ روایت ہے: میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول اللہ ﷺ میں کچھ چیزیں خریدتا ہوں ان میں سے میرے لئے کیا حلال اور کیا حرام ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”إذا اشتريت ببعاً فلا تبعه حتى تقبضه“ (۲) (جب تم کوئی چیز خریدو تو قبضہ سے قبل اس کو فروخت نہ کرو)۔ اور حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”لا يحل سلف وبيع، ولا شرطان في بيع، ولا ربح مالٍ يضمن، ولا بيع ماليس عندك“ (۳) (ایک ساتھ قرض اور بیع حلال نہیں اور نہ بیع میں دو شرطیں حلال ہیں، نہ اس چیز کا نفع حلال ہے جو آدمی کے ذمہ نہ ہو اور نہ اس چیز کی بیع حلال ہے جو آپ کے پاس نہ ہو)۔

نیز اس لئے کہ قبضہ سے قبل ملکیت کمزور ہے، کیونکہ بیع کے تلف ہونے سے عقد فسخ ہو جاتا ہے (۴)۔ شافعیہ نے قبضہ سے قبل بیع سے ممانعت کی علت یہی بتائی ہے (۵)۔

حنابلہ نے اس روایت کی بنا پر (جس کو ان کے ایک امام ابن عقیل نے اختیار کیا ہے) عدم جواز کی توجیہ یہ کی ہے کہ اس پر ملکیت مکمل نہیں ہوتی، لہذا اس کی بیع ناجائز ہے، جیسا کہ اگر بیع غیر متعین ہو اور جیسا کہ بیع کیلی یا وزنی ہو (۶)۔

۳- حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ اموال منقولہ کی بیع اس پر قبضہ سے قبل صحیح نہیں ہے اگرچہ فروخت کرنے والے کے ہاتھ ہی کیوں نہ ہو (۷)۔

(۱) نیل واطوار ۵/۱۸۰۔

(۲) حدیث زید بن ثابتؓ: ”لبيبي ﷺ أن باع السلع حيث باعها“ کی روایت ابو داؤد (۳/۶۵) طبع عزت عہد دہاس نے کی ہے ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا ہے (موسو ارد اطلالان رص ۲۷۳ طبع استقویہ)۔

(۳) حافیہ اقلیو بی علی شرح کھلی ۲/۲۱۲۔

(۴) تحفۃ المحتاج ۲/۲۰۱، نیز دیکھئے: شرح کھلی ۲/۲۱۳، شرح امہاج ۳/۱۶۲۔

(۵) شرح کھلی علی امہاج ۲/۲۱۳۔

(۶) المغنی ۳/۲۲۱۔

(۷) الدر المختار روردا مختار ۳/۱۶۲۔

”غیر مضمون کے نفع“ سے مراد قبضہ سے قبل فروخت کی گئی چیز کا نفع ہے (۲)۔ مثلاً کوئی سامان خریدے اور بائع کی طرف سے اس پر قبضہ ملنے سے قبل دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دے تو یہ بیع باطل ہے اور اس کا نفع ناجائز ہے، اس لئے کہ بیع بائع اول کے ضمان میں ہے، اس

(۱) دیکھئے: فتح القدیر ۶/۱۳۷، شرح کھلی علی امہاج ۲/۲۱۲، المغنی ۳/۲۲۱، شرح الکبیر ۳/۱۱۷، یہ روایت امام احمد سے ہے جس کو ابن عقیل نے اختیار کیا ہے۔

(۲) حدیث حکیم بن حزام: ”إذا اشتريت ببعاً فلا تبعه حتى تقبضه“ کی تخریج فقہ ۸ کے تحت آچکی ہے۔

(۳) حدیث: ”لا يحل سلف وبيع...“ کی روایت ترمذی (۳/۵۳) طبع کھلی نے کی ہے ترمذی نے کہا: حدیث حسن صحیح ہے۔

(۴) کشاف القناع ۳/۲۲۲۔

## بیع مالم یقبض ۳

تاجر ان کو اپنی قیام گاہوں میں محفوظ کر لیں،<sup>(۱)</sup>۔

عدم صحت سے مراد یہاں: فساد ہے بطلان نہیں، کوکہ صحت کی نفی میں ان دونوں کا احتمال ہے، لیکن حنفیہ کے یہاں ظاہر فساد ہی ہے، اس لئے کہ فساد کی علت: غرر ہے، بیع کے دونوں ارکان موجود ہیں اور بکثرت فساد کو باطل کہہ دیا جاتا ہے<sup>(۲)</sup>۔

حنفیہ میں شیخین (مام ابو حنیفہ و ابو یوسف) جائیداد غیر منقولہ کی بیع قبضہ سے قبل اتحساناً جائز قرار دیتے ہیں، ان کا استدلال: جواز بیع کے عمومی دلائل سے ہے جن میں کوئی تخصیص نہیں، اور کتاب اللہ کے عموم کی تخصیص خبر واحد سے ناجائز ہے، نیز اس لئے کہ جائیداد غیر منقولہ میں بلاکت کے ذریعہ عقد کے فسخ ہونے کا وہم نہیں ہوتا، برخلاف اموال منقولہ کے، نیز اس لئے کہ جائیداد غیر منقولہ کو حوالہ کرنے پر قدرت حاصل ہے، اور پانی اور ریت کے بھر جانے سے اس کی تباعی شاذ و نادر ہی ہوتی ہے اور نادار کا اعتبار نہیں۔

اس کی ایک دلیل: قبضہ سے قبل ثمن میں تصرف پر قیاس کرنا بھی ہے، اس لئے کہ وہ جائز ہے، کیونکہ اس میں کوئی غرر نہیں، جیسا کہ مہر، بدل خلع، بدل حلق اور بدل صلح عن دم الہمد (عمداً خون کرنے کے سلسلہ میں صلح کا بدل) میں تصرف کرنا۔ اس لئے کہ تصرف کی اجازت دینے والی چیز ملکیت ہے اور وہ پائی گئی، لیکن حتی الامکان غرر سے احتراز واجب ہے، اور یہاں صورت میں ہے جس میں غرر کا تصور ہو اور وہ منقول بیع ہے، غیر منقولہ جائیداد نہیں<sup>(۳)</sup>۔

اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو اپنی مختلف روایات کے ساتھ ہے، اس لئے کہ اس میں قبضہ سے قبل بیع کی بیع سے ممانعت ہے۔

نیز اس لئے کہ قبضہ سے قبل بیع میں عقد اول کے فسخ ہونے کا اندیشہ ہے، اس صورت میں کہ بیع بائع کے قبضہ میں رہتے ہوئے ہلاک ہو جائے۔ اور اگر بیع قبضہ سے قبل ہلاک ہو جائے تو عقد فسخ ہو جاتا ہے، اور یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس نے غیر مملوکہ چیز کی بیع کی ہے اور غرر حرام ناجائز ہے، اس لئے کہ حدیث ہے: ”ان النسبی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع الحصاة، و عن بیع الغرور“<sup>(۱)</sup> (نبی کریم ﷺ نے کنکری کی بیع اور غرر کی بیع سے منع فرمایا ہے)۔

حنفیہ کے یہاں منقولات میں لاج اور غیر لاج کے درمیان کوئی تفریق نہیں ہے، اس لئے کہ ابن عباس نے، جیسا کہ گزر رہا ہے: میں یہی سمجھتا ہوں کہ ہر چیز اسی کی طرح ہے، یعنی لاج کی طرح۔

حضرت ابن عباس کے قول کی تائید ابن عمر کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

”میں نے بازار میں تیل خریدا اور جب میں اس کو قطعی کر چکا تو مجھے ایک شخص ملا اور اس نے مجھے اس میں اچھا نفع دیا، اور میں نے ارادہ کیا کہ اس کے ہاتھ پر مار دوں (یعنی اس کے ایجاب کو قبول کر کے عقد سے اتفاق کر لوں) تو پیچھے سے ایک صاحب نے میرا ہاتھ پکڑ لیا، کیا دیکھتا ہوں کہ وہ زید بن ثابتؓ ہیں، انہوں نے فرمایا: اسے خریدنے کی جگہ فروخت نہ کرو، یہاں تک کہ تم اس کو اپنی قیام گاہ پر محفوظ کر لو، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ سامانوں کو ان کے خریدنے کی جگہ فروخت کیا جائے، یہاں تک کہ

(۱) حدیث: ”لہی أن باع السلع حيث باع.....“ کی تخریج تقریباً ۲۰ کے تحت آچکی ہے۔

(۲) رد المحتار ۴/۶۳، نیز دیکھئے الدر المختار ہی مقام پر۔

(۳) تبیین الحقائق ۴/۸۰، تصرف کے ساتھ نیز دیکھئے بدائع المنابع ۵/۲۳۲، اور اس کے بعد کے صفحات، اوسطاً ۱۳/۸ اور اس کے بعد کے صفحات، الہدایہ ۶/۱۳۷، ۱۳۸۔

(۱) دیکھئے الہدایہ شرح اختصار ۶/۱۳۵، ۱۳۶، تبیین الحقائق ۴/۸۰۔

حدیث: ”لہی عن بیع الحصاة وعن بیع الغرور“ کی روایت مسلم (۱۱۵۳/۳ طبع مجلس) نے کی ہے۔

## بیع مالم یقبض ۴-۵

شرطیں لگائی ہیں:

الف- یہ کہ طعام معاوضہ کے طور پر لیا گیا ہو، یعنی کسی چیز کے مقابلہ میں ہو، مثلاً اجارہ کے ذریعہ یا خریداری یا صلح کے ذریعہ یا جنایت کے تاوان میں لیا گیا ہو، یا کسی عورت کو اس کے مہر میں ملا ہو یا ان کے علاوہ اور کوئی معاوضہ کی شکل ہو، ایسے طعام کی فروختگی اس پر قبضہ سے پہلے جائز نہیں (۱)۔

لیکن اگر اس کے پاس طعام میراث یا ہبہ وغیرہ کے طور پر آجائے (جن کو عوض میں نہیں لیا جاتا) تو قبضہ سے قبل اس کی بیع جائز ہے۔

ب- یہ کہ معاوضہ کیل یا وزن یا تعداد کے ذریعہ ہو، یعنی اس کو کیل کے ذریعہ خریدے، اور قبضہ سے قبل اس کو فروخت کر دے، خواہ اس کو اُکل سے فروخت کرے یا کیل سے، لیکن اگر اُکل سے خریدے، پھر قبضہ سے قبل اس کو فروخت کر دے تو اس کی بیع جائز ہے، خواہ اس کو اُکل سے فروخت کرے یا کیل سے (۲)، لہذا اگر طعام ماپ سے خریدے تو قبضہ سے قبل اس کی بیع نہ اُکل سے جائز ہے نہ ہی ماپ کر۔

اور اگر اس کو اُکل سے خریدے تو قبضہ سے قبل مطلقاً جائز ہے، اُکل سے ہو یا کیل سے (۳)۔

۵- حنابلہ کے مذہب میں قبضہ سے قبل جن اموال کی بیع ممنوع ہے

امام محمد کا اس میں اختلاف ہے، انہوں نے غیر منقولہ جائیداد میں بھی، قبضہ سے قبل بیع کی اجازت نہیں دی، اور یہی امام ابو یوسف کا پہلا قول ہے، اور امام شافعی کا قول ہے جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا ہے (۱)۔ اس کی دلیل، حدیث کا مطلق ہونا اور اموال منقولہ پر قیاس ہے۔

نیز ایک دلیل اجارہ پر بھی قیاس ہے، کیونکہ اجارہ جائیداد غیر منقولہ میں قبضہ سے قبل ناجائز ہے، اور دونوں میں مشترک علت یہ ہے کہ دونوں میں غیر مضمون کا نفع پایا جا رہا ہے، اس لئے کہ فروختگی میں مقصود نفع ہے، اور غیر مضمون کا نفع شرعاً ممنوع ہے، اور ممانعت فساد کا تقاضا کرتی ہے، لہذا قبضہ سے قبل بیع فاسد ہوگی، کیونکہ وہ خریدار کے ضمان میں داخل نہیں ہوتی۔ جیسا کہ اجارہ میں ہے (۲)۔

۴- مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ بیع کو حرام و فاسد کرنے والی چیز صرف کھانے والی چیز کی فروختگی ہے، دوسری چیزوں کی بیع کا قبضہ سے قبل یہ حکم نہیں، خواہ کھانے والی چیز اموال ربویہ میں سے ہو، مثلاً گیہوں یا اموال ربویہ میں سے نہ ہو، مثلاً مالکیہ کے نزدیک سیب۔

رہی وہ چیزیں جو کھائی نہیں جاتیں ان کی بیع قبل قبضہ جائز ہے، اس کی دلیل حضرت ابن عباسؓ کی سابقہ حدیث ہے: (۳) ”من ابتاع طعاماً فلا یبعہ حتی یقبضہ“ (جو طعام خریدے، اس کو فروخت نہ کرے یہاں تک کہ اس پر قبضہ کر لے)، نیز اس لئے کہ کھانے والی چیزوں میں اکثر تغیر پیدا ہو جاتا ہے، دوسری چیزوں میں نہیں (۴)، لیکن مالکیہ نے اس نوعیت کی بیع کے فساد کے لئے دو

(۱) دیکھئے بیع القدر ۱/۱۳۷۔

(۲) الہدایہ مع شرح العنایہ ۱/۱۳۷۔

(۳) حدیث: ”من ابتاع طعاماً فلا یبعہ حتی یقبضہ.....“ کی تخریج نقرہ ۱/۱ کے تحت آئی ہے۔

(۴) بدلیۃ الجہول لابن رشد ۲/۱۳۳۔

(۱) شرح الکبیر للدرر مع حاشیۃ الدسوقی ۳/۱۵۱، ۱۵۲، القوائین العقبیہ ۱/۱۷۱، ۱۷۰۔

(۲) حاشیۃ الدسوقی علی شرح الکبیر للدرر ۳/۱۵۲، نیز دیکھئے القوائین العقبیہ ۱/۱۷۱۔

(۳) حاشیۃ الدسوقی ۳/۱۵۳۔

## بیع مالہ بقضہ ۵

میں اس بات پر مار پڑتی تھی کہ طعام کو اپنی قیامگاہوں میں لے جانے سے پہلے فروخت کریں (۱)۔

سابقہ حدیث کی وجہ سے: ”من ابتاع طعاما فلا یبعہ حتی یستوفیہ“ (۲) (جو اناج خریدے اس کو فروخت نہ کرے یہاں تک کہ اس پر قبضہ کر لے)۔

نیز حضرت ابن عمرؓ کے اس قول کی وجہ سے: ”ہم نلہ لادکر لانے والوں سے اناج اُکل سے خرید کرتے تھے، تو رسول اللہ نے ہم کو منع فرمایا کہ اس کو دوسری جگہ منتقل کرنے سے قبل فروخت کریں“ (۳)۔

نیز ابن اُمیر نے کہا: اس پر اہل علم کا اجماع ہے کہ جس نے اناج خرید لیا، اس کے لئے اس پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کو فروخت کرنا ناجائز ہے (۴)۔

حنا بلہ نے کہا: اگر وہ خریدار کے ضمان میں داخل ہو جائے تو اس کی بیع اور اس میں تصرف کرنا جائز ہے، جیسا کہ قبضہ کے بعد ایسا کرنا جائز ہے۔

”اشرح الکبیر“ میں اس کی یہ تشریح کی گئی ہے: اور یہ (حدیث ”من ابتاع طعاما“ جس نے اناج خرید لیا) بتاتی ہے کہ ممانعت ہر اناج میں عام ہے، ساتھ ہی اُکل سے بیع کرنے کی ممانعت کی صراحت ہے۔ اور یہ حدیث اپنے مفہوم (مخالف) کے لحاظ سے بتاتی ہے کہ اناج کا حکم اس کے علاوہ میں دوسرا ہے (۵)۔

اس کے بارے میں متعدد روایات ہیں جن میں بعض کا ذکر آچکا ہے (۱)۔

مثلاً ایک روایت ہے کہ طعام اور اس جیسی چیزوں کی بیع، قبضہ سے قبل مطلقاً جائز ہے، خواہ مکمل ہو یا موزوں یا کوئی اور۔ اس میں امام مالک کا اختلاف ہے کہ انہوں نے کیل یا وزن کی شرط لگائی ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا ہے (۲)۔ اس کی دلیل حضرت ابن عباسؓ کی سابقہ حدیث ہے: ”من ابتاع طعاما فلا یبعہ حتی یقبضہ“ (۳) (جو طعام خریدے اس کو فروخت نہ کرے یہاں تک کہ اس پر قبضہ کر لے)۔

نیز اثرم کے اس قول کی وجہ سے کہ میں نے ابو عبد اللہ سے حدیث: ”نہی عن ربح مالہ بضمن“ کے بارے میں دریافت کیا، تو انہوں نے فرمایا: یہ طعام اور اس جیسی کھانے یا پینے والی چیز کا حکم ہے، لہذا اس کو قبضہ سے قبل فروخت نہ کرے (۴)۔

نیز ابن عبد البر نے کہا: اصح یہ ہے کہ جس چیز کی قبضہ سے قبل فروختگی سے روکا جاتا ہے وہ طعام ہی ہے، کیونکہ حضور ﷺ نے طعام کو قبضہ سے قبل فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ طعام کے علاوہ قبضہ سے پہلے فروخت کرنا مباح ہے (۵)۔

نیز حضرت ابن عمرؓ کے قول کی وجہ سے کہ میں نے دیکھا کہ جو لوگ اُکل سے طعام خریدتے تھے انہیں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ

(۱) مسند میں امام ثانی اور ان کے موافقین کا مذہب دیکھئے کہ اس میں ایک روایت احمد سے ہے۔

(۲) دیکھئے فقرہ سابق۔

(۳) حدیث ”من ابتاع طعاما فلا یبعہ حتی یقبضہ“ کی تخریج فقرہ ۱ کے تحت آچکی ہے۔

(۴) اشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۱۱۶۳۔

(۵) حوالہ سابق۔

(۱) حوالہ سابق۔

(۲) دیکھئے فقرہ ۱۔

(۳) حدیث: ”کنا لنبی الطعام من الرکبان جزا.....“ کی روایت مسلم (۳۱۶۳ طبع اعلیٰ) نے کی ہے۔

(۴) اشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۱۱۶۳۔

(۵) اشرح الکبیر ۱۱۶۳۔

## بیع مالہ بقض ۵

مذہب حنابلہ کی روایت ہے <sup>(۱)</sup>: مکیل، موزون، معدود اور مذروع میں فروخت کرنے والے کی طرف سے قبضہ میں لینے سے قبل، خریدار کا تصرف صحیح نہیں <sup>(۲)</sup>، یہ حضرت عثمان بن عفان، سعید بن المسیب، حسن، حکم، حماد بن ابی سلیمان، اوزاعی اور اسحاق سے بھی مروی ہے <sup>(۳)</sup>۔

مکیل، موزون اور اس جیسی چیزوں اور ان کے علاوہ کے درمیان فرق کے بارے میں اس روایت کی دلیل یہ ہے کہ حدیث مذکور میں قبضہ سے قبل طعام کی بیع سے ممانعت ہے، اور طعام کا اس وقت اکثر استعمال: کیلی اور وزنی چیز کے لئے تھا، معدود اور مذروع کو ان دونوں پر اس وجہ سے قیاس کیا گیا ہے کہ ان کے لئے بھی سپرد کرانے کے حق کی احتیاج ہے <sup>(۴)</sup>۔ خواہ معدود متعین ہو، مثلاً ڈھیر یا غیر متعین، مثلاً ڈھیر میں سے ایک قفیز۔

رہا مکیل و موزون اور اس جیسی چیزوں کے علاوہ میں تو قبضہ سے قبل اس میں تصرف کرنا جائز ہے، اس کی دلیل حضرت ابن عمرؓ کی یہ حدیث ہے: "أتیت النبی ﷺ فقلت: إني أبيع الإبل بالبيع، فأبيع بالمدنانير و آخذ الدراهم، وأبيع بالدراهم و آخذ المدنانير، فقال: لا بأس أن تأخذ بسعر يومها، مالم تفترقا وبينكما شيء" <sup>(۵)</sup> (میں نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر

امام احمد سے ایک اور روایت ہے کہ جو متعین ہو، مثلاً ڈھیر ماپے بغیر فروخت ہو، اس کی بیع قبضہ سے قبل جائز ہے، اور جو غیر متعین ہو، مثلاً ڈھیر میں سے ایک قفیز، اور لوہے کے لکڑے میں سے ایک رطل <sup>(۱)</sup>۔ اس کی بیع قبضہ سے قبل، بلکہ کیل یا وزن سے قبل ناجائز ہے۔

یہ روایت امام مالک کے سابقہ قول سے قریب ہے کہ جو اکل سے خریدی گئی ہے اس کی بیع جائز ہے۔ لیکن امام مالک بیع کو طعام کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔

اس روایت کی وجہ ابن عمرؓ سے مروی یہ قول ہے کہ سنت ربی ہے کہ بیع کے وقت جو مال زندہ تھا اور بیع میں شامل تھا اگر وہ تلف ہو گیا تو خریدار پر پڑے گا (بائع اس کا تاوان نہ دے گا) <sup>(۲)</sup>۔ حضرت ابن عمرؓ نے اس کو خریدار کے ضمان میں سے قرار دیا، حالانکہ خریدار نے قبضہ نہیں کیا، تو معلوم ہوا کہ متعین میں قبضہ سے قبل بیع ہوئی ہے <sup>(۳)</sup>۔

نیز اس لئے کہ متعین بیع میں سپرد کرانے کا حق متعلق نہیں ہوتا، لہذا وہ مال خریدار کے مال میں سے ہوگا، جیسا کہ غیر مکیل اور غیر موزون۔

امام احمد سے تیسری روایت یہ ہے: کسی چیز کی بیع قبضہ سے قبل ناجائز ہے، اس روایت کے لحاظ سے وہ امام شافعی وغیرہ کے موافق ہیں جیسا کہ گزرا۔

(۱) دیکھئے الانصاف ۳/۶۰، ۳/۶۱، یہی مذہب ہے اسی پر اصحاب ہیں، یہی مذہب میں مشہور ہے۔

(۲) المغنی ۳/۲۱۷ اور اس کے بعد کے صفحات، لشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۱۱۵/۳، کشاف القناع ۳/۲۳۱۔

(۳) المغنی ۳/۲۴۰۔

(۴) کشاف القناع ۳/۲۳۱۔

(۵) حدیث ابن عمرؓ "لا بأس أن تأخذ بسعر يومها، مالم تفترقا وبينكما شيء" کی روایت ابوداؤد (۳/۶۵۱ طبع عزت ہیدرگاس) نے کی ہے، المغنی نے شعبہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عمرؓ پر اس کے سو قوف ہونے کا حکم لگایا ہے (تفہیم الخیر لابن حجر ۳/۲۶۳ طبع مرکز المطابع الفقہیہ)۔

(۱) ذبوہ لوہے کا ٹکڑا، اس کی جمع: ڈبو ہے، جیسے "عروفہ" کی جمع: "عروف" ہے دیکھئے انصاف لمیر مادہ "ذبوہ"۔

(۲) قول ابن عمرؓ "مضت السنة أن ما أدركه الصفة حيا مجموعا فهو من المباع" کو بخاری نے اپنی صحیح (فتح الباری ۳/۳۵۱ طبع استغیہ) میں تالیفاً ذکر کیا ہے، ابن حجر نے تعلیق التحلیق (۳/۳۳۳ طبع مکتب لاسلای) میں اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۳) لشرح الکبیر ۱۱۵/۳۔

## بیع مالم یقبض ۶

اگر عین ہوں تو اس پر قبضہ سے قبل بیع، اجارہ اور سارے تصرفات جائز ہیں<sup>(۱)</sup>۔

حنابلہ نے اس ضابطہ کی علت یہ بیان کی ہے: تصرف کا تقاضہ کرنے والی چیز ملکیت ہے اور وہ پائی گئی، لیکن جس ملکیت میں اس بات کا وہم ہو کہ معقود علیہ (جس چیز کا عقد کیا گیا ہو) کی بلاکت کا احتمال ہونے کی وجہ سے اس کے فسخ ہونے کا اندیشہ ہے، ایسی ملکیت پر غرر سے بچنے کے لئے دوسرے عقد کی بنا جائز نہیں ہوگی اور جس ملکیت میں اس غرر کا وہم نہ ہو، اس سے مانع دور ہو گیا، لہذا اس پر دوسرے عقد کو مبنی کرنا جائز ہے<sup>(۲)</sup>۔

ب- حنفیہ میں سے محمد بن الحسن نے یہ ضابطہ مقرر کیا ہے:

۱- ہر ایسا تصرف جو قبضہ کے بغیر نام نہ ہو مثلاً بیہ، صدقہ، رہن، ہتراض، اعارہ وغیرہ، بیع پر قبضہ سے قبل جائز ہے۔

۲- ہر تصرف جو قبضہ سے قبل نام ہو جاتا ہو مثلاً بیع، اجارہ، صلح عن الدین (دین کے بارے میں صلح کا بدل) اگر عین ہو وغیرہ، بیع پر قبضہ سے قبل ناجائز ہے۔

امام محمد کے نزدیک اس کی علت یہ ہے: (مثلاً) بیہ چونکہ قبضہ کے بغیر مکمل نہیں ہوتا، لہذا اموہوب لہ (جس کے لئے بیہ کیا گیا) واجب (بیہ کرنے والے) کا نائب ہو گیا، اور وہی وہ خریدار ہے جس نے اس کو بیع قبضہ سے قبل بیہ کیا ہے، پھر وہ اپنے لئے اس پر قبضہ کرنے والا ہو گیا، لہذا قبضہ کے بعد بیہ مکمل ہوگا۔

برخلاف بیع وغیرہ (مثلاً) جو قبضہ سے قبل پوری ہو جاتی ہے، ان میں قبضہ سے قبل تصرف ناجائز ہے، اس لئے کہ جب دوسرے خریدار نے اس پر قبضہ کیا تو وہ پہلے خریدار کی طرف سے قبضہ

عرض کیا: میں ”بیع“ میں اونٹ فروخت کرتا ہوں، دینار میں فروخت کر کے (اس کے بدلہ) درہم لیتا ہوں، اور درہم میں فروخت کر کے (اس کے بدلہ) دینار وصول کرتا ہوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس دن کے نرخ پر لینے میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ جدا بیگی پر دونوں کے درمیان کوئی چیز نہ رہ گئی ہو۔

حنابلہ نے کہا: یہ قبضہ سے قبل ثمن میں تصرف ہے، اور ثمن عوضین میں سے ایک ہے<sup>(۱)</sup>۔

قبضہ سے قبل ممنوع تصرف کا ضابطہ:

۶- قبضہ سے قبل شرعاً ممنوع تصرفات کے بارے میں فقہاء کے ضوابط مختلف ہیں:

الف- حنفیہ و حنابلہ کا متفق علیہ ضابطہ یہ ہے:

ہر عوض جو ایسے عقد سے ملکیت میں آئے جس پر قبضہ کرنے سے قبل اس کی بلاکت سے عقد فسخ ہو جاتا ہے اس میں قبضہ سے قبل تصرف کرنا جائز نہیں، اور جس چیز کی بلاکت سے عقد فسخ نہ ہو اس میں قبضہ سے قبل تصرف جائز ہے<sup>(۲)</sup>۔

اول کی مثال: بیع، اجرت، بدل صلح عن دین (دین کے بارے میں صلح کا بدل) اگر ثمن اجرت اور بدل عین ہوں (حنفیہ کے نزدیک)، یا کیلی یا وزنی یا عددی ہوں (حنابلہ کے نزدیک)۔

دوم کی مثال: مہر اگر عین ہو (حنفیہ کے نزدیک)، اسی طرح بدل خلع، حقیق علی مال (مال کی شرط پر آزادی)، بدل عن صلح دم العمد (قتل عمد کے سلسلہ میں صلح کا بدل)، اسی طرح جنایت کا تاوان اور تلف شدہ چیز کی قیمت، حنابلہ کے نزدیک ان دونوں میں یہ سب

(۱) المغنی ۳/۲۲۱، المشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۳/۱۱۸۔

(۲) المغنی ۳/۲۲۱، المشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۳/۱۱۸، ان سب کا الدر المختار و رد المحتار ۳/۱۶۲ سے موازنہ کیا جائے۔

(۱) دونوں مذاہب کے ساتھ مراجع۔

(۲) المغنی ۳/۲۲۱، المشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۳/۱۱۸۔

## بیع مال میں قبضہ ۶

کے درمیان قبضہ نہ ہوا ہو<sup>(۱)</sup>۔

اسی طرح مالکیت نے مطلق طعام معاوضہ کی بیع کے جواز کے لئے (اس پر قبضہ کی شرط کے ساتھ) یہ بھی شرط لگائی ہے کہ قبضہ اپنی طرف سے اپنے لئے نہ ہو، اگر اپنی طرف سے اپنے لئے ہوگا تو اس کی بیع ممنوع ہوگی، اس لئے کہ دو عقدوں کے درمیان ہونے والا یہ قبضہ عدم قبضہ کی طرح ہے<sup>(۲)</sup>۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جواز کے لئے معتبر قبضہ قوی قبضہ ہے، لہذا اس کے بعد بیع طعام جائز ہے، رہا ضعیف قبضہ تو وہ عدم قبضہ کی طرح ہے، لہذا اس کے بعد جواز نہ ہوگا مثلاً:

اگر اس کو طعام کی بیع کا وکیل بنایا، اس نے اجنبی کے ہاتھ بیچ دیا اور طعام پر اجنبی کے قبضہ سے قبل وکیل نے اس سے اس کو اپنے لئے خرید لیا تو اپنے سے اس کی بیع ممنوع ہوگی، اس لئے کہ اس حالت میں وہ اپنی طرف سے اپنے لئے قبضہ کرنے والا ہوگا۔

اسی طرح اگر اس کو طعام خریدنے کا وکیل بنایا اور اس نے اس کو خرید کر اس پر قبضہ کر لیا، پھر اجنبی کے ہاتھ اس کو فروخت کر دیا۔ پھر اس پر اجنبی کے قبضہ کرنے سے قبل اس سے خرید لیا تو اپنے سے اس کا خریدنا ممنوع ہے، اس لئے کہ اس حالت میں وہ اپنی طرف سے اپنے لئے قبضہ کرنے والا ہوگا<sup>(۳)</sup>۔

اپنی طرف سے اپنے لئے قبضہ ہونے کی صورت میں بیع طعام کے عدم جواز سے وہ صورت مستثنیٰ ہے کہ اگر اپنی طرف سے قبضہ کرنے والا ایسا شخص ہو جو عقد کے دونوں اطراف کو انجام دینے والا ہو، مثلاً وصی، اپنے ماتحت دو قبیہوں کے لئے یا والد اپنی دو چھوٹی اولاد

کرنے والا نہیں ہوا، کیونکہ بیع قبضہ پر موقوف نہیں، اور اس سے قبضہ سے قبل بیع کی تملیک لازم آئے گی جو صحیح نہیں ہے<sup>(۱)</sup>۔

ترمذی نے اشارہ کیا ہے کہ صحیح امام محمد کی رائے ہے<sup>(۲)</sup>۔

ج۔ مالکیت میں سے درویر نے قبضہ سے قبل طعام کی بیع کی ممانعت کا ضابطہ یہ لکھا ہے کہ بیع کے دو عقد کیے با دیگرے ہوں اور ان دونوں کے درمیان میں قبضہ نہ پایا جائے<sup>(۳)</sup>۔ مالکیت کی رائے کے مطابق یہ ضابطہ طعام کے ساتھ مخصوص ہے، جیسا کہ ان کی رائے گذر چکی ہے کہ وہ لوگ قبضہ سے پہلے بیع کی ممانعت کو مطلق ربوی اطعمہ میں محصور کرتے ہیں۔

ابن جزئی کے کلام سے جو ضابطہ اخذ کیا جاتا ہے وہ یہ ہے:

ہر ایسا طعام جو معاوضہ میں لیا گیا ہو (اُکل کے بغیر) اس پر قبضہ سے قبل اس کو فروخت کرنا ناجائز ہے۔ اور معاوضہ کے تحت خریداری، اجارہ، صلح، جنایت کا تاوان اور مہر وغیرہ آتے ہیں (جیسا کہ ذکر کیا گیا)، لہذا اس کی بیع قبضہ سے قبل ناجائز ہے۔ ہاں وہ قبضہ سے قبل اس کو بیہ کر سکتا ہے یا قرض کے طور پر دے سکتا ہے<sup>(۴)</sup>۔

مالکیت کے یہاں: غیر جزاف (اُکل کے بغیر) کی قید اس طعام کو نکالنے کے لئے ہے جسے ماپے، گنے اور تولے بغیر اُکل سے فروخت کیا گیا ہے، کیونکہ قبضہ سے قبل اس کی بیع جائز ہے، اس لئے کہ محض عقد کے ذریعہ وہ خریدار کے ضمان میں داخل ہو گیا ہے، لہذا وہ حکماً مقبوض ہے، اس لئے اس میں بیع کے دو عقد لگانا نہیں آئے جن

(۱) رد المحتار ۳/۱۶۲، ۱۶۳ اشرف کے ساتھ نیز موضوع کی تفصیل کے لئے دیکھئے بیع القدر ۶/۱۳۶، ۱۳۷۔

(۲) الدر المختار ۳/۱۶۲۔

(۳) شرح الکبیر للدروری ۳/۱۵۲۔

(۴) القوائین العقبیہ ۲/۱۷۰، ۱۷۱۔

(۱) شرح الکبیر ۳/۱۵۲، القوائین العقبیہ ۲/۱۷۱۔

(۲) حاشیہ الدسوقی علی شرح الکبیر ۳/۱۵۲۔

(۳) شرح الکبیر مع حاشیہ الدسوقی ۳/۱۵۲۔



## بیع مالم یقبض ۷-۸

شافیہ نے اس کی توجیہ (خود شافیہ کی تعبیر میں) یہ کی ہے کہ شارع کو حقیق کی خواہش ہے، اور بقیہ تصرفات اسی کے حکم میں ہیں۔  
۷- نیز انہوں نے ثمن معین کو خواہ وہ دراہم ہو یا دنانیر یا ان کے علاوہ، قبضہ سے قبل تصرف کے فساد کے سلسلہ میں بیع کے ساتھ لاحق کیا ہے، لہذا اس پر قبضہ سے قبل بائع اس کو فروخت نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس میں کوئی تصرف کر سکتا ہے، اس لئے کہ ممانعت عام ہے اور سابقہ توجیہ بھی اس کی دلیل ہے (۱)۔

بلکہ ابن حجر نے کہا: ہر عین جو عقد معاوضہ میں مضمون ہو اس کا یہی حکم ہے (۲)۔ یعنی قبضہ سے قبل اس میں تصرف نہیں کر سکتا۔

رہے آدمی کے وہ اموال جو دوسرے کے ہاتھ میں امانت کے طور پر ہوں، مثلاً ودیعت (امانت رکھا ہوا مال)، مال شرکت، مال مضاربت، رہن رکھا ہوا مال رہن سے چھوٹنے کے بعد، مال وراثت، غنیمت میں سے جو مال مجاہد کی ملکیت میں آئے، مولیٰ علیہ (زیر ولایت نابالغ شخص) کے بلوغ رشد کے بعد، ولی کے ہاتھ میں باقی ماندہ مال اور اس طرح کے اموال، ان میں تصرف کمالک ہے، اس لئے کہ ان تمام مذکورہ اموال میں ملکیت تام ہے (۳)۔

۸- شاید یہاں اس بات کی طرف اشارہ کر دینے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ امام شوکانی رحمہ اللہ نے ایک اور ضابطہ پیش کیا ہے جس کے نصف کو شافیہ نے بیان کیا ہے، موصوف کے کلام کا خلاصہ یہ ہے:  
وہ تصرفات جو عوض کے ساتھ ہوں، بیع کے ساتھ لاحق ہوں گے، لہذا ان کو انجام دینا قبضہ سے قبل ناجائز ہے، اور وہ تصرفات جن میں عوض نہیں، وہ بہہ کے ساتھ لاحق ہیں، لہذا ان کو

کے لئے، کہ اس صورت میں ان میں سے کسی ایک کے طعام کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا، پھر اس کو اجنبی کے ہاتھ، اس کے قبضہ کرنے سے قبل اس شخص کے لئے فروخت کرنا جس کے لئے اس کو خریدنا ہے جائز ہے (۱)۔

دو شافیہ نے اس سلسلہ میں کوئی ضابطہ وضع نہیں کیا ہے، البتہ انہوں نے (اپنے مذہب کے اصح قول میں) قبضہ سے پہلے بطلان کے اعتبار سے بیع کے ساتھ دوسرے عقود کو لاحق کیا ہے، چنانچہ انہوں نے صراحت کی ہے کہ اجارہ، رہن اور بہہ (اگرچہ بائع کی طرف سے ہوں) باطل ہیں، لہذا یہ عقود صحیح نہیں ہونگے، اس لئے کہ نبی کی سنت یعنی ملکیت کا ضعف ان میں موجود ہے، اسی طرح صدقہ، ہدیہ، بدل، خلع، خون وغیرہ کے بارے میں صلح کا عوض، قرض، مضاربت اور شرکت وغیرہ کا حکم ہے (۲)۔

”بیع“ کی عبارت عام ہے، چنانچہ اس میں صراحت ہے: غیر مقبوض میں کوئی تصرف اگرچہ فروخت کرنے والے کے ساتھ ہو، جیسے بیع، رہن صحیح نہیں ہے، اور عقد کے سبب وہ چیز ضمان میں آگئی (۳)۔

البتہ شافیہ نے قبضہ سے قبل بیع میں خریدار کے درج ذیل تصرفات کو صحیح قرار دیا ہے، اعتاق (آزاد کرنا)، وصیت، تدبیر (مدبر بنانا)، تزویج، وقف، قسمت نراز و تعدیل (رد نہیں) کا تصرف، اور اسی طرح اکل سے خریدے ہوئے طعام کو مباح کرنا، برخلاف اس صورت کے جبکہ طعام کو کیل سے خریدنا ہو تو اس کی لباحت کے صحیح ہونے کے لئے اس کو مانپنا اور اس پر قبضہ کرنا ضروری ہے۔

(۱) شرح الکبیر للذہبی ۱۵۳/۳۔

(۲) شرح المغنی علی الصہباج ۲۱۳/۲۔

(۳) دیکھئے بیع و شرحہ بحامیہ الجمل ۱۶۱، ۱۶۲، نیز دیکھئے تحتہ المحتاج

۲۰۲، ۲۰۳۔

(۱) دیکھئے فقرہ ۱/۱۔

(۲) تحتہ المحتاج ۲۰۳/۲۔

(۳) سابقہ جلد ۲۰۳، ۲۰۲، شرح المغنی علی الصہباج ۲۱۳/۲۔

## بیع مالم یقبض ۹-۱۰

ایک قول یہ ہے کہ وہ معقول المعنی ہے، اس کی علت یہ ہے کہ اس کے ظاہر ہونے میں شارع کی ایک غرض ہے، یعنی سہولت سے اناج تک رسائی، تاکہ کمزور اور قوی ہر ایک اس کو حاصل کر سکے۔ اگر قبضہ سے قبل اس کی بیع جائز ہو تو اہل اموال بلا ظاہر کئے اس کو ایک دوسرے کے ہاتھ فروخت کریں گے، اور خفیہ طور پر مالک سے اس کی خرید و فروخت کے امکان کی وجہ سے اناج مخفی ہو جائے گا، تو فقیر کی اس تک رسائی نہیں ہوگی، لیکن اگر اس سے روک دیا جائے تو اس کے ذریعہ کیل کرنے والا اور بوجھ لادنے والا فائدہ اٹھائے گا، اور فقیروں کے لئے کھلا ہوا سامنے ہوگا، تو اس سے لوگوں کے دل مضبوط ہونگے خصوصاً بھوک اور شدت کے زمانہ میں<sup>(۱)</sup>۔

## قبضہ کی تحدید اور اس کا تحقق:

۱۰- مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ ہر چیز پر قبضہ اس کے اعتبار سے ہے<sup>(۲)</sup>۔

الف- اگر کیلی یا وزنی یا عددی یا ذریعی ہو تو اس پر قبضہ کیل یا وزن یا شمار یا ذراع (پیمائش) کے ذریعہ ہوگا۔ اس کی دلیل حضرت عثمانؓ کی حدیث ہے انہوں نے کہا: ”میں یہودیوں کے ایک خاندان سے جن کو ”بنو قینقاع“ کہا جاتا ہے، کھجور خریدتا اور نفع کے ساتھ فروخت کرتا تھا، حضور ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”یا عثمان: إذا ابتعت فاکتل، و إذا بعت فاکل،“<sup>(۳)</sup>

(۱) حاشیہ الدوسقی علی المشریح الکبیر ۱۵۱/۳، ۱۵۲، حاشیہ الصدی علی شرح کفایہ الطالب ۱۳۵/۲۔

(۲) المغنی ۲۴۰/۳ میں ابن قدام کی صراحت ہے۔

(۳) حدیث: ”یا عثمان إذا ابتعت فاکتل“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۳۳۳/۳ طبع المستقیم) نے حدیث کی ہے اور احمد (۶۲/۱ طبع المیہ) نے

قبضہ سے قبل انجام دینا جائز ہے، شوکانی نے اس رائے کو راجح قرار دیا اور اس کے ثبوت کے لہیاس بات سے استدلال کیا ہے کہ قبضہ سے پہلے وقف کرنے اور آزاد کرنے کی صحت پر فقہاء کا اجماع ہے، اور غیر مقبوض کی بیع سے ممانعت کی علت (یعنی شبہ ربا) سے بھی استدلال کیا ہے۔

چنانچہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ طاؤس نے ان سے نبی کا سبب دریافت کیا، تو انہوں نے جواب دیا: اگر خریدار بیع کو قبضہ سے قبل فروخت کر دے اور بیع بائع کے ہاتھ میں رہ جائے تو گویا کہ اس نے دراہم کو دراہم میں فروخت کر دیا، لہذا اگر مثلاً سو دینار میں اناج خریدے، شمن فروخت کرنے والے کے حوالہ کر دیا اور اناج کو اس سے اپنے قبضہ میں نہیں لیا، پھر اس اناج کو ایک دوسرے شخص کے ہاتھ مثلاً ایک سو بیس میں فروخت کر دیا تو گویا اس نے اپنے سونے کے بدلہ میں اس سے زائد سونا خرید لیا یعنی ایک سو میں ایک سو بیس کو خرید لیا۔

شوکانی نے کہا: ظاہر ہے کہ اس طرح کی علت اس تصرف پر منطبق نہیں جو بلا عوض ہو۔

غیر مقبوض کی فروختگی کی ممانعت کی جو علتیں بیان کی گئی ہیں، ان میں یہ علت سب سے بہتر ہے، اس لئے کہ صحابہ کرام حضور ﷺ کے مقاصد کو سب سے زیادہ جانتے تھے<sup>(۱)</sup>۔

۹- بعض مالکیہ نے کہا: یہ نہیں تعبدی ہے، دوسقی (مالکی) نے اشارہ کیا ہے کہ اہل مذہب کے نزدیک یہی صحیح ہے، اور اس کو ”توضیح“ سے نقل کیا ہے<sup>(۲)</sup>۔

(۱) نیل الاوطار ۱۶۰/۵۔

(۲) حاشیہ الدوسقی علی المشریح الکبیر ۱۵۱/۳۔

## بیع مالہ بقض ۱۰

(یہاں تک کہ اس کو دوسری جگہ منتقل کر لیں)۔

ج۔ اگر منقول (سامان اور جانور) ہو تو اس پر قبضہ لوگوں کے عرف و رواج کے اعتبار سے ہوگا، جیسا کہ مالکیہ نے کہا: مثلاً کپڑے کو اپنے قبضہ میں لے لینا اور جانور کی ٹکیل سپرد کر دینا<sup>(۱)</sup>۔

یا اس کو ایسی جگہ منتقل کر دے جو فروخت کرنے والے کے ساتھ مخصوص نہیں، یہ شافعیہ کے نزدیک ہے، اور یہی امام ابو یوسف سے مروی ہے، مثلاً سڑک اور خریدار کا گھر<sup>(۲)</sup>۔

حنا بلہ نے منقول (سامان اور جانور) میں تفصیل کرتے ہوئے کہا: اگر بیع دراہم یا دانیر ہوں تو ان پر قبضہ ہاتھ سے ہوگا، اگر کپڑے ہوں تو ان پر قبضہ، ان کو منتقل کرنا ہے اور اگر جانور ہو تو اس پر قبضہ اس کو اپنی جگہ سے چاڑھنا ہے<sup>(۳)</sup>۔

د۔ اگر عقار (جائیداد غیر منقولہ) ہو تو اس پر قبضہ اس کے اور خریدار کے درمیان بلا کسی حائل کے تخلیہ کر دینا<sup>(۴)</sup>، اور اس کو اس میں تصرف پر قادر بنا دینا ہے، اس طور پر اگر چاہی ہو تو اس کے حوالے کر دے، بشرطیکہ اس کو خریدار کے علاوہ دوسرے کے سامان سے خالی کر دے، یہ شافعیہ کے نزدیک ہے<sup>(۵)</sup>۔

مالکیہ نے یہ شرط صرف رہائشی گھر میں لگائی ہے، اس لئے کہ ان کے نزدیک اس پر قبضہ اس کو خالی کر دینے کے ذریعہ ہے، صرف تخلیہ کافی نہیں، ہاں دوسری جائیدادوں میں قبضہ، تخلیہ کے ذریعہ

(اے عثمان! جب تم خرید و تو ماپ کر لو، اور جب فروخت کرو تو ماپ کر دو)۔

حضرت جابرؓ کی روایت ہے: ”نہی النبی ﷺ عن بیع الطعام حتی یجری فیہ الصاعان: صاع البائع، و صاع المشتري“<sup>(۱)</sup> (نبی کریم ﷺ نے اناج کی بیع سے منع فرمایا، یہاں تک کہ اس میں دو صاع جاری ہو: بیچنے والے کا صاع اور خریدنے والے کا صاع سے ماپ نہ لیا جائے)۔

مالکیہ نے ”مثلی“ پر قبضہ کے لئے شرط لگائی ہے کہ اس کو خریدار کے سپرد کر دیا جائے اور اس کے برتنوں میں اس کو اندر لے دیا جائے<sup>(۲)</sup>۔  
ب۔ اگر اُکل سے ہو تو اس پر قبضہ، اس کو منتقل کرنا ہے، اس کی دلیل حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ انہوں نے کہا: لوگ بازار کے اوپری حصہ میں اُکل سے اناج کی خرید و فروخت کرتے تھے: ”فنہا ہم رسول اللہ ﷺ أن یبعوه حتی ینقلوه“ (تو رسول اللہ ﷺ نے اس کو فروخت کرنے سے منع فرمایا یہاں تک کہ اس کو منتقل کر لیں)۔ ایک روایت میں ہے: ”حتی یحولوه“<sup>(۳)</sup>

= موصولہ کی ہے، یعنی (۳۸/۳ طبع القدسی) نے اس کو صحت کہا ہے اور بیہقی نے اپنی سنن (۳۱۵/۵ طبع دائرہ المعارف ایشیائیہ) میں اس کے قوی ہونے کا ذکر کیا ہے۔

(۱) المغنی ۲۲۰/۳۔

حدیث: ”لہی عن بیع الطعام حتی یجری فیہ الصاعان، صاع البائع، و صاع المشتري“ کی روایت ابن ماجہ (۲/۵۰۲ طبع الحدیثی) اور دارقطنی (۳/۸ طبع دارالماکن) نے کی ہے، ابن حجر نے بیہقی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس کو مرسل روایت کیا ہے پھر کہہ کئی وجہ (طریق) سے موصولہ مروی ہے ایک دوسرے سے لے کر وہ قوی ہو جاتی ہے۔

(۲) شرح الکبیر للرد میریح حاشیۃ الدسوقی ۳/۱۳۳۔

(۳) دیکھئے المغنی ۲۲۰/۳۔

حدیث: ”کالوا یشایعون الطعام جزا“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۳/۵۰ طبع المستقیم) اور مسلم (۱۱۶۱ طبع الحدیثی) نے کی ہے۔

(۱) شرح الکبیر للرد میریح ۳/۱۳۵۔

(۲) تحفۃ المحتاج ۳/۱۳ اور اس کے بعد کے صفحات، شرح المنہج ۳/۱۶۶، ۱۷۲، الدر المختار ۵/۳۰۹۔

(۳) المغنی ۳/۲۲۰، کشاف القناع ۳/۲۳۷۔

(۴) المغنی ۳/۲۲۰، کشاف القناع ۳/۲۳۷، ۲۳۸۔

(۵) شرح اُکل علی المسہاج ۲/۲۱۵، شرح المنہج ۳/۱۶۹، اور ۳/۱۶۷ میں بہت سی تفصیلات ہیں۔

## بیع مالہ بقض ۱۱-۱۲

کہ قبضہ کا حکم ہو، اس لئے اس پر وہ سب کچھ مرتب ہوگا جو حقیقی قبضہ پر مرتب ہوتا ہے، اور یہی صحیح ہے (۱)۔

صحیح کے بالمقابل امام ابو یوسف سے مروی یہ قول ہے کہ منقول میں منتقل کئے بغیر قبضہ ثابت نہیں ہوتا (۲)۔

۱۲- اسی بنیاد پر اگر اپنی خریدی ہوئی چیز کو قبضہ سے قبل فروخت کر دے اور اس میں نفع ملے تو یہ غیر مضمون کا نفع ہے جس کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”لا یحل سلف و بیع، ولا شرطان فی بیع، ولا ربح مالہ یضمن، ولا بیع ما لیس عندک“ (۳) (ادھار اور بیع ایک ساتھ حلال نہیں اور نہ ایک بیع میں دو شرطیں اور نہ غیر مضمون کا نفع جائز ہے، اور اس چیز کی بیع حلال نہیں جو تمہارے پاس نہیں)۔

امام محمد بن الحسن نے ”کتاب الآثار“ میں اس کو ایک دوسری سند اور دوسری روایت کے ساتھ نقل کرنے کے بعد اس کی تفسیر کرتے ہوئے کہا: رہا غیر مضمون کا نفع تو اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی کوئی چیز خریدے اور اس پر قبضہ سے قبل اس کو فروخت کر دے (۴)۔

یہی تشریح شوکانی نے بھی کی ہے، چنانچہ کہا: یعنی ایسے سامان کا نفع لیما ناجائز ہے جو سامان اس کے ضمان میں نہیں، مثلاً کوئی سامان خریدے اور اس کو فروخت کرنے والے سے اس پر قبضہ دینے سے پہلے اسے کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دے تو یہ بیع باطل ہے اور اس کا نفع ناجائز، اس لئے کہ بیع بائع اول کے ضمان میں ہے، اس سے

ہو جائے گا، اگرچہ فروخت کرنے والا اپنے سامانوں کو وہاں سے نہ خالی کرے (۱)۔

شافیہ اشارہ کرتے ہیں کہ یہ تفصیل صرف اس قبضہ کے بارے میں ہے جو تصرف کو درست کرنے والے ہیں، رہا وہ قبضہ جو ضمان کو فروخت کرنے والے سے منتقل کرتا ہے تو اس کا مدار بیع پر خریدار کے استیلاء پر ہے، خواہ اس کو منتقل کرے یا نہ کرے، اور خواہ بائع، بیع اور خریدار کے درمیان تخلیہ کرے یا نہ کرے، خواہ اس کو قبضہ کی اجازت دے یا نہ دے اور خواہ اس کو روکنے کا حق ہو یا نہ ہو، لہذا جب خریدار نے بیع پر استیلاء کر لیا تو بائع کے ذمہ سے ضمان ختم ہو گیا، بایں معنی کہ اگر وہ اس وقت تلف ہو جائے تو عقد فسخ نہ ہوگا یا اگر اس میں عیب پیدا ہو جائے تو خریدار کے لئے اختیار ثابت نہ ہوگا، اور اگر بائع کی طرف لوٹے تو ضمان اس کی طرف نہیں لوٹے گا (۲)۔

۱۱- حنفیہ نے قبضہ کے بارے میں یہ تفصیل نہیں کی (امام احمد سے ابن الخطاب کی روایت بھی یہی ہے)، بلکہ انہوں نے تخلیہ کو (یعنی موانع کو ختم کرنا اور قبضہ پر قدرت دینا) حکماً قبضہ مانا ہے، ظاہر الروایہ یہی ہے، امام احمد سے ابن الخطاب نے یہی روایت کیا ہے اور تخلیہ کے ساتھ تمیز کی شرط لگائی ہے (۳)۔

حنفیہ نے اپنے اس مذہب کی صراحت، رہن کے سلسلہ میں رہن اور مرتہن کے درمیان تخلیہ کرانے میں کی ہے، انہوں نے کہا: اس میں تخلیہ قبضہ ہے، جیسا کہ بیع میں بھی تخلیہ قبضہ ہے (۴)۔ انہوں نے کہا: اس لئے کہ یہ سپرد کرنا ہے، لہذا اس کے لوازمات میں سے ہے

(۱) رد المحتار ۵/۳۰۹۔

(۲) حوالہ سابق۔

(۳) حدیث: ”لا یحل سلف و بیع.....“ کی تخریج فقرہ ۲/۱۰ کے تحت گذر چکی ہے۔

(۴) نصب الرایہ ۳/۹۱۔

(۱) شرح الکبیر للذہبی ۳/۱۳۵۔

(۲) جامعۃ التحمل علی شرح البیہقی ۳/۱۶۸۔

(۳) رد المحتار ۵/۳۰۹، المغنی مع الشرح للکبیر ۳/۲۲۰۔

(۴) الدر المختار ۵/۳۰۹۔

## بیع مالہ تقبض ۱۳-۱۴

عن رسول اللہ ﷺ عن شراء الصدقات حتى تقبض“ (۱) (حضور ﷺ نے قبضہ سے قبل صدقات کو خریدنے سے منع فرمایا ہے)۔

حضرت حکیم بن حزام کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ”لا تبع مالیس عندک“ (۲) (جو چیز تمہارے پاس نہیں اس کو نہ بیجو)۔

۱۴- جمہور فقہاء (حنفی، شافعی، حنابلہ اور بعض مالکیہ) صدقہ وغیرہ مثلاً بیہ، رہن، قرض، اعارہ (عاریت پر دینا) اور ایداع (ودیعت رکھنا) کو، عقود تبرع میں سے مانتے ہیں، جو قبضہ کے بغیر تمام اور غیر مملوکہ ہوتے ہیں، اور قبضہ سے قبل ان میں عقد بے اثر مانا جاتا ہے (۳)۔

صدقہ کے بارے میں مرغینانی کی عبارت ہے: صدقہ، بیہ کی طرح قبضہ کے بغیر صحیح نہیں، اس لئے کہ وہ یعنی (صدقہ) بیہ کی طرح تبرع ہے (۴)۔

بلکہ کاسانی نے کہا: قبضہ صدقہ کے جواز کی شرط ہے، قبضہ سے قبل عام علماء کے نزدیک وہ ملکیت میں نہیں آتا (۵)۔

اس کے لئے اس روایت سے استدلال کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ حدیث قدسی میں فرماتے ہیں: ”يقول ابن آدم: مالي مالي،

(۱) حدیث: ”لھبی عن شراء الصدقات حتى تقبض“ کی روایت ابن ماجہ (۳۰/۳ طبع عیسیٰ الحلیمی) نے کی ہے زبیلی نے عبدالحق اہلبلی کا قول نقل کیا ہے کہ اس کی اسناد ناقص استدلال ہے (نصب الراية ۱۵/۳ طبع مجلس العلیٰ البند)۔

(۲) حدیث: ”لا تبع مالیس عندک“ کی روایت ترمذی (تختہ لا خودی ۳۳۰/۳ طبع المکتبۃ السنن) نے کی ہے ترمذی نے اس کو حسن قرار دیا ہے۔

(۳) مجلۃ لا حکام العربیۃ دفعہ (۵۷)، قبضہ کے بغیر تبرع ناقص ہے۔

(۴) الہدایۃ شرح الختایۃ ۵/۱۵۷۔

(۵) بدائع الصنائع ۶/۱۳۳۔

خریدنے والے کے ضمان میں نہیں، اس لئے کہ اس کا قبضہ نہیں (۱)۔

بہوتی نے بھی یہی تشریح کی ہے، چنانچہ انہوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد اس چیز کا نفع ہے جس کو قبضہ سے پہلے فروخت کر دیا گیا ہو (۲)۔

یہ حدیث کو کہ عام ہے، لیکن امام احمد رحمہ اللہ نے اس کو طعام کے ساتھ خاص کیا ہے، ان سے اثرم کی روایت یہی ہے، اثرم نے کہا: میں نے ابو عبد اللہ سے حدیث ”نہی عن ربح مالہ یضمن“ کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے کہا: یہ اناج اور اس جیسی ماکول یا مشروب چیز کے بارے میں ہے، لہذا اس کو قبضہ سے قبل فروخت نہ کرے۔

ابن عبد البر نے کہا: احمد بن حنبل سے اصح یہ ہے کہ قبضہ سے قبل جس چیز کی بیع ممنوع ہے وہ اناج ہے (۳)۔

قبضہ سے قبل صدقہ یا بیہ کی بیع:

۱۳- صدقہ: اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے، وجوبی یا استحبابی طور پر زندگی میں کسی حاجت مند کو بلا معاوضہ مال کا مالک بنا دینا ہے (۴)۔

یہ تعریف (جیسا کہ نظر آتا ہے) فرض صدقہ جو سال کے اخیر میں مالدار کے مال سے لیا جاتا ہے یعنی مال کی زکاۃ یا رمضان کے مہینہ کے اخیر میں روزہ دار کو پاک کرنے کے لئے لیا جاتا ہے جس کو صدقہ نظر کہتے ہیں، کو شامل ہے، اسی طرح نقلی صدقہ کو بھی شامل ہے جو ہر وقت مستحب ہے۔

حضرت ابوسعید کی سابقہ روایت میں ہے: ”نہی النبی

(۱) نیل الاوطار ۵/۱۸۰۔

(۲) کشاف القناع ۳/۲۲۲۔

(۳) شرح الکبیر فی ذیل المغنی ۱۱۶/۳۔

(۴) المغنی مع الشرح الکبیر ۶/۲۳۶، الشرح الکبیر للردی ۹۷/۳۔

## بیع مالہ بقض ۱۴

دونوں کو عام ہے۔

یہی شافعیہ کا بھی مذہب ہے، چنانچہ انہوں نے کہا: واجب (بہہ کرنے والے) کی اجازت سے قبضہ کے بغیر بہہ کی ہوئی چیز (صدقہ و بہہ کو شامل عام معنی کے لحاظ سے) ملکیت میں نہیں آتی (۱)۔

شافعیہ کی عبارتوں میں ہے: اگر حلف اٹھائے کہ فلاں کو بہہ نہیں کرے گا، پھر اس کے لئے بہہ کیا لیکن اس نے قبول نہیں کیا یا قبول کیا لیکن قبضہ نہیں کیا تو اس صحیح یہ ہے کہ حانث نہ ہوگا (۲)۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ بہہ کے صحیح اور تام ہونے کے لئے قبول کرنا اور قبضہ کرنا ضروری ہے۔

اسی طرح حنابلہ کے یہاں مذہب بھی علی الاطلاق ہے، جیسا کہ مرداوی کہتے ہیں، چنانچہ حنابلہ نے صراحت کی ہے کہ بہہ کی قسمیں: صدقہ، ہدیہ اور عطیہ ہیں، ان کے معانی قریب قریب ہیں اور ان سب میں زندگی میں بلا عوض مالک بنانا ہے، ان میں بہہ ہی کے احکام جاری ہوں گے (۳)، یعنی ان مذکورہ اقسام میں ہر ایک کے احکام، بقیہ میں جاری ہوں گے (۴)۔

حنابلہ نے کہا: بہہ کرنے والے کی اجازت سے قبضہ کے ذریعہ بہہ لازم ہو جاتا ہے، اس سے پہلے لازم نہیں ہوتا، یعنی واجب کی اجازت سے قبضہ سے قبل، اور اگر بہہ غیر مکمل وغیرہ کا ہو تو ان تمام میں قبضہ کے بغیر بہہ لازم نہیں ہوتا (۵)۔

وہل لک یا بن آدم من مالک إلا ما آکلت فأفیت، أو لبست فأبلیت، أو تصدقت فأمضیت“ (۱) (ابن آدم کہتا ہے: میرا مال، میرا مال، اے ابن آدم! تیرا ہے کیا، بس وہی جو تم نے کھالیا اور فنا کر دیا، یا پہن کر پرانا کر دیا، یا صدقہ کر کے اس کو نافذ کر دیا ہے)، اللہ تعالیٰ نے صدقہ میں امضاء (نافذ کرنا) کا اعتبار کیا اور صدقہ کو نافذ کرنا اس کو سپرد کرنا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ سپرد کرنا شرط ہے۔

نیز حضرت ابو بکر عمر، ابن عباس اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم سے ان کا یہ قول مروی ہے: ”صدقہ قبضہ کے بغیر مکمل نہیں ہوتا“۔

نیز اس لئے کہ صدقہ تبرہ (بری کرنے) کا عقد ہے، لہذا بذات خود حکم کا فائدہ نہیں دے گا جیسا کہ بہہ۔

بہہ کے بارے میں کاسانی کہتے ہیں: بہہ اگر بغیر قبضہ کے صحیح ہوتا تو موہوب لہ (جس کے لئے بہہ کیا گیا) کے لئے یہ اختیار ثابت ہوتا کہ بہہ کرنے والے سے سپردگی کا مطالبہ کرے، اور یہ عقد ضمان ہو جاتا، اور یہ مشروع کو بدلنا ہے (۲)۔

حنفیہ کا یہ قول، مذہب مالکی کے مشہور قول کے بالمقابل ہے، اور وہ مالکیہ کی ضعیف روایت ہے جس کی تاویل انہوں اس طرح کی ہے، اور کہا گیا ہے: قبضہ کے ذریعہ ہی بہہ ملکیت میں آتا ہے (۳)۔ یہ عبارت اگرچہ بہہ کے بارے میں آئی ہے، لیکن مالکیہ کے یہاں صدقہ کی تعریف سے (جیسا کہ ہم نے پہلے اشارہ کیا ہے اور جیسا کہ احکام آرہے ہیں) معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہہ اور صدقہ

(۱) شرح مکمل علی المہاج مع حاشیہ نقلیہ بی ۱۱۲، ۱۶۰، شرح الحج مع حاشیہ النقل ۱۳، ۵۹۸، صاحب حاشیہ النقل نے صراحت کی ہے کہ یہ شرط اور اس کے تمام احکام مطلق بہہ (جو صدقہ و ہدیہ کو شامل ہے) میں جاری ہوں گے۔

(۲) شرح مکمل علی المہاج ۱۳، ۲۸۷۔

(۳) کشاف القناع ۱۳، ۲۹۹، نیز اطلاق کے سلسلہ میں دیکھئے الانصاف ۷، ۹۔

(۴) حوالہ سابق۔

(۵) الانصاف ۷، ۱۱۹، ۱۲۰، المشرح الکبیر ۶، ۲۵۰، اس میں اور المغنی ۶، ۲۵۱۔

(۱) حدیث: ”يقول ابن آدم مالي مالي.....“ کی روایت مسلم (۳، ۲۳، ۲۴ طبع عیسیٰ الخلیلی) نے کی ہے۔

(۲) بدائع الصنائع ۶، ۱۲۳۔

(۳) حاشیہ الذہبی علی المشرح الکبیر للذہبی ۳، ۱۰۱۔

## بیع مالہ بقبض ۱۴

مولوبہ (جس کے لئے بیہ کیا ہے) کو تابدے (۱)۔

حنابلہ نے اپنی کتابوں میں (۲) مالکیہ کی دلیل کی طرف اشارہ کیا ہے جو حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "العائد فی ہبتہ کالعائد فی قبضہ" (۳) (اپنے بیہ کو واپس لینے والا ایسا ہی ہے جیسے تے کر کے پھر اس کو کھانے والا)، اور ایک روایت میں ہے: "فی صدقۃ" (اپنے صدقہ کو)، ایک اور روایت میں ہے: "کالکلب یقیء ثم یعود فی قبضہ" (جیسے کتا پی کرتا ہے پھر اس کو دوبارہ کھا جاتا ہے)۔

مالکیہ کی عبارتوں میں ہے:

الف۔ اگر کوئی شخص کہے: میرا گھر فقیروں پر صدقہ یا بیہ یا وقف ہے تو اس کی ملکیت سے نکلنے کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا (اس لئے کہ تعیین نہیں)۔

ب۔ اگر کوئی کہے: میرا گھر زید پر صدقہ یا بیہ یا وقف ہے تو اس کی ملکیت ختم ہونے کا فیصلہ کر دیا جائے گا، اس لئے کہ اس وقت اس نے نیکی اور کارِ ثواب کا ارادہ کیا ہے۔

ج۔ اگر کوئی کہے: مجھ پر اللہ کے لئے واجب ہے کہ زید کو یا فقراء کو ایک درہم دوں تو علی الاطلاق اس کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا، ایک قول ہے کہ اس کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔

حنابلہ نے اپنے مذہب (یعنی بیہ وغیرہ مثلاً صدقہ میں جو یہاں زیر بحث ہے، علی الاطلاق قبضہ کی شرط ہونے) کے بارے میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے ان کو "عالیہ" میں اپنے مال سے بیس وسق توڑنے کا اختیار دیا ہے، اور جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو کہا: "بیٹی! میں نے تمہیں بیس وسق توڑنے کا اختیار دیا تھا، کاش تم نے اس کو توڑ لیا ہوتا یا قبضہ کر لیا ہوتا تو تمہارا ہو جاتا، اب تو وہ وارث کا مال ہے تم لوگ اسے کتاب اللہ کے مطابق تقسیم کر لیا" (۱)۔

بہوتی نے لکھا ہے کہ حضرت عمر، عثمان، ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے قریب قریب یہی مروی ہے، اور صحابہ میں کسی کی مخالفت معلوم نہیں۔

حنابلہ نے قبضہ شرط ہونے پر یہ بات مرتب کی ہے کہ قبضہ سے پہلے بیہ کرنے والا بیہ سے رجوع کر سکتا ہے (یہی حکم صدقہ کا بھی ہے) اس لئے کہ عقدنا مکمل ہے (۲)۔

مالکیہ نے اپنے مشہور مذہب میں قبضہ کی شرط لگانے میں اختلاف کیا ہے، چنانچہ انہوں نے بیان کیا ہے کہ بیہ (اسی طرح صدقہ جیسا کہ مالکیہ کی تفریحات سے ماخوذ ہے) (۳) مشہور قول کے مطابق بیہ کے الفاظ بولنے سے ملکیت میں آ جاتا ہے، اور اگر بیہ کرنے والا بیہ کردہ مال کی حواگی سے انکار کرے تو جس کے لئے بیہ کیا گیا ہے وہ اس مال کا مطالبہ بیہ کرنے والے سے کر سکتا ہے، تا کہ بیہ کرنے والے کو اس بات پر مجبور کرے کہ وہ اس مال پر

میں مکمل و موزون کے درمیان اور ان کے علاوہ کے درمیان تفریق کی ایک روایت ہے۔

(۱) کشاف القناع ۳۰۱۔

(۲) حوالہ سابق۔

(۳) شرح الخرشنی مع حامیہ الحدوی ۱۲۰۔

(۱) اشرح المکیر للردیہ ۱۰۱، اور التواہین الکبریٰ ۲۳۲ کے ساتھ موازنہ کریں۔

(۲) دیکھئے اشرح المکیر فی ذیل المغنی ۲۵۰، المغنی ۲۳۶، ۲۳۷۔

(۳) حدیث: "العائد فی ہبتہ کالعائد فی قبضہ" کی روایت بخاری (فتح الباری ۲۳۳/۵ طبع استنبول) اور مسلم (۱۳۳۱/۲ طبع عیسیٰ الحلیمی) نے کی ہے ایک روایت میں "فی صدقۃ" ہے جس کی روایت بخاری (فتح الباری ۲۳۵/۵ طبع استنبول) اور مسلم (۱۳۳۱/۲ طبع عیسیٰ الحلیمی) نے کی ہے اور ایک روایت میں "کالکلب یقیء ثم یعود فی قبضہ" ہے جس کی روایت مسلم (۱۳۳۱/۳ طبع عیسیٰ الحلیمی) نے کی ہے۔

## بیع مالم بقض ۱۴، بیع محافلہ ۱-۲

اس کی توجیہ انہوں نے یہ کی ہے کہ قضا (فیصلہ) میں متصدق علیہ (جس پر صدقہ کیا گیا ہے) یا موبہ لہ (جس کے لئے بہہ کیا جائے) کی تعیین ضروری ہے، اور اس میں ثواب کا قصد بھی ضروری ہے<sup>(۱)</sup>۔

## بیع محافلہ

امام احمد سے ایک روایت میں ہے: مکیل و موزون میں بہہ و صدقہ صحیح نہیں، اور اس میں صدقہ و بہہ، قبضہ کے بغیر لازم نہیں ہوتا۔ ان دونوں کے علاوہ میں قبضہ کے بغیر صحیح ہے اور نفس عقد سے لازم ہو جاتا ہے اور قبضہ کے بغیر اس میں ملکیت ثابت ہوتی ہے۔

اس فرق کی دلیل کا حاصل: بیع پر قیاس کرنا ہے، اس اعتبار سے کہ بہہ بھی تملیک ہے، چنانچہ بعض بیوع قبضہ سے قبل غیر لازم ہیں مثلاً ”بیع صرف“ اور ربا والی بیوع اور بعض بیوع قبضہ سے پہلے لازم ہیں اور وہ اس کے علاوہ ہیں<sup>(۲)</sup>۔

خلاصہ یہ کہ جمہور فقہاء تمہرات میں قبضہ کی شرط لگاتے ہیں۔

### تعریف:

۱- محافلہ لغت میں: ایسے امانج کو جو بالیوں میں ہو، خشک یا تازہ گیہوں سے فروخت کرنا ہے، جیسا کہ فیومی کہتے ہیں<sup>(۱)</sup>۔

اصطلاح میں: گیہوں کو اس کے خوشہ میں ایسے گیہوں کے بدلہ فروخت کرنا جو اندازہ کے حساب سے ناپ میں خوشہ والے گیہوں کے مثل ہو<sup>(۲)</sup>۔

خرص: اندازہ کرنا ہے۔

حنابلہ نے اس کی اور زیادہ عام تعریف کی ہے: دانہ کو اس کے خوشہ میں اس کی جنس کے عوض بیچنا<sup>(۳)</sup>۔

### بیع محافلہ کا حکم:

۲- فقہاء کے درمیان اس بارے میں اختلاف نہیں ہے کہ بیع محافلہ ناجائز ہے، اور یہ حنفیہ کے نزدیک فاسد اور غیر حنفیہ کے نزدیک باطل ہے، اس کی دلیل حضرت جابرؓ کی روایت ہے: ”نہی رسول اللہ ﷺ عن المزابنة والمحافلہ“<sup>(۴)</sup> (حضور ﷺ نے



(۱) المصباح لمیر، مختار الصحاح مادۃ ”ھقل“۔

(۲) الہدایہ مع شروح ۶/۵۳، تبیین الحقائق ۳/۳۷۳، شرح المکنی علی المصباح ۳/۲۳۸، ۲۳۷، تحفۃ المحتاج ۳/۳۷۱۔

(۳) کشاف القناع ۳/۵۸، المشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۳/۱۵۱۔

(۴) حدیث: ”نہی عن المزابنة والمحافلہ“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۳/۳۸۳ طبع المستقیم) نے کی ہے۔

(۱) شرح الخرشنی مع حامیۃ العدوی ۷/۱۲۰۔

(۲) المغنی ۶/۲۳۶، المشرح الکبیر ۶/۲۵۰، ۲۵۲، نیز دیکھئے کشاف القناع ۳/۳۰۱۔



## بیع محاقله ۲، بیع مراہجہ، بیع مزابنہ ۱

مزابنہ اور محاقله سے منع فرمایا ہے۔

نیز اس لئے کہ یہ کیلی چیز کا اسی کی ہم جنس کیلی چیز سے فروخت کرنا ہے، لہذا اکل سے ناجائز ہے، اس لئے کہ اس میں شبہ ربا ہے جو تحریم کے باب میں حقیقت ربا کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے (۱)۔

نیز اس لئے کہ مماثلت کا علم نہیں (جیسا کہ بطلان کے وجہ کی شافیہ نے تعبیر کی ہے) (۲)۔ اور حنا بلہ اس علت کی تکمیل کرتے ہوئے کہتے ہیں: اور مساوات سے ما واقفیت تفاضل کے علم کی طرح ہے (۳)۔

نیز جیسا کہ شافیہ کہتے ہیں محاقله میں بہ مقابلہ مزابنہ اس بات کی زیادتی ہے کہ محاقله میں اصل بیع سے جو مقصود ہے ایسی چیز سے چھپی ہوئی ہے جو بیع کی منفعت میں سے نہیں ہے، لہذا اس میں رویت بھی نہیں رہی (۴)۔

مالکیہ کی کتابوں سے یہ بات ماخوذ ہے کہ مزابنہ وغیرہ کے فساد کی عمومی علت غرر اور اموال ربوہ میں ایک جنس کی باہمی تبادلہ میں ربا ہونا ہے (۵)۔  
مزید تفصیل کے لئے اصطلاح ”محاقله“ دیکھی جائے۔

## بیع مزابنہ

تعریف:

۱- مزابنہ: زمین سے ماخوذ ہے، اور زمین لغت میں: دفع کرنا ہے (۱) کیونکہ مزابنہ غبن کے سبب نزاع اور مدافعت کا ذریعہ بنتا ہے (۲)۔ جیسا کہ شافیہ کہتے ہیں۔

فقہی اصطلاح میں جمہور نے مزابنہ کی یہ تعریف کی ہے کہ مزابنہ درخت پر لگی تر کھجور کو اندازہ کر کے اسی ماپ کے برابر توڑی ہوئی کھجور کے بدلہ میں فروخت کرنا ہے (۳) (یعنی ظن اور اندازہ سے)، اور خرص: اندازہ کو کہتے ہیں (۴)، اور اس کی صورت یہ ہے کہ درخت پر لگی ہوئی تر کھجور کا مثلاً سوصاع کی مقدار میں تخمینہ و اندازہ لگایا جائے اور اس کے برابر کھجور سے فروخت کر دیا جائے (۵)۔ اور اگر خرمن تر کھجور نہ ہو تو اختلاف جنس کے سبب جائز ہے (۶)۔

## بیع مراہجہ

دیکھئے: ”مراہجہ“۔

(۱) العنایہ شرح الہدایہ ۱/۵۳، تبیین الحقائق ۳/۷۳۔

(۲) شرح لکھنوی علی المصباح ۲/۲۳۸۔

(۳) کشاف القناع ۳/۲۵۸۔

(۴) شرح لکھنوی علی المصباح ۲/۲۳۸، حاشیہ لکھنوی علی شرح اللعج ۳/۲۰۸۔

(۵) لشرح الکبیر للذریعہ حاشیہ الدسوقی ۳/۶۰۔

(۱) المصباح لمیر، مختار الصحاح مادة ”زین“۔

(۲) رد المحتار ۱۰۹/۳، بحوالہ البحر الرائق، حاشیہ اہلبی علی شرح لکھنوی علی المصباح ۲/۲۳۸۔

(۳) یہ ”البدایہ“ کی عبارت ہے، نیز دیکھئے: الہدایہ مع شروع ۱/۵۳، الدر المختار ۱۰۹/۳، کفایۃ الطالب ۲/۵۸، نیز دیکھئے: تحتہ المصباح ۱/۳۷۳، شرح لکھنوی علی المصباح ۲/۲۳۸، لشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۳/۱۵۱۔

(۴) فتح القدر ۱/۵۳۔

(۵) رد المحتار ۱۰۹/۳۔

(۶) اس کی تردید کے لئے دیکھئے: رد المحتار ۱۰۹/۳۔

## بیع مزایانہ ۲

عوض بیع ہے<sup>(۱)</sup>، جیسا کہ حدیث سابق کی بعض روایات میں یہ اضافہ وارد ہے: ”وعن بیع العنب بالزبيب، و عن کل ثمر بخرصہ“<sup>(۲)</sup> (اور انگور کی کشمش کے بدلہ اور ہر پھل کی اس کے اندازہ سے بیع کی ممانعت فرمائی)۔

مالکیہ نے (شاید اسی وجہ سے) علی الاطلاق کہا کہ ہر چیز کی اس کی ہم جنس خشک کے عوض بیع ناجائز ہے، نہ کمی بیشی کے ساتھ اور نہ برابر برابر کسی طرح بھی جائز نہیں حتیٰ کہ دانوں کی بیع بھی<sup>(۳)</sup>۔

مالکیہ میں سے درودیر نے مزایانہ کی تعریف یہ کی ہے کہ مزایانہ معلوم کے بدلہ میں مجہول کی فروختگی ہے ربوی ہو یا غیر ربوی یا مزایانہ مجہول کی اسی جنس کی مجہول چیز کے عوض بیع کرنا ہے<sup>(۱)</sup>۔

مالکیہ ہی میں سے ابن جزئی نے اس کی تعریف یہ کی ہے کہ چیز کو اسی کی جنس کی خشک چیز کے عوض فروخت کرنا، خواہ ربوی ہو یا غیر ربوی<sup>(۲)</sup>۔

### بیع مزایانہ کا حکم:

۲- اس بیع کے حکم میں فقہاء کا اختلاف نہیں، اور وہ متفق ہیں کہ یہ فاسد ہے اور غیر صحیح ہے، اس کی دلیل یہ ہے:

الف۔ حضرت جابرؓ کی روایت ہے: ”نہی رسول اللہ ﷺ عن المزایانہ والمحاقلة“<sup>(۳)</sup> (حضور ﷺ نے مزایانہ اور محاقلہ سے منع کیا ہے)۔

ب۔ شبہ ربا ہے، کیونکہ یہ کیل کی اسی جنس کی کیل سے بیع ہے جس میں کیل کے حساب سے عدم مساوات کا احتمال ہے<sup>(۴)</sup>۔

ثافعیہ صراحت کرتے ہیں کہ ان دونوں میں ربا ہے، اس لئے کہ دونوں میں مماثلت کا علم نہیں ہے<sup>(۵)</sup>۔

ج۔ اس میں غرر ہے جیسا کہ ابن جزئی کی توجیہ ہے<sup>(۶)</sup>۔  
ترکھور کی خشک کھجور کے عوض بیع ہی کی طرح انگور کی کشمش کے



(۱) اشرح الکبیر للدرودیر ۶۰/۳۔

(۲) القوانین الفقہیہ ص ۱۶۸، ۱۶۹۔

(۳) حدیث: ”نہی عن المزایانہ...“ کی روایت بخاری (فتح الباری

ص ۳۸۳ طبع استغیہ) اور مسلم (۱۱/۳۱۱ طبع عینی لعلی) نے کی ہے۔

(۴) الدر المختار و رد المحتار ۱۰۹/۳، الہدایۃ مع شروح ۵۳/۶۔

(۵) تحفۃ المحتاج مع حاشیۃ الشروانی ص ۳۷۱۔

(۶) القوانین الفقہیہ ص ۱۶۹۔

(۱) الہدایۃ مع شروح ۵۳/۶، تبیین الحقائق ص ۷۷۔

(۲) زبلی نے ساہتہ مقام میں اس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(۳) کفایۃ الطالب ص ۱۵۸۔

## بیع مزایدہ، بیع مساومہ، بیع مسترسل، بیع ملامسہ

### بیع مزایدہ

دیکھئے: ”مزایدہ“۔

۱- ملامسہ بھی دوہر جاہلیت کی بیوع میں سے ہے، حدیث میں اس کی ممانعت ثابت ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے: ”آن رسول اللہ ﷺ نہی عن الملامسة والمناذلة“ (نبی کریم ﷺ نے ملامسہ اور مناذلہ سے منع فرمایا ہے)، حضرت ابو ہریرہؓ نے صحیح مسلم کی روایت میں اس کی تشریح یوں کی ہے: ”لامسہ یہ ہے کہ ہر ایک دوسرے کا کپڑا بے سوچے سمجھے چھو لے، اور بیع مناذلہ یہ ہے کہ ہر ایک اپنا کپڑا دوسرے کی طرف پھینک دے، اور کوئی دوسرے کا کپڑا نہ دیکھے“ (۱)۔

### بیع مساومہ

دیکھئے: ”مساومہ“۔

حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ: ”آن رسول اللہ ﷺ نہی عن بیعتین ولبستین: نہی عن الملامسة والمناذلة فی البیع“ (رسول اللہ ﷺ نے دو بیعوں سے اور دو طرح کے پہناوے سے منع فرمایا: بیع میں ملامسہ اور مناذلہ سے منع فرمایا)۔ ملامسہ یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کا کپڑا رات یا دن میں اپنے ہاتھ سے چھوئے، اور اسی کے لئے (یعنی بیع کے لئے) اس کو الٹے۔ اور مناذلہ یہ ہے کہ ایک شخص اپنا کپڑا دوسرے کی طرف پھینک دے، اور دوسرا اپنا کپڑا اس کی طرف پھینک دے اور یہی ان کی بیع

### بیع مسترسل

دیکھئے: ”مسترسل“۔

(۱) حدیث: ”نہی عن الملامسة و المناذلة...“ کی روایت بخاری (بیع المبارکی ۳۵۸، طبع استغیہ) اور مسلم (سہ ۱۱۵، طبع لکھنؤ) نے کی ہے۔

## بیع ملامسہ ۲-۴

۳- یہ بیع مذکورہ تمام صورتوں میں عام فقہاء کے نزدیک فاسد ہے، ابن قدامہ نے کہا: ہمارے علم میں اس میں کوئی اختلاف نہیں (۱)۔ پہلی صورت میں فساد اس لئے ہے کہ نہ دیکھنے کے باوجود بیع لازم ہے، کیونکہ روایت کے بجائے چھونے پر اکتفا کیا گیا ہے (۲)، دوسری صورت میں فساد کی وجہ جیسا کہ شافعیہ نے کہا صیغۃ بیع (ایجاب وقبول) کا نہ ہونا ہے (۳)، اور تیسری صورت میں فساد کی وجہ حنفیہ کی تعبیر میں یہ ہے کہ تملیک کو اس بات پر مطلق کیا گیا ہے کہ جب اس چیز کو چھولے تو بیع لازم ہوگی اور خیار مجلس ساقط ہو گیا، اور تملیکات میں تعلیق کا احتمال نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس کے نتیجے میں قمار کی صورت پیدا ہوگی (۴)۔

حنا بلہ نے فساد کی دو علتیں ذکر کی ہیں:

اول: جہالت۔

دوم: اس کا شرط پر مطلق ہونا، اور یہ شرط کپڑا چھونا ہے (۵)۔

ابن قدامہ کی تعبیر میں غرر سے مراد شاید یہی ہے۔

شوکانی نے فساد کی علت کو غرر، جہالت اور خیار مجلس کے ابطال

کی صورت میں مختصر طور پر بیان کیا ہے (۶)۔

۴- علاوہ ازیں مالکیہ نے اپنی تفصیلی فروعات میں تصریح کی ہے

کہ بیع کے لزوم و ثبوت میں چھونے پر اکتفاء کرنا پھر اس کے کہ کپڑا

ہو جائے، بغیر دیکھے اور بغیر رضامندی کے (۱)۔

۲- فقہ میں اس کے علاوہ، ملامسہ کی کچھ اور صورتیں مذکور ہیں:

الف۔ کوئی شخص کسی کپڑے کو لپیٹی ہوئی حالت میں یا اندھیرے میں چھولے، پھر اس کو اس شرط پر خرید لے کہ اس کو دیکھنے کے بعد اس کو خیار نہیں ہوگا۔ یعنی اس کے دیکھنے کے بجائے اس کے چھونے پر اکتفا کرے، یا ان میں سے ہر ایک دوسرے کا کپڑا بے سوچے چھولے (جیسا کہ حنفیہ کی تعبیر ہے) اور یہ جانین سے مشارکت کے طور پر ہو، لیکن شیخ دردیر کا اشارہ اس کے خلاف ہے جس میں شیخ علیش نے ان کی مخالفت کی ہے، اور یہ منقول تفسیر سے ماخوذ ہے (۲)۔

ب۔ یا یہ کہ کپڑا اپنا ہوا ہو اور بیچنے والا خریدار سے کہے: جب تم اس کو چھولو گے تو میں نے اس کو تمہارے ہاتھ بیچ دیا، اور اس کا چھونا ایجاب وقبول کے قائم مقام ہوگا (۳)۔

”المغرب“ میں ہے: بیع ملامسہ یا لماس یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے سے کہے: جب میں تیرا کپڑا چھولوں یا تم میرا کپڑا چھولو تو بیع واجب ہوگی (۴)۔

ج۔ یا کوئی چیز اس شرط پر فروخت کرے کہ وہ جب اس کو چھوئے گا بیع لازم ہو جائے گی، اور خیار مجلس وغیرہ ختم ہو جائے گا (۵)، یہی تشریح امام ابو حنیفہ سے منقول ہے، یا خریدار یہی بات کہے۔

(۱) حدیث: ”لہی عن یسین ولسین.....“ کی روایت بخاری (فتح الباری

۳۵۸/۳، ۳۵۹/۳ طبع استغیثہ) اور مسلم (۱۱۵/۳ طبع عیسیٰ الحلبي) نے کی ہے۔

(۲) رد المحتار ۱۰۹/۳، شرح المکبیر للردیہ ۵۶/۳، شرح المکلی علی المہاج

۱۷۶/۲، اور شرح المکبیر فی ذیل المغنی ۲۹/۳ کا ظہر بھی یہی ہے۔

(۳) رد المحتار ۱۰۹/۳، شرح المکلی علی المہاج ۱۷۶/۲۔

(۴) تبیین الحقائق ۲۸/۳۔

(۵) حوالہ سابق، شرح المکلی علی المہاج ۱۷۶/۲۔

(۱) المغنی ۳۵۸/۳، شرح المکبیر فی ذیل المغنی ۲۹/۳۔

(۲) شرح المکلی علی المہاج ۱۷۶/۲، نیز دیکھئے شرح المکبیر للردیہ مع حاشیہ

الردیہ ۵۶/۳۔

(۳) شرح المکلی علی المہاج ۱۷۶/۲۔

(۴) شرح العنایہ علی الہدایہ ۵۵/۶۔

(۵) شرح المکبیر فی ذیل المغنی ۲۹/۳۔

(۶) نیل الاوطار ۱۵۱/۵۔

## بیع ملامہ ۴، بیع منابذہ ۱۵

کھولا جائے اور اس کے اندر کی صورت حال معلوم کی جائے، یہی بیع کو فاسد کرنے والا ہے، مالکیہ نے کہا: لہذا اگر اس میں غور و فکر سے قبل شی اس شرط پر بیچ دے کہ بعد میں اس کو دیکھ لے گا، اگر پسند آ گیا تو روک لے گا ورنہ رد کر دے گا تو یہ بیع جائز ہے<sup>(۱)</sup>۔

## بیع منابذہ

۱- بیع منابذہ بھی دو جاہلیت کی بیوع میں سے ہے۔

صحیح احادیث میں اس سے ممانعت ثابت ہے جیسا کہ ملامہ سے ممانعت ثابت ہے<sup>(۱)</sup>۔ اور بعض احادیث میں اس کی تشریح ہے۔

فقہاء نے اس کی حسب ذیل صورتیں بیان کی ہیں:

الف۔ خرید و فروخت کرنے والوں میں سے ہر ایک اپنا کپڑا دوسرے کی طرف پھینک دے، ان دونوں میں کوئی بھی دوسرے کے کپڑے کو نہ دیکھے یا اس کی طرف بلا تامل پھینک دے جیسا کہ مالکیہ کی تعبیر ہے<sup>(۲)</sup>۔ اس شرط کے ساتھ کہ پھینکانا ہی بیع قرار دیا جائے<sup>(۳)</sup> یہ تشریح حضرت ابوسعید خدریؓ سے صحیح مسلم میں منقول ہے: ”کہ یہی ان کی بیع ہو بغیر دیکھے اور بغیر رضامندی کے“<sup>(۴)</sup>، اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے منقول ہے<sup>(۵)</sup>۔



(۱) ان احادیث کی طرف رجوع کیا جائے جو ”بیع الملامہ فقرہ ۱۶“ کے تحت منابذہ سے ممانعت کے سلسلہ میں گزریں۔

(۲) اشراح الکبیر بحامیۃ الرسولی ۵۶/۳۔

(۳) رد المحتار ۱۰۹/۳، نیز دیکھئے: بیع القدیرو ۵۵/۶، اشراح الکبیر للفتاویٰ فی ذیل المغنی ۲۹/۳۔

(۴) مذکورہ حدیث بیع ملامہ فقرہ ۱۶ کے تحت دیکھی جائے۔

(۵) تبیین الحقائق ۲۸/۳ بحوالہ المغنی۔

(۱) حامیۃ الرسولی علی اشراح الکبیر ۵۶/۳۔



## بیع منہی عنہ ۱-۳

خارجی نہ ہو اور نہ حقیقت و ماہیت مراد لینے کا قصد ہو<sup>(۱)</sup>۔

لہذا آیت کے معنی کا حاصل یہ ہوا کہ ہر بیع حلال ہے، اور یہ لفظ کے عموم سے ماخوذ ہے۔

اس آیت کے بارے میں اہل علم کے یہاں کوئی اختلاف نہیں کہ آیت کو کہ عموم کے طور پر وارد ہے، لیکن اس میں تخصیص ہے، اس لئے کہ فقہاء کا مختلف اقسام کی بیوع کی ممانعت پر اتفاق ہے (جیسا کہ رازی بخصاص کہتے ہیں اور جیسا کہ آئے گا) مثلاً قبضہ سے پہلے کی بیع، جو چیز انسان کے پاس نہیں اس کی بیع، غرر اور مجہول کی بیع اور حرام اشیاء کا عقد بیع۔

آیت کے لفظ سے ان بیوع کا جواز ثابت ہوتا تھا، لیکن ان کو دلائل کے سبب آیت سے خاص کر لیا گیا ہے، اس کے باوجود آیت کی تخصیص ان صورتوں میں جن میں تخصیص کی دلیل موجود نہ ہو، آیت کے لفظ کے عموم کا اعتبار کرنے سے مانع نہیں<sup>(۲)</sup>۔

## نہی کا موجب:

۳- نہی کا موجب جمہور کے نزدیک تحریم ہے الا یہ کہ تحریم سے ہٹا کر کسی اور تقاضے مثلاً کراہت یا رہنمائی یا دعا وغیرہ کی طرف پھیرنے والا طریقہ موجود ہو<sup>(۳)</sup>۔ اس سلسلے میں اختلاف اور تفصیل

## بیع منہی عنہ

تعریف:

۱- ”بیع“ کے لغوی اور اصطلاحی معنی پر گفتگو اصطلاح ”بیع“ میں گذر چکی ہے۔

لفظ منہی عنہ فعل ”نہی“ سے اسم مفعول کا صیغہ ہے۔

”نہی“ کا معنی لغت میں کسی چیز سے روکنا ہے۔ یہ ”امر“ کی ضد ہے۔

اصطلاح میں ”نہی“ کا معنی کسی چیز سے رکنے کا حاکمانہ طور پر مطالبہ کرنا ہے۔

کوئی عارض نہ ہو تو بیع میں اصل حلت ہے:

۲- بیع میں اصل لباحث اور صحت ہے، تا آنکہ ممانعت یا فساد کی دلیل آجائے۔

اس کی دلیل فرمان باری ہے: ”وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ“<sup>(۱)</sup>

(حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے) یہ حکم ہر طرح کی بیوع کی لباحث میں عام ہے، اور عموم کی دلیل یہ ہے کہ لفظ بیع مفرد الف اور لام کے ساتھ آیا ہے، اور الف اور لام کے ساتھ مفرد لفظ اہل اصول کے نزدیک عموم کا معنی دیتا ہے، بشرطیکہ کوئی عہد ذہنی یا

(۱) سورۃ بقرہ/۲۷۵۔

(۱) دیکھئے التوضیح لصدر البشیر بہامش شرح الخلو ت ج ۱/ ۵۳، طبع محمد علی مسیح، قاہرہ ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۵۷ء۔

(۲) احکام القرآن لابن بکر الرازی بخصاص ۲/ ۶۹، طبع الآستانہ ۱۳۳۵ھ الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۳/ ۳۵۶، طبع دارالکتب العربی برائے طباعت و اشاعت، قاہرہ ۱۳۸۷ھ ۱۹۶۷ء۔

(۳) مسلم الشبوت فی ذیل المستمسکی ۱/ ۳۹۶، طبع بولاق ۱۳۲۲ھ، شرح المنہج علی مختصر السنن لابن الحاجب ۲/ ۹۵، طبع بولاق ۱۳۱۶-۱۳۱۹ھ، لائحہ عمل فی اصول و احکام مذکورہ ۲/ ۲۱۵، ۲۷۵، طبع دارالکتب العلمیہ، بیروت۔

## بیع منہی عنہ ۴-۵

کی شکل سنت کو عمداً اور بغیر استخفاف کے ترک کرنا ہے، اس لئے کہ سنت پر عمل کرنا مندوب ہے، اور اس کے ترک پر ملامت کی جاتی ہے، نیز معمولی سا گناہ بھی لاحق ہوتا ہے<sup>(۱)</sup>۔

ایک طرف اگر حنفیہ کے یہاں صراحت ہے کہ ان کے کلام میں لفظ مکروہ مطلق بولا جائے تو اس سے مراد مکروہ تحریمی ہے بشرطیکہ تزییہ ہونے کی صراحت نہ کر دی جائے<sup>(۲)</sup>، تو مالکیہ کے یہاں اس کے برعکس کی صراحت ہے کہ مطلق بولنے کی صورت میں کراہت سے مراد محض تزییہ ہے<sup>(۳)</sup>۔

جبکہ ثنائیہ اور حنابلہ کے نزدیک کراہت کا اطلاق اسی چیز پر ہوتا ہے جو دوسرے فقہاء کے یہاں کراہت تزییہ ہے۔

## بیع سے نہی کے اسباب

۴- اسباب نہی عقد سے متعلق ہوں گے یا غیر عقد سے، اور عقد سے متعلق اسباب میں کچھ کا تعلق محل عقد سے ہے اور کچھ کا تعلق لازم عقد سے ہے۔

## محل عقد سے متعلق اسباب:

محل عقد معقود علیہ (وہ شیء جس پر عقد کیا جائے) ہے۔ اس میں فقہاء نے چند شرائط لگائی ہیں:

## معقود علیہ سے متعلق پہلی شرط:

۵- یہ کہ معقود علیہ عقد کے وقت موجود ہو یعنی معدوم نہ ہو، لہذا فقہاء

(۱) الدر المختار ررد المحتار ۱/۸۹، ۳۱۸، ۳۱۹ طبع بلاق ۱۳۷۲ھ۔

(۲) ررد المحتار ۱/۱۵۰۔

(۳) جامعہ العدوی علی شرح کلتیہ للعلاب ۱/۱۳۸، ۱۳۹ طبع مطبعہ عیسیٰ المہلبی الجلیسی، قاہرہ۔

ہے جس کو اصولی ضمیمہ اور اصطلاح ”نہی“ میں دیکھا جائے۔

اگر کوئی قرینہ یا دلیل ایسی پائی جائے جو نہی کو تحریم سے پھیر دے تو نہی سے مراد کراہت ہوگی، اور کراہت لغت میں محبت کی ضد ہے، اور اصطلاح میں حسب ذیل معانی ہیں:

الف- مکروہ تحریمی: جو حرمت کے زیادہ قریب ہو بایں معنی کہ اس سے جہنم کی سزا کے استحقاق سے کم درجہ کا جرم متعلق ہو، مثلاً شفاعت سے محرومی، حنفیہ کے نزدیک مطلق کراہت کا مصداق یہی ہے، لیکن یہ امام محمد کے نزدیک حرام ہے جس کی حرمت دلیل ظنی سے ثابت ہے۔

ب- مکروہ تزییہ: مکروہ تزییہ وہ ہے جو حلال ہونے کے زیادہ قریب ہو بایں معنی کہ اس کا ارتکاب کرنے والے کو کوئی سزا نہ ہو، لیکن اس کو ترک کرنے والے کو ادنیٰ ثواب ملے<sup>(۱)</sup>، لہذا اس کا ترک اس کے فعل سے افضل ہے، مکروہ تزییہ کے مترادف ”خلاف اولیٰ“ ہے، اور بکثرت اس کا بھی استعمال ہوتا ہے۔

لہذا اگر مکروہ کا ذکر کریں تو اس کی دلیل پر غور کرنا ضروری ہوگا:

الف- اگر وہ دلیل ظنی ہو تو مکروہ تحریمی کا حکم لگایا جائے گا، الا یہ کہ نہی کو تحریم سے استنباب کی طرف پھیرنے والی کوئی چیز پائی جائے۔

ب- اگر وہ دلیل ظنی نہ ہو، بلکہ ایک درجہ غیر قطعی ترک کا معنی بتاتی ہو تو یہ مکروہ تزییہ ہے۔

مکروہ تحریمی اور مکروہ تزییہ کے درمیان ایک درجہ ”إساءت“ ہے جو مکروہ تحریمی سے نیچے اور مکروہ تزییہ سے اوپر کا درجہ ہے، اس

(۱) التبیح والتوضیح مع شرح الخلوخ للحنفازانی ۱۲۶/۲۔



## بیع منہی عنہ ۶

ہے (۱)، اس کی دلیل حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت ہے: ” أن النبی ﷺ نہی عن بیع المضامین و الملائیح و حبل الحبلہ“ (۲) (نبی کریم ﷺ نے مضامین، ملائیح اور حبل الحبلہ کی بیع سے منع فرمایا)۔

نیز حضرت سعید بن المسیب کا قول ہے: حیوان میں ربا نہیں ہے، حضور ﷺ نے جانوروں سے متعلق صرف تین چیزوں سے منع فرمایا ہے: مضامین، ملائیح اور حبل الحبلہ (۳)۔

نیز اس بیع میں غرر ہے، ہو سکتا ہے کہ اونٹنی بچہ نہ بنے یا اس سے قبل مر جائے، لہذا یہ معدوم کی بیع ہے اور اس چیز کی بیع ہے جس کے معدوم ہونے کا خطرہ ہے (۴)۔

شافعیہ نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ یہ ایسی چیز کی بیع ہے جو نہ ملکیت میں ہے نہ معلوم ہے، اور نہ ہی اس کی سپردگی پر قدرت ہے (۵)۔

حنابلہ نے اس کی توجیہ میں کہا کہ جہالت ہے، اس لئے کہ اس کی صفت اور اس کی زندگی معلوم نہیں ہے، اور اس لئے کہ اس کی سپردگی پر قدرت نہیں ہے (۶)۔ اور جب حمل کی بیع جائز نہیں تو حمل کے حمل کی بیع بدرجہ اولیٰ ناجائز ہوگی۔

۶- معدوم کی بیع ہی کے قبیل سے بیع عصب المکل (سانڈ سے جفتی

کے نزدیک معدوم کی بیع نہیں ہوگی، اور اس کو باطل مانا جائے گا۔ اس کی شکل حسب ذیل بیوع میں ہے: ”مضامین“، ”ملائیح“ اور حبل الحبلہ کی بیع، اور شکم مادر میں موجود جنین کی بیع۔

مضامین: ”مضمون“ مجنون کے ہم وزن کی جمع ہے اور اس سے مراد جمہور اور بعض مالکیہ جیسے ابن جزئی کے نزدیک وہ مادہ جوز کی پشت میں ہے (۱)۔

ملائیح: ”مملقوۃ“ اور ”مملقوۃ“ کی جمع ہے، اور اس سے مراد مادہ چوپایوں اور گھوڑیوں کے شکم کے جنین ہیں (۲)۔

امام مالک نے کہا: مضامین سے مراد اونٹنیوں کے شکم کے جنین، اور ملائیح سے مراد نر جانوروں کی پشت میں موجود مادہ کی بیع ہے (۳)۔

بیع حبل الحبلہ کی بیع سے مراد نتاج (پیدا ہونے والے بچہ) کے نتاج کی بیع یعنی یہ اونٹنی یا یہ جانور جو بچہ جنے گی اس بچہ کے بچہ کو فروخت کرنا، لہذا اس کے بچہ کے بچہ کو نتاج کہا جاتا ہے (۴)۔

ان تمام بیوع کے باطل ہونے میں فقہاء کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ابن المنذر نے کہا: بالاجماع ملائیح و مضامین کی بیع ناجائز

(۱) الدر المختار ۳/۱۰۲، فتح القدیر ۶/۵۰، القوانین العہدیہ ۱۶۹ طبع بیروت ۱۹۷۱ء شرح المکلی علی الصہاح ۶/۱۷ طبع سوہم مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبي، قلمروہ ۵/۱۳۷، ۱۹۵۶ء المغنی ۶/۲۷، شرح المکبیر فی ذیل المغنی ۲۷ طبع بیروت ۱۳۹۲ھ۔

(۲) الدر المختار ۳/۱۰۲، فتح القدیر ۶/۵۰، شرح المکلی علی الصہاح ۶/۱۷۔  
(۳) شرح المکبیر للدرر مع حاشیۃ الدرر ۳/۵۷ طبع عیسیٰ البابی الحلبي، المغنی ۶/۲۷، شرح المکبیر فی ذیل المغنی ۶/۲۷، فتح القدیر ۶/۵۰، نصب الرایۃ ۱۰/۱۱۔

(۴) بدائع الصنائع ۵/۳۸، شرح المکلی وحاشیہ عمیرہ ۳/۵۷، ۱۷۵۷ء، المغنی ۶/۲۷، شرح المکبیر فی ذیل المغنی ۶/۲۷، الدر المختار رہامش رد المحتار ۳/۱۰۲۔

(۱) المغنی ۶/۲۷، شرح المکبیر فی ذیل المغنی ۶/۲۷۔

(۲) حدیث ابن عباسؓ ”نہی عن بیع المضامین و الملائیح.....“ کی روایت طبرانی نے کی ہے، ہاشمی نے کہا اس میں اسماعیل بن ابی حنیبلہ ہے جس کی امام احمد نے توثیق اور جمہور ائمہ نے تصحیح کی ہے (مجمع الزوائد ۳/۱۰۲ طبع القدسی)۔

(۳) فتح القدیر مع شرح العنایہ و الکفایہ ۶/۵۰ طبع بیروت۔

(۴) بدائع الصنائع ۵/۳۸، فتح القدیر ۶/۵۰۔

(۵) شرح الصغیر بحاشیۃ المجلد ۳/۷۰، نیز دیکھئے شرح المکلی علی الصہاح ۶/۱۷۔

(۶) المغنی ۶/۲۷، شرح المکبیر ۶/۲۷، کشاف القناع ۳/۱۶۶۔

## بیع منہی عنہ ے

یعنی جس کی طرف طبیعت مائل ہوتی ہے، اور اس کو خرچ کیا جاتا اور روکا جاتا ہے<sup>(۱)</sup>۔ (دیکھئے: اصطلاح ”مال“)، لہذا غیر مال کی بیع منعقد نہ ہوگی، اس کی مثال یہ ہے کہ مسلمان کسی مردار کی بیع کرے تو یہ باطل ہے، وہ طبعی طور پر مرا ہوا گلا گھونٹ کر مارا گیا ہو یا کسی اور غیر شرعی ذبح کے ذریعہ مرا ہو۔ اس کی دلیل یہ فرمان باری ہے: ”حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ“<sup>(۲)</sup> (تم پر حرام کئے گئے ہیں مردار اور خون)، اس سے مستثنیٰ صرف مچھلی اور نڈی ہیں جس کی دلیل یہ فرمان نبوی ہے: ”أَحَلَّتْ لَنَا مَيْتَانِ وَدَمَانِ: فَأَمَّا الْمَيْتَانِ فَالْحَوْتُ وَالْجُرَادُ، وَأَمَّا الدَّمَانِ فَالْكَبِدُ وَالطَّحَالُ“<sup>(۳)</sup> (ہمارے لئے دو مردار اور دو خون حلال کئے گئے ہیں: مردار مچھلیاں اور نڈی ہیں، اور خون جگر اور تلی ہیں)۔

رہا ذمی کا مردار فروخت کرنا: تو اگر وہ فطری موت مرا ہو یعنی ضرب و قتل کے ذریعہ نہ مرا ہو (یعنی رُمق باقی رہنے تک اس کی سانس جاری رہی ہو) تو وہ بالاتفاق مال نہیں۔

جو جانور فطری موت نہ مرا ہو بلکہ گلا گھونٹنے کے سبب مرا ہو یا ذمی کے دین کے مطابق اس کو مارا گیا ہو، اور ہماری شریعت میں وہ ذبح نہ ہو تو اس کی بیع کے جواز و فساد کے بارے میں حنفیہ کے یہاں مختلف روایتیں ہیں: امام ابو یوسف سے جواز کی روایت اور امام محمد

کرانے کی بیع)۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں ہے، وہ فرماتے ہیں: ”أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ ثَمَنِ عَسَبِ الْفَحْلِ“<sup>(۱)</sup> (آپ ﷺ نے نذکی جفتی کے ثمن سے منع فرمایا)۔ ایک اور روایت میں ہے: ”عَنْ عَسَبِ الْفَحْلِ“ (سانڈ سے جفتی کرانے سے منع فرمایا)۔ اس روایت کے بارے میں کاسانی نے کہا: بذات خود عسب (جفتی) پر نبی کو محمول کرنا ممکن نہیں، اس لئے کہ عاریت کے طور پر ایسا کرنا جائز ہے، لہذا انہی کو بیع اور اجارہ پر محمول کیا جائے گا، لیکن اس چیز کو یہاں پر محذوف اور مضر رکھا گیا ہے<sup>(۲)</sup>، جیسا کہ اس فرمان باری میں ہے: ”وَسُئِلَ الْقُرَيْبَةُ“<sup>(۳)</sup> (آپ اس بستی والوں سے دریافت کر لیجئے)۔

شافعیہ نے اس حدیث کی تاویل و تشریح میں تقریباً یہی لکھا ہے، انہوں نے اس کے تین طرح کے احتمالات کا ذکر کرتے ہوئے (دوسرے علماء کی طرح) اس کے باطل ہونے کی صراحت کی ہے اور کہا: اس کے نطفہ کا ثمن حرام ہے، اس کو فروخت کرنا باطل ہے، اس لئے کہ وہ غیر معلوم بے قیمت اور سپردگی پر قدرت سے خالی ہے<sup>(۴)</sup>۔

## محل عقد سے متعلق دوسری شرط:

ے - یہ کہ معقود علیہ مال ہو، مال سے مراد فقہی اصطلاح والا مال ہے

(۱) حدیث ابن عمرؓ: ”نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ ثَمَنِ عَسَبِ الْفَحْلِ“ کی روایت بخاری (ذبح المبارہی ۳/۶۱۳ طبع استنباب) نے کی ہے۔

(۲) بدائع الصنائع ۵/۱۳۹۔

(۳) سورہ یوسف ۸۲۔

(۴) تحفۃ المحتاج بشرح اسمعاج لابن حجرؒ مع جامعہ الشروانی و اعبادی ۳/۲۹۲، کشاف القناع ۳/۶۶۳، المغنی ۳/۷۷۔

(۱) الدر المختار، بحوالہ درر الحکام ۳/۱۰۰۔

(۲) سورہ مائدہ ۳۔

(۳) حدیث: ”أَحَلَّتْ لَنَا مَيْتَانِ وَ دَمَانِ.....“ کی روایت ابن ماجہ

(۳/۱۰۷۳ طبع عیسیٰ الخلیلی) نے حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے، دارقطنی

نے حضرت ابن عمرؓ پر اس کے موقوف ہونے کو درست کہا ہے۔ ابن حجر نے اس

کو نقل کرنے کے بعد اس پر یہ تبصرہ کیا ہے: موقوف روایت ہے جس کو ابو حاتم

وغیرہ نے صحیح قرار دیا ہے، وہ مرفوع کے حکم میں ہے (تخصیص الجہر ۲/۶۱ طبع

شركة المطابع العنبر)۔

## بیع منہی عنہ ۸

کی ہے (۱)۔

مردار اور خون وغیرہ کی تحریم کی علت حنفیہ کے نزدیک مالیت کا نہ ہونا، اور دوسرے حضرات کے نزدیک نجاست عین ہے (۲)۔  
محل عقد میں مالیت کے نہ ہونے کی صورتوں میں سے آزاد کی بیع، اسی طرح آزاد کو ثمن بنا کر اس کے عوض بیع، یعنی اس پر ”باء“ داخل کر کے کہنے: ”بعتك هذا البيت بهنا الغلام“ حالانکہ وہ غلام نہیں بلکہ آزاد ہو، اس لئے کہ حقیقت بیع مال کامل سے تبادلہ ہے، اور وہ یہاں موجود نہیں، اس لئے کہ وہ مال نہیں ہے (۳)۔

اس بیع کی تحریم پر سخت وعید اس حدیث میں وارد ہے: ”ثلاثة أنا خصمهم يوم القيامة، ومن كنت خصمه خصمته، رجل أعطى بي ثم غدر، ورجل باع حرا فاكل ثمنه، ورجل استأجر أجيرا، فاستوفى منه ولم يعطه أجره“ (۴)  
(میں قیامت کے دن تین آدمیوں کا فریق ہوں گا اور جس کا میں فریق ہوں گا اس کو مغلوب کر دوں گا: ایک وہ شخص جس نے میرا نام لے کر عہد کیا، پھر فریب کیا، دوسرے وہ جس نے آزاد کو فروخت کر کے اس کا ثمن کھایا، تیسرے وہ جس نے مزدور سے پوری محنت لی، پھر اس کی مزدوری نہ دی)۔

تیسری شرط: مالیت والا ہونا:

۸۔ محل عقد سے متعلق شرائط میں اس کے مال ہونے کے ساتھ

- (۱) شرح الکبیر فی ذیل المغنی ۳/۱۳، نیل الاوطار ۵/۱۳۳۔  
(۲) دیکھئے القوانين الفقہیہ ۱۶۳، شرح الکبیر للردیہ ۳/۱۰، شرح المحلی علی المہاج ۳/۱۵۷۔  
(۳) الدر المختار ۳/۱۰۱، بدائع الصنائع ۵/۱۳۰۔  
(۴) حدیث: ”ثلاثة أنا خصمهم.....“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۳/۲۳۷ طبع استنبیہ) نے کی ہے۔

سے نساد کی روایت ہے، باطل ہونے کی کوئی روایت نہیں (۱)۔

غیر حنفیہ بیع کے باطل ہونے کے تعلق سے فطری طور پر مردہ، اور غیر فطری طور پر مردہ جانور کے درمیان فرق نہیں کرتے۔  
ابن المنذر نے کہا: مردار یا اس کے کسی جز کی بیع کے عدم جواز پر اہل علم کا اجماع ہے (۲)۔

تحریم کی دلیل یہ حدیث نبوی ہے: ”إن الله ورسوله حرم بيع الخمر والميتة والخنزير والأصنام“ (۳) (اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر، اور بتوں کی بیع کو حرام کیا ہے)۔

دم مسفوح (جاری خون) کی بیع حرام اور غیر منعقد ہوگی، اس کی دلیل یہ فرمان باری ہے: ”أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا“ (۴) (یا بہتا ہوا خون)، ”مسفوح“ کی قید سے جو اس کے علاوہ ہے وہ خارج ہو گیا، لہذا اس کی بیع جائز ہے، مثلاً جگر اور تلی (۵)، ان دونوں کو تحریم سے مذکورہ بالا حدیث کے سبب استثناء کیا گیا: ”أحلت لنا ميتتان و دمان.....“ (ہمارے لئے دو مردار، اور دو خون حلال کئے گئے ہیں.....) اس میں کوئی اختلاف نہیں، ابن المنذر اور شوکانی نے اس کی بیع کے حرام ہونے پر اہل علم کے اجماع کی صراحت

(۱) الدر المختار ۳/۱۰۱۔

(۲) شرح الکبیر فی ذیل المغنی ۳/۱۳، نیز دیکھئے شرح الکبیر للردیہ ۳/۱۰، شرح المحلی علی المہاج ۳/۱۵۷۔

(۳) حدیث: ”إن الله ورسوله حرم بيع الخمر و الميتة.....“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۳/۲۳۷ طبع استنبیہ) نے حضرت جابر بن عبد اللہ سے کی ہے۔

(۴) سورۃ أنعام ۱۳۵۔

(۵) الدر المختار ۳/۱۰۱۔

## بیع منہی عنہ ۹

ساتھ، اس کا مقوم ہونا بھی ہے۔  
 حنفیہ کے نزدیک مقوم ہونا دو طرح سے ہے:  
 عرفی: جو حفاظت میں لینے کے ذریعہ ہوتا ہے، لہذا غیر محفوظ  
 مثلاً شکار اور گھاس، مقوم نہیں۔  
 شرعی: جو انتفاع کی اباحت کے ذریعہ ہوتا ہے، اور یہاں یہی  
 مراد ہے۔  
 لہذا اس مفہوم کے لحاظ سے جو مال مقوم نہ ہو یعنی اس سے  
 انتفاع مباح نہ ہو، اس کی بیع باطل ہے (۱)۔

بعض فقہاء مالیت، اور تقوم کے بجائے طہارت اور نفع کی شرط  
 لگاتے ہیں جیسا کہ مالکیہ اور شافعیہ نے کیا ہے (۲)۔  
 بعض نے تقوم کی اس شرط کے بجائے صرف مالیت کی شرط  
 لگائی ہے، جو ان کے نزدیک مال کی اس تعریف کی وجہ سے ہے کہ مال  
 وہ جس میں کوئی غیر حرام منفعت ہو، اور وہ بلا حاجت یا ضرورت کے  
 مباح ہو۔ اور یہ جنابہ ہیں۔  
 ”منفعت“ کی قید سے وہ خارج ہو گیا جس میں کوئی منفعت  
 نہیں مثلاً کیڑے مکوڑے، اور وہ جس میں حرام منفعت ہو مثلاً شراب،  
 اور جس میں حاجت کی وجہ سے مباح منفعت ہو مثلاً کتا، اور جس  
 میں ضرورت کی وجہ سے مباح منفعت ہو مثلاً مخمض (سخت بھوک) کی  
 حالت میں مردار (۳)۔

۹۔ غیر مقوم کی مثالوں میں سے خمر اور خنزیر کی بیع ہے، یہ جمہور فقہاء  
 کے نزدیک فاسد ہے۔

(۱) شرح لکھنوی علی اسمہاج ۱۵۷/۲۔

(۲) لشرح الکبیر للدریہ ۱۰۳، شرح الخرشنی علی مختصر فلیل بھائیہ العدوی ۱۵/۵  
 طبع بیروت۔

(۳) کشاف القناع ۱۵۲، لشرح الکبیر بذیل المغنی ۱۳۳۔

(۴) حدیث: ”ان الله حرم بيع الخمر و المصعة.....“ کی تخریج فقہاء کے  
 تحت آچکی ہے۔

(۵) الدر المختار ورد المحتار ۱۰۳، ۱۰۳، تمییز الحقائق شرح کنز الدقائق  
 ۳۵، ۳۳، ۳۵، طبع دار المعرفیہ بیروت۔

(۱) الدر المختار ورد المحتار ۱۰۳، ۱۰۳۔

(۲) دیکھئے: القوانین الفقہیہ ص ۱۶۳، لشرح الکبیر للدریہ ۱۰۳، شرح لکھنوی علی  
 اسمہاج ۱۵۷/۲۔

(۳) کشاف القناع ۱۵۲/۳۔

## بیع منہی عنہ ۱۰-۱۱

۱۰- حنفیہ کے نزدیک غیر منقوم ہی کی مثالوں میں سے وہ مردار ہے جو فطری موت نہ مرا ہو، بلکہ گلا گھونٹنے وغیرہ کی وجہ سے مرا ہو، اس لئے کہ وہ ذمی کے یہاں شراب کی طرح مال ہے<sup>(۱)</sup>، مالیت کی شرط میں اس پر بحث ہو چکی ہے۔

۱۱- غیر منقوم سے متعلق وہ ناپاک ہو جانے والی چیز ہے جو ناقابلِ تطہیر ہو مثلاً گھی، تیل، شہد، دودھ اور سرکہ۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ میں سے اکثر کا مشہور اور اصح مذہب ان کی بیع کا عدم جواز ہے، اس لئے کہ ان کا کھانا حرام ہے، کیونکہ حضور ﷺ سے اس چوبہا کے بارے میں دریافت کیا گیا جو گھی میں مرگئی ہو تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”وإن كان مانعا فلا تقربوه“<sup>(۲)</sup> (اور اگر سیال ہو تو اس کے قریب نہ جاؤ)۔ اور جب حرام ہے تو اس کی بیع ناجائز ہوگی، کیونکہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں فرمان نبوی ہے: ”لعن الله اليهود، حرمت عليهم الشحوم، فجملواها (أي أذا بوها) فباعوها.....“<sup>(۳)</sup> (اللہ کی لعنت یہودیوں پر ہو کہ ان پر چربی حرام کی گئی تو انہوں نے اس کو پگھلا کر فروخت کر دیا)۔

نیز اس لئے کہ وہ نجس ہے، لہذا مردار کی چربی پر قیاس کرتے ہوئے اس کی بیع ناجائز ہوگی، اس لئے کہ وہ نجس العین کے معنی میں ہے<sup>(۴)</sup>۔

اسی طرح حنفیہ نے مذکورہ چیزوں کی بیع میں مسلمان اور ذمی کے درمیان فرق کیا ہے، اس سلسلہ میں کاسانی کہتے ہیں: خنزیر کی بیع مسلمان کی طرف سے منعقد نہ ہوگی، اس لئے کہ مسلمانوں کے حق میں وہ مال نہیں، لیکن اہل ذمہ کو آپس میں شراب اور خنزیر کی بیع کرنے سے نہیں روکا جائے گا، جس کی دلیل یہ ہے:

الف۔ ہمارے بعض مشائخ کا قول ہے کہ ان کے لئے اس سے انتفاع شرعاً مباح ہے، جیسا کہ سرکہ اور بکری ہمارے لئے مباح ہیں، لہذا وہ ان کے حق میں مال ہیں، اس لئے ان کی بیع جائز ہوگی، اور سیدنا عمر بن الخطابؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے شام میں اپنے مہصلین عشر کے پاس لکھا کہ اس کی بیع ان کے ذمہ سوئپ دو، اور اس کے ثمن میں سے عشر لے لو، اگر ان کی طرف سے اس کی بیع جائز نہ ہوتی تو حضرت عمر مہصلین کو یہ حکم نہ دیتے کہ ذمیوں کو ان کی بیع کا کام سوئپ دو۔

ب۔ ہمارے بعض مشائخ سے مروی ہے کہ شراب اور خنزیر کی حرمت مسلمان اور کافر کے حق میں علی العموم ثابت ہے، اس لئے کہ کفار شرائع یعنی محرمات کے مخاطب ہیں، ہمارے اصحاب کے مذہب میں صحیح یہی ہے، لہذا اس کی حرمت مسلمان اور کافر کے حق میں ثابت ہوگی، لیکن ان کو اس کی بیع کرنے سے نہیں روکا جائے گا، اس لئے کہ وہ اس کو حرام نہیں سمجھتے اور وہ اس کو مال بنا کر جمع کرتے ہیں، اور ہم کو حکم ہے کہ ان کو ان کے عقیدہ اور دین پر چھوڑ دیا جائے<sup>(۱)</sup>۔

ابن عابدین رحمہ اللہ کاسانی کی اس عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: اس کا ظاہر یہ ہے کہ ان کے درمیان آپس میں اس کی بیع صحیح ہے، گوکہ ”ثمن“ کے عوض فروخت کی جائے<sup>(۲)</sup>۔

(۱) الدر المختار رورد المحتار ۴/۱۰۳، نیز دیکھئے فقرہ ۷۔

(۲) حدیث ”وإن كان مانعا فلا تقربوه.....“ کی روایت ابو داؤد (۳/۱۸۱) تحقیق عزت عبید دھاس نے حضرت ابو ہریرہؓ سے کی ہے اس کی اسناد صحیح ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے (فتح الباری ۱/۳۳۳ طبع استنبلیہ)۔

(۳) حدیث: ”لعن الله اليهود.....“ کی روایت مسلم (۳/۱۲۰) طبع عیسیٰ الحلبي نے حضرت عمر بن خطابؓ سے کی ہے۔

(۴) القوانین الفقویہ رص ۱۶۳، شرح الحلی علی المہاج ۲/۱۵۷، کشاف القناع ۳/۱۶۵، الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۳/۱۵۷۔

(۱) بدائع الصنائع ۵/۱۳۳۔

(۲) الدر المختار ۴/۱۰۳۔

## بیع منہی عنہ ۱۱

شافعیہ کے یہاں ایک قول جو ان کے نزدیک صحیح کے بالمقابل ہے یہ ہے کہ اگر اس کی تطہیر ممکن ہو اس طور پر کہ اس کو کسی برتن میں رکھ کر اتنا پانی بہایا جائے کہ پانی غالب ہو جائے، اور اس کو ایک لکڑی سے بلایا جائے یہاں تک کہ اس کے تمام اجزاء تک پانی پہنچے تو ناپاک ہونے والے کپڑے پر قیاس کرتے ہوئے اس کی بیع جائز ہوگی، لیکن شافعیہ کے یہاں صحیح قول بیع سے ممانعت ہے، اس لئے کہ اس کو پاک کرنا ناممکن ہے، اس کی دلیل چوہیا والی سابقہ حدیث ہے، اس لئے کہ اگر اس کی تطہیر ممکن ہوتی تو حدیث میں یہ نہ کہا جاتا: ”الْقَوْهَا وَمَا حَوْلَهَا“ (اس کو اور اس کے اطراف کو پھینک دو) اور ایک روایت میں ہے: ”فَارِيقُوهُ“<sup>(۱)</sup> (اس کو بہا دو)، اسی طرح ان کے یہاں ناپاک پانی کی بیع کے بارے میں اختلاف ہے۔

لہذا بعض کے نزدیک بیع جائز ہے، اس لئے کہ اس کو اس طرح پاک کرنا ممکن ہے کہ اس میں پانی کا اضافہ کر دیا جائے۔

بعض مالکیہ نے قطعی طور پر ناجائز کہا ہے اور یہی معتمد ہے (جیسا کہ قلیوبی اپنے شیخ کے حوالہ سے کہتے ہیں) اگر پانی دو قلعہ (گھڑے) سے کم ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ فی الحال اس کی نجاست مد نظر ہے، لیکن اگر دو قلعہ سے زائد ہو تو ان کے نزدیک صحیح ہے<sup>(۲)</sup>۔

اسی طرح حنابلہ نے جو نجس تیل کی بیع کو ناجائز کہتے ہیں امام احمد سے روایت کی ہے کہ کسی کافر کے ہاتھ جو اس کی نجاست سے

(۱) شرح کھلی علی المہاج ۲/ ۱۵۷، تحفۃ المحتاج مع حاشیہ الشروانی ۵/ ۲۳، ۲۳۶۔

حدیث: ”الْقَوْهَا وَمَا حَوْلَهَا.....“، اور ایک دوسری روایت میں

”فَارِيقُوهُ“ ہے کی روایت بخاری (فتح الباری ۹/ ۶۶۸ طبع المستطیع) نے

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کی ہے۔

(۲) شرح کھلی علی المہاج و حاشیہ قلیوبی ۲/ ۱۵۷۔

مالکیہ نے طے کیا ہے کہ ان کے مذہب میں مشہور یہ ہے کہ اختیاری طور پر اس کی بیع ناجائز ہے، ہاں اضطراری طور پر جائز ہے<sup>(۱)</sup> مشہور کے بالمقابل امام مالک کی ایک روایت یہ ہے کہ اس کی بیع جائز ہے، ابن اللباد، اسی پر فتویٰ دیتے تھے۔

ابن رشد نے کہا: امام مالک سے مشہور، اور ”المدونہ“ وغیرہ میں ان کے مذہب سے یہی معلوم ہے کہ اس کی بیع ناجائز ہے، اور اظہر یہ ہے کہ اس کی بیع اس شخص کی طرف سے جائز ہے جو اس کے ذریعہ دھوکہ نہ دے، اور وہ بیان کر دے، اس لئے کہ نجاست کے گر جانے سے اس کا نجس ہونا، اس سے اس کے مالک کی ملکیت کو ساقط نہیں کرتا، اور اس کے تمام منافع ختم نہیں ہوتے، اور یہ بھی ناجائز ہے کہ اس کے حق میں اس کو تلف کر دیا جائے، لہذا اس کے لئے جائز ہے کہ اس کو ایسے شخص کے ہاتھ میں فروخت کر دے جو اس کو اس جگہ صرف کرے جہاں وہ اس کو صرف کر سکتا تھا، اور تیل کے بارے میں یہی حکم ان لوگوں کے مذہب کے مطابق ہے جو اس کے دھونے کو ناجائز کہتے ہیں، لیکن جو لوگ اس کے دھونے کو جائز کہتے ہیں (اور یہ امام مالک سے مروی ہے) ان لوگوں کی رائے کے مطابق اس کی بیع کی صورت وہی ہے جو ناپاک ہونے والے کپڑے کی ہے<sup>(۲)</sup>۔

ابن جزئی نے ابن رشد کے قیاس کو اس صورت میں شامل کیا ہے جس کو ابن وہب نے اس شرط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے کہ اگر وہ اس کو بیان کر دے، اور غیر مساجد میں اس کے ذریعہ چراغ جلانے کے بارے میں اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے<sup>(۳)</sup>۔

(۱) شرح الکبیر للذہبی ۱۰/ ۳۔

(۲) حاشیہ المدون علی المشرع الکبیر، مذکورہ مقام۔

(۳) القوائین الفقہیہ ۱۳/ ۱۶۳۔

## بیع منہی عنہ ۱۲

کرے تو مشتری کے لئے خیار ثابت ہوگا (۱)۔

جبکہ حنفیہ نے (جمہور کے نزدیک اصح اور مشہور کے برخلاف) صراحت کی ہے کہ ناپاک ہو جانے والے تیل (جس میں عارضی طور پر نجاست لگ گئی ہو) کی خرید و فروخت جائز ہے، اور کھانے کے علاوہ مثلاً غیر مساجد میں چراغ جلائے اور دباغت وغیرہ میں اس سے فائدہ اٹھانے کو جائز قرار دیا ہے (۲)۔

حنفیہ نے نجاست آلود تیل، اور مردار کے تیل کے درمیان فرق کیا ہے، کیونکہ مردار کا تیل نجس ہے، اس لئے کہ وہ مردار کا جز ہے، لہذا وہ مال نہیں ہوگا، پس اس کی خرید و فروخت بالاتفاق ناجائز ہوگی جیسا کہ اس سے فائدہ اٹھانا ناجائز ہے (۳)۔ ابن عابدین نے اس کے لئے اس حدیث سے استدلال کیا: ”إن الله ورسوله حرم بیع الخمر والمیتة والخنزیر والأصنام، فقیل یا رسول الله! آریت شحوم المیتة، فإنها یطلى بها السفن، ویدهن بها الجلود، ویستصبح بها الناس؟ فقال: لا، هو حرام“ (۴) (اللہ نے اور اس کے رسول نے شراب، مردار، سورا اور بتوں کی خرید و فروخت حرام قرار دی ہے، دریافت کیا گیا کہ اللہ کے رسول! مردار کی چربی کا حکم بتائیں کہ اس کو کشتیوں پر ملتے ہیں، کھالوں پر لگاتے ہیں، لوگ اس سے چراغ جلاتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، وہ حرام ہے)۔

۱۲- بے قیمت، نجاست اور نجاست آلودہ چیزوں سے متصل مردار

(۱) المشرح الکبیر للردیہ ۱۰/۳، نیز دیکھئے شرح المجلد علی امہاج ۲/۱۵۷، کشاف القناع ۶/۳۔

(۲) الدر المختار ۳/۱۱۳۔

(۳) رد المحتار ۳/۱۱۳، نیز دیکھئے تمیز الحقائق ۵/۱۳۳۔

(۴) حدیث: ”إن الله ورسوله حرم بیع الخمر و المیتة.....“ کی تخریج نقرہ کے تحت آچکی ہے۔

واقف ہو اس کی بیع جائز ہے، اس لئے کہ وہ اس کو حلال سمجھتا ہے، اور اس کے کھانے کو مباح قرار دیتا ہے، نیز اس لئے کہ حضرت ابوموسیٰ سے مروی ہے کہ ”اس میں سٹو ملا دو، اور فروخت کر دو، لیکن کسی مسلمان کے ہاتھ فروخت نہ کرو، اور اس کو بتا دو“۔ لیکن حنابلہ کے یہاں صحیح عدم جواز ہے، اس لئے کہ حضرت ابن عباس کی سابقہ حدیث میں ہے: ”لعن الله اليهود، حُرِّمَتْ عَلَيْهِمُ الشَّحُومُ فَجَمَلُوهَا“ (۱) (یہودیوں پر اللہ کی لعنت ہو کہ ان پر چربی حرام کی گئی تو انہوں نے اس کو پکھلایا)۔

نیز اس لئے کہ کسی مسلمان کے ہاتھ اس کی بیع جائز نہیں تو کسی کافر کے ہاتھ بھی جائز نہیں ہوگی، جیسا کہ شراب اور خنزیر، کیونکہ وہ اس کو حلال سمجھتے ہیں تاہم اس کی بیع ان کے ہاتھ ناجائز ہے۔ نیز اس لئے کہ یہ نجس تیل ہے، لہذا اس کی بیع کسی کافر کے ہاتھ جائز نہیں ہوگی جیسا کہ مراد کی چربی (۲)۔

رہا ناپاک ہونے والا کپڑا یا ناپاک ہونے والا برتن، اور اس جیسی دوسری ناپاک ہو جانے والی اشیاء جو دھونے سے پاک ہو جاتی ہیں، تو ان کی بیع کی صحت کی انہوں نے صراحت کی ہے، کیونکہ ان سے تطہیر کے بعد فائدہ اٹھایا جاتا ہے، اور ان کی طہارت ہی اصلی ہے، لہذا ان پر ایسی نجاست عارضی طور پر لگ گئی ہے جس کا زائل کرنا ممکن ہے۔

مالکیہ نے نجاست بیان کرنے کو علی الاطلاق واجب قرار دیا ہے، خواہ کپڑا (مثلاً) نیا ہو یا پرانا، خواہ دھونے سے وہ خراب ہو جائے یا خراب نہ ہو، اور خواہ خریدار نمازی ہو یا نمازی نہ ہو، انہوں نے کہا: اس لئے کہ طبیعت کو اس سے گھن آتی ہے، اور اگر وہ اس کو بیان نہ

(۱) حدیث: ”لعن الله اليهود“ کی تخریج نقرہ میں گذر چکی ہے۔

(۲) المشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۳/۱۵۶، کشاف القناع ۳/۱۵۶۔

## بیع منہی عنہ ۱۲

کے گوشت کی طرح ہوں گیں، اس کے برخلاف نجس کپڑے کی خرید و فروخت جائز ہے، اس لئے کہ اس کی نجاست اصل خلقت کے لحاظ سے نہیں، لہذا اس کی خرید و فروخت کے جواز سے ممانعت نہیں۔  
ب۔ ہاں دباغت کے بعد اس کی بیع اور اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، اس لئے کہ وہ دباغت کے سبب پاک ہو گئی۔

ج۔ رعی ہڈی وغیرہ تو اصل خلقت کے لحاظ سے وہ پاک ہے، اور حنفیہ کے نزدیک قاعدہ ہے کہ جس چیز میں خون سرایت نہ کرے موت کے سبب وہ نجس نہیں ہوتی، مثلاً بال، پر، وبر (اونٹ، خرگوش وغیرہ کے بال) سینگ، کھر اور ہڈی، جیسا کہ انہوں نے طہارتوں کے بیان میں اس کی صراحت کی ہے<sup>(۱)</sup>، لہذا اس کی خرید و فروخت اور اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، اور اس سلسلہ میں حنفیہ کی دلیل جیسا کہ کاسانی نے لکھا ہے، یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں ہمارے لئے پیدا کی ہیں، اور ان کے ذریعہ ہم پر احسان جتایا ہے اور ذبیحہ اور مردار کے درمیان کوئی تفصیل نہیں کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ باحت یقینی ہے فرمان باری ہے: ”وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ بُيُوتِكُمْ سَكَنًا، وَ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ جُلُودِ الْأَنْعَامِ بُيُوتًا تَسْتَخِفُّونَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَ يَوْمَ إِقَامَتِكُمْ وَ مِنْ أَصْوَابِهَا وَ أَوْبَارِهَا وَ أَشْعَارِهَا أَثَاثًا وَ مَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ“<sup>(۲)</sup> (اور اللہ ہی نے تمہارے لئے تمہارے گھر وچہ سکون بنائے اور تمہارے لئے جانوروں کی کھال کے گھر بنائے جنہیں تم اپنے کوچ کے دن اور اپنے قیام کے دن ہکا پاتے ہو اور ان کے اون اور ان کے روئیں اور ان کے بالوں سے (تمہارے) گھر کا سامان اور ایک مدت تک چلنے والی فائدے کی

کی ہڈی، اس کی کھال، اس کا اون، اس کا کھر اور اس کے پر وغیرہ ہیں۔

جمہور کا مذہب یہ ہے کہ ان کی خرید و فروخت نجاست کے سبب ناجائز ہے، اس لئے کہ فرمان باری ہے: ”حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ“<sup>(۱)</sup> (تم پر حرام کئے گئے ہیں مردار) اور یہ سب مردار کے اجزاء ہیں، لہذا حرام ہوں گے، اور ان کی خرید و فروخت جائز نہ ہوگی، اور حدیث میں وارد ہے: ”لَا تَسْتَفْعُوا مِنَ الْمَيْتَةِ يَا هَابِ وَلَا عَصَب“<sup>(۲)</sup> (کسی مردار کی کھال اور پٹھے سے فائدہ نہ اٹھاؤ)، بلکہ حنا بلہ نے صراحت کی ہے کہ مردار کی کسی بھی چیز کی خرید و فروخت جائز نہیں کوکہ یہ مضطر اور مجبور کے ہاتھ ہو، البتہ چھلی، ہڈی اور جنڈب (بڑی ہڈی) اس سے مستثنیٰ ہے، اس لئے کہ ان کا کھانا حلال ہے<sup>(۳)</sup>۔

حنفیہ نے اس مسئلہ میں آدمی اور غیر آدمی کے درمیان، اور دباغت سے قبل اور دباغت کے بعد مردار کی کھال کے درمیان تفصیل کرتے ہوئے کہا:

الف۔ دباغت سے قبل مردار کی کھال کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے، اس کی دلیل سابقہ حدیث ہے: ”لَا تَسْتَفْعُوا مِنَ الْمَيْتَةِ يَا هَابِ وَلَا عَصَب“ (کسی مردار کی کھال اور پٹھے سے فائدہ نہ اٹھاؤ) نیز اس لئے کہ اس کی نجاست ان رطوبتوں کے سبب ہے جو اصل خلقت کے لحاظ سے اس سے متصل ہیں، لہذا وہ مردار

(۱) سورہ مائدہ ۳۔

(۲) حدیث: ”لَا تَسْتَفْعُوا مِنَ الْمَيْتَةِ.....“ کی روایت ترمذی (۲۲۲/۳) طبع عینی الجلیلی نے حضرت عبداللہ بن حکیم سے کی ہے ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔

(۳) دیکھئے: شرح الکبیر للذہبی ۱۰۳، شرح التلخیص للبخاری ۲۳۳، کشاف القناع ۱۵۵، ۱۵۶۔

(۱) مذکورہ چیزوں کی طہارت کے بارے میں مثلاً دیکھئے: مراتب الفلاح بحیثیہ

الطحاوی ۱/ص ۹۱ طبع سوم بلاق ۱۳۱۵ھ۔

(۲) سورہ نحل ۸۰۔



## بیع منہی عنہ ۱۳

چیزیں بنائیں)۔

طرح ہے (۱)۔

انسان کی ہڈی اور اس کے بال کے بارے میں حنفیہ جمہور کے موافق ہیں کہ اس کی خرید و فروخت نہیں ہوگی، کاسانی نے کہا: اس کی نجاست کے سبب نہیں، کیونکہ وہ صحیح روایت کے مطابق پاک ہے، بلکہ اس کے احترام میں ناجائز ہے، خرید و فروخت کے ذریعہ اس کے استعمال میں اس کی اہانت کی علامت ہے (۲)۔

رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "لعن اللہ الواصلة والمستوصلة" (۳) (نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جوڑا لگانے والی اور لگوانے والی پر لعنت کی ہے)۔ حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ مذکورہ حدیث کی وجہ سے اس سے فائدہ اٹھانا ناجائز ہے، اور انہوں نے صراحت کی ہے کہ انسان شرعاً قائل احترام ہے کہ کافر ہو، لہذا اس پر عقد کرنا، اس کو استعمال کرنا، اور اس کو جمادات کے برابر کرنا اس کی توہین ہے جو ناجائز ہے، اور انسان کا جزو اس کے کل کی طرح ہے۔ حنفیہ میں سے کمال بن ابہام نے اس کی خرید و فروخت کے باطل ہونے کی صراحت کی ہے (۴)۔

## کتے کی خرید و فروخت:

۱۳- شافعیہ و حنابلہ کا مذہب، اور مالکیہ کے یہاں مشہور یہ ہے کہ کتے کی خرید و فروخت خواہ کوئی بھی کتا ہو گرچہ سکھایا ہوا ہو، صحیح نہیں،

(۱) مرآۃ الفلاح، ۹۱، یہ نور الابصار کے متن کی عبارت ہے نیز دیکھئے تبیین الحقائق و جامعہ العلمی ۱/۵۱۔

(۲) بدائع الصنائع ۵/۱۳۲۔

(۳) حدیث: "لعن اللہ الواصلة و المستوصلة....." کی روایت بخاری (فتح الباری ۱۰/۸۷۳ طبع السنہ) نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے کی ہے۔

(۴) الدر المختار و رد المحتار ۳/۱۰۵۔

نیز اس لئے کہ مردار کی حرمت موت کی وجہ سے نہیں، کیونکہ موت مچھلی اور ہڈی میں بھی موجود ہے، حالانکہ وہ دونوں نص کی رو سے حلال ہیں، بلکہ اس کی نجاست ان میں موجودہ سیال رطوبتوں اور نجس خون کے سبب ہے، اس لئے کہ موت کے سبب وہ جم جاتے ہیں، اور اسی وجہ سے مردار کی کھال دباغت کے سبب پاک ہو جاتی ہے، حتیٰ کہ اس کی رطوبت کے زائل ہو جانے کی وجہ سے اس کی بیع جائز ہو جاتی ہے، اور ان چیزوں میں کوئی رطوبت نہیں، لہذا یہ حرام نہیں ہوں گی (۱)۔ بلکہ حنفیہ مثلاً زیلعی نے صراحت کی ہے کہ درندوں کے گوشت، ان کی چربی اور ان کی کھال شرعی طور پر ذبح کرنے کے بعد، دباغت کے بعد مردار کی کھال کی طرح ہیں، حتیٰ کہ ان کی خرید و فروخت اور کھانے کے علاوہ میں ان سے فائدہ اٹھانا جائز ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ شرعی طور پر ذبح کرنے سے وہ پاک ہو گئی ہیں۔ ہاں سور کی کھال اس سے مستثنیٰ ہے، اس لئے کہ وہ نجس العین ہے (یہی حکم اس کے گوشت، ہڈی اور بال کا ہے)، لہذا وہ شرعی طور پر ذبح کرنے اور دباغت سے بھی پاک نہیں ہوگی، اگرچہ (خنزیر کے علاوہ میں) بعض حنفیہ کا اختلاف ہے، چنانچہ شریبلالی نے تحقیق کی ہے کہ شرعی ذبح کرنا اس جانور کی کھال کو پاک کر دیتا ہے جس کا گوشت کھایا نہیں جاتا، البتہ اس کے گوشت کو پاک نہیں کرنا صحیح ترین فتویٰ یہی ہے، اور امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک ہاتھی کی ہڈی کی خرید و فروخت اور اس سے فائدہ اٹھانا بقیہ درندوں کی طرح جائز ہے۔

امام محمد کے نزدیک یہاں جائز ہے اور وہ ان کے نزدیک سور کی

(۱) بدائع الصنائع ۵/۱۳۲، نیز دیکھئے الدر المختار و رد المحتار ۳/۱۱۳۔

## بیع منہی عنہ ۱۴-۱۵

الکلب والسنور“<sup>(۱)</sup> (رسول اللہ ﷺ نے کتے اور بلی کی قیمت سے منع فرمایا) کو غیر مملوک یا غیر نفع بخش بلی پر محمول کیا ہے، اس کی تفصیل اصطلاح ”بہر“ میں ہے۔

درندہ جانوروں اور شکاری پرندوں اور کیتروں کی خرید و فروخت:

۱۴- تمام مذاہب کا اتفاق ہے کہ درندہ جانوروں اور شکاری پرندوں کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے اگر وہ کسی بھی درجہ میں انتفاع کے قابل نہ ہوں۔ لیکن اگر ان سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہو تو ان کی خرید و فروخت جائز ہے، البتہ خنزیر کی جائز نہیں، اس لئے کہ وہ نجس العین ہے، تو جب اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں تو اس کی خرید و فروخت بھی جائز نہیں ہوگی<sup>(۲)</sup>۔

لیکن فقہاء کے یہاں اس نفع کی تشریح کے بارے میں مختلف آراء ہیں جو درندوں کی خرید و فروخت کا جواز پیدا کرتا ہے:

۱۵- حنفیہ (اپنے یہاں ظاہر روایت میں) اور مالکیہ اپنے مذہب کے راجح قول میں اس طرف گئے ہیں کہ نفع سے مراد مطلق فائدہ ہے کوکہ کھال کے ذریعہ ہو، اور سکھائے ہوئے اور بغیر سکھائے ہوئے میں کوئی تفریق نہیں کرتے۔

اس سلسلہ میں حنفیہ کی ایک عبارت یہ ہے: کتا کوکہ کاٹ کھانے والا ہو، تیندوا، ہاتھی، بندر اور ہر قسم کے درندے حتیٰ کہ بلی، اسی طرح پرندوں (درندہ پرندوں) سکھائے گئے ہوں یا نہ ہوں ان

اس کی دلیل حضرت ابو حنیفہ کی صحیح حدیث ہے: ”أن رسول الله ﷺ نهى عن ثمن الدم و ثمن الكلب، و كسب البغي و لعن الواشمة و المستوشمة، و آكل الربا و موكله، و لعن المصورين“<sup>(۱)</sup> (رسول اللہ ﷺ نے خون کی قیمت، کتے کی قیمت اور زنا یا حرام کمائی سے منع فرمایا، اور آپ ﷺ نے گدما کو دینے والی اور کو دوانے والی، سو دکھانے والی، سو دکھلانے والی، اور صورت بنانے والی سب پر لعنت کی ہے)۔

حضرت ابو مسعود عقبہ بن عمرو کی حدیث ہے: ”نہی رسول الله ﷺ عن ثمن الكلب، و مہر البغي، و حلوان الكاهن“<sup>(۲)</sup> (رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت، زنا کی اجرت اور نجومی کی اجرت سے منع فرمایا)۔

بعض مالکیہ نے ایسے کتے جس کے پالنے کی اجازت ہے، اور ایسے کتے کے درمیان جس کے پالنے کی اجازت نہیں، فرق کرتے ہوئے کہا کہ اول کی خرید و فروخت جائز ہے، اور دوسرے کے بارے میں ان کے درمیان اختلاف ہے۔

حنفیہ کے مذہب میں کتے کی خرید و فروخت صحیح ہے، کتا کوئی بھی ہو خواہ کاٹ کھانے والا ہو۔

تفصیل اصطلاح ”کلب“ میں ہے۔

رہی بلی تو جمہور فقہاء اس کی خرید و فروخت کے جواز کے قائل ہیں، اس لئے کہ وہ فائدہ اٹھائے جانے کے قابل جانور ہے، جمہور نے حضرت جابر کی حدیث: ”نہی رسول الله ﷺ عن ثمن

(۱) حدیث: ”نہی عن ثمن الكلب“ کی روایت ابو داؤد (۵۳/۳) نے تحقیق عزت عبید دماس نے حضرت جابر بن عبد اللہ سے کی ہے اور اس کی اصل صحیح مسلم (۳/۱۱۹۹) طبع عیسیٰ الجلیسی میں ہے۔

(۲) مثلاً دیکھئے: الدر المنثور ۳/۲۱۳، المشرح الکبیر للذہبی ۱۱/۳، تحت المحتاج ۳/۲۳۸، المشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۳/۱۳۔

(۱) حدیث: ”نہی عن ثمن الدم...“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۳/۲۶۸) طبع استقبر نے حضرت ابو حنیفہ سے کی ہے۔

(۲) حدیث: ”نہی عن ثمن الكلب و مہر البغي و حلوان الكاهن...“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۳/۲۶۸) طبع استقبر اور مسلم (۳/۱۱۹۸) طبع عیسیٰ الجلیسی نے حضرت ابو مسعود انصاری سے کی ہے۔

## بیع منہی عنہ ۱۶-۱۷

رہے بیچوں والے شکاری پرندے تو ان کا گوشت مالکیہ کے نزدیک مباح ہے مثلاً باز، عقاب اور گدھ، اور مالکیہ نے چگاڈ کو مکروہ کہا ہے۔

درندہ جانوروں کے بارے میں مالکیہ کے تین اقوال ہیں: کراہت، ممانعت، اور موذی اور غیر موذی میں فرق، چنانچہ موذی (جو انسان پر حملہ کرے) مثلاً شیر، تیندوا، چیتا اور بھیڑیا حرام ہیں، اور غیر موذی مثلاً ریچھ، لومڑی، بچو، اور علی الاطلاق بلی مکروہ ہیں۔

لیکن ”مختصر خلیل“ میں ہے کہ وہ مکروہ ہیں حتیٰ کہ ان کے نزدیک ہاتھی بھی (۱)۔

۱۷- شافعیہ نے نفع کی تشریح، شکار اور حراست (حفاظت) جیسے الفاظ سے کی ہے، خواہ یہ نفع انجام کے اعتبار سے ہو یعنی اس کو سدھانا اور تعلیم دینا متوقع ہو۔ لیکن جس میں کوئی فائدہ نہیں اس کی خرید و فروخت صحیح نہیں، جیسے پانچ شریر جانور، اور اسی طرح جس جانور کے بارے میں توقع نہ ہو کہ وہ سدھانا سیکھ جائے گا، کیونکہ مثلاً وہ بہت بوڑھا ہو چکا ہے۔ چنانچہ تیندوے سے شکار میں فائدہ اٹھایا جاتا ہے، ہاتھی سے لڑائی میں، بندر سے حراست و حفاظت میں، گھریلو بلی سے چوہے وغیرہ کو ختم کرنے میں، بلبلی کی آواز سے انس حاصل کرنے کے لئے اور مور کو اس کے رنگ سے امنیت کے لئے (۲)۔

”المہاج“ میں نووی کے قول: ”لہذا حشرات اور ہر غیر مباح درندہ کی بیع صحیح نہیں“ کے بعد شیخ عمیرہ نے ان میں نفع نہ ہونے کی صورتوں اور وجوہات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: مثلاً اس کو کھایا نہ جاتا ہو، اس کے ذریعہ جنگ نہ کی جاتی ہو، وہ سدھانا نہ جاتا ہو، اور بار

کی خرید و فروخت صحیح ہے، البتہ سو اس سے مستثنیٰ ہے، یہی مختار ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان سے اور ان کی کھال سے نفع اٹھانا ممکن ہے (۱)۔

زیلعی نے بھی ان کی خرید و فروخت کے جواز کی توجیہ یہی کی ہے کہ شرعاً ان سے نفع اٹھانا جائز ہے، اور وہ عادتاً تعلیم قبول کرتے ہیں، پھر زیلعی نے اس سلسلہ میں یہ ضابطہ پیش کیا ہے:

ہر وہ چیز جو فی الحال یا انجام کار، شرعاً اس قابل ہو کہ اس سے نفع اٹھایا جاسکے اور اس کی قیمت ہو اس کی خرید و فروخت جائز ہے، ورنہ ناجائز ہے (۲)۔

حکیمی نے کہا: خرید و فروخت کے جواز کا مدافع اٹھانے کے حلال ہونے پر ہے (۳)۔

باہر ترقی نے کہا: جب یہ ثابت ہے کہ حکم کا مدافع اٹھانے پر ہے تو یہ حکم تیندوا، چیتا اور بھیڑیے میں ثابت ہوگا، برخلاف موذی کیڑوں کے مثلاً سانپ، بچھو اور بھیڑیا کہ ان سے نفع نہیں اٹھایا جاتا (۴)۔ یہی حکم غیر موذی زمینی کیڑے مثلاً گہریلا، چوہا، چیونٹی، چھپکلی، سہی اور کوہیا سمندری چھوٹے جانور مثلاً مینڈک، اور کیڑا اکا ہے (۵)۔

۱۶- مذہب مالکیہ میں بلی اور درندے کی خرید و فروخت کھال کے لئے جائز ہے، رہا صرف گوشت یا گوشت اور کھال دونوں کے لئے خرید و فروخت مکروہ ہے (۶)۔ یہ مالکیہ کے نزدیک درندوں کے گوشت کے حکم پر مبنی ہے۔

(۱) الدر المختار ۲/۲۱۳، نیز دیکھئے: بدائع الصنائع ۵/۱۳۲، ۱۳۳۔

(۲) تمییز الخفاقیق ۳/۱۲۶۔

(۳) الدر المختار ۱۱/۱۱۱ بحوالہ الخلیف۔

(۴) احنا یہ شرح الہدایہ ۶/۲۳۷، نیز دیکھئے: فتح القدیر ۶/۲۳۵، ۲۳۶۔

(۵) فتح القدیر ۶/۲۳۶۔

(۶) شرح الکبیر للذہبی مع حاشیہ الدسوقی ۳/۱۰، ۱۱۔

(۱) حاشیہ الدسوقی ۲/۱۱۵، ۱۱۷۔

(۲) تحفۃ المحتاج ۳/۲۳۸، نیز دیکھئے: شرح المنہج و حاشیہ الجمل ۳/۲۵، ۲۶۔

## بیع منہی عنہ ۱۸-۱۹

براداری کے لائق نہ ہو۔ ب۔ حنفیہ نے امام ابو یوسف سے مروی روایت کی مثال میں

تفصیل و تطبیق کے ساتھ درج ذیل جانوروں کا ذکر کیا ہے۔

شیر: اگر تعلیم قبول کرے، اور اس کے ذریعہ سے شکار کیا جاتا ہو تو اس کی خرید و فروخت جائز ہے ورنہ نہیں۔

تیندو اور باز تعلیم قبول کرتے ہوں تو ان کی خرید و فروخت ہر حال میں جائز ہے۔

چیتا (جیسا کہ کمال الدین بن ہمام کہتے ہیں)، اپنی طبعی سرکشی کی وجہ سے تعلیم قبول نہیں کرتا، لہذا اس کی خرید و فروخت کسی بھی حالت میں جائز نہیں، اسی طرح کاٹنے والا کتا، خاص طور پر امام ابو یوسف کے نزدیک۔

بندر، اس کے بارے میں امام ابو حنیفہ سے دو روایتیں ہیں: اول: خرید و فروخت جائز ہے، اس لئے کہ اس کی کھال سے نفع اٹھانا ممکن ہے، یہ امام صاحب سے حسن کی روایت ہے، اور زبلی نے اس کو صحیح کہا ہے۔

دوم: خرید و فروخت ناجائز ہے، اس لئے کہ یہ لہو ولعب کے لئے ہے جو ممنوع ہے، لہذا یہ حرام کام کے لئے حرام کی خرید و فروخت ہوگی اور یہ ناجائز ہے۔

کاسانی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، اور اسی بناء پر ابن عابدین نے کہا: اگر لہو ولعب کا قصد نہ ہو تو اس کی خرید و فروخت جائز ہے۔ لیکن لہو ولعب کے قصد کا تقاضا ہے کہ مکروہ ہو، غیر صحیح نہ ہو، جیسا کہ حصکھی نے کہا (۱)۔

لہو ولعب اور گانے بجانے کے آلات کی خرید و فروخت:

۱۹- جمہور فقہاء، حنفیہ میں صاحبین، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی

(۱) بدائع الصنائع ۵/۱۳۳، الہدایہ فنیہ ۶/۲۳۵، ۲۳۷، تمہین الحقائق ۶/۲۱۶، الدر المختار و رد المحتار ۳/۱۱۱، ۲۱۳۔

اسی طرح انہوں نے لکھا ہے کہ نفع کا نہ ہونا بسا اوقات حسی ہوتا ہے اور بسا اوقات شرعی، اور یہ کہ نفع کا نہ ہونا مالیت کو ختم کر دیتا ہے، لہذا اس کے عوض میں مال لیمان (جیسا کہ انہوں نے رافعی کے حوالے سے لکھا ہے) مباح مال کھانے کے قریب ہے (۱)۔

۱۸- حنابلہ کا مذہب (جیسا کہ یہی حنفیہ میں امام ابو یوسف سے روایت ہے، اور یہی سرحسی کے یہاں معتمد ہے) یہ ہے کہ جو شکار کی صلاحیت نہیں رکھتا ہو، اور کسی حالت میں تربیت قبول نہ کرے اس کی خرید و فروخت صحیح نہیں:

الف۔ حنابلہ نے خرید و فروخت کی صلاحیت نہ رکھنے والے جانوروں کی مثال میں: شیر، بھیڑ یا، چیتا، ریچھ اور گدھ، چیل، غراب، ہتھک، (جس میں سیاہی اور سفیدی ہو)، نسر (گدھ) (عقنق) (کوئے کی شکل کا ایک پرندہ)، اور غراب الہین، اور ان کے انڈے کو ذکر کیا ہے۔ اس لئے کہ ان میں کوئی نفع نہیں، لہذا ان کی قیمت لیمان مباح مال کھانا ہے، نیز اس لئے کہ کیڑوں کی طرح ان میں بھی مباح نفع نہیں، لہذا وہ خنزیر کے مشابہ ہو گئے۔

البتہ جو شکار کے قابل ہو مثلاً تیندو، اور مثلاً شقرہ اور باز جو سکھائے ہوئے ہوں یا سیکھنے کے قابل ہوں تو ان میں مباح نفع ہے، لہذا ان کی، ان کے چوزوں، بچوں، اور چوزہ نکالنے کے لئے انڈوں کی خرید و فروخت صحیح ہوگی، کیونکہ انجام کار ان میں نفع ہے۔

تاہم حنابلہ نے صراحت کی ہے کہ بندر کی بیع حفاظت کی غرض سے نہ کہ کھیل کے لئے جائز ہے، اس لئے کہ حفاظت جیسا کہ حنابلہ نے کہا، مباح منافع میں سے ہے (۲)۔

(۱) حاشیہ عمیرہ علی شرح لکھنوی فی ذیل حامیہ اقلیو بی ۳/۱۵۸۔

(۲) کشف القناع ۳/۱۵۳، ۱۵۶، المشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۳/۱۳۳۔

## بیع منہی عنہ ۱۹

”گانے بجانے کے اوزار اور آلات لہو حرام ہیں“ پر معنی ہے۔ بعض فقہاء کی رائے ہے کہ وہ مباح ہیں اگر ان کے ساتھ کوئی حرام کام نہ ہو، لہذا ان کی خرید و فروخت ان حضرات کے نزدیک مباح ہوگی (۱)۔

تفصیل اصطلاح ”معاذف“ میں ہے۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب (صاحبین کے برخلاف) یہ ہے کہ ان تمام آلات لہو کی خرید و فروخت صحیح ہے، یہی شافعیہ کے یہاں ایک ضعیف قول ہے، لیکن اس میں یہ قید ہے کہ ان میں ٹوٹے ہوئے آلات کو مال گردانے کا امکان ہو کہ اس صورت میں ان میں متوقع نفع ہوگا (۲)۔

ایک طرف صاحبین کی رائے ہے کہ آلات لہو معصیت کے لئے بنائے گئے اور فسق و فساد کے لئے اپنائے گئے ہیں (جیسا کہ کاسانی کی تعبیر ہے)، لہذا یہ اموال نہ ہوں گے، اور ان کا قیمت والا ہونا باطل ہوگا جیسا کہ شراب، تو دوسری طرف امام ابو حنیفہ کی رائے ہے کہ یہ مال ہیں، کیونکہ نفع اٹھانے کے جائز طریقوں میں ان کو استعمال کیا جاسکتا ہے یعنی انہیں چیزوں کے لئے ظروف بنالیا جائے اور دوسرے مفادات کو کہ وہ ناجائز چیزوں کے لئے استعمال کے بھی قابل ہیں، لہذا ایگانے والی باندی کی طرح ہو گئے، اس کی وجہ یہ ہے کہ فساد با اختیار شخص کے فعل سے ہوتا ہے، لہذا اس کی وجہ سے مال ہونا ساقط نہیں ہوگا۔ اور خرید و فروخت کا جواز مالیت اور باقیمت ہونے پر مرتب ہوتا ہے (۳)۔

رائے ہے کہ لہو ولعب کے حرام آلات اور گانے بجانے کے آلات کی خرید و فروخت حرام ہے، لیکن وہ آلات جن کا استعمال جائز ہے مستثنیٰ ہیں۔ اور انہوں نے صراحت کی ہے کہ ان کی خرید و فروخت صحیح نہیں ہے (۱)۔

حرام کی قید، شطرنج جس کی حلت کے امام شافعی قائل ہیں اور مجاہدین کے طبلہ وغیرہ کے خرید و فروخت کو خارج کرنے کے لئے ہے، اور حرام آلات میں سے ستار بانسری، شباہ (ایک قسم کی بانسری)، سارنگی، چنگ، اور رباب ہے۔

حنفیہ میں صاحبین کی رائے ہے کہ یہ آلات معصیت کے لئے بنائے گئے ہیں، لہذا ان کا قیمت والا ہونا باطل ہو گیا، اور ان کی خرید و فروخت منعقد نہ ہوگی جیسا کہ شراب (۲)۔

مالکیہ نے لکھا ہے کہ جس شی پر عقد کیا جائے اس کی شرائط میں سے ہے کہ وہ شرعی طور پر قابل انتفاع ہو، کوک قلیل ہو مثلاً مٹی، اور اگر منفعت ناجائز ہو تو یہ آلات لہو کی طرح ہے (۳)۔

شافعیہ نے بیان کیا ہے کہ لہو کے حرام آلہ کا، معصیت کے علاوہ کوئی مقصد نہیں ہوتا، اور شرعاً اس میں کوئی نفع نہیں (۴)۔

حنابلہ نے بتایا ہے کہ ان آلات کے توڑنے سے ضمان واجب نہیں ہوتا، اور یہ مردار کی طرح ہیں (۵)۔

گانے بجانے کے اوزار کی بیع کی حرمت جمہور کے قول :

(۱) مثلاً دیکھئے: بدائع الصنائع ۵/۱۳۳، القوانین المعیہ ۱۶۳، شرح المکملی وحاہیہ اقلیوبی ۲/۱۵۸، کشف القناع ۳/۱۵۵۔

(۲) الہدایہ مع شروح آخرباب انصب ۸/۲۹۳۔

(۳) القوانین المعیہ ۱۶۳، نیز دیکھئے: المکیر للدررہ ۳/۱۰، حاہیہ

الصدوی علی الخرش ۵/۱۵۔

(۴) شرح المکملی علی الصنائع ۲/۱۵۸، شرح المنجیح بحاہیہ الجمل ۳/۲۷۔

(۵) المغنی ۵/۳۵، ۳۶، ۳۷، نیز دیکھئے: کشف القناع ۳/۱۵۵۔

(۱) الدر المختار ۵/۱۳۵، تجتذ المکنج ۳/۲۳۹۔

(۲) شرح المکملی علی الصنائع ۲/۱۵۸۔

(۳) بدائع الصنائع ۵/۱۳۳، الہدایہ مع شروح ۸/۲۹۳، تصرف واختصار کے

ساتھ۔

## بیع منہی عنہ ۲۰-۲۱

شافعیہ نے صراحت کی ہے کہ وہ روپے جن پر تصویریں ہوتی ہیں ان کی خرید و فروخت صحیح ہے، اس کی وجہ انہوں نے یہ بتائی کہ یہ تصویریں کسی بھی درجہ میں اعتبار سے مقصود نہیں ہوتی ہیں<sup>(۱)</sup>۔

شافعیہ اس بات میں متردد ہیں کہ سونے، چاندی سے بنے ہوئے صلیب بتوں کے حکم میں ہوں گے یا ان روپیوں کے حکم میں جن پر تصویریں ہوتی ہیں؟

الف۔ اگر اس سے مقصود وہ شعار ہو جو ان کی تعظیم کے لئے مخصوص ہوتے ہیں تو اس کو انہوں نے بتوں کے حکم میں رکھنے کو راجح قرار دیا ہے۔

ب۔ اور انہوں نے اس کو با تصویر روپے کے حکم میں رکھنے کو راجح کہا ہے اگر اس سے مقصود استعمال کے ذریعہ عدم تعظیم ہو<sup>(۲)</sup>۔

چوتھی شرط: خرید و فروخت خود مالک یا اس کا قائم مقام انجام دے:

۲۱- فقہاء نے صراحت کی ہے کہ خرید و فروخت کے انعقاد کی شرائط میں سے یہ ہے کہ فروخت شدہ چیز پر فروخت کرنے والے یا اس کے مؤکل یا اس کو ولی بنانے والے کی ملکیت ہو، یہ اس صورت میں ہے جبکہ عقد کرنے والا اصالتاً بذات خود یا کالفاً فروخت کرے، لیکن اگر وہ فضولی ہو یعنی صراحت کرے کہ وہ دوسرے کی مملوک چیز کو اس کی اجازت کے بغیر فروخت کر رہا ہے تو یہ ان لوگوں کے نزدیک انعقاد کی شرط نہ ہوگی جو فضولی کی بیع کو جائز کہتے ہیں، اس کی تفصیل اصطلاح ”بیع فضولی“ میں ہے۔

اس شرط کی دلیل، حضرت حکیم بن حزام کی یہ روایت ہے، وہ

(۱) تخریج المحتاج ۲/۲۳۹۔

(۲) حوالہ سابق، اور حاشیہ اقلیو بی ۱۵۸/۲ سے موازنہ کریں۔

بتوں وغیرہ کی خرید و فروخت:

۲۰- آلات لہو کی خرید و فروخت کے بارے میں جمہور کے ساتھ امام ابوحنیفہ اور بعض شافعیہ کا سابقہ اختلاف یہاں بتوں کی خرید و فروخت میں بھی جاری ہوگا۔

تحریم کے لئے جمہور کی دلیل شرعاً مباح منفعت کا نہ ہونا ہے، اور حضرت جابر کی یہ مرفوع روایت ہے: ”إن الله حرم بيع الخمر والميتة والخنزير والأصنام“<sup>(۱)</sup> (اللہ نے شراب، مردار، خنزیر، اور بتوں کی خرید و فروخت کو حرام کیا ہے)۔

جواز کے لئے امام ابوحنیفہ اور بعض شافعیہ کی دلیل ان کو توڑنے کے بعد ان سے نفع ہے، لہذا ان کا نفع متوقع ہے، اس لئے انجام کار کے لحاظ سے ان میں مالیت اور قیمت والی ہونا موجود ہے، اور خرید و فروخت کا جواز ان ہی دو اوصاف پر مرتب ہوتا ہے۔

شافعیہ میں سے رافعی نے صراحت کی ہے کہ دونوں اوصاف بتوں اور تصویروں میں جاری ہوں گے<sup>(۲)</sup>۔ اسی طرح شوکانی نے صراحت کی ہے<sup>(۳)</sup>۔

ذیل میں بتوں سے تعلق رکھنے والی بعض چیزیں اور ان کے بعض احکام کا ذکر ہے:

شافعیہ نے صراحت کی ہے کہ تصویروں اور صلیبوں کی خرید و فروخت صحیح نہیں ہے، اور بچوں کے لئے تصویروں کی خرید و فروخت کی صحت اور ضمان کے بارے میں حنفیہ کے دو اقوال ہیں<sup>(۴)</sup>۔

(۱) حدیث: ”إن الله حرم بيع الخمر و الميتة.....“ کی روایت بخاری

(فتح الباری ۳/۲۳۳ طبع المنقہ) نے حضرت جابر بن عبد اللہ سے کی ہے۔

(۲) حاشیہ عمیرہ علی شرح لکھنؤ ۲/۱۵۸۔

(۳) نیل الاوطار ۸/۱۳۳، اول کتاب اربوع۔

(۴) حاشیہ اقلیو بی ۱۵۸/۲، رد المحتار ۱/۳۳۔

## بیع منہی عنہ ۲۱

اسی بنا پر اگنے کی جگہ میں موجود گھاس کو فروخت کرنا صحیح نہیں، خواہ وہ مملوکہ زمین میں اُگی ہو، اس لئے کہ گھاس نص کی رو سے مباح ہے، اور اسی طرح چشمے میں پانی کو فروخت کرنا صحیح نہیں ہے جب تک کہ اسے محفوظ نہ کر لیا جائے، اس کی وجہ یہ حدیث ہے: ”المسلمون شركاء في ثلاث: في الماء و الكلا و النار“<sup>(۱)</sup> (مسلمان تین چیزوں میں یعنی پانی، گھاس اور آگ میں شریک ہیں)۔ یہی حکم فضاء میں پرندہ اور پانی میں مچھلی کا ہے ان میں سے کسی کی بیع منعقد نہیں ہوگی، اس لئے کہ ان میں ملکیت کا سبب یعنی قبضہ کرنا موجود نہیں<sup>(۲)</sup>۔

اگر گھاس کو اکٹھا کر لیا جائے، مچھلی اور پرندے کا شکار کر لیا جائے اور چشموں اور عوامی نہروں سے پانی کو اٹھالایا جائے تو وہ ملکیت میں آجائیں گے اور ان کو فروخت کرنا جائز ہو جائے گا، اور اسی سلسلہ میں مروی ہے: ”نہی عن بیع الماء إلا ما حمل منہ“<sup>(۳)</sup> (نبی ﷺ نے پانی کو فروخت کرنے سے منع فرمایا الا یہ کہ اسے اٹھالایا جائے)۔

ہم یہاں پر اس شرط کی کچھ عملی فتویٰ فروعات ذکر کر رہے ہیں:

- (۱) حدیث: ”المسلمون شركاء في ثلاث.....“ کی روایت ابو داؤد (۵۱۳/۷ تحقیق عزت عبید دھاس) نے ایک مہاجر سے کی ہے، اور اس کی اسناد صحیح ہے (المختصر لابن حجر ۶۵۳/۳ طبع شرکت المطابع النعیمیہ)۔
- (۲) بدائع الصنائع ۳۶۵/۵، الدر المختار ۳۶۵/۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، کشاف القناع ۳۶۵/۵، ۱۶۱۔
- (۳) کشاف القناع ۳۶۵/۵، ۱۶۲۔

حدیث: ”نہی عن بیع الماء إلا ما حمل منہ.....“ کی روایت ابو عبیدہ قاسم بن سلام نے الاحوال (ص ۳۰۲ طبع عبداللطیف حجازی) میں روایت کی ہے اور اس کی اسناد میں بعض روایت کی جہالت ہے (المیزان للذہبی ۳۹۸/۳ طبع عیسیٰ الحلیمی) اور مسلم میں حضرت جابر کی روایت میں ہے ”نہی رسول اللہ ﷺ عن بیع فضل الماء.....“ (صحیح مسلم ۳۹۷/۱۱ طبع عیسیٰ الحلیمی)۔

فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ایک شخص میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے مطالبہ کرتا ہے کہ اسے ایسا سامان فروخت کروں جو میرے پاس نہیں، تو کیا میں اس کے لئے اس کو بازار سے خرید لوں، پھر اس کے ہاتھ فروخت کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”لا تبیع مالیس عندک“<sup>(۱)</sup> (جو چیز تمہارے پاس نہیں اس کو فروخت نہ کرو)۔

فقہاء نے کہا: مراد یہ ہے کہ جو تمہاری ملکیت اور قدرت میں نہیں۔

بغوی نے کہا: اس حدیث میں غیر مملوکہ چیزوں کو فروخت کرنے کی ممانعت ہے<sup>(۲)</sup>۔

نیز حدیث میں آیا ہے: ”نہی رسول اللہ ﷺ عن بیع مالیس عند الإنسان، و رخص فی السلم“<sup>(۳)</sup> (رسول اللہ ﷺ نے اس چیز کو فروخت کرنے سے منع فرمایا جو انسان کے پاس نہیں، البتہ آپ ﷺ نے سلم میں رخصت دی ہے)۔

نیز اس لئے کہ فروخت کرنا، مالک بنانا ہے، لہذا غیر مملوکہ چیز میں اس کا انعقاد نہ ہوگا<sup>(۴)</sup>۔

- (۱) حدیث: ”لا تبیع مالیس عندک“ کی روایت ترمذی (تختہ الاحوذی ۳۰۳/۳ طبع کردہ انکلیتہ السنقیہ مدینہ منورہ) نے حضرت حکیم بن حزام سے کی ہے اور ترمذی نے اس کو صحت کہا ہے۔
- (۲) نیل الاوطار ۵/۱۵۵ طبع الشیخانیہ۔

- (۳) حدیث: ”نہی عن بیع مالیس عند الإنسان و رخص فی السلم“ یہ دو حدیثوں سے مرکب ہے پہلی حدیث ”نہی عن بیع مالیس عندک“ کی روایت ترمذی (تختہ الاحوذی ۳۰۳/۳ طبع السنقیہ مدینہ منورہ) نے حضرت حکیم بن حزام سے کی ہے اور ترمذی نے اس کو صحت قرار دیا ہے۔
- رہا سلم میں رخصت دینا تو یہ بخاری (فتح الباری ۳۲۸/۳ طبع السنقیہ) اور مسلم (۳۶۷/۱۲ طبع عیسیٰ الحلیمی) میں حضرت ابن عباس سے وارد ہے۔
- (۴) بدائع الصنائع ۳۶۵/۱۳۔

## بیع منہی عنہ ۲۲

لئے خرید فروخت میں برکت کی دعا فرمائی، ایک روایت میں ہے: ”بارک اللہ فی صفتہ یمینک“ (۱) حضور ﷺ نے ان سے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھ کے سودے میں برکت دے، بیع فضولی پر تفصیلی کلام اس کی اپنی اصطلاح میں دیکھا جائے۔

اسی شرط کی بنا پر فقہاء نے ذیل کی بیوع کے باطل ہونے کی صراحت کی ہے:

(۱) بیع وقف: فقہاء نے اس کے باطل ہونے کی صراحت کی ہے حتیٰ کہ حنفیہ نے بھی اور انہوں نے کہا: یہ باطل ہے، فاسد نہیں، لہذا قبضہ سے ملکیت میں نہیں آئے گا (۲)، (دیکھئے: اصطلاح ”وقف“)

(۲) بیت المال کی اراضی کو فروخت کرنا: چنانچہ بعض فقہاء نے طے کیا ہے کہ ان اراضی کی ذات پر دائمی اوقاف کے احکام جاری ہوں گے (دیکھئے: اصطلاح ”ارض“)، اور اراضی جزئیہ کے احکام جاری ہوں گے (دیکھئے: اصطلاح ”جزئیہ“)

(۳) مساجد، مکہ اور حرم کے گھروں، اور مناسک حج کے مقامات کو فروخت کرنا (۳)، ان میں سے بعض میں اختلاف اور تفصیل ہے، (دیکھئے: اصطلاحات ”مسجد“، ”حرم“ اور ”مکہ“)

(۴) مملوک اور آباد زمینوں میں سیال اور جامد معدنیات، ان کی فروخت کی جواز کے بارے میں فقہاء کا اختلاف معروف ہے۔ (دیکھئے: اصطلاح ”ارض“، ”معدن“ اور ”احیاء“)

الف- بیع فضولی:

۲۲- فضولی وہ ہے جو مالک کی طرف سے نہ وکیل ہونہ ولی، اور یہی حکم اس کے دیگر تمام عقود کا ہے:

حنابلہ کا مذہب اور امام شافعی کا قول جدید یہ ہے کہ فضولی کی بیع باطل ہے، کوکہ مالک اس کے بعد اس کی اجازت دے دے، اس کی دلیل سابقہ حدیث ہے: ”لا تبع مالیس عندک“ (۱) (جو چیز تمہارے پاس نہیں اس کو فروخت نہ کرو)، نیز اس لئے کہ یہ غیر ملکیت والی چیز کا مالک بنانا اور ایسی چیز کو فروخت کرنا ہے جس کو حوالہ کرنے کی قدرت نہیں، لہذا یہ نفا میں پرندہ کو فروخت کرنے کے مشابہ ہے (۲)۔

حنفیہ اور مالکیہ کا مذہب، امام شافعی کا قول قدیم اور امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ یہ عقد صحیح اور مالک کی اجازت پر موقوف ہوگا، اگر مالک اجازت دے دے تو بیع نافذ و لازم ہو جائے گی، اور اگر اجازت نہ دے اور رد کر دے تو باطل ہو جائے گی، اس لئے کہ بیع کے حلال ہونے کے بارے میں وارد نصوص مطلق ہیں، ان میں اصل مالک اور وکیل کے درمیان ابتداء یا بقاء و انتہاء کے لحاظ سے کوئی تفصیل نہیں ہے، نیز حضرت عروہ بن جعد باری کی روایت میں ہے:

”أن النبی ﷺ أعطاه دینارا لیشتري به شاة، فاشتري به شاتین، فباع إحماهما بدينار، ثم عاد بالدينار والشاة، فدعا له بالبركة في بيعه“ (نبی کریم ﷺ نے ان کو ایک دینار ایک بکری خریدنے کے لئے دیا، تو انہوں نے اس دینار میں دو بکریاں خریدیں، پھر ایک بکری کو ایک دینار میں فروخت کر دیا، اور ایک دینار اور ایک بکری لے کر واپس آئے تو حضور ﷺ نے ان کے

(۱) بدائع الصنائع ۱۳۹/۵، شرح الکبیر للرد ر ۱۳۳، شرح المحلی علی المنہاج ۱۶۰/۳، کشف القناع ۱۵۷/۳۔

حدیث عروہ الباری: ”بارک اللہ فی صفتہ یمینک.....“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۳۳۸/۶ طبع المستقیم) نے کی ہے۔

(۲) الدر المختار رد المحتار ۳۳۹/۳۔

(۳) بدائع الصنائع ۱۳۶/۵، کشف القناع ۱۶۰/۳۔

(۱) حدیث ”لا تبع مالیس عندک“ کی تخریج فقہ رقمہ ۲۱/۶ کے تحت آچکی ہے۔

(۲) تحفہ المنہاج ۲۳۶/۳، ۲۳۷/۳، شرح الکبیر فی ذیل المغنی ۱۶۸/۳۔



## بیع منہی عنہ ۲۳-۲۴

حفیہ نے اس کے باطل ہونے کی صراحت کی ہے، ابن ابہام نے صراحت کی ہے کہ یہ بیع باطل ہے، اس لئے کہ عقد سے قبل فروخت کرنے والا، فروخت کردہ چیز کا مالک نہیں ہے، لہذا غرر ہو گیا، اور اس لئے کہ اس کا نتیجہ کیا نکلے گا معلوم نہیں ہے (۱)۔ یہی صراحت حنفیہ میں حاکمی نے کی اور باطل ہونے کی وجہ یہ بتائی کہ یہ غیر مملوک کو فروخت کرنا ہے (۲)۔

## (۶) قبضہ سے قبل صدقہ اور ہبہ کو فروخت کرنا:

۲۴- جمہور فقہاء تبرعات مثلاً صدقہ وغیرہ میں قبضہ کی شرط لگاتے ہیں جب تک قبضہ نہ ہو وہ لازم نہیں ہوتا، اور نہ ہی ملکیت کا فائدہ دیتا ہے، لہذا قبضہ سے قبل اس کو فروخت کرنا جائز ہے جیسا کہ قبضہ سے قبل صدقات کی خریداری سے ممانعت والی حدیث: ”النہی عن شراء الصدقات حتی تقبض“ میں صراحت ہے (۳)۔ اور اس کی وجہ ملکیت کا نہ ہونا ہے۔

اس کے برخلاف امام مالک وغیرہ کے مذہب میں مشہور، اور ناپی جانے والی اور وزن کی جانے والی چیزوں کے علاوہ میں امام احمد سے روایت یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے لزوم ہو جائے گا، اس لئے کہ قبضہ تو صرف مکمل ہونے کی شرط ہے جیسا کہ مالکیہ کہتے ہیں، صحت کی شرط نہیں ہے، انعقاد اور لزوم تو قول کے ذریعہ ہوگا، اور اسی لئے اس پر قبضہ سے قبل اس میں ملکیت کے ثبوت کی وجہ سے اس کو فروخت کرنا جائز ہے۔ برخلاف اس صورت کے جب معاوضہ کی وجہ سے ملکیت

## (۵) ایک بار کی غوطہ خوری (کے نتیجہ کی بیع):

۲۳- غائص وہ ہے جو سمندر سے موتی نکالنے کے لئے غوطہ خوری کرے اگر ایسا شخص کہے میں ایک بار غوطہ لگاؤں گا جتنے موتی نکالوں وہ اتنی قیمت میں تمہارے لئے ہیں۔

یہی حکم تانص یعنی شکاری کا ہے جو یوں کہے: ایک بار جال ڈالنے سے جتنی مچھلیاں نکلیں گی میں نے ان کو تمہارے ہاتھ اتنے میں فروخت کیا (۱)۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث میں ہے: ”نہی النبی ﷺ عن شراء ما في بطون الأنعام حتى تضع، وعن بيع ما في ضروعها إلا بكييل، و عن شراء العبد وهو آبق، و عن شراء المغانم حتى تقسم، و عن شراء الصدقات حتى تقبض، و عن ضربة الغائص“ (۲) (نبی کریم ﷺ نے چوپایوں کے پیٹ کے بچوں کی خریداری سے یہاں تک کہ وضع حمل ہو جائے، تھن میں موجود دودھ کی فروخت سے یہاں تک کہ اس کو ناپ لیا جائے، بھاگے ہوئے غلام کے خریدنے سے، تقسیم سے قبل مال غنیمت کو خریدنے سے، قبضہ سے قبل صدقات کو خریدنے سے، اور ایک بار کی غوطہ خوری (کے نتیجہ کی بیع) سے منع کیا ہے)۔

اس بیع کے فاسد ہونے میں فقہاء کا کوئی اختلاف نہیں، اس لئے کہ یہ معدوم کی بیع، غیر مملوک کی بیع، مجہول کی بیع، اور بیع غرر ہے۔

(۱) الدر المختار ۱۰۹/۳، نیز دیکھئے: الہدایہ مع شروہ ۶۲/۵۳۔

(۲) حدیث: ”لہی عن شراء ما في بطون الأنعام.....“ اس حدیث کا ایک جز ہے، جس کی روایت ابن ماجہ (۳۰/۳) طبع عیسیٰ الحلی نے حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث سے کی ہے اور زیلعی نے عبدالحق اشعری کے حوالہ سے نقل کیا کہ انہوں نے کہا: اس کی اسناد قابل حجت نہیں ہے (نصب الراية ۱۵/۳ طبع مجلس علمی بالہند)۔

(۱) بیع القدر ۶۱/۵۳۔

(۲) الدر المختار ۱۰۹/۳، نیز دیکھئے: تبیین الحقائق ۳۷۳۔

(۳) حدیث: ”لہی عن شراء الصدقات حتى تقبض.....“ کی تخریج فقرہ ۲۳ کے تحت آچکی ہے۔

## بیع منہی عنہ ۲۵-۲۸

سے انہوں نے اس کی بیع کے حکم پر بحث، اس سے فائدہ اٹھانے کے متعلق کلام کے ذیل میں کی ہے۔

۲۶- چنانچہ حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ مذکورہ چیزوں میں سے کسی چیز کو بھی تقسیم سے قبل کوکہ ضرورت کے لئے ہو فر وخت کرنا جائز نہیں، اور اس کی وجہ عدم ملکیت ہے، اس لئے کہ تقسیم سے قبل غنیمت ملکیت میں نہیں آتی محض ضرورت کی وجہ سے اس کو مباح کیا گیا ہے، اور بیع کے ذریعہ مباح چیز کا مالک نہیں بنایا جاسکتا، ”البدایہ“ میں مرغینانی کی عبارت یہ ہے: دار الحرب میں تقسیم سے قبل اموال غنیمت کو فر وخت کرنا جائز ہے (۱)۔

اگر اس نے اپنے لئے مذکورہ مباح چیزوں میں سے کوئی چیز فروخت کر دی تو ان کے نزدیک اس کی بیع فضولی کی ہوگی، اگر امام اجازت دے دے تو اس کی مقررہ قیمت اموال غنیمت میں واپس کر دے گا، لیکن اگر اموال غنیمت کی تقسیم ہو چکی ہو تو قیمت کو صدقہ کر دے اگر وہ فقیر نہ ہو، اس لئے کہ کم ہونے کے سبب اس کی تقسیم ناممکن ہے، اور اس کو مستحق تک پہنچانا دشوار ہے، لہذا اس کو لفظ کی طرح صدقہ کر دے، اور اگر فقیر ہو تو اس کو کھالے (۲)۔

۲۷- مالکیہ نے کہا: اناج کا تبادلہ اسی کے مثل یا اس کے علاوہ سے کراہت کے ساتھ جائز ہے کوکہ ایک جنس کے سود والے اناج میں کمی بیشی یا تاخیر کے ساتھ ہو (۳)۔

۲۸- شافعیہ کا اس میں اختلاف ہے، انہوں نے کہا: اناج کو اپنے کھانے کے بجائے کسی اور حاجت میں صرف کرنا جائز نہیں، اور اس کے لئے محض اس کو کھانا جائز ہے، اس لئے کہ یہ اباحت کے طور پر ہے

(۱) دیکھئے: الہدایہ شرح البدایہ مع شروع ۲۲۷/۵، نیز دیکھئے: الدر المختار ورد المحتار ۳/۳۳۳۔

(۲) الدر المختار ورد المحتار ۳/۳۳۲، نیز دیکھئے: الہدایہ مع شروع ۲۲۷/۵۔

(۳) شرح الخیر ۳/۳۶، نیز دیکھئے: لشرح الکبیر للردیہ ۲/۱۹۳۔

میں آئے اور قبضہ نہ کیا ہو تو اس کو فر وخت کرنا جائز ہے، جیسا کہ ”بیع مالم یقبض“ (قبضہ سے قبل کی بیع پر گفتگو کے ذیل میں آئے گا۔

(۷) تقسیم سے قبل مال غنیمت کو فر وخت کرنا:

۲۵- غیر مملوک کو فر وخت کرنے سے متعلق مجاہد کا مال غنیمت میں سے اپنے حصہ کو فر وخت کرنے کا مسئلہ ہے، جبکہ ابھی امام نے تقسیم کر کے اس کو اس کا حصہ نہ دیا ہو (۱)۔

خاص اس کے متعلق حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت میں نص وارد ہے: ”نہی النبی ﷺ عن شراء ما فی بطون الأنعام۔ وعن شراء المغانم حتی تقسم“ (۲) (نبی کریم ﷺ نے جانوروں کے پیٹ کے بچوں کو خریدنے سے..... اور تقسیم سے قبل مال غنیمت کے خریدنے سے منع فرمایا ہے)۔

حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے: ”نہی النبی ﷺ عن بیع الغنایم حتی تقسم“ (۳) (نبی کریم ﷺ نے اموال غنیمت کو تقسیم سے قبل فروخت کرنے سے منع فرمایا)۔

فقہاء کی رائے ہے کہ غنیمت میں سے تقسیم سے قبل عمومی ضرورت کے لئے خوراک مثلاً کھانا وغیرہ لے سکتا ہے، لیکن اس کو اپنی ملکیت میں لینا اور مال بنانا مباح نہیں جیسا کہ حصص کی عبارت ہے، اس سے معلوم ہوا کہ فر وخت کرنا بھی ممنوع ہے، اور اسی وجہ

(۱) بدائع الصنائع ۶/۲۳۳، الحاشیہ علی شرح المنہج ۳/۵۹۸، الانصاف ۷/۱۱۹، ۲۲۰۔

نیز دیکھئے: القوانین الفقہیہ ۷/۱۷۰، ۱۷۱، ۲۳۲، لشرح الکبیر للردیہ ۲/۱۰۱، الدر المنثور ۳/۱۵۱، ۱۵۲۔

(۲) حدیث ابی سعیدؓ: ”نہی النبی ﷺ عن شراء ما فی بطون الأنعام.....“ کی تخریج فقیرہ ۲۳ کے تحت آچکی ہے۔

(۳) حدیث ابن عباسؓ: ”نہی عن بیع الغنایم حتی تقسم.....“ سابقہ حدیث (فقیرہ ۲۳) کا جزو ہے۔

## بیع منہی عنہ ۲۹

راضی ہو جائے، اس لئے کہ اعتبار ملکیت کے اختیار کرنے کا ہے، اور زبان سے یہ کہنا ضروری ہے کہ میں نے اپنے حصہ کی ملکیت کو اختیار کر لیا۔ شافعیہ کے یہاں معتد قول یہی ہے۔

دوم: ایک قول یہ ہے کہ تقسیم سے قبل زبردستی قبضہ کے ذریعہ وہ ایسی کمزور ملکیت کے طور پر اس کے مالک ہو جاتے ہیں جو اعراض کے سبب ساقط ہو جاتی ہے، شیخ عمیرہ برسی نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ کفار کی ملکیت زائل ہوگئی، اور بلا مالک اس کا باقی رہنا بعید ہے۔

سوم: اگر مال غنیمت کو تقسیم کے لئے سپرد کر دیا جائے تو ان کی ملکیت زبردستی قبضہ کے ذریعہ ظاہر ہو جائے گی، ورنہ اگر تلف ہو جائے یا وہ اعراض کر لیں تو ان کے لئے ملکیت نہیں (۱)۔

لہذا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ قلیوبی کے نزدیک تقسیم سے قبل فروختگی کی صحت شافعیہ کے یہاں غیر معتد قول پر مبنی ہے۔

۲۹- حنابلہ میں خرقی نے صراحت کی ہے کہ جس نے حاجت سے زیادہ چارہ لیا، وہ اس کو مسلمانوں کے پاس لوٹا دے، اور اگر اس کو فروخت کر چکا ہو تو اس کی قیمت مال غنیمت میں لوٹا دے (۲)۔

جس کے پاس مال غنیمت میں سے بہت زیادہ کھانا فاضل ہو

اور وہ اس کو شہر میں لا چکا ہو تو اس کو اس غزوہ (کے مال غنیمت کی تقسیم) میں لوٹانا واجب ہے، اس کی توجیہ حنابلہ نے یہ کی ہے کہ اس نے بلا حاجت لیا، لہذا اس پر اس کو لوٹانا واجب ہوگا، اس لئے کہ

اصل اس کی حرمت ہے، کیونکہ بقیہ اموال کی طرح یہ مجاہدین میں مشترک ہے، محض حاجت کے بقدر مباح کیا گیا ہے، لہذا از اند اصل حرمت پر باقی رہے گا اور اسی وجہ سے اس کو فروخت کرنا مباح نہیں (۳)۔

(۱) شرح کھلی علی امہاج و حاشیہ قلیوبی و عمیرہ ۳۰/۲۲۳۔

(۲) المغنی ۱۰/۳۸۷۔

(۳) حوالہ سابق ۱۰/۳۸۷، المشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۱۰/۳۷۲۔

مالک بنانے کے طور پر نہیں (۱)۔

یہ بیع کے عدم جواز کی صراحت کی طرح ہے۔

شافعیہ نے اموال غنیمت کی بحث میں یہی کہا ہے، لیکن انہوں نے قبضہ سے قبل فروخت شدہ چیز کو فروخت کرنے کے حکم کی بحث میں اس کے خلاف طے کیا ہے، اور جب نووی نے ”المہاج“ میں لکھا کہ انسان دوسرے کے ہاتھ میں امانت کے طور پر رکھے اپنے مال کو فروخت کر سکتا ہے مثلاً ودیعت، مال مشترک، مضاربت، اور چھوٹے کے بعد مال رہن، تو قلیوبی نے نووی کے قول: ”مثلاً ودیعت“ پر یہ حاشیہ لکھا:

”اور اسی کے مثل وقف کی آمدنی اور مال غنیمت ہے، چنانچہ کسی ایک مستحق یا غنم (مجاہد) کے لئے جائز ہے کہ علاحدگی سے قبل اپنے حصہ کو فروخت کر دے، یہی ہمارے شیخ نے کہا ہے، برخلاف بیت المال میں اپنے حصہ کے، اس لئے کہ اس کی فروختگی اس کے علاحدہ کرنے اور اس کے مشاہدہ سے قبل صحیح نہیں، اور ہمارے بعض مشائخ نے صرف علاحدہ کرنے پر اکتفاء کیا ہے کہ دوسرے کے ساتھ ہو“ (۲)۔

یہاں علاحدہ کرنے پر اپنے شیخ کے حوالہ سے قلیوبی کا یہ کلام اس سابق کلام کے خلاف ہے کہ اس کے لئے حاجت کے طور پر لینا جائز ہے تملیک کے طور پر نہیں۔

بظاہر لگتا ہے کہ یہ تقسیم سے قبل مال غنیمت کی ملکیت کے بارے میں شافعیہ کے درج ذیل تین اقوال میں سے ایک پر مبنی ہے:

اول: تقسیم سے قبل ملکیت میں نہیں آتا، لیکن محض تقسیم سے بھی نہیں، بلکہ وہ اپنے لئے مخصوص کئے گئے مال کو قبول کر لے یا اس پر

(۱) شرح کھلی علی امہاج و حاشیہ قلیوبی ۳۰/۲۲۳۔

(۲) حوالہ سابق ۳/۲۱۳۔

## بیع منہی عنہ ۳۰-۳۱

اور قبضہ سے قبل دونوں جدا ہو گئے تو جائز ہے، اس لئے کہ یہ فروخت کرنا نہیں اور اگر اوصاف فروخت کرے یا اس کو قرض دیا اور اس نے لے لیا تو وہی اس کا زیادہ حق دار ہے، اور اس پر اس کی ادائیگی لازم نہیں، اور اگر اس کو ادا کر دے یا اس کے پاس لوٹا دے تو قبضہ اس کے پاس لوٹ آئے گا۔

اور اگر کھانا و چارہ کے علاوہ میں فروخت کیا تو بھی بیع صحیح نہیں ہوگی، اور خریدار اس کا زیادہ حق دار ہو جائے گا، اس لئے کہ اس کا قبضہ اس پر ثابت ہے اور اس کے ذمہ کوئی ثمن نہیں، اور اگر اس سے لیا ہو تو اس کو واپس کرنا واجب ہے<sup>(۱)</sup>۔

۳۰- اس سے واضح ہوتا ہے کہ (امام شافعی کے ایک قول سے، اور مالکیہ و حنابلہ کے نزدیک امام کو اس کے مثل یا اس کے علاوہ سے تبادلہ کی حالت سے صرف نظر) فقہ اسلامی میں عمومی رجحان یہی ہے کہ تقسیم سے قبل اموال غنیمت ناجائز ہے، جیسا کہ اس حدیث میں صراحت ہے جس میں تقسیم سے قبل اموال غنیمت کی خریداری سے ممانعت کی گئی ہے۔

اسی سلسلہ میں شوکانی کہتے ہیں: ممانعت کا تقاضا ہے کہ تقسیم سے قبل مال غنیمت کی بیع صحیح نہ ہو، اس لئے کہ (جیسا کہ امام شافعی وغیرہ کا زیادہ راجح قول ہے)۔ تقسیم سے قبل مجاہدین میں سے کوئی اس کا مالک نہیں ہوتا، لہذا یہ لوگوں کا مال ناحق کھانے کی قبیل سے ہو جائے گا<sup>(۲)</sup>۔

۳۱- یہ غزوہ میں شریک مجاہدین کا تقسیم سے قبل مال غنیمت میں سے لی ہوئی چیزوں اور اپنے حصوں کو فروخت کرنے کا حکم ہے۔ رہا امام کا تقسیم سے قبل اموال غنیمت کو فروخت کرنا تو اس پر

حنابلہ نے اس سلسلہ میں یہ اثر نقل کیا ہے: لشکرِ شام کے ذمہ دار نے حضرت عمرؓ کو لکھا: ہمیں ایسی زمین ملی ہے جس میں اناج اور چارہ بہت ہیں، لیکن ابتدا کوئی اقدام کرنا مجھے پسند نہیں، تو حضرت عمر نے ان کو لکھا: لوگوں کو اس سے چارہ لینے اور کھانے دو، لیکن جس نے اس میں سے کوئی چیز، سونے یا چاندی کے عوض فروخت کیا تو اس میں اللہ کے لئے پانچواں حصہ اور مسلمانوں کے حصہ ہیں<sup>(۱)</sup>۔

ائمہ حنابلہ میں سے قاضی نے اس مسئلہ میں مکمل تفصیل لکھی ہے جس سے حنابلہ راضی ہیں، چنانچہ انہوں نے کہا: وہ یا تو کسی مجاہد کے ہاتھ فروخت کرے گا یا غیر مجاہد کے ہاتھ۔

اگر غیر مجاہد کے ہاتھ فروخت کرے تو فروخت کرنا باطل ہے، اس لئے کہ وہ مال غنیمت کو ولایت یا نیابت کے بغیر فروخت کر رہا ہے، لہذا فروخت کردہ شے کو لوٹانا اور بیع کو توڑنا واجب ہوگا، اور اگر اس کو لوٹنا دشوار ہو تو اس کی قیمت کو اور اگر ثمن اس کی قیمت سے زیادہ ہو تو ثمن کو غنیمت میں لوٹائے۔

ابن قدامہ نے کہا: اور اسی صورت پر خرقی کا کلام محمول ہے۔ اور اگر کسی مجاہد کے ہاتھ فروخت کرے تو حلال نہیں، الا یہ کہ اس کو بدلہ میں ایسا کھانا یا چارہ دے کہ اس کے لئے اس سے یا اس کے علاوہ سے حسب ذیل طریقہ پر نفع اٹھانا ہو۔

اگر اس کو اس کے مثل میں فروخت کیا تو یہ حقیقت میں فروخت کرنا نہیں، بلکہ اس نے اس کو ایک مباح دے کر اسی کے مثل مباح اس سے لے لیا ہے، اور ان میں سے ہر ایک کے لئے، اپنی ملی ہوئی چیز سے نفع اٹھانا جائز ہے، اور وہ اس کا زیادہ حق دار ہو گیا ہے، کیونکہ اس پر اس کا قبضہ ثابت ہے۔

لہذا اگر اس نے ایک صاع کو دو صاع کے عوض فروخت کیا ہو

(۱) المغنی ۱۰/۳۸۹، المشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۱۰/۳۶۹۔

(۲) نیل الاوطار ۵/۱۳۹، ۱۵۰۔

(۱) المغنی ۱۰/۳۸۸، صاحب المغنی نے کہا: اس کو سعید نے روایت کیا ہے۔

## بیع منہی عنہ ۳۲-۳۳

کرنے پر قادر نہیں ہوتا جیسے کہ بدکا ہوا اونٹ تو اس حالت میں اس کو فروخت کرنا صحیح نہیں، اس لئے کہ جس چیز کو سپرد نہ کیا جاسکے وہ معدوم کے مشابہ ہے، اور معدوم کو فروخت کرنا صحیح نہیں (جیسا کہ گزرا) (۱)، تو اس کے مشابہ کا بھی یہی حکم ہوگا۔

جن چیزوں کو سپرد کرنے کی قدرت نہ ہو ان کی بیع کی مثالوں میں سے یہ ہے کہ مچھلی ملکیت میں آنے کے بعد سمندر میں گر جائے، مملوک پرندہ نضا میں اڑ جائے، شکار ہاتھ آنے کے بعد بھاگ نکلے، اسی کی مثال آبق غلام اور غصب کردہ چیز کی بیع ہے۔

آبق وہ غلام ہے جس نے اپنے آقا کو کسی خوف یا سخت محنت لئے جانے کی وجہ کے بغیر چھوڑ دیا ہو۔

اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ اگر اس کا بھاگنا خوف یا تنہا کے سبب ہو تو اس کو "ہارب" (جان چھڑانے والا) کہا جاتا ہے (۲)۔

۳۳- فقہاء کا اتفاق ہے کہ یہ عقد فاسد ہے کہ حنفیہ کو فساد و بطلان میں نیز اس پر مرتب ہونے والے نتیجہ میں تردد ہے کہ سبب فساد کا اٹھ جانا عقد کو صحیح بنا دے گا، کیونکہ فساد کے باوجود عقد قائم ہے برخلاف سبب بطلان کے زوال کے، اس لئے کہ سبب بطلان کے ساتھ عقد معدوم ہوتا ہے، تاہم حنفیہ میں کمال نے فساد کو راجح کہا ہے، اس لئے کہ اس میں تسلیم کرنے پر قدرت نہیں ہے (۳)۔

انہوں نے اس عقد کے فساد کی توجیہ یہ کی ہے:

حضرت ابوسعید کی سابقہ حدیث میں اس سے ممانعت وارد ہے (۴): "نہی النبی ﷺ عن شراء ما في بطون الأنعام..."

و عن شراء العبد وهو آبق" (نبی کریم ﷺ نے جانوروں

(۱) اس بحث کے فقرہ ۵ اور اس کے بعد کے فقرات دیکھے جائیں۔

(۲) حاشیہ اعلیٰ بی علی شرح کمالی ۱۵۹/۲، امصباح۔

(۳) رد المحتار ۱۱۳/۳۔

(۴) حدیث ابوسعید کی شرح فقرہ ۲۳ کے تحت آجکل ہے۔

حنفیہ نے روشنی ڈالی ہے، چنانچہ امام طحاوی نے لکھا ہے کہ یہ صحیح ہے، اس لئے کہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے یعنی ضروری ہے کہ امام کو اس میں مصلحت نظر آئی ہو اور اس مصلحت کا اقل درجہ یہ ہے کہ لوگوں پر زبردستی بار برداری میں تخفیف ہو یا جانوروں وغیرہ سے تخفیف اور لوگوں سے اس کے بوجھ کو کم کرنا ہو، لہذا یہ فروختگی مصلحت میں اجتہاد کی بنیاد پر ہوگی، اندازہ یا انکل سے نہ ہوگی، اس لئے بلا کر بہت علی الاطلاق بیع منعقد ہوگی (۱)۔

اسی طرح مالکیہ نے بھی اس کو لکھا ہے اس کے بارے میں ان کے دو اقوال ہیں:

اول: مال غنیمت کے پانچ میں سے چار حصوں کا امام کی طرف سے فروخت کرنا واجب ہے، تاکہ ان کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کر سکے، اس لئے کہ دشمن کی تقسیم مساوات سے زیادہ قریب ہے، کیونکہ قیمت لگانے میں غلطی ہو جاتی ہے۔

دوم: واجب نہیں، بلکہ امام کو اختیار ہے کہ وہ مصلحت کے پیش نظر اگر چاہے تو فروخت کر کے دشمن کو تقسیم کرے، اور اگر چاہے تو ان چیزوں کو ہی تقسیم کر دے (۲)۔

پانچویں شرط: فروخت کردہ کو سپرد کرنے کی قدرت ہو:

۳۲- فقہاء نے صراحت کی ہے کہ فروخت کردہ چیز کی شرائط میں سے اس کے مملوک ہونے کی شرط کے بعد یہ بھی ہے کہ اس کو سپرد کرنے کی قدرت ہو۔

چنانچہ بسا اوقات انسان مال کا مالک ہوتا ہے، لیکن اس کو تسلیم

(۱) فتح القدیر ۲۴۷/۵۔

(۲) شرح الخرشنی ۱۳۶/۳، نیز دیکھئے: الشرح الکبیر للذری ۱۹۳/۲، القوانین

الکھیری ص ۱۰۰۔

## بیع منہی عنہ ۳۴

ب۔ اور اگر اس نے اس کے پانے کے وقت اس کے قبضہ پر  
گواہ بنا لیا ہو تو وہ قابض نہ ہوگا، اس لئے کہ یہ قبضہ قبضہ امانت ہے،  
حتیٰ کہ اگر غلام اپنے آقا کے پاس پہنچنے سے قبل ہلاک ہو جائے تو یہ  
قبضہ کرنے والا اس کا ضامن نہ ہوگا، لہذا یہ قبضہ قبضہ ضمان (یعنی بیع  
پر قبضہ) کے قائم مقام نہ ہوگا، اس لئے کہ بیع پر قبضہ قوی تر ہے، نیز  
اس لئے کہ ثمن کے ذریعہ اس کا ضمان دیا جاتا ہے، اور اسی وجہ سے اگر  
غلام اپنے مالک کے پاس لوٹنے سے قبل ہلاک ہو جائے تو بیع فسخ  
ہو جائے گی، اور وہ ثمن واپس لے گا (۱)۔

دوم: مالک اس کو اس شخص کے ہاتھ فروخت کر دے جس کے  
قبضہ میں غلام نہیں۔

یہ صورت جمہور کے نزدیک جائز ہے بشرطیکہ چھین لینے اور  
حاصل کرنے کی قدرت ہو البتہ سہولت کے ساتھ جیسا کہ مالکیہ کی  
صراحت ہے (۲)، شافعیہ کے مذہب میں صحیح یہی ہے (۳)، حنابلہ  
کے یہاں دوسرا قول جس کو درست قرار دیا گیا، اور ابن قدامہ وغیرہ  
کی تصریح کا تقاضا بھی یہی ہے (۴)۔

لیکن حنفیہ نے اس صورت کے فاسد ہونے کی صراحت کی  
ہے (۵)، شافعیہ کے یہاں دوسرا قول (۶)، اور حنابلہ کے یہاں  
مذہب یہی ہے (۷)، شافعیہ نے اس کی توجیہ کی ہے کہ فروخت  
کرنے والا اس کے سپرد کرنے سے عاجز ہے۔

کے پیٹ کے بچوں... اور غلام جو کہ بھاگا ہوا ہو اس کے خریدنے سے  
منع فرمایا ہے)۔

اور اس لئے کہ اس کے سپرد کرنے کی قدرت نہیں ہے، جو جواز  
کی شرط ہے (۱)۔

۳۴- تاہم اگر غلام کی فروختگی ہو جائے جبکہ وہ بھاگا ہوا ہو تو اس  
مسئلہ میں مذاہب کی تفصیلی صورتیں یہ ہیں:

اول: مالک اس کو اس شخص کے ہاتھ فروخت کر دے جس کے  
قبضہ میں غلام ہے۔

یہ صورت جمہور کے نزدیک جائز (۲)، بلکہ شافعیہ کی تعبیر میں  
قطعی ہے (۳)۔ اور یہی ابن قدامہ وغیرہ کی اس عبارت کا تقاضا ہے:

اگر وہ کسی انسان کے ہاتھ آجائے تو اس کو فروخت کرنا جائز ہے، اس  
لئے کہ اس کو سپرد کرنا ممکن ہے (۴)۔ لیکن مذہب حنبلی میں صراحتاً یہ  
ہے کہ اس کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے کوکہ ایسے شخص کے ہاتھ ہو جو  
اس کو حاصل کرنے پر قادر ہو (۵)۔

لیکن جس شخص کے ہاتھ میں وہ غلام ہے فروختگی کے بعد اس  
شخص کو قابض تصور کرنے کے بارے میں حنفیہ نے تفصیل کی ہے:

الف۔ اگر اس نے بھگوڑے غلام کو پانے کے وقت اس پر قبضہ  
اپنے لئے کیا ہو، اس کے آقا کے پاس لوٹنے کے لئے نہ کیا ہو، اور  
اس نے اس کے آقا کے لئے قبضہ کرنے پر گواہ نہ بنایا ہو تو وہ قابض  
ہو جائے گا، اس لئے کہ اس کا یہ قبضہ غصب کا قبضہ ہے اور وہ ضمان کا  
قبضہ ہے جو بیع پر قبضہ کی طرح ہے۔

(۱) الدر المختار رورد المحتار ۱۱۲/۳، نیز دیکھئے: الہدایہ شرح العنایہ ۵۹/۶۔

(۲) شرح الدرر ۱۱/۳۔

(۳) شرح اعلیٰ علیٰ اسمہاج ۱۵۸/۲، نیز دیکھئے: تحفۃ المحتاج ۲۳۳/۳۔

(۴) دیکھئے: الاضاف ۲۹۳/۲، المغنی ۲۷۱/۲۔

(۵) الدر المختار رورد المحتار ۱۱۲/۳، نیز دیکھئے: تمییز الحقائق ۵۰/۳، اور البدائع

۱۳۷/۵ سے موازنہ کریں۔

(۶) شرح اعلیٰ علیٰ اسمہاج ۱۵۸/۲۔

(۷) کشاف القناع ۱۶۲/۳، نیز دیکھئے: الاضاف ۲۹۳/۳۔

(۱) تمییز الحقائق ۳۹/۳، بدائع المنابع ۱۳۷/۵۔

(۲) الدر المختار رورد المحتار ۱۱۲/۳، شرح الخرشنی ۱۶/۵ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔

(۳) جامع اقلیو بی علی شرح اعلیٰ ۱۵۹/۲۔

(۴) المغنی ۲۷۱/۳، بشرح الکبیری فی ذیل المغنی ۲۳/۳۔

(۵) کشاف القناع ۱۶۲/۳، نیز دیکھئے: الاضاف ۲۹۳/۳۔

## بیع منہی عنہ ۳۵

لونا نے کا عزم رکھتا ہے (۱)۔

ب۔ اور اگر ایسے شخص کے ہاتھ فر وخت کیا جو اس کو چھین لینے یا لونا لینے پر قادر ہو تو جمہور کے نزدیک صحیح ہے (۲)، شافعیہ کا قول صحیح یہی ہے، البتہ انہوں نے شرط لگائی ہے کہ وہ بہ سہولت بغیر کسی قابل لحاظ صرفہ و مشقت کے خریدار کے پاس پہنچ جائے (۳)، اور اگر واپس لینے میں صرفہ کی ضرورت پیش آئے تو ممانعت ختم ہو جائے گی (۴)۔ اسی طرح مالکیہ نے یہ قید لگائی ہے کہ غاصب اقرار کرنے والا ہو اور قدرت حاصل ہوگئی ہو ورنہ نہیں، اس لئے کہ ان کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ جس چیز میں جھگڑا ہو اس کی خریداری ممنوع ہے (۵)۔ اور طے یہ ہے کہ ان کے نزدیک غصب کردہ چیز کو صرف غاصب کے ہاتھ فر وخت کرنا جائز ہے (۶)، جیسا کہ حنابلہ کی رائے ہے۔

شافعیہ کا ایک قول یہ ہے کہ یہ صحیح نہیں، اس لئے کہ فر وخت کرنے والا بذات خود سپرد کرنے سے عاجز ہے (۷)، اور یہی امام احمد سے ایک روایت ہے (۸)۔

حنفیہ نے صراحت کی ہے غصب کردہ چیز کو غصب کرنے والے کے علاوہ شخص کے ہاتھ فر وخت کرنا منعقد ہو جاتا ہے مگر سپرد کرنے پر موقوف ہوتا ہے اگر سپرد کردے تو بیع نافذ ہو جائے گی ورنہ نہیں۔

سوم: مالک اس کو ایسے شخص کے ہاتھ فر وخت کرے جو اس کو واپس لینے پر قادر ہو، اور وہ غلام کسی کے قبضہ میں نہ ہو۔

یہ صورت جمہور کے نزدیک جائز ہے (۱)، حنابلہ کے یہاں دوسرا قول یہی ہے (۲)۔

لیکن شافعیہ میں قلیوبی نے یہ قید لگائی ہے کہ خریدار اس کے واپس کرنے پر عادتاً ناقابل برداشت مشقت کے بغیر اور بلا صرفہ کے قادر ہو (۳)۔

حنابلہ کے یہاں مذہب: عدم جواز ہے (۴)۔

چہارم: اس کو ایسے شخص کے ہاتھ فر وخت کرے جو اس کو حاصل کرنے پر قادر نہ ہو۔

اس صورت کے ناجائز ہونے پر اجماع ہے، اور حدیث اسی صورت پر محمول ہے۔

۳۵۔ بھگوڑے غلام کو فر وخت کرنے ہی کے حکم میں غصب کردہ چیز کو فر وخت کرنا ہے:

الف۔ پس اگر اس کو غاصب کے ہاتھ فر وخت کیا تو بالاتفاق جائز ہے، اور شافعیہ نے اس مسئلہ میں جواز سے تعبیر کی ہے (۵)، اس لئے کہ فر وخت کردہ چیز عملی طور پر خریدار کے سپرد کی جا چکی ہے (۶)، (اور بیع کے بعد اس کا قبضہ قابل ضمان ہونے میں، بیع سے قبل اس کے قبضہ کی طرح ہے)۔ اور مالکیہ نے اسی کے ساتھ یہ شرط لگائی ہے کہ معلوم ہو کہ غاصب غصب کردہ چیز کو اس کے مالک کے پاس

(۱) رد المحتار ۴/۱۱۲، اشرح الکبیر للردیہ ۲/۱۱، تحفۃ المحتاج ۳/۲۲۳۔

(۲) الانصاف ۳/۲۹۳۔

(۳) حاشیہ اقلیوبی علی شرح امین ۲/۱۵۸۔

(۴) کشف القناع ۳/۱۶۲، الانصاف ۳/۲۹۳۔

(۵) شرح کمالی علی امین ۲/۱۵۸، نیز دیکھئے: اشرح الکبیر فی ذیل المغنی

۳/۲۵۵، الانصاف ۳/۲۹۳۔

(۶) اشرح الکبیر للردیہ ۲/۱۱۳۔

(۱) شرح الخرقی ۵/۱۷۔

(۲) حوالہ سابق، شرح کمالی علی امین ۲/۱۵۸، الانصاف ۳/۲۹۳۔

(۳) تحفۃ المحتاج وحاشیہ اشیر اعلیٰ علیہا ۳/۲۲۳۔

(۴) شرح الخرقی وحاشیہ اشیر اعلیٰ علیہا ۳/۲۸۔

(۵) شرح الخرقی ۵/۱۷۔

(۶) القوائین الفقہیہ ۲/۱۶۳، اشرح الکبیر للردیہ ۲/۱۱۳، اور کشف القناع

۳/۱۶۲ سے موازنہ کریں۔

(۷) شرح کمالی علی امین ۲/۱۵۸۔

(۸) الانصاف ۳/۲۹۳۔

## بیع منہی عنہ ۳۶

حکمی کی قید، ربا انسیہ اور اکثر فاسد بیوع کو داخل کرنے کے لئے ہے، اس لئے کہ ربا کی دو انواع ہیں: ربا الفضل، اور ربا انسیہ۔ ربا کتاب اللہ، سنت اور اجماع امت سے حرام ہے۔

ابن قدامہ نے کہا: امت کا اس پر اجماع ہے کہ ربا کی دونوں انواع (ربا الفضل اور ربا انسیہ) حرام ہے (۱)، اور ربا الفضل اور ربا انسیہ صرف کے بعض مسائل میں جاری ہوتا ہے۔ اس کی تفصیل ”صرف“ میں ہے۔

سودگناہ کبیرہ ہے، کسی شریعت میں کبھی بھی حلال نہیں رہا۔ اس لئے کہ فرمان باری ہے: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ، وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُؤُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ“ (۲) (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو خبردار ہو جاؤ جنگ کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے، اور اگر تم توبہ کر لو گے تو تمہارے اصل اموال تمہارے ہی ہیں نہ تم کسی پر ظلم کرو گے نہ تم پر کسی کا ظلم ہوگا)۔

اور حدیث میں ہے: ”لعن الله آكل الربا وموكله وكتابه وشاهديه“ (سود کھانے والے، کھلانے والے، لکھنے والے، اور اس کے گواہوں پر اللہ کی لعنت ہے) اور آپ ﷺ نے فرمایا: ”هم سواء“ (۳) (وہ سب برابر ہیں)۔

(۱) المغنی وشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۳/۱۲۲۔

(۲) سورہ بقرہ ۲۸۷، ۲۸۹۔

(۳) حدیث: ”لعن الله آكل الربا و موكله و كتابه و شاهديه و قال: هم سواء.....“ کی روایت مسلم (۳/۱۳۱۹ طبع عیسیٰ الحلبی) نے حضرت

جابر بن عبد اللہ سے کی ہے۔

نیز دیکھئے حاشیہ قلیوبی علی شرح الحلبی علی الصہاح ۳/۱۶۶۔

حنفیہ نے بھگوڑے غلام کو فروخت کرنے (جو فاسد بلکہ غیر منعقد ہے) اور غصب کردہ چیز کو فروخت کرنے (جو صحیح ہے) میں فرق یہ بتایا ہے کہ مغصوب کی صورت میں حاکم کی قدرت کے ذریعہ مالک سپرد کرنے پر قادر ہے، البتہ وہ بیع موقوف ہے، فی الحال نافذ نہیں، اس لئے کہ صورتاً غاصب کا قبضہ قائم ہے، لیکن جب سپرد کر دیا گیا تو رکاوٹ زائل ہوگئی، اس لئے بیع نافذ ہو جائے گی۔

یہ بھگوڑے غلام کی بیع کے خلاف ہے، اس لئے کہ (بقول کا سانی) اس کو سپرد کرنے سے علی الاطلاق عاجز ہے کہ وہاں تک کسی کی رسائی نہیں، کیونکہ اس کی جگہ نامعلوم ہے، لہذا عاجز ہونا ثابت ہے، جبکہ اس پر قادر ہونے کا محض احتمال اور وہم ہے اور احتمال کے ساتھ بیع منعقد نہیں ہوگی، اس طرح بھگوڑے غلام کی فروختگی، غیر موجود پرندے اور غیر موجود مچھلی کی بیع کے مشابہ ہوگی، اور ان دونوں کی بیع باطل ہے تو بھگوڑے غلام کی بیع بھی باطل ہوگی (۱)۔

## لازم عقد سے متعلق اسباب

وہ یہ ہیں: ربا، ذریعہ ربا اور غرر۔

ذیل میں ربا سے متعلق اسباب ممانعت کا بیان ہے:

۳۶- ربا لغت میں: زیادتی کو کہتے ہیں۔

فقہی اصطلاح میں: حنفیہ نے ربا کی تعریف یہ کی ہے کہ وہ معاملہ معاوضہ میں کسی ایک فریق کے لئے مشروط ایسا اضافہ ہے خواہ وہ حکماً ہو جو شرعی معیار کے مطابق عوض سے خالی ہو، اور متعاقدین میں سے کسی ایک کے لئے اس کی شرط لگائی گئی ہو (۲)۔

(۱) بدائع الصنائع ۵/۱۳۷۔

(۲) دیکھئے الدر المختار ۳/۱۷۶، ۱۷۷، اور ترمذی کی وہ تعریف جو تنویر

الابصار میں مذکور ہے۔



## بیع منہی عنہ ۷۳-۳۲

میں فروخت کرنا<sup>(۱)</sup>۔

باتفاق فقہاء محافلہ ناجائز ہے، اس لئے کہ حضرت جابرؓ کی حدیث میں ہے: ”نہی رسول اللہ ﷺ عن المزابنة والمحاقلہ“ (رسول اللہ ﷺ نے محافلہ و مزابنہ سے منع فرمایا)۔  
تفصیل اصطلاح ”بیع محافلہ“ میں دیکھیں۔

د- بیع عرایا:

۴۰- بیع العرایا: درخت پر لگی تر کھجور کو زمین پر رکھی خشک کھجور سے یا درخت پر لگے انگور کو منٹے سے فروخت کرنا<sup>(۲)</sup>۔ عرایا کے جواز میں فقہاء کا اختلاف ہے۔  
تفصیل اصطلاح ”بیع عرایا“ میں دیکھیں۔

ھ- بیع عربون:

۴۱- کوئی سامان خریدے اور فروخت کرنے والے کو ایک درہم یا زیادہ اس شرط پر دے کہ اگر اس نے سامان لیا تو ثمن میں سے اس کو کم کر دے گا، اور اگر سامان نہ لیا تو وہ فروخت کرنے والے کا ہے۔ اس کے جواز میں فقہاء کا اختلاف ہے، جمہور کے نزدیک وہ صحیح نہیں جبکہ حنابلہ اس کے جواز کے قائل ہیں، اس میں تفصیل ہے جس کو ”بیع عربون“ کے تحت دیکھا جائے۔

و- دونوں صاع کے جاری ہونے سے قبل اناج کو فروخت کرنا:

۴۲- حضرت جابرؓ کی حدیث میں ہے: ”نہی رسول اللہ ﷺ عن بیع الطعام، حتی یجری فیہ الصاعان: صاع البائع،

(۱) الہدایۃ شرح ۶/۵۳۔

(۲) شرح کلمی علی المنہاج ۲/۲۳۸۔

یہاں سود کے احکام، شرائط اور مسائل کا تذکرہ مقصود نہیں، بلکہ اس کی تفصیل عنوان ”ربا“ کے تحت دیکھی جائے۔

یہاں تو مقصود بعض سودی خرید و فروخت کے احکام کو معلوم کرنا ہے جن کی حدیث پاک میں ممانعت وارد ہے، اور وہ بیوع یہ ہیں:

الف- بیع عینہ:

۷۳- بیع عینہ: کسی چیز کو زائد ثمن کے ساتھ ادھان فروخت کرنا، تاکہ قرض کا طالب اس کو نووری طور پر کم ثمن میں اپنے دین کی ادائیگی کے لئے فروخت کر دے۔ یہ حنفیہ کی تعریف ہے<sup>(۱)</sup>۔ کچھ اور تعریفات نیز صورتیں ہیں جن کے بارے میں اور ان کے احکام کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

تفصیل اصطلاح ”بیع العینہ“ میں دیکھی جائے۔

ب- بیع مزابنہ:

۳۸- مزابنہ: درخت پر لگی ہوئی کھجور کو اندازہ و تخمینہ سے اس کے ناپ کے مثل توڑی ہوئی خشک کھجور کے عوض فروخت کرنا۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ درخت پر لگی ہوئی تر کھجور کا ظن اور تخمینہ کے طور پر، مثلاً ایک سو صاع کا اندازہ لگایا جائے اور پھر اسی کے بقدر خشک کھجور میں اس کو فروخت کر دیا جائے<sup>(۲)</sup>۔

باتفاق فقہاء اس طرح کی بیع فاسد ہے۔

اس کی تفصیل اصطلاح ”بیع مزابنہ“ میں ہے۔

ج- بیع محافلہ:

۳۹- محافلہ: خوشہ میں موجود گیہوں کو تخمینہ سے اسی کے مثل گیہوں

(۱) ابن ماجہ بن ۲۷۹۳۔

(۲) فتح القدیر والہدایۃ ۶/۵۳، ابن ماجہ بن ۱۰۹۳۔

## بیع منہی عنہ ۴۳

خریدے اور اس پر قبضہ کر لے پھر اسے دوسرے کو فروخت کرے تو پہلے ماپ کی بنیاد پر اس کو سپرد کرنا جائز نہیں ہے یہاں تک کہ جس نے اس کو خریدتا ہے اس کو دوبارہ ماپ کر کے دے یہی جمہور کا مذہب ہے، جیسا کہ ابن حجر نے ”فتح الباری“ میں اس کو نقل کیا ہے (۱)۔

ابن ہمام نے صراحت کی ہے کہ امام ابوحنیفہ، مالک، شافعی اور احمد رضی اللہ عنہم کا مذہب یہی ہے (۲)۔

فقہاء نے فی الجملہ فروخت شدہ چیز کو فروخت کرنے سے قبل قبضہ کی شرط لگائی ہے، اور یہ قبضہ کی تکمیل ہے (جیسا کہ حنفیہ کی تعبیر ہے) یا منقول کو منتقل کرنے کے ساتھ اس پر قبضہ کی صحت کی شرط ہے جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں (۳)۔

لیکن اکل سے بیع میں ماپ کے غیر معتبر ہونے پر اجماع منعقد ہے، اور اکل سے بیچنے کو اس شرط سے مستثنیٰ کرنا نص کے مفہوم سے یا کسی اور دلیل سے ماخوذ ہے (۴)۔

۴۳- ہم یہاں پر شافعیہ و حنابلہ کے یہاں بعض تطبیقی فقہی مثالیں ذکر کرتے ہیں، کیونکہ یہ دونوں مذاہب ان کے بارے میں قریب قریب ہیں۔

## پہلی مثال:

بکر کا زید پر مقرر مقدار میں مثلاً دس صاع اناج ہو، اور عمر کا بکر پر اسی کے بقدر اناج ہو، بکر زید سے مطالبہ کرے کہ اناج اس کے

وصاع المشتري“ (۱) (رسول اللہ ﷺ نے اناج کو فروخت کرنے سے منع فرمایا، تا آنکہ اس میں دونوں صاع: خریدار کا صاع، اور فروخت کرنے والے کا صاع جاری ہو جائے)۔

اسی مفہوم کی حضرت عثمانؓ کی یہ حدیث ہے کہ انہوں نے کہا: میں یہودیوں کے ایک خاندان سے (جن کو بنو قینقاع کہا جاتا ہے) کھجور خریدتا اور اس کو نفع کے ساتھ فروخت کرتا تھا، نبی کریم ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”یا عثمان! إذا اشتريت فاكتمل، وإذا بعته فكل“ (۲) (عثمان! جب تم خریدو تو ماپ کر لو، اور جب بیچو تو ماپ کر دو)۔

اسی طرح یحییٰ بن ابی کثیر کی حدیث میں ہے کہ حضرت عثمان بن عفان اور حکیم بن حزام رضی اللہ عنہما کھجوریں خریدتے، ان کو بوریوں میں بھرتے پھر اس کو اسی ماپ سے فروخت کرتے تھے، ”فنهاهما رسول الله ﷺ أن يبيعا حتى يكيلا لمن ابتاعه منهما“ (۳) (تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں اس کو فروخت کرنے سے منع فرمایا، تا آنکہ اس شخص کو ماپ کر کے دیں جو ان دونوں سے خرید رہا ہے)۔

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص کوئی چیز ماپ سے

(۱) حدیث: ”لہی عن بیع الطعام.....“ کی روایت ابن ماجہ (۲/۵۰۷ طبع اعلیٰ) نے حضرت جابرؓ سے کی ہے بویہری نے اس کو ضعیف کہا ہے اور اس کی روایت بزار نے حضرت ابوہریرہؓ سے کی ہے اور اس کی اسناد کو ابن حجر نے حید کہا ہے جیسا کہ ”الدرایۃ“ (۲/۱۵۵ طبع مطبعہ المجلد) میں ہے۔

(۲) حدیث: ”یا عثمان! إذا اشتريت.....“ کی روایت احمد (۱/۶۲ طبع اعلیٰ) نے حضرت عثمان بن عفانؓ سے کی ہے اور یحییٰ نے مجمع الزوائد (۳/۸۸ طبع القدسی) میں اس کو ذکر کر کے کہا اس کی اسناد حسن ہے۔

(۳) حدیث یحییٰ بن ابی کثیر کی روایت عبدالرزاق (۳۹/۸) نے کی ہے، اس کی اسناد میں یحییٰ بن ابی کثیر اور ربیع حدیث صحابی کے درمیان انقطاع ہے (امجد سب لابی بن حجر ۱/۲۷۰ طبع دیرۃ المعارف اعمانیہ)۔

(۱) نیل الاوطار ۵/۶۱۔

(۲) فتح القدیر ۶/۱۳۹۔

(۳) فتح القدیر ۶/۱۳۹، شرح لکھنوی علی المہاج ۲/۲۱۷، شرح المنج ۳/۱۷۳۔

(۴) شرح لکھنوی حاشیہ اقلیوی ۲/۲۱۷، حاشیہ الجمل ۳/۱۷۳، تحفۃ المحتاج ۳/۱۹۳۔

## بیع منہی عنہ ۴۴

مقبوضہ مال اس شخص کی ملکیت میں باقی رہے گا جس نے اس کو سپرد کیا ہے، اور وہ زید ہے اس لئے کہ قبضہ صحیح نہیں ہوا۔

یہ سابقہ روایت کہ برخلاف ہے، اس لئے کہ مال مقبوضہ بکر کی ملکیت میں آجائے گا۔

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہی دوسری روایت ہی راجح ہے، چنانچہ ”الاقناع“ کا متن اسی پر ہے۔

اگر کہے: اس پر میرے لئے قبضہ کر لو، پھر اس پر اپنے لئے قبضہ کرو، تو دونوں میں سے ہر ایک کے لئے قبضہ صحیح ہے، اس لئے کہ اس نے اس کو قبضہ کرنے کے لئے اپنا نائب مقرر کیا ہے، اور جب اس نے اپنے موکل کے لئے قبضہ کیا تو اس پر اپنے لئے قبضہ کرنا جائز ہو گیا، جیسا کہ اگر اس کی کوئی ودیعت کسی ایسے شخص کے پاس ہو جس کا اس کے ذمہ قرض ہے، اور اس نے اس کو اجازت دے دی کہ اپنے قرض کی طرف سے اس پر قبضہ کر لے۔

یاد رہے کہ مذکورہ مثال یعنی پہلی مثال کو کہ سلم کے بارے میں ہے، پھر بھی اس کی قید لگانا اس لئے ہے کہ امام شافعی کے اصحاب کے کلام میں یہی ہے، اور سلم ہی کی طرح (جیسا کہ انہوں نے کہا) قرض اور کسی چیز کا تلف وضائع کرنے کا دین ہے<sup>(۱)</sup>۔

## دوسری مثال:

۴۴- اگر بکر عمرو سے کہے: جب میں زید سے اپنے لئے ماپنے لگوں تو تم حاضر ہونا کہ میں اس پر تمہارے لئے قبضہ کروں، اور اس نے ایسا کیا تو عمرو کے لئے اس کا قبضہ کرنا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ اس نے ماپا نہیں، اور بکر اپنے لئے اس پر قبضہ کرنے والا ہوگا، اس لئے کہ

لئے ماپ دے، تاکہ اس کی ملکیت میں آجائے، پھر بکر اس کو عمرو کے لئے ماپے، تاکہ قبضہ کرنا اور کرنا دونوں صحیح ہوں، اس لئے کہ یہاں قبضہ کرنا متعدد ہے اور قبضہ کرانے کی شرط ہے کہ ماپے، لہذا اس کا متعدد ہونا بھی لازم ہے، کیونکہ دونوں ماپوں میں بسا اوقات تفاوت ہوتا ہے<sup>(۱)</sup>۔

اگر بکر عمرو سے کہے: اے عمرو! میری نیابت میں میرا جو اماںج زید پر ہے، اس کو اس سے اپنے لئے قبضہ میں لے لو، اور عمرو نے ایسا کر دیا تو شافعیہ کے نزدیک، اور امام احمد سے ایک روایت میں زید کے لحاظ سے قبضہ صحیح ہو گیا، اور اجازت کے پائے جانے کی وجہ سے اس کا ذمہ بری ہو گیا، اور یہ قرض دینے والے کی اجازت ہے قرض دینے والا بکر ہے اور یہ اجازت لازمی طور پر اس کے اپنے لئے اس سے قبضہ میں لینے کے بارے میں ہے، لہذا اس کا قبضہ اس کے وکیل کے قبضہ کی طرح ہو گیا، تاہم یہ قبضہ عمرو کے لحاظ سے فاسد ہے، کیونکہ وہ خود اپنی ذات سے اپنے لئے قبضہ کرنے والا ہوگا، اس لئے کہ اس کے قبضہ میں شرط ہے بکر کے قبضہ سے پہلے ہو اور وہ مفقود ہے، اور ان دونوں کا حصول ناممکن ہے، اس لئے کہ اس میں قبضہ کرنے والا اور قبضہ کرانے والا ایک ہی ہے اور عمرو نے جس پر قبضہ کیا ہے اس کا ضمان اسی پر ہے اس لئے کہ اس کا قبضہ اپنے لئے ہے، اور اس صورت میں جس کے لئے قبضہ کیا گیا ہے (بکر) تاہم (یعنی عمرو) کے لئے اس چیز کو ماپ کر دے گا، اور اس کا قبضہ اس کے لئے صحیح ہوگا۔

حنابلہ کے یہاں دوسری روایت یہ ہے کہ یہ قبضہ صحیح نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس کو اس نے قبضہ میں اپنا نائب نہیں بنایا، لہذا قبضہ اس کے لئے نہیں ہوا، برخلاف وکیل کے، اور اس روایت کے مطابق

(۱) تحفۃ المحتاج ۳/۳۱۹، ۳۲۰، شرح کلمی وحاشیہ قلیوبی ۲/۲۱۷، ۲۱۸، حاشیہ الجمل ۳/۱۷۳، ۱۷۵، المغنی ۳/۲۲۲، کشاف القناع ۳/۳۰۸۔

(۱) تحفۃ المحتاج ۳/۳۱۹۔

## بیع منہی عنہ ۴۵-۴۷

اس نے اس کو ناپا ہے<sup>(۱)</sup>۔ اگر اس کو پیانا میں باقی رکھتے ہوئے عمرو کے حوالہ کر دے تاکہ

وہ اس کو اپنے لئے انڈیل لے تو صحیح ہے، اور یہ قبضہ صحیح ہوگا، اس لئے کہ ناپ کا برقرار رہنا اس کی ابتداء کے درجہ میں ہے، اور یہاں ابتداء ناپنے کی کوئی وجہ نہیں، اس لئے کہ اس سے مزید علم حاصل نہ ہوگا۔

کو کہ ابن قدامہ نے شافعیہ سے یہ منسوب کیا ہے کہ قبضہ صحیح نہیں، اس لئے کہ اناج کی بیع کی ممانعت ہے تا آنکہ اس میں دونوں ناپ جاری ہو جائیں، اور ابن قدامہ نے یہ طے کیا ہے کہ حدیث کے تقاضے کا قائل ہونا ممکن ہے، خریدار کا پیانا میں اس پر قبضہ کرنا یہ مانا جائے گا کہ اس نے اپنا صاع اس میں جاری کیا، تاہم ابن حجر نے صراحت کی ہے کہ پیانا جیسی چیز کا برقرار رکھنا از سر نو کرنے کی طرح ہے، لہذا یہ کافی ہے<sup>(۱)</sup>۔

## پانچویں مثال:

۴۷- بکر نے عمرو کو کچھ دراہم دے کر کہا: ان سے اس اناج کا مثل خرید لو جو تمہارا مجھ پر ہے، اور اس نے ایسا کر لیا تو صحیح نہیں، اس لئے کہ وہ فضولی ہے، کیونکہ اس نے دوسرے کے مال سے اپنے لئے خرید لیا ہے، اس لئے کہ بکر کے دراہم کا عوض عمرو کا نہیں ہوگا، اور شافعیہ اس کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ دوسرے کے مال سے اپنے لئے خریدنا ناممکن ہے اور دراہم اس کے ہاتھ میں امانت ہیں، لہذا اگر بعینہ ان دراہم سے خرید لے تو خریدنا باطل ہے، اور اگر اپنے ذمہ میں واجب ثمن میں خرید لے تو اپنے لئے خریداری صحیح ہے، اور ثمن اسی کے ذمہ ہوگا، اور اگر اس نے کہا: میرے لئے ان دراہم میں اناج خرید لو، پھر اس پر اپنے لئے قبضہ کر لو، اور اس نے ایسا کر لیا تو خریداری صحیح

(۱) المغنی ۳/۲۲۲، جامعہ الترمذی ۳/۳۳۳، تہذیب التہذیب ۳/۳۱۰۔

تیسری مثال:

۴۵- اگر بکر نے عمرو سے کہا: اس کو اس ناپ سے لے لو جس کو تم نے دیکھا ہے، اور اس نے اس کے ذریعہ لے لیا تو صحیح ہے، اس لئے کہ اس کے ناپ کو وہ دیکھنے والا اور جاننے والا ہے، لہذا دوبارہ اس کے ناپنے کے اعتبار کا کوئی معنی نہیں<sup>(۲)</sup>۔

امام احمد سے ایک روایت ہے کہ یہ ناپ کافی ہے، اس کی دلیل سابقہ حدیث ہے کہ ”أن النبي ﷺ نهى عن بيع الطعام، حتى يجري فيه الصاعان.....“<sup>(۳)</sup> (نبی کریم ﷺ نے اناج کی بیع سے منع فرمایا، تا آنکہ اس میں دونوں ناپ جاری ہو جائیں.....) اور یہ اس میں داخل ہے۔

نیز اس لئے کہ اس نے ناپے بغیر اس پر قبضہ کیا ہے، لہذا یہ اس پر اٹکل سے قبضہ کرنے کے مشابہ ہو گیا۔

## چوتھی مثال:

۴۶- اگر بکر عمرو سے کہے: ہمارے سامنے رہو تاکہ میں اس کو اپنے لئے ناپوں، پھر تم اس کو اپنے لئے ناپ لو، اور دونوں نے ایسا کر لیا تو بلا اشکال صحیح ہے۔

اگر بکر نے اس کو اپنے لئے ناپا، پھر عمرو نے اسی ناپ کے ذریعہ جس کو اس نے دیکھا تھا، اسے لے لیا تو اس کے بارے میں دو روایتیں ہیں:

(۱) کشاف القناع ۳/۳۰۸، ۳۰۹، المغنی ۳/۲۲۲۔

(۲) سابقہ مراجع۔

(۳) حدیث: ”لہی عن بیع الطعام.....“ کی تخریج فقہ ۳/۳۲ کے تحت آچکی ہے۔

## بیع منہی عنہ ۴۸

سے اور اپنے ہی لئے قبضہ کرنے والا ہو جائے گا، اور وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہے جو عقد کے دونوں طرف کا ولی بن سکے، لہذا اس کا قبضہ قبضہ نہ ہونے کی طرح ہے (۱)۔

## چھٹی مثال:

۴۸- دو شخصوں نے اناج خریدنا، ان دونوں نے اس پر قبضہ کیا، پھر ان میں سے ایک نے باہم اس کی تقسیم سے قبل اپنا حصہ دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیا تو:

الف- احتمال ہے کہ یہ صورت ناجائز ہو، اس لئے کہ اس نے انفرادی طور پر اپنے حصہ پر قبضہ نہیں کیا تو غیر مقبوضہ کے مشابہ ہو گیا۔  
ب- جواز کا احتمال ہے، اس لئے کہ وہ ان دونوں کے قبضہ میں ہے اور اسے کسی اجنبی کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے تو اس کو اپنے شریک کے ہاتھ فروخت کرنا بھی جائز ہوگا، جیسا کہ بقیہ اموال کا حکم ہے۔

اگر ان دونوں نے آپس میں تقسیم کر لیا اور علاحدہ ہو گئے، پھر ایک نے اپنا حصہ اسی ماپ کے ذریعہ جس سے ماپا تھا فروخت کر دیا تو ناجائز ہے، جیسا کہ اگر کسی سے اناج خریدا اور اس کو ماپ لیا، پھر دونوں علاحدہ ہو گئے، پھر اس نے اس کو اس شخص کے ہاتھ اسی ماپ سے فروخت کر دیا۔

ہاں اگر ان دونوں نے اس کو آپس میں تقسیم کر لیا، لیکن علاحدہ نہیں ہوئے کہ ان میں سے ایک نے اپنا حصہ اسی ماپ سے فروخت کر دیا تو اس میں دو روایتیں ہیں (۲)۔ جیسا کہ چوتھی مثال میں گذرا۔

(۱) الشراونی علی تہذیب المحتاج ۳۲۰/۳، کشاف القناع ۳۰۹/۳، جامعہ اعلیٰ بی

۲/۱۸، المغنی ۳/۲۲۳، شرح الکلیہ للذہبی ۳/۱۵۲، ۱۵۳۔

(۲) المغنی ۳/۲۲۳۔

ہے البتہ اپنے لئے قبضہ صحیح نہیں (۱)۔

شافعیہ نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ کسی انسان کے حق پر، دوسرا شخص اپنے لئے قبضہ نہیں کر سکتا، اور قبضہ کرنے والا قرض خواہ اس کا ضامن اپنے لئے اس پر زبردستی قبضہ کرنے کی وجہ سے ہوگا، اس لئے کہ اس نے اس پر اپنے لئے زبردستی قبضہ کیا ہے۔

حنابلہ نے کہا: اپنے لئے اس کا قبضہ اس کے مؤکل کے قبضہ کی فرع ہے، اور وہ پایا نہیں گیا۔

اگر اس نے کہا: میرے لئے ان سے اناج خرید لو (اور اس پر میرے لئے قبضہ کر لو) پھر اس پر اپنے لئے قبضہ کر لو، اور اس نے ایسا کر لیا تو جائز ہے، اس لئے کہ اس نے اس کو خریداری اور قبضہ کرنے، پھر اس کی طرف سے اپنے لئے وصول کرنے کا وکیل بنایا ہے، اور یہ صحیح ہے۔

شافعیہ نے کہا: خریداری اور پہلا قبضہ صحیح ہے، دوسرا قبضہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں قبضہ کرنے اور قبضہ کرانے والا ایک ہے، جبکہ پہلے قبضہ میں یہ بات نہیں۔

حنابلہ نے اس کو اس مسئلہ پر قیاس کیا ہے کہ والد نے کوئی چیز اپنی چھوٹی اولاد کے مال سے اپنی ذات کے لئے خریدی اور وہ چیز اپنی چھوٹی اولاد کو بہہ کی اور اولاد کی جانب سے اس چیز پر خودی قبضہ کیا۔

شافعیہ اس صورت میں قیاس کو ممنوع کہتے ہیں، ان کے نزدیک ایک شخص دونوں کی طرف سے ولی نہیں ہو سکتا کہ دونوں کی جانب سے وکالت کے طور پر ہو۔

مالکیہ بھی اس کو ممنوع کہتے ہیں، اس لئے کہ وہ اپنی ہی طرف

(۱) الشراونی علی تہذیب المحتاج ۳۲۰/۳، المغنی ۳/۲۲۲، کشاف القناع

## بیع منہی عنہ ۴۹

نہیں ہوگی، امام ابو یوسف نے فرمایا: اس لئے کہ بیع فاسد قبضہ کے ذریعہ ملکیت میں آجاتی ہے، جیسا کہ قرض (۱)۔

اسی طرح فقہاء نے ماپ اور وزن والی چیز میں اس شمار کی جانے والی چیز کو بھی شامل کیا ہے جس میں باہمی فرق نہیں ہوتا، مثلاً اثروٹ اور انڈا اگر اس کو شمار سے خریدے، اور امام ابو حنیفہ سے اظہر روایت یہی ہے، انہوں نے دوبارہ شمار کرنے سے قبل بیع کو فاسد قرار دیا ہے، اس لئے کہ علت ایک ہے، اور وہ مقدار کا واجبی طور پر معلوم ہونا اور دونوں مالوں کے باہمی اختلاط کے احتمال کا زائل ہونا ہے، کیونکہ اس میں زائد حصہ فروخت کرنے والے کا ہے، اس کے برخلاف صاحبین سے مروی ہے کہ شمار کرنے سے قبل دوسری بیع جائز ہوگی۔

متن ”کنز“ اور ”تنویر“ میں شمار والی چیز کو ماپ اور وزن والی چیز کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

فقہاء نے وزن والی چیز میں سے دراہم اور دنانیر کو مستثنیٰ کیا ہے، اس لئے کہ ان دونوں میں قبضہ کے بعد عقد صرف یا سلم میں وزن سے پہلے تصرف کرنا بیع تعاطی کی طرح جائز ہے، اس لئے کہ وزن والی چیزوں میں خریدار کے دوبارہ وزن کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، کیونکہ وزن کے بعد قبضہ کے ذریعہ وہ بیع ہوگئی۔

ملاحظہ رہے کہ حنفیہ نے اس حکم سے (دوسروں کی طرح) اٹکل سے فروخت شدہ چیز کو مستثنیٰ کیا ہے اگر فروخت کرنے والے نے اس کو ماپ کر کے نہ خرید اہو، اس لئے کہ جس کو اشارہ سے فروخت کیا گیا ہے وہ سارا خریدار کا ہے، لہذا اس میں دو ملکیتوں کا اختلاط ممکن نہیں۔

یہی حکم اس صورت میں ہے جب کپڑے کو پیمائش کر کے بیچا ہو اس لئے کہ زیادتی خریدار کی ہے، کیونکہ پیمائش کپڑے میں

۴۹- حنفیہ نے اس مسئلہ پر خصوصیت کے ساتھ صراحت، تفصیل اور تغلیل و توجیہ کرتے ہوئے گفتگو کی ہے، چنانچہ ان میں سے مرغیبانی نے کہا: جس نے کوئی ماپی جانے والی چیز ماپنے کی شرط کے ساتھ یا وزن کی جانے والی چیز وزن کرنے کی شرط کے ساتھ خریدی اور اس کو ماپ لیا یا وزن کر لیا، پھر اس کو ماپ یا وزن کے ساتھ فروخت کر دیا، تو اس سے خریدنے والے کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اس کو فروخت کرے یا اس کو کھائے جب تک کہ دوبارہ ماپ یا وزن نہ کر لے (۱)۔ اس کی دلیل حضرت جابر اور حضرت عثمانؓ کی مذکورہ حدیثیں ہیں (۲)۔

نیز اس لئے کہ مقرر مقدار سے زائد ہونے کا احتمال ہے، اور یہ زائد حصہ مقدار والی اشیاء میں فروخت کرنے والے کا ہوتا ہے، اور دوسرے کے مال میں تصرف کرنا حرام ہے، لہذا اس سے بچنا واجب ہوگا۔

نیز اس لئے کہ ماپ وزن اور شمار کرنا قبضہ کا نتیجہ ہیں، اور اصل قبضہ تصرف کے جائز ہونے کی شرط ہے جیسا کہ گذرا، تو اس کا نتیجہ بھی شرط ہوگا (۳)۔

مذکورہ حکم کو خریداری کے ساتھ مقید کیا گیا ہے، اس لئے کہ اگر وہ اس کی ملکیت میں بہہ یا وراثت یا وصیت سے آئے تو ماپنے سے قبل اس میں تصرف کرنا جائز ہوگا۔

اسی طرح بیع اگر مطلق بولی جائے تو کامل یعنی صحیح بیع مراد ہوتی ہے، حتیٰ کہ جس کو فاسد بیع کے ذریعہ خرید اہے اگر اس کو قبضہ کے بعد ماپ کر فروخت کرے تو دوسرے خریدار کو دوبارہ ماپنے کی ضرورت

(۱) تبیین الحقائق ۸۱/۳، الہدایہ مع الشروح ۸۱/۶۔

(۲) دیکھئے: ساہتہ فقرہ ۳۲۔

(۳) تبیین الحقائق ۸۲/۳، الہدایہ مع الشروح ۱۳۹/۶، ۱۳۰، نیز دیکھئے:

فقرہ ۳۲۔

(۱) رد المحتار ۱۶۳/۳۔

## بیع منہی عنہ ۵۰-۵۱

وزن یا شمار والی کوئی چیز خریدی، اور تم نے ماپ والی چیز کو ماپ سے، وزن والی چیز کو وزن سے اور شمار والی چیز کو شمار سے خریدی، تو اس کو فروخت کرنے سے قبل ماپ کو وزن کر لو اور شمار کر لو، اگر ایسا کرنے سے قبل تم نے فروخت کر دیا، اور تم نے اس پر قبضہ کر لیا تھا تو ماپ اور وزن والی چیز میں بیع فاسد ہوگی (۱)۔

ابن عابدین نے اس پر حاشیہ لکھا ہے کہ دوسری بیع فاسد ہوگی جو ماپنے سے قبل خریدار کی طرف سے بیع ہے اور پہلی بیع صحیح واقع ہوگی، لیکن اس پر اس میں کوئی تصرف کرنا (یعنی کھانا یا فروخت کرنا) حرام ہے تا آنکہ اس کو ماپ لے، اور جب اس نے اس کو ماپنے سے قبل فروخت کر دیا تو دوسری بیع فاسد ہوئی، اس لئے کہ فساد کی علت ماپنے کا، قبضہ کا تتمہ ہے، تو جب اس نے اس کو ماپنے سے قبل فروخت کر دیا تو گویا اس نے اس کو قبضہ سے قبل فروخت کر دیا، اور منقولہ چیز کو قبضہ سے قبل فروخت کرنا صحیح نہیں ہے (۲)۔

۵۱- ماپ اور وزن والی چیز میں اس کی خریداری کے بعد تصرف کرنے میں حنفیہ کے نزدیک یہ صورتیں ممکن ہیں:

اول: ماپ کر خریدے اور ماپ کر فروخت کرے، اور اس صورت میں پہلے خریدار سے خریدنے والے کے لئے جائز نہیں کہ اس کو فروخت کرے تا آنکہ اپنے لئے اس کو دوبارہ ماپ لے، جیسا کہ حکم پہلے خریدار کے حق میں تھا، اس لئے کہ سابقہ حدیث میں اس سے ممانعت ہے، اور زیادتی کا احتمال ہے جیسا کہ گزرا (۳)۔

دوم: اٹکل سے خریدے اور اٹکل سے ہی فروخت کرے، اس صورت میں ماپنے کی ضرورت نہیں ہوگی، اس لئے کہ مقدار کی تعیین

وصف ہے اور وصف کے مقابلہ میں کوئی ثمن نہیں ہوتا برخلاف مقدار کے (۱)۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دور میں گزروں کی تعیین کے بالمقابل ثمن نہیں ہوتا تھا، کیونکہ ان کے دور میں کپڑا اس کو کہا جاتا تھا جو ایک لباس کے لئے کافی ہو، لہذا اس میں زیادتی مضر نہیں ہوتی تھی، اور نہ ہی وہ زیادتی فروخت کرنے والے کی ملکیت سے مخلوط ہوتی تھی، ہمارے دور کے کپڑے اس کے برخلاف ہیں کہ ان میں چند گز کپڑے سلنے کے لئے کاٹے جاتے ہیں، اور ان کے مقابلہ میں ثمن ہوتا ہے اور ان کو مقدار میں سے مانا جاتا ہے۔

ہر چند کہ بعض حنفیہ نے دوبارہ ماپنے سے قبل بیع کو علی الاطلاق حرام کہا ہے، تاہم شراح نے اس کی تشریح کر اہت تحریمی سے کی ہے، اس لئے کہ حدیث مذکور میں ممانعت خبر آحاد کے قبیل سے ہے جس کے ذریعہ حنفیہ کے نزدیک قطعاً حرمت ثابت نہیں ہوتی (۲)۔

اس کے باوجود اس کے کھانے والے کو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے حرام کھلایا، چنانچہ ”الجامع الصغیر“ میں صراحت ہے کہ اگر اس کو کھالے، حالانکہ ماپے بغیر قبضہ کیا ہے تو نہیں کہا جائے گا کہ اس نے حرام کھلایا، کیونکہ اس نے اپنی مملوک چیز کھائی ہے، البتہ وہ گنہگار ہوگا، اس لئے کہ اس کو ماپنے کا حکم دیا گیا تھا جس کو اس نے ترک کر دیا۔

۵۰- سہر چند کہ دوبارہ ماپنے سے قبل بیع کرنا مکروہ تحریمی ہے، لیکن حنفیہ نے اس کے فاسد ہونے کی صراحت کی ہے۔

”الجامع الصغیر“ میں امام محمد کی عبارت یہ ہے:

امام ابوحنیفہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: اگر تم نے ماپ یا

(۱) ابن عابدین ۴۳، ۱۶۳، فتح القدیر ۶/۱۳۰۔

(۲) رد المحتار ۳/۱۶۳۔

(۳) دیکھئے: فقرہ ۳۲۔

(۱) فتح القدیر ۶/۱۳۰، نیز جامعہ اہل سنت علی تبیین الحقائق ۳/۸۱، ۸۲ کے ساتھ

موازنہ کریں، الدر المختار ۳/۱۶۳۔

(۲) الدر المختار و رد المحتار ۳/۱۶۳۔

## بیع منہی عنہ ۵۲

کی حاجت نہیں۔

فروخت کرنے والے کے سابق ماپ کا اعتبار نہیں، گوکہ اس نے اپنے لئے خریداری کی موجودگی میں اپنی خریداری کی طرف سے ماپا ہو، اس لئے کہ وہ ماپ موجودہ فروخت کرنے والے اور خریدار کا ماپ نہیں ہے، اور نص سے یہی شرط ہے۔

ب۔ خریدار کی غیر موجودگی میں دوسری بیع کے بعد اس کے ماپنے کا اعتبار نہیں، اس لئے کہ ماپنا سپردگی کا حصہ ہے، کیونکہ ماپ ہی کے ذریعہ فروخت شدہ چیز کا تعین ہوتا ہے، اور سپرد کرنا خریدار کی موجودگی کے بغیر ممکن نہیں۔

ج۔ اگر اس کو خریدار کی موجودگی میں بیع کے بعد ماپایا وزن کیا تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے:

ایک قول یہ ہے کہ یہ کافی نہیں، دوبارہ ماپنا یا وزن کرنا ضروری ہے، اس کی دلیل ظاہر حدیث ہے۔

عام مشائخ کا قول ہے کہ یہ کافی ہے حتیٰ کہ خریدار کے لئے اس میں تصرف کرنا ماپنے اور وزن کرنے سے قبل صحیح ہے، اگر اس نے اس پر قبضہ کر لیا ہے یہی رائے صحیح ہے، اس لئے کہ ماپ اور وزن کا مقصد فروخت شدہ چیز کا متعین ہو جانا ہے، اور یہ مقصد ایک ماپ کے ذریعہ حاصل ہو گیا، اور سپرد کرنے کا مفہوم پایا۔

بامرتی نے اس صورت میں ایک ماپ پر اکتفاء کرنے پر بحث کی ہے، اور مقررہ مقدار پر اضافہ کے احتمال سے اصل میں حکم کی تعلیل کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہا ہے کہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے مسئلہ میں بھی ایک ہی ماپ پر اکتفاء ہو، اور انہوں نے کہا: اور اگر ثابت ہو جائے کہ دونوں ماپ کے وجوب کا حکم عزیمت ہے اور ایک ماپ پر اکتفاء رخصت ہے یا قیاس اور استحسان ہے تو یہ ایسا جواب ہے جو ضوابط (یعنی قواعد) پر جاری ہے، لیکن مجھے ایسا نہیں ملا<sup>(۱)</sup>۔

سوم: ماپ کر خریدے اور اٹکل سے فروخت کرے، تو دوسرے خریدار کو ماپنے کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ جب اس نے اٹکل سے خرید اتو بیع میں جس چیز کی طرف اشارہ کیا گیا تھا اس سب کا وہ مالک ہو گیا، لہذا وہ اپنی ذاتی ملکیت میں تصرف کرنے والا ہے۔

چہارم: اٹکل سے خریدے اور ماپ کر فروخت کرے، تو اس کو ایک بار ماپنے کی ضرورت ہوگی یا تو خریدار ماپ لے یا اس کی موجودگی میں فروخت کرنے والا ماپ لے، اس لئے کہ ماپ سے فروخت کی گئی چیز میں ماپنا تصرف کے لئے شرط ہے، کیونکہ فروخت شدہ مقدار کی تعین کی ضرورت ہے، رہا اٹکل سے بیچنا تو اس کے لئے اس کی ضرورت نہیں۔

اس آخری صورت کی بنیاد پر اس صورت کی تخریج ہوگی جس کی تحقیق ابن عابدین نے کی ہے، اور وہ صورت یہ ہے:

زید کی ملکیت میں امانج اٹکل سے خرید فروخت کے ذریعہ یا وراثت وغیرہ سے آ گیا، اور اس نے اس کو عمرو کے ہاتھ ماپ کے طور پر فروخت کیا تو یہاں فروخت کرنے والے کا صاع (ماپ) سا قہ ہوگا، اس لئے کہ اس کی پہلی ملکیت ماپنے پر موقوف نہیں ہے، صرف خریدار کے لئے ماپنے کی ضرورت رہے گی، لہذا اس کی بیع عمرو کے ہاتھ بلانا پے صحیح نہ ہوگی، یہاں صرف دوسری بیع فاسد ہوگی، پھر اگر عمرو اس کو بکر کے ہاتھ فروخت کر دے تو بکر کے لئے ایک بار اور ماپنے کی ضرورت ہوگی، اور اس صورت میں پہلی اور دوسری بیع فاسد ہوگی، کیونکہ فساد کی علت دونوں میں موجود ہے<sup>(۱)</sup>۔

۵۲۔ شرعاً معتبر ماپ کے متعلق حنفیہ کی صراحت یہ ہے:

الف۔ دوسرے خریدار کے ہاتھ فروخت کرنے سے قبل

(۱) الہدایہ فی شرح القدر مع شرح العنایہ ۶/۱۳۰، ۱۳۱، تمہین الحقائق ۳/۸۲۔

(۱) شرح العنایہ علی الہدایہ ۶/۱۳۰، ۱۳۱، تصرف کے ساتھ۔



## بیع منہی عنہ ۵۳-۵۴

اس کی تشریح دین کی بیع سے بھی کی گئی ہے، جیسا کہ اس کی صراحت ایک روایت میں ہے۔

دین کفر وخت کرنے کی دو صورتیں ہیں: خود مدیون کے ہاتھ اس کفر وخت کرنا اور مدیون کے علاوہ دوسرے کے ہاتھ اس کو فروخت کرنا۔

فقہاء کے یہاں کوئی اختلاف نہیں کہ مدیون کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ دین کفر وخت کرنا جائز ہے۔

ہاں مدیون کے ہاتھ اس کفر وخت کرنے کے بارے میں ان میں اختلاف ہے، جمہور فقہاء عام طور پر اس کو ناجائز کہتے ہیں، البتہ کچھ معین حالات اس سے مستثنیٰ ہیں، حنفیہ کا اس میں اختلاف ہے۔

ذیل میں فقہاء کی طرف سے پیش کی جانے والی اہم صورتوں اور تقسیمات اور ان کے احکام کا بیان ہے۔

۵۴- مذہب مالکیہ: مالکیہ کے نزدیک دین پر عقد کی مختلف صورتیں ہیں:

الف- مدیون کے ذمہ واجب کو فسخ کرنا، یعنی اس کو ایسی چیز کے عوض ساقط کرنا جس پر قبضہ فسخ کے وقت سے مؤخر ہو، خواہ فسخ کئے گئے دین کی ادائیگی کا وقت ہو چکا ہو یا نہ ہو، اگر مؤخر شدہ چیز اس کی جنس کے علاوہ سے ہو یا اسی کی جنس سے ہو، لیکن اس کے زائد کے عوض ہو، اور خواہ جس میں فسخ کیا گیا ہے معین ہو مثلاً جائیداد، یا معین ذات کے منافع ہوں مثلاً جانور کی سواری تو بیجا جائز ہے، یہ جاہلیت کے سود میں سے ہے جو سب سے شدید حرمت والی نوع ہے، اس کی حرمت کا ثبوت کتاب اللہ سے ہے۔

ب- دین کو مدیون کے علاوہ کے دین کے عوض فروخت کرنا کو

ز- بیع الکالی بالکالی (دین کی دین سے یا ادھار کی ادھار سے فروخت):

۵۳- لفظ ”کالی“ کلاً الدین یکلأ (دونوں حرف پر زبر کے ساتھ) کلوء ا بمعنی مؤخر ہونا سے مشتق ہے، کالیء (ہمزہ کے ساتھ) ام فاعل ہے، اور ہمزہ کی تخفیف بھی جائز ہے، اس صورت میں یہ لفظ تاقضی کی طرح ہو جائے گا، اصمعی اس میں ہمزہ کے تامل نہ تھے، ان کا کہنا تھا کہ وہ تاقضی کی طرح ہے اس میں ہمزہ لگانا صحیح نہیں ہے۔

بیع الکالی بالکالی: ادھار کو ادھار کے عوض فروخت کرنا ہے۔ ابو عبید نے کہا: اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص ایک مدت تک کے لئے امانج کے واسطے دراہم سپرد کر دے، اور جب مدت آجائے تو جس کے ذمہ امانج کی ادائیگی تھی، وہ کہے: میرے پاس امانج نہیں، ہاں تم اسے میرے ہاتھ ایک مقررہ مدت تک کے لئے فروخت کر دو، تو یہ ادھار بیع تھی جو بدل کر پھر ادھار بیع ہوگئی، اور اگر امانج پر قبضہ کر لے پھر اس کو اس کے یا دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دے، تو یہ ”کالی“ کی بیع ”کالی“ سے نہیں ہوگی (۱)۔

شرعی مفہوم لغوی مفہوم سے الگ نہیں ہے، کیونکہ شرع میں اس کا معنی دین کو دین کے عوض فروخت کرنا ہے (۲)۔

حضرت ابن عمرؓ کی حدیث میں اس سے ممانعت آئی ہے: ”ان النبی ﷺ نہی عن بیع الکالی بالکالی“ (نبی کریم ﷺ نے ”کالی“ کو ”کالی“ کے عوض فروخت کرنے سے منع فرمایا)، اور انہوں نے کہا: اس کا مطلب ”ادھار کو ادھار کے عوض فروخت کرنا ہے“ (۳)۔

(۱) امصباح الحیر و مختار الصحاح مادہ ”کلأ“۔

(۲) مثلاً دیکھئے: کتایب الطالب ۱/۲۶۶، شرح المکمل علی امصباح ۲/۲۱۵، الشرح المکبیر فی ذیل المغنی ۳/۱۶۵۔

(۳) حدیث: ”نہی عن بیع الکالیء بالکالیء“ کی روایت بیہقی (۵/۲۹۰)۔

= طبع دار المعارف ایشمانیہ (نے کی ہے، ابن حجر نے بلوغ المرام (۲ ص ۱۹۳) طبع عہد الجدید خلی) میں اس کو ضعیف کہا ہے۔

## بیع منہی عنہ ۵۵

کے احکام یہی ہیں۔

رہا دین کو نقد کے عوض فروخت کرنا تو ناجائز ہے، الا یہ کہ مدیون زندہ ہو اور شہر میں حاضر ہو، کو کہ مجلس عقد میں موجود نہ ہو اور دین کا اقرار کرے، اور ان لوگوں میں سے ہو جو احکام کے تحت آتے ہوں (یعنی مکلفین میں سے ہو) اور دین کو اس کی جنس کے علاوہ سے یا اسی کی جنس سے جو مساوی ہونہ کم نہ زیادہ فروخت کیا گیا ہو، اور سونا بہ عوض چاندی یا اس کے برعکس نہ ہو۔ اور خریدار اور مدیون کے مابین عداوت نہ ہو۔

اور شرط یہ ہے کہ دین ایسی چیز ہو جس کی بیع قبضہ سے قبل جائز ہو، اور یہ معاوضہ کے اناج سے امتراز ہے۔

دسوقی نے کہا: اگر یہ شرائط موجود ہوں تو بیع جائز ہوگی، اور اگر ایک شرط بھی مفقود ہو تو بیع ممنوع ہے (۱)۔

۵۵- امام شافعی کا مذہب جدید اور امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ ذمہ میں واجب ثمن کے عوض تبادلہ کرنا جائز ہے۔

امام شافعی کے قدیم مذہب میں یہ ممنوع ہے (۲)۔

مذہب جدید کی دلیل جو بعینہ حنا بلہ کے یہاں اس روایت کی دلیل ہے: حضرت ابن عمرؓ کی حدیث ہے، انہوں نے کہا: "کنت

أبيع الإبل بالدنانير، وأخذ مكانها الدراهم، وأبيع بالدراهم، وأخذ مكانها الدنانير فأتيت رسول الله ﷺ

فسألته عن ذلك، فقال: لا بأس إذا تفرقتما وليس بينكما شيء" (۳) (میں دینار کے عوض اونٹ بیچتا، اور اس کی جگہ

(۱) حوالہ سابق۔

(۲) شرح المصلیٰ علی المسماح ۲/۲۱۳، شرح المنہج ۳/۱۶۳، المغنی ۳/۲۲۰، ۲۲۱۔

(۳) حدیث ابن عمرؓ: "کنت أبيع الإبل....." کی روایت ابوداؤد (۳/۶۵۱)

تحقیق عزت عبید دھاس نے کی ہے، بیعتی نے شبہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس کو ابن عمرؓ پر موقوف ہونے کی وجہ سے معلول کہا ہے (الخصم لابن حجر

۳/۶۵۳ طبع مکتبۃ المطابع الفویہ)۔

کہ وہ فوری واجب الاداء ہو، یہ حدیث کی وجہ سے ممنوع ہے۔

لہذا اگر ایک شخص کا دین زید پر ہو، اور ایک دوسرے شخص کا دین عمرو پر ہو، پھر ان میں سے ہر ایک نے اپنے دین کو دوسرے شخص کے دین کے عوض فروخت کر دیا، تو یہ حدیث کی وجہ سے حرام ہے، اور یہ ناسد ہے۔

رہا کسی ایسی معین شئی کے عوض اس کو فروخت کرنا جس پر قبضہ مؤخر ہو مثلاً جائیداد، یا معین ذات کی منفعت کے عوض فروخت کرنا، مثلاً اگر زید کا عمر و پر دین ہو، اور زید نے اس دین کو خالد کے ہاتھ مذکورہ بالا چیز کے عوض بیچ دیا تو یہ جائز ہے، جائیداد اور معین ذات کے منافع کو حاضر کے قبیل سے مانا جائے گا، گو کہ اس کو سپرد کرنا مؤخر ہو، اس لئے کہ اس کا ضمان ذمہ میں نہیں ہوتا، کیونکہ معین چیزیں ذمہ میں ثابت نہیں ہوتیں، تو یہ دونوں اس معنی کے لحاظ سے نقد ہیں یعنی حاضر اور نقد ہوں گی، اور ذمہ میں ثابت نہ ہوں گی۔

ج۔ سلم کے رأس المال (سرمایہ) کو تین دن سے زیادہ مؤخر کرنا جبکہ وہ معین چیز ہو، یہ ممنوع و ناجائز ہے، اس لئے کہ اس میں دین کو دین کے عوض کرنے کی ابتداء ہے، اس کے دین کی دین کے عوض ابتداء ہونے کی وجہ یہ کہ ان میں سے ہر ایک نے دوسرے کے ذمہ کو ایسے دین کے ساتھ مشغول کر دیا ہے جو اس کا دوسرے پر ہے (۱)۔

اگر سرمایہ عین کے علاوہ ہو تو اس کی تاخیر تین دن سے زیادہ جائز ہے بشرطیکہ شرط کے ساتھ نہ ہو۔

ان تینوں صورتوں میں سے ہر ایک کو لغت کی رو سے دین کی دین کے عوض بیع کہتے ہیں۔ لیکن فقہاء مالکیہ نے ان میں سے ہر ایک کا علاحدہ مخصوص نام رکھا ہے۔

مالکیہ کے نزدیک دین کی دین کے عوض بیع کی اقسام اور ان

(۱) حاشیۃ الدسوقی ۳/۶۱، ۶۳ مع احلیقات الشیخ علیش۔

## بیع منہی عنہ ۵۶-۵۷

”الروضہ“ میں صحیح کہا ہے، رافعی کی رائے اس کے برخلاف ہے اور وہی معتد ہے، یہ دیکھتے ہوئے کہ دین ثابت ہو چکا ہے، جیسے کہ دین کو مدیون کے ہاتھ فروخت کرنے میں ہے۔

لیکن اس میں مجلس کے اندر دونوں عوض پر قبضہ شرط ہے، اگر کسی ایک پر قبضہ سے قبل وہ دونوں جدا ہو گئے تو بیع باطل ہوگی، گوکہ اکثر شافعیہ کے کلام کا تقاضا اس کے برخلاف ہے، جیسا کہ مٹلی نے لکھا ہے (۱)۔

اگر زید اور عمرو کے دو دین کسی ایک شخص پر ہوں، اور زید نے عمر کو اپنا دین اس کے دین کے عوض بیچ دیا تو یہ بلا اختلاف قطعاً باطل ہوگا، جنس ایک ہو یا مختلف، اس کی دلیل حضرت ابن عمر کی حدیث ہے: ”أن النبي ﷺ نهى عن بيع الكالئ بالكالئ“ (۲) (نبی کریم ﷺ نے کالی کے عوض کالی کی بیع سے منع فرمایا)۔

۵۶- حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ دین کو دین کے عوض مدیون کے ہاتھ یا اس کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ فروخت کرنا مطلقاً باطل ہے۔

انہوں نے اس کی چند صورتیں جو شافعیہ کی ذکر کردہ بعض ان صورتوں کے علاوہ ہیں جن میں حنابلہ نے شافعیہ سے اتفاق کیا ہے، ابن المنذر نے کہا: اہل علم کا اجماع ہے کہ دین کو دین کے عوض بیچنا جائز ہے، امام احمد نے فرمایا: یہ مسئلہ اجماعی ہے (۳)۔

۵۷- اب اتنی بات رہ جاتی ہے کہ حنفیہ کے اس امتیازی موقف کی طرف اشارہ کر دیا جائے جس میں دین کو مدیون کے ہاتھ بیچنے اور مدیون کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ بیچنے کے درمیان فرق کیا گیا ہے، اور یہ کہ دین میں جائز تصرف مدیون کو دین کا مالک بنانا ہے گوکہ

- (۱) شرح مٹلی ۲/۲۱۵، نیز دیکھئے: کشاف القناع ۳/۲۶۵۔  
 (۲) حدیث: ”لہی عن بیع الکالیء بالکالیء“ کی تخریج فقہ ۵۳ کے تحت آچکی ہے۔  
 (۳) کشاف القناع ۳/۲۶۵، شرح الکبیر فی ذیل المغنی ۲/۲۷۲۔

دراہم وصول کرنا، اور دراہم سے بیچنا اور اس کی جگہ دنانیر وصول کرنا تھا، خدمت نبوی میں حاضر ہو کر میں نے اس کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں، اگر تم اس حال میں جدا ہو کہ تم دونوں کے درمیان کچھ نہ رہے)۔

انہوں نے کہا: یہ قبضہ سے قبل ثمن میں تصرف ہے، اور ثمن ایک عوض ہے (۱)۔

مذہب قدیم کی دلیل یہ حدیث ہے: ”إذا اشتریت بیعا فلا تبعہ حتی تقبضہ“ (۲) (جب تم کوئی چیز خریدو تو قبضہ کرنے سے قبل اس کو فروخت نہ کرو)۔

اگر سود کی علت میں غیر موافق سے استبدال کرے مثلاً دراہم دینار کے عوض تو مجلس میں بدل پر قبضہ کرنا شرط ہے۔

اگر سود کی علت میں موافقت نہ رکھنے والی چیز سے تبادلہ کرے مثلاً ذمہ میں واجب دراہم کے عوض کپڑا خرید لے تو وہ شرط نہ ہوگی (۳)۔

رہا دین کو مدیون کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ فروخت کرنا تو شافعیہ کے مذہب میں اظہر یہ ہے کہ باطل ہے، یہ حنابلہ کے مذہب میں بھی باطل ہے، مثلاً کسی نے زید سے ایک کپڑا اپنے اس ایک سو کے عوض خرید جو عمرو پر واجب ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سپرد کرنے کی قدرت نہیں ہے۔

شافعیہ کے دوسرے قول میں یہ صحیح ہے، اور اس کو اصل کتاب

(۱) المغنی ۳/۲۲۱۔

(۲) حدیث: ”إذا اشتریت بیعا فلا تبعہ حتی تقبضہ.....“ کی روایت احمد (۳/۳۰۲ طبع المیوہ) نے کی ہے، ابن حبان نے اس کو صحیح کہا ہے جیسا کہ نصب الرایہ میں ہے (۳/۳۳۳ طبع مجلس المطبوعین بالبند)۔

(۳) شرح مٹلی علی الشہاح ۲/۲۱۳، شرح بیع بھامیہ الجمل ۳/۱۶۲، ۱۶۵، تخریج القناع ۳/۳۰۶، ۳۰۷۔

## بیع منہی عنہ ۵۸-۵۹

”بیع الکالی باکالی“ کے سلسلہ میں مزید تفصیل اور صورتوں کے لئے اصطلاحات ”ربا“، ”صرف“ اور ”دین“ دیکھی جائیں۔

ح- جانور کے عوض گوشت فروخت کرنا:

۵۸- حضرت سعید بن مسیب کی حدیث میں ہے: ”أن النبي ﷺ نهى عن بيع اللحم بالحيوان“ (نبی کریم ﷺ نے جانور کے عوض گوشت کی بیع سے منع فرمایا ہے)، ایک اور روایت کے الفاظ ہیں: ”نهى عن بيع الحي بالميت“<sup>(۱)</sup> (مردہ کے عوض زندہ کافر وخت کرنے سے منع فرمایا)۔

اس مسئلہ میں بحث کے حسب ذیل نقاط ہیں:

اول: کیا سارا گوشت ایک جنس ہے؟

۵۹- یہ مسئلہ فقہاء کے یہاں اختلافی ہے، اور یہی مسئلہ آئندہ آنے والے مسائل کی بنیاد ہے۔

الف- چنانچہ حنفیہ کا مذہب، شافعیہ کے یہاں اظہر کے بالمقابل، اور حنابلہ کے یہاں صحیح یہ ہے کہ گوشت کے اصول کے فرق کے لحاظ سے اس کی مختلف جنسیں ہیں:

لہذا اونٹ اپنی تمام انواع کے ساتھ (خواہ عربی، بختی، بھینس، دوکوبان والا، ایک کوبان والا ہو) ایک جنس ہے۔ اسی طرح ان کے گوشت بھی ایک جنس ہوں گے۔  
گائے اور بھینس ایک جنس ہیں۔

(۱) حدیث: ”لہی عن بیع اللحم بالحيوان.....“ اور دوسرے الفاظ میں ”لہی عن بیع الحي بالميت“ کی روایت مالک (۶۵۵/۲ طبع اہل سنت) نے حضرت سعید بن مسیب سے مرسل کی ہے ابن حجر نے تلخیص البحر (۱۰/۲ طبع مکتبۃ المطابع) میں اس کے دوسرے طرق ذکر کئے ہیں جن سے حدیث کو تقویت ملتی ہے نیز دیکھئے: فتح القدیر ۶/۶۶، ۶۸۔

بعوض ہو، غیر مدیون کو مالک بنانا جائز نہیں، جیسا کہ حاکمی نے ابن ملک کے حوالہ سے لکھا ہے۔

حنفیہ نے تین صورتوں کا استثناء کیا ہے جن میں غیر مدیون کو دین کا مالک بنانا جائز کہا ہے۔

اول: اگر قرض دینے والا دوسرے کو دین پر قبضہ کرنے کے لئے مسلط کر دے تو وہ شخص ایسا وکیل ہوگا جو مؤکل کے لئے قبضہ کرنے والا ہوگا، پھر اپنے لئے قبضہ کرنے والا ہوگا۔

دوم: حوالہ، اس کے جواز کے استثناء پر اجماع ہے جیسا کہ شافعیہ نے اس کی صراحت کی ہے۔

سوم: وصیت۔

یہاں عدم جواز کا معنی منعقد نہ ہونا ہے، یہی تعبیر کاسانی کی ہے، انہوں نے کہا: مدیون کے علاوہ کے ہاتھ دین کی بیع منعقد نہ ہوگی، اس لئے کہ دین یا تو ذمہ میں واجب مال حکمی کا نام ہوگا یا مال کا مالک بنانے اور اس کو سپرد کرنے کے عمل کا نام ہوگا، اور فروخت کرنے والے کے حق میں ان چیزوں میں حواگی پر قدرت نہیں ہے، اور اگر مدیون پر سپردگی کی شرط لگائی جائے تو بھی صحیح نہیں، اس لئے کہ یہ فروخت کرنے والے کے علاوہ پر سپردگی کی شرط ہے جو شرط فاسد ہوگی اور بیع فاسد ہو جائے گی۔

دین کو مدیون کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے، اس لئے کہ مانع سپرد کرنے سے عاجز ہونا ہے اور یہاں سپرد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

اس کی نظیر غصب کردہ چیز کافر وخت کرنا ہے، کہ اس کو غاصب کے ہاتھ فروخت کرنا درست ہے اور دوسرے کے ہاتھ درست نہیں، اگر غاصب منکر ہو اور مالک کے پاس بیٹہ نہ ہو<sup>(۱)</sup>۔

(۱) الدر المختار و رد المحتار ۳/۱۳، ۱۶۶ بحوالہ الاشاہ، بواع المصالح ۵/۱۳۸، نیز دیکھئے: تحتہ المباح مع حامیہ الشروانی ۳/۲۰۹۔

## بیع منہی عنہ ۶۰

پرندوں کے گوشت ایک صنف، اور مچھلیوں کے گوشت ایک صنف ہیں (۱)۔

دوم۔ گوشت کو اسی جنس کے جانور کے عوض فروخت کرنا: ۶۰۔ جمہور فقہاء، گوشت کو اسی جنس کے جانور کے عوض فروخت کرنے کو جائز قرار نہیں دیتے، مثلاً بکری کے گوشت کی زندہ بکری کے عوض بیع، اس کی وجہ یہ ہے کہ:

سابقہ حدیث میں گوشت کو جانور کے عوض فروخت کرنے کی ممانعت ہے، جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں۔

نیز اس لئے کہ بیدربوی مال ہے جو اپنے ہم جنس کے عوض مقدر کی جہالت کے ساتھ فروخت ہوا، لہذا ناجائز ہوگا جیسا کہ حل کی بیع اس کے تیل کے عوض ناجائز ہے۔

نیز اس لئے کہ یہ معلوم شی یعنی گوشت کو مجہول شی یعنی جانور کے عوض فروخت کرنا ہے، اور یہی مزینہ ہے جیسا کہ مالکیہ کہتے ہیں (۲)۔

یہی امام مالک کا قول ہے، اور ان کے نزدیک حدیث کا محمل یہی ہے کہ حلال جانور کو اس کی جنس کے گوشت کے عوض فروخت کیا جائے، یہی امام شافعی کا مذہب ہے، اور یہی حنابلہ کے یہاں بھی بلا اختلاف مذہب ہے۔

حنفیہ نے اس بیع کو جائز قرار دیا ہے لیکن:

(۱) التوابعین المغہبہ، ص ۱۶۸، ۱۶۹، جامعہ الدوسقی علی المشرع الکتبیر للدررہ ۵۵۳۔ اسی کی تائید و توثیق ابن ابراہیم نے کی ہے دیکھئے: بیع القدرہ ۱۴۳/۱۔

(۲) دیکھئے: شرح المحلی علی المہاج ۴/۱۴۳، ۱۴۵، اکتشاف القناع ۵۵۳، المغنی ۱۳۶، ۱۳۹، المشرع الکتبیر للدررہ مع جامعہ الدوسقی ۳/۵۳، المشرع لخرش ۵/۶۸، التوابعین المغہبہ، ص ۱۶۹۔

بھیڑ اور بکری ایک جنس ہیں (۱)۔ اور احتمال ہے کہ وہ دو صنف ہوں، اس لئے کہ قرآن نے دونوں میں فرق کیا ہے جیسا کہ اونٹ اور گائے کے درمیان فرق کیا ہے۔ فرمان باری ہے: "ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ مِنَ الضَّأْنِ اثْنَيْنِ وَ مِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ" ((اللہ نے) آٹھ جوڑے (پیدا کئے) دو قسمیں بھیڑ میں سے اور دو قسمیں بکری میں سے))، "و مِنَ الْإِبِلِ اثْنَيْنِ وَ مِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ" (اور) اسی طرح) دو قسمیں ہیں اونٹ میں (بھی) اور دو قسمیں ہیں گائے میں (بھی))۔

وحشی (جنگلی) جانور مختلف اصناف ہیں: وحشی گائے، الگ صنف، وحشی بھیڑ، الگ صنف، وحشی ہرن، الگ صنف ہیں۔ پرندے مختلف اصناف ہیں، جس کا مستقل نام اور صفت ہو، وہ الگ صنف ہے۔

ب۔ شافعیہ کے یہاں اظہر، حنابلہ میں خرقی کا قول، اور امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ گوشت سب ایک جنس ہیں (۳)۔

ج۔ مالکیہ کی طرف سے ایک جنس کی مثال میں گائے کے گوشت کی زندہ مینڈھے کے عوض بیع، اور غیر جنس کی مثال میں زندہ جانور کی پرندہ یا مچھلی کے گوشت کے عوض بیع، پیش کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جانوروں کے گوشت کو ایک جنس، پرندوں کے گوشت کو ایک جنس اور مچھلیوں کے گوشت کو ایک جنس مانتے ہیں۔

ابن جزی نے صراحت کی ہے کہ گوشت امام مالک کے نزدیک تین اصناف کے ہیں: چوپایوں کے گوشت ایک صنف،

(۱) بدائع الصنائع ۵/۱۸۹۔

(۲) سورہ النعام، ۱۳۳، ۱۳۲۔

(۳) دیکھئے: شرح المحلی علی المہاج ۴/۱۴۳، ۱۴۵، المغنی ۳/۱۳۲، ۱۳۳، المشرع الکتبیر فی ذیل المغنی ۳/۱۳۲، ۱۳۳۔

## بیع منہی عنہ ۶۱

میں سے ایک کو دوسرے کے عوض ادھار فرخت کرنا ناجائز ہے، تو اسی طرح کسی بیشی کے ساتھ بھی ناجائز ہوگا جیسے زیتون کے پھل کے عوض زیتون کا تیل فرخت کرنا ہے<sup>(۱)</sup>۔

سوم۔ گوشت کو خلاف جنس جانور کے عوض فرخت کرنا:

۶۱۔ مثلاً مالکیہ کے علاوہ دوسرے حضرات کے نزدیک اونٹ یا گائے کے گوشت کے عوض فرخت کرنا اور مثلاً مالکیہ کے نزدیک بکری کو پرندے کے گوشت یا چھلی کے عوض فرخت کرنا<sup>(۲)</sup>۔

حنفیہ اور مالکیہ میں سے جمہور فقہاء نے اس صورت کو جائز قرار دیا ہے، اور یہی شافعیہ کے یہاں خلاف اظہر ہے، حنابلہ میں سے قاضی نے اسی کو اختیار کیا ہے، یہی امام احمد سے ایک روایت ہے اور ”الاقناع“ کے متن کی عبارت اسی کے مطابق ہے۔

حنفیہ نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ وہ دونوں دو مختلف اصول ہیں، لہذا دونوں الگ الگ جنس ہوں گے، اور ان دونوں کی بیع مطلقاً اکل سے نقد اور ادھار جائز ہوگی، اس لئے کہ وزن اور جنس معدوم ہیں جس کی وجہ سے ربا کا تحقق بالکل نہیں ہو سکتا<sup>(۳)</sup>۔

ہر چند کہ مالکیہ نے گوشتوں کی جنسوں کے بارے میں اپنی اصطلاح کے مطابق گوشت کو خلاف جنس کے عوض فرخت کرنا علی الاطلاق جائز قرار دیا ہے، لیکن انہوں نے اس میں قید لگائی ہے کہ وہ نقد ہو، اور اگر ادھار ہو تو ناجائز نہیں، بشرطیکہ جانور کو پالنے کے مقصد سے نہ رکھا جاتا ہو، ورنہ اس کو خلاف جنس کے گوشت کے عوض

بعض حنفیہ نے ان دونوں کو دو مختلف جنس مانا ہے (اس لئے کہ ان میں سے ایک وزن والا اور دوسرا شمار والا ہے)، چنانچہ انہوں نے امام ابوحنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک اکل سے ان دونوں کے فرخت کے جواز کی بنیاد اسی پر رکھی ہے، اس لئے کہ اس نے ایک جنس کو دوسری جنس کے عوض فرخت کیا۔

بعض حنفیہ نے ان دونوں کو ایک جنس مانا ہے، اور انہوں نے ان دونوں (یعنی شیخین) کے مذہب کی بنیاد اس بات پر رکھی ہے کہ بکری وزن والی چیز نہیں ہے، اس لئے ان میں سے ایک کو دوسرے کے عوض اکل سے اور زیادتی کے ساتھ فرخت کرنا جائز ہے، اس لئے کہ ربا افضل کا مدارد و وصف: یعنی جنس اور قدر کے اکٹھا ہونے پر ہے لیکن تعین کی شرط کے ساتھ، جیسا کہ حاکمی کی تعبیر ہے یعنی ایک دوسرے پر قبضہ پایا جائے یا ہاتھوں ہاتھ کی شرط کے ساتھ جیسا کہ کاسانی کی تعبیر ہے، اور انہوں نے اس کو صحیح کہا ہے۔ اور یہی باہرتی کی بھی تعبیر ہے۔

لیکن ادھار ناجائز ہے، اس لئے کہ وہ دونوں اس صورت میں مسلم ہیں اور سلم ان دونوں میں سے کسی میں صحیح نہیں ہے، جیسا کہ ابن عابدین نے ”انہر“ کے حوالہ سے لکھا ہے۔

لیکن امام محمد نے گوشت کو اس کی جنس کے جانور کے عوض فرخت کرنے کے جواز میں یہ شرط لگائی ہے کہ علاحدہ کیا ہو گوشت اس گوشت سے زیادہ ہو جو بکری میں ہے تا کہ بکری کا گوشت ہم مثل گوشت کے مقابلہ میں ہو، اور باقی گوشت اسقاط (چمڑا، سر، پاؤں، اوجھ وغیرہ) کے مقابلہ میں ہو جائے، کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو ربا کا تحقق و ثبوت پایا جائے گا، جو ان کے نزدیک سابقہ حدیث پر عمل کرتے ہوئے ناجائز ہوگا۔

نیز اس لئے کہ وہ دونوں ایک جنس ہیں، اور اسی وجہ سے ان

(۱) بدائع الصنائع ۱۸۹/۵، دیکھئے الہدایہ مع الشرح ۱۶۶/۶، ۱۶۷، الدر المختار و

رد المحتار ۱۸۳/۳، نیز دیکھئے تبیین الحقائق ۹۱/۳۔

(۲) شرح الکبیر للدرر مع حاشیہ الدسوقی ۵۵۔

(۳) دیکھئے بدائع الصنائع ۱۸۹/۵، شرح اکل علی الصہاج ۱۷۵/۲، المغنی

۱۳۶/۳، ۱۵۰، شرح الکبیر ۱۳۶/۳، کشاف القناع ۲۵۵/۳۔

## بیع منہی عنہ ۶۲

اوہار بیچنا جائز ہے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ شافعیہ نے حدیث میں گوشت کو مطلق رکھا ہے، خواہ وہ مچھلی کا گوشت ہو یا چکیتی ہو یا جگریا تلی ہو۔ اور انہوں نے حیوان کو مطلق رکھا ہے، چاہے وہ مچھلی ہو یا ٹڈی ہو، کھایا جاتا ہو مثلاً اونٹ یا نہ کھایا جاتا ہو مثلاً گدھ یا تو ان کے نزدیک جانور کے عوض گوشت کی بیع اظہر قول کے مطابق علی الاطلاق باطل ہے (۱)۔

چہارم۔ گوشت کو نہ کھائے جانے والے جانور کے عوض فروخت کرنا:

۶۲۔ جمہور (حنفی، مالکیہ اور حنابلہ) اس صورت کے جواز کے قائل ہیں، اور یہی شافعیہ کے یہاں ایک قول ہے۔

ابن قدامہ نے کہا: اور اگر اس کو نہ کھائے جانے والے جانور کے عوض فروخت کرے تو ہمارے اصحاب کے قول کے ظاہر میں جائز ہے، اور یہی عام فقہاء کا قول ہے (۲)۔

اسی طرح شافعیہ نے اس صورت کے جواز سے متعلق اپنے بعض فقہاء کی رائے کی توجیہ یہی ہے کہ ممانعت کا سبب مال ربا کو اس کی اس اصل کے ساتھ فروخت کرنا ہے جو ربا پر مشتمل ہو، اور یہ سبب یہاں موجود نہیں، لیکن شافعیہ کے نزدیک اظہر (جیسا کہ ابھی گزرا)، یہ ہے کہ حدیث کے مطلق ہونے کی وجہ سے گوشت کو جانور کے عوض فروخت کرنا حرام ہے (۳)۔

اسی طرح شافعیہ نے کہا ہے کہ جواز کا قول اس بات پر مبنی ہے کہ گوشت مختلف اجناس ہیں، اور جواز کی توجیہ یہی ہے کہ وہ گوشت کے عوض گوشت کو فروخت کرنے پر قیاس ہے، انہوں نے کہا: یہ اس جانور کے بارے میں ہے جس کا گوشت کھایا جاتا ہے، ربا وہ جانور جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا تو اس میں وجہ جواز یہ ہے کہ ممانعت کا سبب ربا کے مال کو اس کی اصل کے ساتھ فروخت کرنا ہے جو ربا پر مشتمل ہے، اور وہ سبب یہاں نہیں پایا جا رہا ہے۔

حنابلہ میں جو حضرات اس کے جواز کے قائل نہیں انہوں نے اس کی توجیہ یہی ہے کہ وہ مال ربا ہے جو اپنی اصل کے علاوہ کے عوض فروخت ہوا، لہذا وہ جائز ہے، جیسا کہ اگر اس کو ثمن کے عوض فروخت کیا جائے۔

اس صورت یعنی گوشت کو خلاف جنس کے جانور کے عوض فروخت کرنے کو شافعیہ نے اپنے اظہر قول، اور حنابلہ نے اپنے مذہب کے ظاہر میں ناجائز قرار دیا ہے، اور اس کے باطل ہونے کی صراحت کی ہے، اور اس کی وجہ سابقہ دونوں احادیث کا عموم ہے۔

نیز اس لئے کہ تمام گوشت ایک جنس ہیں (۱)۔

ملحوظ رہے کہ صاحب "اشرح الکبیر" حنبلی نے صراحت کی ہے کہ "گوشت کو خلاف جنس کے عوض فروخت کرنے" میں اختلاف کا سبب گوشت کے بارے میں اختلاف پر مبنی ہے، اس لئے کہ جو لوگ اس کو ایک جنس کہتے ہیں وہ بیع کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور جو لوگ اس کو مختلف الاجناس کہتے ہیں وہ اس کو جائز قرار دیتے ہیں (۲)۔

(۱) تحفۃ المحتاج ۲/۳، شرح کھلی علی المہاج ۲/۳، ۱۷۵، ۱۷۴، شرح الحجج بھائیہ، المجلد ۱، ۶۷، ۶۶۔

(۲) المغنی ۳/۵۰، اشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۳/۶۱، نیز دیکھئے: کشاف القناع ۳/۲۵۵، نیز الدر المختار ۲/۱۸۳، اور اشرح الکبیر للدر ۳/۵۵ سے یہی ماخوذ ہے۔

(۳) شرح کھلی ۲/۱۷۵۔

(۱) کلتایۃ الطالب مع حاشیۃ الصدوق ۲/۱۷۵، حاشیۃ الدبوتی ۳/۵۵، شرح کھلی علی المہاج ۲/۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، المغنی ۳/۱۳۹، ۱۴۰، اشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۳/۱۲۶، کشاف القناع ۳/۲۵۵، تحفۃ المحتاج ۲/۳۹۰۔

(۲) اشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۳/۱۲۶۔

## بیع منہی عنہ ۶۳ - ۶۴

وقت برابری کا اعتبار کیا جائے گا۔ ورنہ کم ہونا اس وجہ واضح ہے کہ اس کے متعلق سوال کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اور اس وقت یکسانیت نامعلوم ہے<sup>(۱)</sup>۔

نیز اس لئے کہ یہ ایسی جنس ہے جس میں ربا ہے، اس کے بعض کو بعض کے عوض اس طور پر فروخت کیا گیا ہے کہ ایک عوض میں کمی ہے، لہذا ناجائز ہوگا۔

خرقی کی عبارت ہے: کوئی چیز اس کی جنس کی خشک چیز کے عوض فروخت نہیں کی جائے گی سوائے عرایا کے<sup>(۲)</sup>۔

بعض مالکیہ اس کو مزانہ میں سے شمار کر سکتے ہیں جو ابن جزئی کی تشریح کے مطابق کسی چیز کو اس کی جنس کی خشک چیز کے عوض فروخت کرنا ہے، خواہ وہ شی ربوی ہو یا غیر ربوی، ربوی میں ممانعت تو کمی بیشی اور غرر کے اندیشہ کی وجہ سے ہے، اور غیر ربوی میں ممانعت اس وجہ سے ہے کہ حدیث میں اس کی ممانعت وارد ہے اور اس میں غرر ہے<sup>(۳)</sup>۔

۶۴ - امام ابو حنیفہ جواز کے قول میں منفرد ہیں، جیسا کہ کمال بن اہمام کہتے ہیں، اور جیسا کہ حنفیہ کے متون میں ہے۔

حصصگی نے صراحت کی ہے کہ تر کھجور کو تر کھجور کے عوض یا خشک کھجور کے عوض فروخت کرنا جائز ہے، جبکہ دونوں فی الحال برابر ہوں، آئندہ کے اعتبار سے نہیں، اس میں صاحبین کا اختلاف ہے، لہذا اگر

(۱) شرح المکلی علی المہاج ۲/۷۰، تحفۃ المحتاج ۳/۲۸۱۔

(۲) المغنی ۳/۳۳، وراہقہ دونوں مصادر میں المہاج کی عبارت کے ساتھ اس کا موازنہ کریں جو یہ ہے: تر کھجور کو تر کھجور یا خشک کھجور کے عوض فروخت نہیں کیا جائے گا، ورنہ شی ربوی کو ربوی منہی کے عوض فروخت کیا جائے گا، وراہقہ کی عبارت یہ ہے: لہذا تر کھجور کی بیع نہ تر کھجور کے ساتھ ورنہ خشک کھجور کے ساتھ ہوگی، دیکھئے شرح المکلی صحیحہ لشمس ۵۶۳، شرح الکبیر لرد ۳/۵۲۔

(۳) المغنی ۳/۳۳، القوانین الفقہیہ ۱/۶۸، ۱۶۹۔

ط - خشک کھجور کے عوض تر کھجور کو فروخت کرنا:

۶۳ - تر کھجور کو خشک کھجور کے عوض فروخت کرنے کی ممانعت حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی اس روایت میں آئی ہے: " أن النبی ﷺ سئل عن بیع الرطب بالتمر، فقال: ینقص الرطب إذا جف؟ قالوا: نعم، قال: فلا إذا" (۱) (حضور ﷺ سے تر کھجور کو خشک کھجور کے عوض فروخت کرنے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تر کھجور خشک ہونے پر کم ہو جائے گی؟ لوگوں نے کہا: ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: تب تو نہیں)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "لا بیع رطب بیابس" (۲) (تر کھجور خشک کھجور کے عوض فروخت نہیں کی جائے گی)۔

جمہور فقہاء (مالک، شافعی، احمد اور حنفیہ میں سے صاحبین) اس بیع اور اس طرح کی بیع مثلاً انگور کی منقعی کے عوض، دودھ کی پیر کے عوض اور تر گیہوں کی خشک گیہوں کے عوض بیع کو ناجائز قرار دیتے ہیں، اور اس کی دلیل سابق میں مذکور حدیث ہے، یہ فقہاء کہتے ہیں: اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خشک ہونے کے

(۱) حدیث سعد بن ابی وقاصؓ: "سئل عن بیع الرطب بالتمر فیهی عن ذلک" کی روایت سنائی (طبع المکتبۃ التجاریہ) نے کی ہے ابن حجر نے بلوغ الرام (ص ۱۹۳ طبع عبدالجود خلی) میں ابن المدینی کی طرف سے اس حدیث کی صحیح نقل کی ہے۔

(۲) حدیث: "لا بیع رطب بیابس....." کی روایت بیہقی (۲/۵۵۷ طبع دائرة المعارف العثمانیہ) نے حضرت عبداللہ بن ابوسلمہ سے مرسلاً کی ہے۔ زیلعی نے ابن عبدالہادی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: یہ مرسل حید ہے اور یہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی ساتھ حدیث کے لئے "شائبہ" ہے (نصب الرایہ ۳/۳۳ طبع مجلس اعلیٰ ہندوستان) اور یہی بیہقی کا کلام بھی ہے۔



## بیع منہی عنہ ۶۵

اگر حدیث کو صحیح مان لیا جائے تو بھی وہ ان الفاظ کے ساتھ وارد ہے: ”نہی عن بیع الرطب بالتمر نسیئة“<sup>(۱)</sup> (آپ ﷺ نے رطب کو تمر کے عوض ادھار فروخت کرنے سے منع فرمایا)، اور حدیث کے اس اضافہ کو قبول کرنا واجب ہے<sup>(۲)</sup>۔

تمر کے عوض رطب کی بیع کی مکمل بحث اور اس سے متعلق تفصیلات و احکام کے لئے اصطلاح ”رطب“ دیکھی جائے۔

## بیع اور قرض:

۶۵- حضرت عمرو بن العاصؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لا یحل سلف و بیع، ولا شرطان فی بیع، ولا ربیع مالہم یضمن، ولا بیع مالیس عندک“<sup>(۳)</sup> (ایک ساتھ قرض اور بیع، ایک بیع میں دو شرطیں، اور ایسی چیز کا نفع جس کا ضمان نہ ہو، اور اس چیز کی بیع جو تمہارے پاس نہیں، حلال نہیں ہے)۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ کی روایت میں ہے، انہوں نے کہا: ”یا رسول اللہ: انا نسمع منک أحادیث، أفتأذن لنا بکتابتہا؟“ قال: نعم، فکان أول ما کتب النبی ﷺ إلی أهل مکة: لا یجوز شرطان فی بیع واحد، ولا بیع وسلف جمیعاً، ولا بیع مالہم یضمن.....“<sup>(۴)</sup> (اے اللہ کے رسول! ہم

(۱) حدیث: ”نہی عن بیع الرطب بالتمر نسیئة“ کی روایت ابوداؤد (رحمہ اللہ) ۶۵۸ طبع عزت عبیدہ ماس) نے کی ہے دار قطنی اور زیلعی نے ایک راوی کی جہالت کے سبب اس کو معلول کہا ہے (نصب الراية ۳۳۳ طبع المجلس الاعلیٰ)۔

(۲) فتح القدیر ۶/۱۶۹۔

(۳) حدیث: ”لا یحل سلف و بیع، ولا شرطان فی بیع.....“ کی روایت ترمذی (رحمہ اللہ) ۵۳۵ طبع المجلس الاعلیٰ) نے کی ہے اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(۴) حدیث: ”لا یجوز شرطان فی بیع واحد.....“ کی روایت نسائی نے عطا

اکل سے فروخت کرے تو بالاتفاق ناجائز ہے<sup>(۱)</sup>۔

امام ابو حنیفہ کا استدلال حضرت عبادہ بن الصامتؓ کی اس حدیث سے ہے: ”قال رسول اللہ ﷺ: الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعیر بالشعیر، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلاً بمثل، سواء بسواء، یندا یندا، فإذا اختلفت هذه الأصناف، فبیعوا کیف شئتم، إذا کان یندا یندا“<sup>(۲)</sup> (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے بدلے، گیہوں گیہوں کے بدلے، جو جو کے بدلے، کھجور کھجور کے بدلے اور نمک نمک کے بدلے، ہم مثل، برابر برابر اور نقد نقد پیچو، پھر جب یہ قسم بدل جائیں تو جس طرح چاہو پیچو، لیکن نقد ہونا ضروری ہے)۔

اس حدیث سے وجہ استدلال کے بارے میں امام ابو حنیفہ کہتے ہیں:

رطب (تر کھجور): یا تو تمر (خشک کھجور) ہوگی یا تمر نہیں ہوگی۔ اگر تمر ہو تو اس کی بیع جائز ہے، اس لئے کہ حدیث کے آغاز میں ہے: ”التمر بالتمر“ (تمر کو تمر کے عوض) اور اگر تمر نہ ہو تو اس کی بیع بھی جائز ہے، اس لئے کہ حدیث کے آخری لکڑے میں ہے: ”إذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم“ (پھر جب دونوں جنس بدل جائیں تو جس طرح چاہو پیچو)۔ امام ابو حنیفہ نے ممانعت والی سابقہ حدیث کو نہیں لیا، اس لئے کہ اس کا مدار راوی زید بن عیاش پر ہے، اور زید بن عیاش کی حدیث مقبول نہیں، وہ مجہول ہے<sup>(۳)</sup>۔

(۱) الدر المختار ۳/۱۸۵۔

(۲) حدیث عبادہ بن الصامتؓ: ”الذهب بالذهب و الفضة بالفضة.....“ کی روایت مسلم (رحمہ اللہ) ۱۴۱۱ طبع المجلس الاعلیٰ) نے کی ہے۔

(۳) فتح القدیر ۶/۱۶۸، ۱۶۹، نیز دیکھئے الہدایہ مع الشرح نفس مقام پر، تمیز الحقائق ۳/۹۲، ۹۳، بدائع الصنائع ۵/۱۸۸۔

## بیع منہی عنہ ۶۵

مالکیہ نے بیع اور قرض کی تین صورتیں ذکر کی ہیں:

اول: ایسی بیع جو بظاہر جائز ہو لیکن وہ نتیجتاً بیع اور قرض تک پہنچتی ہو جیسا کہ درودیر کہتے ہیں، تو یہ تہمت کی وجہ سے ممنوع ہوگی، کیونکہ ان دونوں نے ممنوع بیع اور قرض کا قصد کیا ہے۔

اس کی نوعیت یہ ہے کہ مثلاً دو سامان دو دیناروں کے عوض ایک ماہ تک کے لئے فروخت کیا، پھر ان میں سے ایک سامان کو ایک دینار نقد کے عوض خرید لیا، تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فروخت کرنے والے نے اپنے ہاتھ سے ایک سامان اور ایک دینار نقد نکال دیا، اس لئے کہ جو سامان اس کے ہاتھ سے نکل کر دوبارہ اس کے پاس آ گیا وہ لغو ہے، جیسا کہ دسوقی کہتے ہیں<sup>(۱)</sup>، پھر اس نے ان دونوں سامانوں کے بدلہ میں مدت پوری ہونے پر دو دینار لئے، ان میں سے ایک دینار جو سامان کے بدلہ میں ہے اور یہ بیع ہے، اور دوسرا دینار اس دینار کے عوض ہے جو قرض ہے۔

یہ صورت بیع اور قرض تک پہنچاتی ہے، اور یہ بظاہر جائز ہے، لیکن مذہب میں یہ صورت بالاتفاق ممنوع ہے، ابن بشیر، ان کے تبعین اور دوسروں نے اس کی صراحت کی ہے<sup>(۲)</sup>، چونکہ اس صورت میں بیع دوبارہ ہوئی ہے، اس لئے ان کے نزدیک بیع اور قرض کے قصد کی تہمت کے سبب یہ صورت ممنوع ہوگی۔

دوم: فروخت کرنے والے یا خریدار کی طرف سے لگائی گئی شرط کے ساتھ بیع اور قرض ممنوع اور ناجائز ہے، اس لئے کہ قرض سے نفع اٹھانا ثمن کا حصہ ہوگا، اگر قرض کی شرط فروخت کرنے والے کی طرف سے لگائی گئی ہو یا وہ سامان بیع کا حصہ ہوگا اگر قرض کی شرط خریدار کی طرف سے لگائی گئی ہو، لہذا اس میں ایسا قرض ہے جو

آپ سے احادیث سنتے ہیں، کیا آپ ہمیں ان کے لکھنے کی اجازت دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، چنانچہ حضور ﷺ نے سب سے پہلی چیز اہل مکہ کے کام یہ تحریر کی: ”ایک بیع میں دو شرطیں، ایک ساتھ بیع اور قرض، اور ایسی چیز کی بیع جس کا ضمان نہ ہو ناجائز ہے۔“

امام محمد بن الحسن نے ”سلف“ اور ”بیع“ کی تشریح یہ کی ہے کہ ایک شخص دوسرے سے کہے: میں اپنا یہ گھر تمہارے ہاتھ اتنے اتنے میں فروخت کر رہا ہوں اس شرط پر کہ تم مجھ کو اتنا اتنا قرض دو گے۔

اس لحاظ سے یہ مسئلہ ”شرط کے ساتھ بیع“ کے موضوع کی طرف لوٹے گا اور فی الجملہ فقہاء کا شرط کے ساتھ بیع کے فساد میں اختلاف نہیں ہے۔

ابن جزئی نے صراحت کی ہے کہ خرید فروخت کرنے والوں میں سے کسی ایک کی طرف سے قرض کی شرط کے ساتھ بیع بالاجماع ناجائز ہے، اگرچہ حنا بلہ کے یہاں ایک روایت اور ایک احتمال یہ ہے کہ صرف شرط باطل ہوگی<sup>(۱)</sup>۔

مالکیہ نے جب معین مدتوں والی بیوع پر بحث کی (اور یہ بیوع بظاہر جائز ہیں لیکن ان کا نتیجہ ممنوع تک پہنچاتا ہے) تو انہوں نے اس بیع کو ممنوع قرار دیا جس کو لوگوں نے ممنوع ربا کے حصول کا بکثرت ذریعہ بنا لیا ہو، کو کہ وہ بیع بظاہر جائز ہو، اس کی وجہ تہمت اور سد ذریعہ ہے، مالکیہ نے اس کی مثال میں ایک ساتھ بیع اور قرض یا ایسا قرض جو نفع لائے یا ایسا ضمان جو اجرت کے عوض ہو، کا ذکر کیا ہے۔

= عن عبد اللہ بن عمرو سے کہی ہے جیسا کہ نصب الرایہ (۱۹۸۳ء طبع المجلس العلمی بالہند) میں ہے اور انہوں نے کہا یہ خطا ہے اور یہ عطا فخر اسانی ہے اس کا سماع حضرت عبد اللہ بن عمرو سے نہیں ہے۔

(۱) نصب الرایہ ۱۹۸۳ء، القوائین المکھیہ، ص ۱۷۲، المغنی ۶/۲۸۶، المشرح المکبیری فی ذیل المغنی ۳/۵۳، ۵۴۔

(۱) المشرح المکبیری للدرودیر ۶/۲۸۳۔

(۲) الدسوقی علی المشرح المکبیری للدرودیر ۶/۲۸۳۔

## بیع منہی عنہ ۲۶-۲۸

نفع لارہا ہے۔

خفیہ کے نزدیک غرر وہ ہے جس کا علم انسان سے مخفی ہو۔  
بعض مالکیہ کے نزدیک غرر یہ ہے کہ ایسے دو امور کے درمیان  
تردد پایا جائے جن میں سے ایک غرض کے مطابق، اور دوسرا اس کے  
خلاف ہو۔

سوم: بلا شرط بیع اور قرض نہ صراحتاً ہونہ حکماً اور یہ معتد قول کے  
مطابق جائز ہے (۱)۔

ک- بیع اور شرط:

شافعیہ کے نزدیک غرر وہ ہے جس کا انجام انسان سے مخفی ہو یا جو  
ایسے دو امور کے درمیان متروک ہو جن میں زیادہ خطرناک امر غالب ہو۔  
بعض مالکیہ کی رائے ہے کہ ”غرر“ اور ”خطر“ ایک معنی میں  
دو مترادف الفاظ ہیں، یعنی ایسی چیز جس کی ذات مجہول ہو۔

۲۶- حدیث میں بیع اور شرط کی ممانعت آئی ہے، چنانچہ حضرت عمرو  
بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی روایت میں ہے: ”أن النبی ﷺ  
نهی عن بیع و شرط“ (۲) (نبی کریم ﷺ نے ایک ساتھ بیع  
اور شرط سے منع کیا ہے)۔ اس کی تفصیل کے لئے اصطلاح ”بیع“ اور  
”شرط“ دیکھی جائے۔

لیکن محققین مالکیہ کی رائے میں یہ دونوں الفاظ مختلف ہیں:  
خطر وہ ہے جس کا وجود غیر یقینی ہو، جیسے کوئی شخص کہے: میرے  
ہاتھ اپنا گھوڑا اس چیز کے عوض فروخت کر دو جو کل مجھے نفع میں ملے گی۔  
غرر وہ ہے جس کا وجود یقینی ہو لیکن اس کے مکمل ہونے میں  
شک ہو جیسے اشفاق کے قاتل ہونے سے قبل پھلوں کی بیع (۱)۔

غرر سے متعلق اسباب ممانعت:

۲۸- انعقاد بیع کی شرائط پر بحث کے وقت کچھ ایسی صورتیں گزر چکی  
ہیں جن پر غرر صادق آتا ہے جیسے یہ شرط کہ فروخت کی جانے والی چیز  
ایسا مال ہو جو موجود ہو، ملکیت میں ہو اور اس کی حواگی پر قدرت ہو،  
لہذا اس کے شکم میں حمل کی بیع، شکاری اپنے جال میں جو مچھلی نکالے گا  
اس کی بیع، نضام میں پرندے اور بدک کر بھاگے ہوئے اونٹ کی بیع  
صحیح نہیں ہوگی۔

۶۷- بیع سے ممانعت کے اسباب میں سے یہ دوسرا سبب ہے جس  
کا تعلق عقد کے لزوم سے ہے، پہلا سبب رہا تھا۔

بیوع غرر سے حضرت ابو ہریرہ کی اس حدیث میں ممانعت آئی  
ہے: ”أن النبی ﷺ نہی عن بیع الحصة، و عن بیع  
العرد“ (۳) (نبی کریم ﷺ نے کنکری کی بیع اور دھوکہ کی بیع سے منع  
فرمایا)، اس کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں جن کا ذکر آئے گا۔

غرر کا معنی لغت میں خطرہ اور دھوکہ ہے۔

فقہی اصطلاح میں اس کی کئی تعریفات ہیں:

(۱) شرح الدررہ و حاشیہ الدررہ ۶/۳، ۶۶، ۶۷، ۶۸۔

(۲) حدیث: ”نہی عن بیع و شرط.....“ کی روایت طبرانی نے الاوسط میں  
کی ہے زیلعی نے ابن تھان کے حوالہ سے اس کی تفصیل نقل کی ہے (نصب  
الراہ ۳/۱۸ طبع مجلس علمی)۔

(۳) حدیث: ”نہی عن بیع الحصة و عن بیع العرد.....“ کی روایت مسلم  
(۳/۱۱۵۳ طبع مجلس علمی) نے کی ہے۔

(۱) دیکھئے المصباح لمیر، مختار الصحاح مادہ ”غرر“، فتح القدیر ۱۳۶/۶ شرح  
العنایہ علی الہدایہ ۱۳۶/۶، ۱۳۷، حاشیہ الدررہ علی المشرح المکبیر ۵۵/۳،  
نیز ابن عرقہ کی ایک دوسری تعریف کے لئے دیکھئے حاشیہ الصدوی علی کفاہ  
الطالب ۲/۱۳، حاشیہ اقلیوی علی شرح لکھنوی ۱۶۱/۲۔

## بیع منہی عنہ ۶۹-۷۰

تشریح یہ ہے کہ ملائح وہ ہے جو زر کی پشت میں ہو (۱)۔

حدیث میں جنین کی بیع سے ممانعت ہے جب تک وہ جنین ہو، تا آنکہ پیدا ہو جائے۔ حضرت ابوسعیدؓ سے مروی ہے: ”نہی النبی ﷺ عن شراء ما في بطون الأنعام حتى تضع“ (۲) (نبی کریم ﷺ نے چوپایوں کے پیٹ میں موجود بچہ کو خریدنے سے منع فرمایا تا آنکہ وضع حمل ہو جائے)۔

اس بیع کے باطل ہونے پر اجماع کا ذکر آچکا ہے جیسا کہ ابن المنذر نے صراحت کی ہے (دیکھئے: فقرہ ۵)، اس کی دلیل حدیث میں وارد اس سے ممانعت اور غرر ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ بچہ پیدا نہ ہو، نیز اس میں اس کی صفت اور زندگی کی جہالت ہے، نیز اس لئے کہ اس کو سپرد کرنے کی قدرت نہیں ہے۔

یہاں اس کا ذکر محض غرر کی وجہ سے ہے، لیکن یہ غرر قسم اول کا ہے، یعنی جو غرر بذات خود بیع کے ساتھ اس کے اصل وجود کے اعتبار سے متعلق ہے، اور اسی وجہ سے یہ ممانعت تمام علماء کے نزدیک بطلان کا سبب ہے، حتیٰ کہ حنفیہ کی اصطلاح میں بھی جو بطلان اور فساد کے درمیان تفریق کرتے ہیں۔

ب۔ قابل انتفاع ہونے سے قبل پھل کی بیع:

۷۰۔ اس کو ”مخاضرة“ بھی کہتے ہیں، جیسا کہ بعض نصوص میں ہے۔

(۱) شرح الکفایۃ علی الہدایۃ ۵۰/۶، العنایۃ اسی مقام پر، الدر المختار و رد المحتار ۱۰۲/۳، نیز دیکھئے: المشریح الکتبیر للردردیر ۳۷۵، شرح المجلد علی الصہاج ۳۷۰، المغنی ۶۱۳/۲، المشریح الکتبیر فی ذیل المغنی ۲۷۳۔

(۲) حدیث: ”نہی عن شراء ما في بطون الأنعام حتى تضع.....“ کی روایت ابن ماجہ (۳۰/۲) طبع المجلد (۳) نے کی ہے، زبلی نے عبدالحق شہیدی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اس کی اسنادنا قابل استدلال ہے (نصب الرایۃ ۱۵۳ طبع مجلس العلمی ہندوستان)۔

والے کی ملکیت یا اس کے سپرد کرنے پر اس کی قدرت سے ہو، اس کی وجہ سے بیع باطل ہو جاتی ہے، لہذا ان میں سے کسی چیز میں بالاتفاق بیع منعقد نہیں ہوگی۔

دوم: جس کا تعلق بیع کے وصف یا اس کی مقدار سے ہو یا وہ بیع میں یا ثمن میں یا مدت میں جہالت پیدا کر دے۔

تو یہ محل اختلاف ہے، اس کی تفصیل اصطلاح ”غرر“ میں ہے۔

ذیل میں غرر کی وہ صورتیں جن کے بارے میں خاص طور پر ممانعت وارد ہے اور ان کا فقہی حکم یعنی بطلان یا فساد ذکر کیا جا رہا ہے، کیونکہ غرر سے ممانعت جیسا کہ نووی کہتے ہیں، شریعت کے اصول میں سے ایک اصل ہے جس کے تحت بہت زیادہ مسائل آتے ہیں (۱) مثلاً ”بیع لخصاصہ“، ”بیع الملامہ“ اور ”بیع المناذہ“، ان کو اپنی اپنی اصطلاحات میں دیکھا جائے۔

اور کچھ مسائل درج ذیل ہیں:

الف۔ شکم مادر میں موجود جنین کی بیع:

۶۹۔ اس کو بیع حمل کہتے ہیں، جیسا کہ بعض فقہی مراجع میں یہی تعبیر ہے (۲)۔

جنین وہ بچہ ہے جو شکم مادر میں ہو، اس کی جمع اُجنہ ہے جیسے دلیل کی جمع اولہ۔ اور جنین ہی کے مثل ملقوح اور ملقوحہ ہے، جن کی جمع ملائح ہے، اور ان سے مراد رحم اور پیٹ میں موجود جنین ہیں، حنفیہ اور جمہور کی تفسیر یہی ہے، اس کے برخلاف مالکیہ کے یہاں اس کی

(۱) دیکھئے: نبل الاوطار ۵/۱۳۸۔

(۲) مثلاً دیکھئے: الہدایۃ مع الشرح ۵۰/۶۔

## بیع منہی عنہ ۷۰

اس کا قائل انتفاع ہونا ظاہر نہ ہو جائے، اور کھجور کی بیع سے منع فرمایا جب تک اس پر رنگ نہ آ جائے، عرض کیا گیا: رنگ آنا کیا ہے، فرمایا: لال یا زرد ہو جائے (حضرت انسؓ کی بعض روایات میں ہے: "حتی تزھی، فقیل لہ: وما تزھی؟ قال: تحمر" (۱) (یہاں تک کہ رنگ آ جائے، عرض کیا گیا: رنگ آنا کیا ہے؟ فرمایا: لال ہو جائے)۔ اسی طرح "بدو صلاح" کی تشریح حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں آئی ہے، انہوں نے کہا: "نہی النبی ﷺ عن بیع الثمرة حتی یدلو صلاحها" (۲) (نبی کریم ﷺ نے پھل بیچنے سے منع فرمایا جب تک بدو صلاح نہ ہو جائے) اور جب ان سے "صلاح" کا مطلب دریافت کیا جاتا تو کہتے: اس کے نقصان کا اندیشہ جاتا رہے۔

حضرت انسؓ کی روایت میں ہے: "أن النبی ﷺ نہی عن بیع العنب حتی یسود، و عن بیع الحب حتی یشد" (۳) (نبی کریم ﷺ نے انگور کو فروخت کرنے سے منع فرمایا جب تک کہ سیاہ نہ ہو جائے، اور دانہ کفر و خست کرنے سے منع فرمایا جب تک کہ سخت نہ ہو جائے)۔

= بخاری (فتح الباری ۳/۳۹۷ طبع استغیہ) اور مسلم (۳/۱۱۶۵ طبع الجلی) نے کی ہے  
 (۱) حدیث: "حتى تزھی، فقیل لہ: وما تزھی؟....." کی روایت بخاری (فتح الباری ۳/۳۹۸ طبع استغیہ) نے کی ہے  
 (۲) حدیث: "کان إذا منل عن صلاحها قال: حتی یدلو عانہا....." کی روایت بخاری (فتح الباری ۳/۳۵۱ طبع استغیہ) اور مسلم (۳/۱۱۶۶ طبع الجلی) نے کی ہے  
 (۳) حدیث: "لہی عن بیع العنب حتی یسود، و عن بیع الحب حتی یشد" کی روایت ابوداؤد (۳/۶۶۸ تحقیق عزت عبید دھاس) اور حاکم (۳/۱۹ طبع دائرة المعارف العثمانیہ) نے کی ہے، حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے

اس سے ممانعت بہت سی احادیث میں وارد ہے مثلاً:  
 حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے: "أن النبی ﷺ نہی عن بیع الثمار حتی یدلو صلاحها، نہی البائع والمبتاع" (۱)  
 (نبی کریم ﷺ نے پھلوں کو بیچنے سے منع فرمایا، جب تک ان کا قائل انتفاع ہونا ظاہر نہ ہو جائے۔ آپ نے بیچنے والے کو اور خریدار کو منع فرمایا)۔

ایک دوسری حدیث کے الفاظ ہیں: "نہی عن بیع النخل حتی تزھو، و عن بیع السنبل حتی یبیض ویامن العاہة" (۲) (آپ ﷺ نے کھجور کے بیچنے سے منع فرمایا جب تک کہ وہ رنگ نہ پکڑ لے اور بالی کے بیچنے سے منع فرمایا یہاں تک کہ وہ سفید ہو جائے، اور نقصان کا اندیشہ جاتا رہے)۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے: "قال رسول اللہ ﷺ: لا تبتاعوا الثمار حتی یدلو صلاحها" (۳) (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پھلوں کو نہ خریدو جب تک کہ ان کا قائل انتفاع ہونا ظاہر نہ ہو جائے)۔

اس کی تشریح حضرت انسؓ کی اس روایت میں آئی ہے: "أن النبی ﷺ نہی عن بیع الثمرة حتی یدلو صلاحها، و عن بیع النخل حتی یزھو، قیل: ما یزھو؟ قال: یحمار أو یسفار" (۴) (نبی کریم ﷺ نے پھل کی بیع سے منع فرمایا جب تک

(۱) حدیث: "لہی عن بیع الثمار حتی یدلو صلاحها....." کی روایت بخاری (فتح الباری ۳/۳۹۳ طبع استغیہ) اور مسلم (۳/۱۱۶۵ طبع الجلی) نے کی ہے۔  
 (۲) حدیث: "لہی عن بیع النخل حتی تزھو، و عن بیع السنبل حتی یبیض و یامن العاہة" کی روایت مسلم (۳/۱۱۶۵ طبع الجلی) نے کی ہے۔  
 (۳) حدیث: "لا تبتاعوا الثمار حتی یدلو صلاحها....." کی روایت مسلم (۳/۱۱۶۷ طبع الجلی) نے کی ہے۔  
 (۴) حدیث: "لہی عن بیع الثمرة حتی یدلو صلاحها....." کی روایت

## بیج منہی عنہ ۷۱

شافعیہ نے پھل اور اس کے علاوہ مثلاً کھیتی میں ”بد و صلاح“ کا معنی پکنے اور مٹھاس کے آثار کا ظہر ہو جانا مقرر دیا ہے، یہ ان چیزوں میں ہے جن میں رنگ نہیں آتا ہے، اور جن میں رنگ آتا ہے ان میں ”بد و صلاح“ یہ ہے کہ سرخی یا سیاہی یا زردی کا آغاز ہو جائے۔ شافعیہ نے آٹھ علامتیں ذکر کی ہیں جن سے ”بد و صلاح“ کو جانا جاسکتا ہے۔

اول: رنگ، ہر ایسے پھل میں جو دکھایا جاتا ہو اور رنگ پکڑنے والا ہو، اگر اس میں سرخی یا سیاہی یا زردی شروع ہو جائے، مثلاً کچی کھجور، عنب (پیر کی شکل کا ایک معروف پھل)، خوبانی، آلو بخارا۔

دوم: ہمزہ، مثلاً گنے کی مٹھاس اور انار کی ترشی۔

سوم: پکنا اور نرم ہونا، مثلاً انجیر اور تر بوڑھ۔

چہارم: مضبوط ہونا اور سخت ہونا، مثلاً گیہوں اور جو۔

پنجم: لمبا ہونا اور بھر جانا، مثلاً چارہ اور سبزیاں۔

ششم: بڑا ہونا، مثلاً کلڑی کہ کھانے کے قابل ہو جائے۔

ہفتم: اس کے غلاف کا پھٹنا، مثلاً روٹی اور خروٹ۔

ہشتم: بکھل جانا، مثلاً گلاب کا پھول۔

اور جن کا غلاف نہیں ہوتا مثلاً یا سمین، تو ان کا ظاہر ہونا ہی بد و صلاح کی علامت ہے، اور اس کو آخری علامت میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ قلیوبی نے اس کے لئے ایک ضابطہ مقرر کیا ہے اور وہ یہ کہ کوئی چیز ایسی حالت کو پہنچ جائے جس میں عموماً اسے طلب کیا جاتا ہو<sup>(۱)</sup>۔

حنا بلہ نے یہ ضابطہ مقرر کیا ہے کہ جس پھل کا رنگ اس کے صلاح کے وقت بدل جاتا ہو مثلاً کھجور، کالا انگور، اور آلو بخارا، تو اس کا بد و صلاح اس کے رنگ بدل جانے سے ہوگا، اور اگر انگور سفید ہو تو

(۱) شرح لکھن علی اسمہاج ۲/۲۳۵، حامیہ، لکھن علی شرح المنجج ۳/۲۰۳۔

صحیح روایت میں ایک تیسرے لفظ کی تعبیر بھی آئی ہے اور وہ ”تشقیح“ ہے اور یہ حضرت جابر بن عبد اللہ کی روایت میں ہے، انہوں نے کہا: ”نہی النبی ﷺ أن تباع الثمرة حتى تشقق“ (۱) فقیل: ما تشقق قال: تحمار و تصفار، ویؤکل منها،<sup>(۱)</sup> (نبی کریم ﷺ نے پھل بیچنے سے منع فرمایا جب تک کہ وہ مٹھ نہ ہو جائے، عرض کیا گیا: مٹھ ہونا کیا ہے؟ فرمایا: سرخ یا زرد ہو جائے، اور کھانے کے لائق بن جائے)۔

## ”بد و صلاح“ کا معنی:

۱۔ فقہاء نے ”بد و صلاح“ کے کئی معانی بیان کئے ہیں:

حنفیہ نے اس کی تشریح میں کہا ہے کہ نقصان اور خرابی کا اندیشہ جاتا رہے، اور بعض حنفیہ جیسے کر لانی نے کہا ہے کہ وہ پھل انسانوں کے استعمال اور جانوروں کے چارہ کے قابل ہو جائے<sup>(۲)</sup>۔

مالکیہ نے مختلف اشیاء کے اعتبار سے مختلف تشریح کی ہے: کھجور میں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سرخ یا زرد ہو جائے اور رنگ پکڑ لے، انگور میں وہ یہ ہے کہ سیاہ ہو جائے اور اس میں مٹھاس آجائے، اور ان کے علاوہ پھلوں میں ”بد و صلاح“ مٹھاس آنا ہے، ”خس“ اور ”کسم“ میں ان دونوں کا قابل انتفاع ہونا ہے، بقیہ سبزیوں میں ان کا کھانے کے لائق ہونا اور کھیتی اور دانہ میں خشک اور سخت ہونا ہے<sup>(۳)</sup>۔

(۱) حدیث: ”لہی أن تباع الثمرة حتى تشقق.....“ کی روایت بخاری

(فتح الباری ۳/۳۹۳ طبع الاستقبر) نے کی ہے۔

(۲) رد المحتار ۳/۳۸۸، نیز دیکھئے حامیہ العلمی علی تہذیب الفقہاء ۳/۱۲، فتح القدیر

۵/۳۸۹، شرح الکفای علی الہدایہ ۵/۳۸۸۔

(۳) دیکھئے شرح الدرر مع حامیہ الدرر ۳/۱۷۶، التواہین النعمیہ

۱۷۳، ۱۷۴۔

## بیع منہی عنہ ۷۲

ابتہ انہوں نے عقد کے کسی شرط کے ساتھ مقید ہونے یا مطلق ہونے کے لحاظ سے اس میں تفصیل کی ہے، اور پھل کی بیع درج ذیل احوال سے خالی نہیں:

پہلی حالت یہ ہے کہ ظاہر ہونے اور نکلنے سے قبل اس کی بیع کی جائے، یعنی اس سے پھول کے جھڑنے اور اس کے پھل بننے سے قبل ہو تو یہ بیع بالاتفاق صحیح نہیں ہے۔

دوسری حالت یہ ہے کہ بد وصلاح سے قبل ظاہر ہونے کے بعد پھل کی بیع اس شرط کے ساتھ کی جائے کہ پکنے تک درخت ہی پر چھوڑے رکھا جائے گا تو ایسی بیع بالا جماع درست نہیں ہے، اس لئے کہ یہ ایسی شرط ہے جس کا عقد متقاضی نہیں، اور وہ دوسرے کی ملکیت کو مشغول رکھتا ہے، یا وہ عقد کے اندر ایک دوسرا عقد ہے، یا وہ بیع کے ساتھ اعارہ یا اجارہ ہے۔

ابن قدامہ نے اس کی وجہ مذکورہ حدیث میں وارد ممانعت بتائی ہے اور ممانعت فساد کی متقاضی ہے۔

فقہاء نے کہا: بد وصلاح سے قبل چھوڑنے کی شرط پر پھل کی بیع ہی طرح سخت ہونے سے قبل کھیتی کی بیع ہے (۱)۔

تیسری حالت یہ ہے کہ بد وصلاح سے قبل ظاہر ہونے کے بعد فوراً توڑنے کی شرط پر بیع کی جائے تو یہ بیع بالا جماع صحیح ہے، اس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں (۲)۔ حنا بلہ نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ بد وصلاح سے قبل بیع سے ممانعت صرف اس لئے ہے کہ اس کے حصول سے قبل اس کے تلف ہو جانے اور اس پر آفت آجانے کا اندیشہ ہے۔ اس کی دلیل حضرت انسؓ کی مذکورہ حدیث ہے اور اس

اس کا بد وصلاح اس کا "تموہ" ہے یعنی اس میں بیٹھاپانی ظاہر ہو اور وہ نرم ہو جائے اور اس کا رنگ زرد ہو جائے، اور اگر پھل ایسا ہو جس میں رنگ نہیں آتا، مثلاً سیب وغیرہ، تو اس میں بد وصلاح بیٹھا اور عمدہ ہونا ہے، اور اگر تر بوزہ وغیرہ ہو تو اس میں بد وصلاح پکنا ہے، اور جس پھل کا رنگ نہیں بدلتا اور عمدہ ہونے پر چھوٹی بڑی ہر شکل میں کھایا جاتا ہے مثلاً ککڑی اور کھیرا، تو اس میں بد وصلاح عادتاً کھانے کے قابل ہوتا ہے (۱)۔

بد وصلاح سے قبل پھل کی بیع سے ممانعت میں حکمت یہ ہے کہ پھل کے حصول سے قبل اس کے ضائع ہونے اور اس پر آفت آنے کا اندیشہ ہے (۲)۔

حضرت انسؓ کی حدیث میں آیا ہے: "أرأیت إذا منع اللہ الشمرۃ، بم یاخذ أحدکم مال أخیه؟" (۳) (تمہارا کیا خیال ہے اگر اللہ تعالیٰ پھل نہ دے، تو تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کا مال کس چیز کے بدلے لے گا)۔

بد وصلاح سے قبل پھل کو فروخت کرنے کا حکم: ۷۲۔ جمہور فقہاء عام طور پر بد وصلاح سے قبل پھل فروخت کرنے کو ناجائز اور غیر صحیح کہتے ہیں۔

ابن المندرنے کہا: اہل علم کا بالجملہ اس حدیث کو اختیار کرنے پر اتفاق ہے (۳)۔

(۱) المغنی ۳/۲۰۷۔

(۲) المغنی ۳/۲۰۲، حاشیہ تعلیویٰ علی شرح لکھلی ۲/۲۳۳۔

(۳) حدیث: "أرأیت إذا منع اللہ الشمرۃ بم یاخذ أحدکم مال أخیه؟" کی روایت بخاری (فتح الباری ۳/۳۸۸ طبع استقصیٰ) اور مسلم (۳/۱۱۹۰ طبع لکھلی) نے کی ہے۔

(۴) المغنی ۳/۲۰۲۔

(۱) الدر المختار و رد المحتار ۳/۳۸۸، نیز دیکھئے: فتح القدیر ۵/۳۸۸، ۳۹۰، تبیین الحقائق ۳/۱۲، شرح الکبیر بحاشیہ الدسوقی ۳/۷۷، اور دیکھئے شرح لکھلی علی المہاج ۲/۲۳۳، المغنی ۳/۲۰۲ اور اس کے بعد کے صفحات۔

(۲) فتح القدیر ۵/۳۸۸، المغنی ۳/۲۰۲، کشاف القناع ۲/۲۸۱۔

## بیع منہی عنہ ۷۳

ہیں، ذیل میں اس کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے:

پہلی شرط: پھل قابل انتفاع ہو:

الف۔ حنفیہ اپنے اصح قول میں اور اسی طرح مالکیہ اس سے مطلقاً انتفاع کے قائل ہیں، حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ انتفاع فی الحال ہو یا دوسرے زمانہ میں ہو، دونوں کو شامل ہے، اور اسی کو مال یا ثانی الحال کہتے ہیں جیسا کہ حنفیہ کی تعبیر ہے۔

مثلاً قصبیل (ایک قسم کی گھاس جس کو جانور کھاتے ہیں) اور حصرم (کچا سبز انگور، کچا پھل) کی بیع جائز ہے، اس لئے کہ وہ جانور اور انسان کے لئے قابل انتفاع ہے<sup>(۱)</sup>۔

ب۔ شافعیہ اور حنابلہ نے جواز کو فی الحال انتفاع کے ساتھ مقید کیا ہے اور شافعیہ نے منفعت کی قید میں یہ اضافہ کیا ہے کہ وہ منفعت غرض صحیح کے لئے مقصود ہو، اگرچہ اس طریقہ پر نہ ہو جس طریقہ سے اس سے انتفاع کا ارادہ ہوتا ہے، جیسا کہ حصرم میں برخلاف ما سپاتی کے، اس لئے کہ اس کو فی الحال توڑ دینا مال ضائع کرنا ہے (جیسا کہ مالکیہ نے اس کی علت بتائی ہے) اور برخلاف خرٹ کے پھل کے اور ترمس (ایک قسم کا غلہ) کی کھیتی کے، کہ اس کی بیع مذکورہ بالا شرط پر صحیح نہیں، اس لئے کہ سامان بیع میں نفع نہیں پایا جا رہا ہے جیسا کہ حنابلہ نے اس کی علت بیان کی ہے<sup>(۲)</sup>۔

دوسری شرط: متعاقدین کو یا ان میں سے کسی ایک کو اس کی ضرورت ہو۔

تیسری شرط: لوگوں میں بکثرت ایسا نہ ہو، اور لوگ اس

میں یہ ارشاد نبوی ہے: ”أرأيت إذا منع الله الثمرة، بم يأخذ أحدكم مال أخيه؟“<sup>(۱)</sup> (بتاؤ! اگر اللہ تعالیٰ پھل نہ دے تو تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کا مال کس چیز کے بدلے لے گا)، اور توڑ لینے کی صورت میں یہ اندیشہ نہیں پایا جاتا ہے، لہذا اس کی بیع صحیح ہوگی جیسا کہ اگر بد وصلاح کے بعد ہو۔

انہوں نے کہا: اس صورت میں بیع کی صحت پر اجماع سے اس عمومی ممانعت کی تخصیص ہوتی ہے جو سابقہ حدیث کے مفہوم میں پائی جاتی ہے، اور اس کے ذریعہ بد وصلاح کے بعد والی حالت علاحدہ ہو جاتی ہے، اس لئے کہ اس میں اکثر و بیشتر نقصان کا اندیشہ جاتا رہتا ہے برخلاف اس صورت کے جو بد وصلاح سے قبل پائی جاتی ہے، اور اس فرق کا اشارہ اس حدیث سے ملتا ہے جو آفات کی منہائی کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہے<sup>(۲)</sup>، یعنی: ”لو بعت من أخيك ثمراً، فأصابته جائحة (أي آفة أهلكت الثمرة) فلا يحل لك أن تأخذ منه شيئاً، بم تأخذ مال أخيك بغير حق“<sup>(۳)</sup> (اگر تم اپنے بھائی کے ہاتھ پھل بیجو، پھر اس پر آفت آجائے جس سے پھل تلف ہو جائے تو اب تمہارے لئے حلال نہیں کہ تم اس سے کچھ لو، تم کس چیز کے بدلے اپنے بھائی کا مال ناحق لو گے)۔

۷۳۔ تاہم فقہاء نے اس حکم یعنی بد وصلاح سے قبل فوراً توڑنے کی شرط پر پھل کی بیع کے جواز کو کچھ قیود سے مقید کیا ہے جن میں سے بعض متفق علیہ ہیں، اور بعض قیودات چند دوسرے فقہاء کے یہاں

(۱) حدیث: ”أرأيت إذا منع الله الثمرة.....“ کی تخریج فقہاء ۱۷۱ کے حاشیہ میں آچکی ہے۔

(۲) المغنی ۳/۲۰۲، کشاف القناع ۳/۲۸۱، ۲۸۲، شرح المکنی علی المنہاج مع حاشیہ اقلیو بی ۲/۲۳۳۔

(۳) حدیث: ”لو بعت من أخيك ثمراً.....“ کی روایت مسلم (۱۱۹۰) طبع المکنی نے کی ہے۔

(۱) فتح القدیر ۵/۳۸۸، المشرح الکبیر للدرر بحاشیہ الدرستی ۱۷۱/۳، القوائین الفقہیہ ۱/۱۷۳۔

(۲) شرح المکنی علی المنہاج ۲/۲۳۳، شرح المنہاج مع حاشیہ الجمل ۳/۲۰۱، ۲۰۲، کشاف القناع ۳/۲۸۲، المشرح الکبیر بحاشیہ الدرستی ۱۷۱/۳۔



## بیع منہی عنہ ۷۴-۷۵

کی صراحت سب نے کی ہے، اور مالکیہ نے درج ذیل صورت کا اضافہ کیا ہے:

(۳) یہ کہ اصل یعنی درخت یا زمین کو فروخت کیا جائے، اور پھر کچھ وقفہ کے بعد خواہ وہ تھوڑا ہو یا لمبا، اور ان دونوں کے خریدار کے ہاتھ سے نکلنے سے قبل پھل یا کھیتی کو اس اصل کے ساتھ شامل کر دیا جائے جو اس سے قبل فروخت کی جا چکی ہے<sup>(۱)</sup>۔

۷۵- پھل کی بیع کی چوتھی حالت یہ ہے کہ بد وصلاح کے بعد اس کی بیع کی جائے (بد وصلاح کی تفصیل میں اختلاف ہے کہ وہ جمہور کے نزدیک پک جانے، مٹھاس آنے اور تموہ وغیرہ کا ظاہر ہونا ہے، اور حنفیہ کے نزدیک آفت اور فساد سے مامون ہونا ہے)، اس حالت میں بیع کے جواز کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، جیسا کہ ابن ابہام کی صراحت ہے، اور حدیث کا مفہوم بھی ان لوگوں کے نزدیک جو مفہوم کے قائل ہیں، یہی ہے۔

اور پھل کے بڑھنے اور مکمل ہونے یا اس کے مکمل نہ ہونے کی صورت کے سلسلے میں مذاہب کی بعض تفصیلات عنقریب آ رہی ہیں۔ لیکن مالکیہ نے اس حالت میں جواز کو (اپنی تشریح کے مطابق بد وصلاح کے ساتھ ساتھ) اس قید کے ساتھ مقید کیا ہے کہ وہ اپنے غلافوں میں چھپا ہوا نہ ہو مثلاً کچی کھجور، انجیر، انگور، مولیٰ، کرات (ایک بدبودار قسم کی سبزی)، گاجر اور پیاز، اس نوع کی بیع اکل سے جائز ہے، اور وزن سے بدرجہ اولیٰ۔

اور جو اپنے غلافوں میں چھپا ہوتا ہے مثلاً گیہوں بالی میں، تو تنہا اس کی بیع اکل سے جائز نہیں ہے، اور ناپ سے جائز ہے، اور اگر اس

میں ایک دوسرے کا تعاون نہ کریں۔

ان دونوں شرطوں کی مالکیہ نے صراحت کی ہے، اگر ان میں سے کوئی ایک شرط مفقود ہو تو بیع ممنوع ہوگی<sup>(۱)</sup>، اسی طرح باقی رکھنے کی سابقہ شرط یا اطلاق کی صورت میں ممنوع ہے، جیسا کہ آئے گا۔ چوتھی شرط: حنا بلہ نے جس کی صراحت کی ہے، اور وہ یہ ہے کہ بد وصلاح سے قبل فروخت کی گئی چیز غیر معین نہ ہو، مثلاً یہ کہ کوئی شخص بد وصلاح سے قبل آدھا پھل غیر متعین صورت میں توڑنے کی شرط کے ساتھ خریدے، اس لئے کہ اس کے لئے اپنے مملوک پھل کو توڑنا غیر مملوک پھل کو توڑے بغیر ممکن نہیں، اور ایسا کرنا اس کے لئے جائز نہیں<sup>(۲)</sup>۔

۷۴- فقہاء نے اس جائز صورت یعنی بد وصلاح سے قبل فی الحال توڑنے کی شرط پر بیع کے علاوہ درج ذیل صورتوں کو بھی جائز قرار دیا ہے:

(۱) یہ کہ بد وصلاح سے قبل پھل کی بیع درخت کے ساتھ یا ہری کھیتی کی بیع زمین کے ساتھ کی جائے، اس میں فقہاء کا اختلاف نہیں ہے، اس لئے کہ اس صورت میں پھل اور کھیتی درخت اور زمین کے تابع ہیں جن کو کوئی نقصان لاحق نہیں ہوتا، جیسا کہ ثنائیہ کا قول ہے۔

(۲) یہ کہ پھل کی بیع اصل یعنی درخت کے مالک کے ہاتھ یا کھیتی کی بیع زمین کے مالک کے ہاتھ کی جائے، اس لئے کہ جب وہ اصل کے ساتھ فروخت ہوگا تو تابع ہو کر بیع میں داخل ہوگا، لہذا اس میں غرر کا احتمال مضر نہیں، جیسا کہ بکری کے ساتھ تھن میں موجود دودھ کی بیع میں جہالت کا احتمال ہوتا ہے۔

اس صورت کی صراحت حنا بلہ نے کی ہے، جیسا کہ پہلی صورت

(۱) دیکھئے رد المحتار ۳/۳۸۳، تبیین الحقائق ۳/۱۲۳، لشرح الکبیر مع حاشیہ الدسوقی

۳/۶۳، شرح الخرشنی ۵/۱۸۵، تحفۃ المحتاج ۳/۶۳، ۳/۶۳، کشف

القناع ۳/۲۸۲، تحفۃ المحتاج ۳/۶۳۔

(۱) لشرح الکبیر للردی بحاشیہ الدسوقی ۳/۶۳۔

(۲) کشف القناع ۳/۲۸۲۔

## بیع منہی عنہ ۷۶-۷۷

صحیح قول یہ ہے کہ جائز ہے، اس لئے کہ مستقبل میں یہ قابل انتفاع مال ہے کو کہ فی الحال قابل انتفاع نہ ہو۔

اگر پھل اس طرح کا ہے کہ اس سے انتفاع ہو سکتا ہے، کو کہ جانوروں کے چارہ کے طور پر تو با اتفاق اہل مذہب بیع جائز ہے اگر اس کو توڑنے کی شرط پر یا مطلقاً فروخت کیا ہو<sup>(۱)</sup>۔

مالکیہ نے سابقہ تینوں مسائل میں بد وصلاح سے قبل بیع کے جواز کی صراحت کی ہے۔

بعض فقہاء مثلاً حنفیہ اور حنابلہ نے یہ صورت بھی لکھی ہے۔

۷۷- چھٹی حالت: ایسا پھل خریدنا جس کی مانعیت اور پکنا ظاہر ہو چکا تھا لیکن اس کا بڑھنا مکمل نہیں ہوا تھا، اور اس کے بڑھنے کے مکمل ہونے تک باقی رکھنے اور چھوڑنے کی شرط لگائی تو:

الف- جمہور کا مذہب جیسا کہ ابن قدامہ کی صراحت ہے، یہ ہے کہ اس صورت میں بیع جائز ہے، بلکہ علی الاطلاق جائز ہے، اس لئے کہ:

حدیث میں بد وصلاح سے قبل پھل کی بیع سے ممانعت ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ بد وصلاح کے بعد اس کی بیع مباح ہو۔ ان کے نزدیک بد وصلاح سے قبل ممانعت چھوڑنے کی شرط کے ساتھ بیع کرنے کی ہے، لہذا بد وصلاح کے بعد اس کا جائز ہونا واجب ہوگا، ورنہ بد وصلاح (ممانعت کی) غایت نہیں قرار پائے گی، اور نہ ہی اس کے ذکر کرنے کا کوئی فائدہ ہوگا۔

نیز اس لئے کہ حدیث ہے: "نہی عن بیع الشمرۃ حتی یبدو صلاحھا، وتأمین العاہة" (نبی کریم ﷺ نے پھل کی بیع سے منع فرمایا تا آنکہ بد وصلاح ہو جائے، اور آفت سے مامون

کے چھلکے (یعنی بھوسہ) کے ساتھ فروخت کیا جائے تو اُکل سے جائز ہے، اور ماپ سے بدرجہ اولیٰ۔

اور جو اپنے پتوں میں چھپا ہو مثلاً لونیا، تو اس کی بیع اُکل سے نہ تھا جائز ہے اور نہ اس کے پتے کے ساتھ، ہاں ماپ سے جائز ہے<sup>(۱)</sup>۔

۷۶- پانچویں حالت: پھل کی بیع بد وصلاح سے قبل مطلقاً ہو یعنی نہ توڑنے کی شرط ہو نہ باقی رکھنے کی، یہ صورت فقہاء کے مابین اختلافی ہے:

الف- شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک اور مالکیہ کے یہاں قول معتمد (کو کہ ابن جزی کی صراحت کے مطابق اس میں دو قول ہیں) یہ ہے کہ بیع بھی باطل ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ بد وصلاح سے قبل پھل کی بیع کے بارے میں مذکورہ حدیث میں ممانعت مطلق ہے، نیز اس لئے کہ اس صورت میں اس پر نقصان جلد آجائے گا، کیونکہ وہ کمزور ہے، اور اس کے ضائع ہونے سے ثمن ضائع ہو جائے گا، جس کا کوئی عوض نہیں ہوگا<sup>(۲)</sup>۔

ب- حنفیہ نے اس مسئلہ میں تفصیل کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

اگر پھل اس حالت میں ہو کہ وہ کھانے یا جانوروں کے چارہ کسی کے لئے فائدہ مند نہیں تو اس کے بارے میں مشائخ کے درمیان اختلاف ہے:

ایک قول میں ما جائز ہے، قاضی خان نے اس کو عام مشائخ حنفیہ سے منسوب کیا ہے، اس کی وجہ ممانعت ہے، اور اس لئے کہ بیع ایسے مال کے ساتھ خاص ہے جس کی قیمت ہو، اور بد وصلاح سے قبل پھل اس نوعیت کا نہیں ہوتا۔

(۱) فتح القدیر ۵/ ۳۸۸، ۳۸۹، شرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۱۷۶۔

(۲) شرح الکبیر للدرر مع حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۱۷۷، شرح الخرشنی ۵/ ۱۸۵،

التواین المعیہ ۲/ ۱۷۳، شرح الخرشنی علی الصہاج ۲/ ۳۳۳، المغنی

۳/ ۲۰۲، تجرید المحتاج ۳/ ۲۶۱۔

(۱) فتح القدیر ۵/ ۳۸۹، رد المحتار ۳/ ۳۸۸، العنایہ بشرح الہدایہ للباہرئی

۳۸۹، ۳۸۸/۵۔

## بیع منہی عنہ ۷۸

کرتے ہوئے ائمہ ثلاثہ کی طرح کہا کہ عقد فاسد نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس کا عرف ہے، برخلاف اس صورت کے جبکہ بڑھنا مکمل نہ ہوا ہو کہ یہ جزو معدوم میں شرط ہے۔

ہر چند کہ شرح ”الہدایہ“ میں سے بابتی اور کرلانی نے چھوڑنے کی شرط لگانے میں تعامل کو تسلیم نہیں کیا ہے، بلکہ ان دونوں نے کہا ہے کہ عادت و رواج بلا شرط چھوڑنا ہے، اور عقد میں بلا شرط اس کے چھوڑنے کی اجازت ہے، چھوڑنے کی شرط لگانے کی نہیں، تاہم کرلانی نے ”لاسرار“ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے، اور اسی کو طحاوی نے اختیار کیا ہے، کیونکہ عموم بلوی ہے (۱)۔

۷۸ - اگر پھل مطلقاً خریدے، چھوڑنے یا توڑنے کی شرط نہ لگائے، اور اس کا بڑھنا مکمل ہو پھر اس کو چھوڑ دے تو اگر چھوڑنا محض فروخت کرنے والے کی اجازت سے ہو تو یہ اضافہ ہے اور اس کا کھانا اس کے لئے حلال و طیب ہے، اور اگر چھوڑنا اجارہ کے ضمن میں اجازت سے ہو مثلاً درختوں کو پکنے کے وقت تک کے لئے اجارہ پر لے لیا ہو تو بھی اضافہ حلال ہوگا، اس لئے کہ اجارہ باطل ہے، کیونکہ لوگوں میں درختوں کے اجرت پر لینے کا عرف نہیں، نیز خریدار کو درختوں کے اجرت پر لینے کی حاجت نہیں، اس لئے کہ پھلوں کو ان کے اصل کے ساتھ خریدنا اس کے لئے ممکن ہے، اور قیاس میں اصل یہ ہے کہ اجارہ باطل ہے، شرعاً حاجت کی وجہ سے اس چیز میں اجازت دے دی گئی جس کا تعامل ہے، اور محض درختوں کو اجارہ پر دینے کا تعامل نہیں، لہذا اجازت باقی رہی۔

لیکن اگر اس کو بلا اجازت چھوڑ دے تو اس پھل کی ذات میں جو اضافہ ہوا ہے اس کو صدقہ کر دے، اس لئے کہ اس کا حصول ممنوع

ہو جائے، اور آفت سے مامون ہونے کی علت بیان کرنا باقی رکھنے پر دلالت کرتا ہے، اس لئے کہ جس کو فوری طور پر توڑ لیا جائے گا اس پر آفت آنے کا اندیشہ نہیں، اور جب بد و صلاح ہو گیا تو آفت سے مامون ہو گیا، لہذا واجب ہے کہ باقی رکھتے ہوئے جائز ہو، کیونکہ ممانعت کی علت زائل ہو گئی۔

نیز اس لئے کہ فروخت شدہ چیز میں نقل و تحویل عرف کے تقاضے سے واجب ہے، اور جب اس نے اس کی شرط لگائی تو جائز ہے جیسا کہ امانج کفر و خت کرنے والے کی ملکیت سے منتقل کرنے کی شرط لگائے (۱)۔

حنفی نے اس مسئلہ میں تفصیل کرتے ہوئے کہا: اگر چھوڑنے کی شرط لگائے اور پکنا، بڑھنا مکمل نہ ہوا ہو، تو اس نے اس میں جزو معدوم کی شرط لگائی یعنی وہ حصہ جو زمین اور درخت کی وجہ سے بڑھے گا، اور یہ زیادتی فروخت کرنے والے کی ملکیت سے بیع کے بعد پیدا ہوگی، تو گویا اس نے معدوم کو موجود کے ساتھ ملا دیا، اور ان دونوں کو خریدے، لہذا عقد فاسد ہوگا (۲)۔

اگر اس نے چھوڑنے کی شرط لگائی جبکہ اس کا بڑھنا مکمل ہو چکا ہو، تو بھی امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک یہی حکم ہے، یعنی عقد فاسد ہو جائے گا، اور یہی قیاس ہے، اس لئے کہ یہ ایسی شرط ہے جس کا عقد متقاضی نہیں، اور وہ دوسرے کی ملکیت کو مشغول رکھنا ہے اور اس میں متعاقبین میں سے ایک کے لئے نفع ہے، اور اس طرح کی چیز عقد کو فاسد کر دیتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے فروخت شدہ چیز میں مزید بہتری اور تازگی آتی ہے اور اس میں خریدار کا فائدہ ہے۔

جبکہ امام محمد بن الحسن نے اس صورت میں استحسان کو اختیار

(۱) الہدایہ مع الشرح ۳۸۹/۵، تبیین الحقائق ۱۲/۳، الدر المختار و رد المحتار ۳۹۳

(۱) المغنی ۲۰۵/۳

(۲) الہدایہ مع الکفایہ للکرلانی ۳۸۹/۵

## بیع منہی عنہ ۷۹

ابن قدامہ نے کہا: میرے علم میں اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔  
دوم: اگر ایک درخت میں بد وصلاح ہوا ہو تو کیا باغ کے اس  
نوع کے سارے درختوں کے پھلوں کی بیع جائز ہے؟

اس میں دو اقوال ہیں:

اول: جمہور یعنی مالک، شافعی، محمد بن الحسن کا مذہب، اور حنابلہ  
کے مذہب میں اظہر یہ ہے کہ اس نوع کے تمام پھلوں کی بیع جائز ہے،  
اور اس کی وجوہات یہ ہیں:

جس باغ میں وہ ہے اس میں اسی نوع کے پھل میں بد وصلاح  
ہو چکا ہے، لہذا پورے کی بیع جائز ہوگی جیسا کہ ایک درخت  
میں ہے۔

تمام پھلوں میں بد وصلاح کا اعتبار کرنا مشکل ہے، اور اس کے  
نتیجہ میں شرکت اور مختلف ہاتھوں (قبضوں) کا ثبوت ہوگا، لہذا  
واجب ہے کہ جس میں بد وصلاح نہ ہو وہ ان پھلوں کے تابع  
ہو جائے جن میں بد وصلاح ہوا ہے۔

مالکیہ نے اس صورت میں شرط لگائی ہے کہ کھجور کا درخت  
”باکورہ“ نہ ہو اور باکورہ وہ ہے جس پر طویل عرصہ گزر چکا ہو اس طور  
پر کہ جلدی جلدی پھل تیار نہ ہوتے ہوں، لہذا اگر وہ باکورہ ہو تو اس  
کے عمدہ ہونے سے باغ کے اور پھلوں کی بیع جائز نہیں ہوگی، ہاں تنہا  
اس کی بیع جائز ہے (۱)۔

دوم: امام احمد سے ایک روایت (اور یہی حنفیہ کے کلام سے  
متبادر مفہوم، اور شافعیہ کے یہاں معتمد ہے) یہ ہے کہ جن میں  
بد وصلاح ہو چکا ہے صرف ان کی بیع جائز ہے، اس لئے کہ جس میں

طریقہ سے ہوا ہے، یعنی غصب کردہ زمین کی قوت سے اس کا حصول  
ہوا ہے، لہذا پکنے سے قبل اور اس کے بعد دونوں حالتوں میں اس کی  
قیمت لگائی جائے، اور دونوں کے درمیان اضافہ کو صدقہ کر دیا  
جائے۔

اگر پھل کو اس کی بڑھوتری کے مکمل ہونے کے بعد خرید اور اس  
کو چھوڑ دیا تو اس کے ذمہ کچھ صدقہ کرنا لازم نہیں، اس لئے کہ یہ  
حالت کی تبدیلی ہے، زیادتی کا ثبوت نہیں (۱)۔

کیا پھل کی بیع کی صحت کے لئے پورے پھل میں بد و  
صلاح شرط ہے؟

۷۹ - عمومی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ بیع کی صحت کے لئے یہ بات  
کافی ہے کہ اگر بعض پھلوں میں بد وصلاح ہو جائے، خواہ وہ تھوڑا ہو تو  
پورے کی بیع درست ہوگی، بشرطیکہ عقد، جنس، باغ اور نقل و حمل یکساں  
ہو، یہ بعض فقہاء جیسے شافعیہ کے نزدیک ہے، یا جنس ایک ہو، یہ بعض  
فقہاء جیسے مالکیہ کے نزدیک ہے، گوکہ ان میں سے بعض فقہاء نے  
دوسروں کے برخلاف پورے پھل میں صلاح کی شرط لگائی ہے، لہذا  
ان کے نزدیک صرف ان پھلوں کی بیع جائز ہوگی جن میں بد وصلاح  
ہو چکا ہے (۲)۔ اس مسئلہ میں تفصیل ہے جس کو ہم ذیل میں ذکر  
کر رہے ہیں:

اول: اگر ایک درخت ہو، اور اس کے بعض پھلوں میں  
بد وصلاح ہو چکا ہو تو اس کی وجہ سے پورے پھل کی بیع جائز ہوگی،

(۱) الہدایہ مع الشرح ۳۸۹/۵، ۳۹۰، تمیزین الحقائق ۱۲/۳، بدائع الصنائع  
۱۶۶/۵

(۲) شرح کلمی علی المہاج مع حامیہ اقلیو بی ۲۳۶/۲، نیز دیکھئے تحتہ المحتاج شرح  
المہاج مع حامیہ اشرافی ۳۶۷/۳، اشرح الکبیر للدرر بحامیہ الدرستی  
۷۷۷/۱، المغنی مع اشرح الکبیر ۲۰۵/۳، الدر المختار ۳۹۰/۳

(۱) المغنی ۲۰۵/۳، ۲۰۶، نیز دیکھئے کشاف القناع ۲۸۷/۳، شرح کلمی علی  
المہاج ۲۳۶/۲، القوانین الفقہیہ رص ۱۷۳، شرح الخرشبی ۱۸۵/۵، کفایہ  
الطالب مع حامیہ الصدوی ۱۵۳/۱، ۱۵۵۔

## بیج منہی عنہ ۸۰-۸۱

تیسری رائے: بعض اصحاب امام شافعی اور حنابلہ میں سے ابو الخطاب کی ہے، وہ یہ ہے کہ باغ میں موجود اس جنس کی بیج جائز ہے، انہوں نے اس کو زکاة میں نصاب کو مکمل کرنے پر قیاس کیا ہے، کیونکہ جنس واحد کو نصاب کی تکمیل میں ایک دوسرے سے ملایا جاتا ہے، لہذا اجواز میں وہ اس کے تابع ہوگی، اور وہ ایک نوع کی طرح ہو جائے گی<sup>(۱)</sup>۔

۸۱- چہارم: اگر دو قریب قریب کے باغات میں سے ایک میں بد وصلاح ہو جائے دوسرے میں نہیں، اور ان دونوں باغات کو ایک عقد میں فروخت کرے، اور پھل ایک نوع کا ہو تو اس کے بارے میں دورائیں ہیں:

اول: امام مالک کا مذہب، شافعیہ کا ایک قول، اور امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ کھیت کے ایک درخت میں بد وصلاح، اس کھیت کے لئے اور اس کے قرب و جوار کے کھیت کے لئے بد وصلاح ہے، لہذا وہ سب اس کے تابع ہونگے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دونوں صلاح میں قریب قریب ہیں، لہذا یہ ایک کھیت کے مشابہ ہونگے، نیز اس لئے کہ مقصود آفت سے مامون ہونا ہے اور وہ پایا گیا، نیز اس لئے کہ وہ دونوں ایک عقد میں جمع ہیں۔

مالکیہ نے یہاں ”قرب و جوار“ کی تشریح: عادتاً پے بہ پے

= حالانکہ حنفیہ کی جو کتابیں میرے سامنے ہیں ان میں یہ رائے مجھے نہیں ملی، البتہ گزر چکا ہے کہ امام محمد عقد کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں اگر کچھ پھل نکل سکے ہوں اور کچھ نہ نکلے ہوں، اور اگر خریدار اس کے چھوڑنے کی شرط لگائے جبکہ وہ مکمل ہو چکا ہو، تو عرف کی وجہ سے استملا جائز ہے یہی امر بلاشک کا قول ہے انہوں نے کہہ عموم بلوئی کی وجہ سے اسی پر فتویٰ ہے (دیکھئے الدر المختار ورد المختار ۳۹۴/۳)۔

(۱) المغنی ۴۰۶/۳، نیز دیکھئے: حلیۃ المشروانی علی تحفۃ المحتاج (۳/۵۷۵، ۵۸۸) کہ انہوں نے تابع ہونے میں اتحاد مجلس کی شرط لگانے پر یہ حاشیہ لکھا ہے ”اھی لا یووع“۔

بد وصلاح نہیں، وہ ممانعت کے عموم کے تحت داخل ہے، نیز اس لئے کہ اس میں بد وصلاح نہیں ہوا، لہذا اس کی بیج توڑنے کی شرط کے بغیر ناجائز ہے، اور یہ دوسری جنس کے مشابہ ہو گیا، اور اس جنس کے مشابہ ہو گیا جو دوسرے باغ میں ہے<sup>(۱)</sup>، جیسا کہ آئے گا۔

۸۰- سوم: اگر ایک درخت میں یا کسی ایک نوع کے چند درختوں میں بد وصلاح ہو جائے تو باغ میں موجود اسی جنس کی دوسری نوع کے پھلوں کی بیج کیا جائز ہوگی؟

اس صورت کے بارے میں چند آراء ہیں:

پہلی رائے: بعض اصحاب امام شافعی کی ہے، اور یہی حنابلہ میں قاضی کا قول ہے کہ وہ اس کے تابع نہ ہوگا، اور ابن قدامہ نے کہا ہے کہ یہی اولیٰ ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ:

دو انواع کا پلنا بسا اوقات بہت فرق اور زمانہ کے ساتھ ہوتا ہے، لہذا بد وصلاح میں ایک نوع دوسری کے تابع نہ ہوگی جیسا کہ دو جنسوں میں ہوتا ہے۔

اور اس لئے کہ یہاں علت ایک دوسرے کا قریب قریب پلنا نیز شرکت اور اس پر مختلف قبضے کے آنے کی وجہ سے پیدا ہونے والے ضرر کو دور کرنا ہے۔ اور یہ چیز دو انواع میں حاصل نہیں ہو سکتی، اس لئے وہ دونوں اس سلسلہ میں دو اجناس کی طرح ہوں گیں۔

دوسری رائے: امام محمد بن الحسن کی ہے، وہ یہ ہے کہ جن کا پلنا ایک دوسرے سے قریب قریب ہو تو ان میں بعض کے اندر بد وصلاح کی وجہ سے سب کفر وخت کرنا جائز ہوگا، اور اگر ایک دوسرے کے مقابلہ میں بہت دیر سے پکے ہوئے پھل میں بیج جائز ہے، اور باقی میں ناجائز ہے<sup>(۲)</sup>۔

(۱) المغنی ۴۰۵/۳، ۴۰۶/۳، شرح الخلی علی المنہاج مع حلیۃ القلیو بی ۲۳۶/۳، ورد المختار ۳۹۴/۳۔

(۲) المغنی ۴۰۶/۳، امام محمد بن الحسن کی اس رائے کا ذکر ابن قدامہ نے کیا ہے

## بیج منہی عنہ ۸۲-۸۳

۸۲- پنجم: اگر پھل کی ایک جنس میں بد وصلاح ہو جائے تو یہ دوسری جنس کے پھل جس میں بد وصلاح نہیں ہوا، کی بیج کے حامل ہونے کے لئے کافی نہیں، لہذا کچی کھجور میں بد وصلاح، مثلاً انگور کی بیج کی صحت کے لئے کافی نہیں ہوگا، اگر باغ میں انگور اور انار ہوں اور انگور میں بد وصلاح ہو جائے تو انار کی بیج جائز نہیں ہوگی تا آنکہ اس میں بد وصلاح ہو جائے۔ مالکیہ نے اس کی صراحت کی ہے، اور یہ متفق علیہ ہے۔ اگر اس حالت میں فروخت کر دے تو دوسری جنس کے پھل کو توڑنے کی شرط واجب ہوگی۔

۸۳- فقہاء نے بعض کے بد وصلاح کی بنیاد پر تمام کی بیج کے جواز کے حکم میں کلڑی کے کھیت کو پھل کے ساتھ ملحق کیا ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ وہ بڑی اور کھانے کے قابل ہو جائے۔ مالکیہ نے صراحت کی ہے کہ یہ حکم ان ہی دونوں کے ساتھ خاص ہے۔ رعی کھیتی تو بعض کا خشک ہونا سب کی بیج کے جواز کے لئے کافی نہیں، بلکہ تمام دانوں کا خشک ہونا ضروری ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے:

کہ ”تفکھ“ کے طور پر تر پھلوں کو کھانے کی لوگوں کو زیادہ ضرورت ہے۔

اور اس لئے کہ اگر بعض پھل میں بد وصلاح ہو جائے تو عموماً تیزی کے ساتھ بقیہ میں ایسا ہو جاتا ہے، اور کلڑی وغیرہ اسی کے مثل ہے، برخلاف کھیتی کے۔ اور دانوں (غلوں) کی نوعیت ایسی نہیں ہے، کیونکہ وہ غذا کے لئے ہوتے ہیں، تفکھ کے لئے نہیں<sup>(۱)</sup>۔

شافعیہ اور حنابلہ اصل پر قائم ہیں یعنی دانے کے بارے میں بعض میں بد وصلاح کافی ہے کہ کوک تھوڑا ہو، بلکہ ابن حجر نے صراحت کی ہے کہ بعض دانوں کا پختہ ہونا خواہ ایک ہی بالی ہو کافی ہے، اس کی

= ۲۸۸، حاشیہ الصدوی علی شرح کفایہ الطالب ۲/ ۱۵۳، القوانین الفکریہ ۱۵۳/ ۱، شرح المجلی علی الصہاج ۲۳۶/ ۲

(۱) شرح الخرشنی ۵/ ۱۸۵، حاشیہ الدسوقی علی المشریح الکبیر ۳/ ۱۷۷۔

طیب و عمدہ ہونے یا اہل تجربہ کے قول سے کی ہے۔

مالکیہ میں سے ابن کنانہ نے باغات میں حکم کو عام رکھا ہے، کہ ان میں عمدگی یکے بعد دیگرے نہ ہو۔

ابن قسار نے اس حکم کو آس پاس کے باغات کے علاوہ میں بھی عام رکھا ہے جس کے تحت پورا شہر آ جائے گا۔

اور باغات کے متصل ہونے کی شرط لگانے کے بارے میں مالکیہ کے دو احوال ہیں، لیکن انہوں نے کہا کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ شرط نہیں ہے کہ قرب و جوار کے باغات، اس باغ والے کی ملکیت میں ہوں جس کے اندر وہ باکورہ درخت ہے جس میں بد وصلاح ہو چکا ہے، البتہ انہوں نے اس حکم کو پھلوں میں محدود رکھا ہے، اور پھلوں کے مثل کلڑی کا کھیت ہے۔ رعی کھیتیاں تو ان میں تمام دانوں کا خشک ہونا ضروری ہے<sup>(۱)</sup>۔

دوم: ایک باغ دوسرے کے تابع نہ ہوگا، یہی شافعیہ کے نزدیک اصح اور معتد، اور حنابلہ کے یہاں مذہب ہے۔ کہ وہ دونوں قریب قریب ہوں، اس کی وجہ یہ ہے کہ:

مقامات کے مختلف ہونے کی وجہ سے تاخیر (گابھادینے) کا وقت مختلف ہو جاتا ہے جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں، لہذا دوسرے باغ میں توڑنے کی شرط ضروری ہے۔

اور یہ کہ جن میں بد وصلاح نہیں ہوا، ان کو بد وصلاح والے کے ساتھ ملحق کرنا شرکت اور مختلف قبضوں کے ضرر کو دفع کرنے کے لئے ہے، اور یہ ضرر دوسرے باغ میں موجود نہیں ہے، لہذا تابع نہ بنانا واجب ہوگا، جیسا کہ دور دور کے دو باغات میں ہے<sup>(۲)</sup>۔

(۱) المغنی ۳/ ۲۰۶، نیز دیکھئے: القوانین الفکریہ ۱۵۳، شرح المجلی علی الصہاج ۲۳۶/ ۲، المشریح الکبیر للدرر مع حاشیہ الدسوقی ۳/ ۱۵۳، شرح الخرشنی علی مختصر سیدی فیلیل مع حاشیہ الصدوی ۵/ ۱۸۵۔

(۲) تحفۃ المحتاج ۳/ ۵۷۷، شرح المجلی علی الصہاج ۲۳۶/ ۲، المغنی ۳/ ۲۰۶۔

## بیع منہی عنہ ۸۴-۸۵

اس کی بیع بھی جائز ہے، اس لئے کہ مستقبل کے لحاظ سے وہ قابل انتفاع ہے، اگرچہ فی الحال قابل انتفاع نہ ہو، اس حیثیت سے کہ وہ مال ہے<sup>(۱)</sup>۔

اسی وجہ سے حنفیہ نے پورے یا بعض پھلوں میں بد وصلاح کی شرط پر بحث نہیں کی (اسی طرح نلہ میں بھی)، اور ان کے متون کی عبارتیں اس سلسلہ میں صریح ہیں، اصل عبارت یہ ہے:

جس نے ایسا پھل بیچا جس میں بد وصلاح نہیں ہو یا بد وصلاح ہو گیا تو بیع جائز ہوگی، اور خریدار پر اس کو فی الحال توڑ لینا واجب ہے، اور اگر کھجور کے درخت پر اس کو چھوڑے رکھنے کی شرط لگا دے تو بیع فاسد ہے، اور ایک قول ہے کہ فاسد نہیں اگر وہ پھل مکمل ہو چکا ہو، اور اسی پر فتویٰ ہے<sup>(۲)</sup>۔

پے در پے پیدا ہونے والے پھلوں وغیرہ کی بیع:

۸۵- بد وصلاح سے قبل پھل فروخت کرنے کے مسئلہ سے متعلق (سابقہ اختلاف کے ساتھ) یہ مسئلہ بھی ہے کہ کسی نے ایسا پھل فروخت کیا جس کا بد وصلاح ہو چکا ہو، اور وہ یکے بعد دیگرے پھل دیتا ہو، اور عموماً اس کے پھل آگے پیچھے آتے ہوں، اور نیا پھل موجودہ پھل سے مل جاتا ہو مثلاً انجیر، ککڑی اور تربوزہ، اسی طرح کھیتی میں برسیم (ایک گھاس)، اور اسی طرح گلاب کا پھول وغیرہ، یہ مسئلہ مسئله الشمر المتلاحق (یکے بعد دیگرے آنے والے پھل کے مسئلہ) سے معروف ہے، اور اس میں کچھ اختلاف ہے۔

الف- چنانچہ جمہور فقہاء (شافعیہ، حنابلہ) کا مذہب، حنفیہ کے

وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے پھلوں کا عمدہ ہونا بتدریج رکھا ہے تاکہ اس سے تفکہ کا زمانہ دراز رہے۔ اور اگر تمام کے عمدہ ہونے کی شرط ہو تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کچھ بھی فروخت نہ کیا جاسکے گا، اس لئے کہ جو پہلے عمدہ ہو گیا وہ تلف ہو جائے گا یا ایک ایک دانہ کر کے فروخت کرنا پڑے گا، اور دونوں میں شدید حرج ہے<sup>(۱)</sup>۔

۸۴- حنفیہ کے سامنے یہ مسئلہ یعنی بیع کی صحت کے لئے سارے پھلوں میں بد وصلاح کی شرط لگانا اور اس کے تحت آنے والی تفصیلات نہیں ہیں، اس لئے کہ بنیادی مسئلہ یعنی بد وصلاح سے قبل پھل کی بیع (اور اسی طرح دانہ وغیرہ کے بارے میں) حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر وہ قابل انتفاع ہو، خواہ جانوروں کا چارہ ہی ہو تو بیع با اتفاق اہل مذہب جائز ہے، جبکہ اس کو توڑنے کی شرط پر یا علی الاطلاق فروخت کرے، اور فی الحال خریدار پر اس کا توڑنا واجب ہے۔

سارے پھل میں صلاح اور سارے دانہ میں صلاح کی شرط لگانے کے بارے میں ائمہ ثلاثہ کا تمام سابقہ اختلاف، حنفیہ کے نزدیک محض قابل انتفاع ہونے کی حالت میں ہے، اور ان سب کی بیع حنفیہ کے نزدیک جائز ہے۔

حنفیہ کے یہاں اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ بد وصلاح سے قبل کھانے یا چارے کسی کے قابل نہ ہو:

چنانچہ سرخسی اور شیخ الاسلام (خواہر زاوہ) اس جزئیہ میں ممانعت اور بے قیمت ہونے کی وجہ سے عدم جواز کے قائل ہیں۔

مذہب میں صحیح قول (اور مرغینانی کے نزدیک اصح) یہ ہے کہ

(۱) الہدایۃ شرح ۵/۸۸، ۳۸۹، تبیین الحقائق ۳/۱۲۔

(۲) شروع الہدایۃ ۵/۸۸، ۳۸۹، متن تخریر الابصار مع الدر المختار و رد المحتار ۳/۹۲۔

(۱) تحفۃ المحتاج ۳/۶۳، حاشیہ الجمل علی شرح المنہج ۳/۲۰۳، نیز توجیہ کے سلسلہ میں دیکھئے: حاشیہ عمیرہ علی شرح اعلیٰ ۳/۶۳، کشف القناع ۳/۲۸۷۔

## بیع منہی عنہ ۸۶

جائے، اور اس کے بعد پیدا ہونے والے اس کے تابع ہوں، اور اس میں یہ قید نہ ہو کہ عقد کے وقت موجود پھل زیادہ ہو، ابن عابدین نے اسی کو ترجیح دی ہے اور اس کی دلیل ذکر کی ہے۔

استحسان کی وجہ لوگوں کا تعامل ہے، کیونکہ لوگوں میں اس طریقہ پر انگور کے پھلوں کی بیع کا رواج ہے، اور اس سلسلے میں لوگوں کا عرف و رواج واضح ہے، اور لوگوں کو ان کی عادتوں سے ہٹانے میں حرج ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے درختوں پر موجود گلاب کے پھول کی بیع کو جائز کہا ہے، جبکہ یہ معلوم ہے کہ سارے پھول ایک ساتھ نہیں کھلتے، بلکہ آگے پیچھے کھلتے ہیں<sup>(۱)</sup>۔

اس سے واضح ہے کہ آگے پیچھے پیدا ہونے والے پھلوں کی بیع کا جواز حنفیہ میں سے جواز کافتوی دینے والوں کے نزدیک ”استحسان ضرورت“ کے قبیل سے ہے۔

لیکن جن لوگوں نے اس بیع کے عدم جواز کے بارے میں جمہور کے مسلک کو اختیار کیا، انہوں نے نصوص کو لیا ہے اور یہاں ضرورت کے وجود کی نفی کی ہے:

اس لئے کفر وخت کرنے والے کے لئے اصل کفر وخت کرنا جائز ہے۔

یا خریدار موجودہ پھل کو بعض ثمن کے عوض لے لے، اور بقیہ میں عقد کو اس کے وجود کے وقت تک مؤخر کر دے۔

یا موجودہ پھل کو تمام ثمن کے عوض خرید لے، اور فر وخت کرنے والا خریدار کے لئے بعد میں پیدا ہونے والے پھلوں سے انتفاع کو

یہاں ظاہر الروایہ اور یہی ان کے یہاں قیاساً صحیح ہے، یہ ہے کہ یہ بیع صحیح نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے:

اس میں علاحدہ کرنے کے محال ہونے کی وجہ سے سپرد کرنے کی قدرت نہیں ہے، لہذا یہ سپرد کرنے سے قبل بلاک ہونے کے مشابہ ہو گیا، جیسا کہ حنفیہ میں سے مرغینانی اور کمال بن الہمام کہتے ہیں، جبکہ شافعیہ میں سے قاضی زکریا انصاری نے توجیہ کے صرف ابتدائی حصہ کو ذکر کیا ہے۔ اور سرحسی نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ یہ عقد میں موجود و معدوم دونوں کو جمع کرنا ہے، اور معدوم عقد کو قبول نہیں کرنا، اور موجود حصہ غیر معلوم ہے<sup>(۱)</sup>۔

حنابلہ کی توجیہ ہے کہ یہ ایسا پھل ہے جو پیدا نہیں ہوا، لہذا اس کی بیع ناجائز ہے، جیسا کہ اگر کسی پھل کے ظاہر ہونے سے قبل فروخت کر دے۔ اور اس لئے کہ اس کی اصل کی بیع کے ذریعہ حاجت پوری ہو جاتی ہے۔

کھجور کا جو پھل ابھی پیدا نہیں ہوا اس کی بیع پیدا شدہ پھل کے تابع ہو کر جائز نہیں ہے، اور اگر اس میں بد وصلاح نہ ہو تو بد وصلاح والے پھل کے ساتھ تابع ہو کر اس کی بیع جائز ہے، اس لئے کہ جس میں بد وصلاح نہیں ہو، بعض حالات میں انفرادی طور پر اس کی بیع جائز ہے جیسا کہ گزرا۔ لیکن جو پھل ابھی پیدا نہ ہوا اس کا یہ حکم نہیں ہے<sup>(۲)</sup>۔

۸۶- امام مالک کا مذہب جواز کا ہے۔ بعض حنفیہ مثلاً حلوانی، ابو بکر محمد بن فضل بخاری اور دوسرے فقہاء نے بھی استحساناً یہی فتویٰ دیا ہے، اور اس کی صورت یہ ہے کہ موجودہ پھل کو عقد میں اصل قرار دے دیا

(۱) شرح المکلی علی المہاج ۲/۲۳، المغنی ۲/۲۰۷، کشاف القناع ۳/۲۱۴، الدر المختار ۳/۳۸، الہدایہ فنیح القدر ۵/۳۸۹، ۳/۳۹۳، شرح التبیح بحامیہ الجمل ۳/۲۰۶۔

(۲) المغنی ۳/۲۰۷۔

(۱) القوانین الفکیہ ۳/۷۳، لشرح الکبیر للدرہ بحامیہ الدرستی ۳/۱۸۷، نیز الدر المختار و رد المحتار ۳/۳۸، ۳/۳۹ کے ساتھ سوازنہ کریں، تمییز الحقائق ۳/۱۲، شرح الکفای علی الہدایہ ۵/۳۸۹، فنیح القدر ۵/۳۹۳۔



## بیع منہی عنہ ۸۷

۸۷- مالکیہ نے جو جواز کے قائل ہیں ان کے بعد دیگرے آنے والے پھلوں کی جن میں کئی کھیپ پیداوار ہوتی ہے دو قسمیں کی ہیں: جس کی فصلیں ایک دوسرے سے علاحدہ ہوں۔ جس کی فصلیں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہوں۔

جن کی کھیپ ایک دوسرے سے ممتاز نہ ہوں ان کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جس کی انتہا ہو اور دوسری وہ جس کی کوئی انتہا نہ ہو۔

ذیل میں اس کے احکام درج ہیں:

اول: جس کی فصلیں ایک دوسرے سے ممتاز نہ ہوں، یہ وہ ہیں جو علاحدہ علاحدہ ہوں، مسلسل نہ ہوں۔ اور ایسا اس درخت میں ہوتا ہے جو سال میں دو علاحدہ علاحدہ فصل میں پھل دیتا ہے، تو اس میں دوسری فصل کو اس کے وجود کے بعد لیکن اس کے بد و صلاح سے قبل پہلی فصل کے بد و صلاح کی بنیاد پر فروخت کرنا جائز نہیں ہے اگرچہ پہلی فصل کے ختم ہونے سے قبل دوسری فصل میں مانفیت ظاہر ہو جاتی ہو، یہی ان کے نزدیک مشہور ہے۔

ابن رشد نے جواز کا ایک قول اس بنیاد پر نقل کیا ہے کہ دوسری فصل لائق انتفاع ہونے میں پہلی فصل کے تابع ہے، لیکن ابن جزیری نے اس صورت میں عدم جواز کو متفق علیہ قرار دیا ہے (۱)۔

دوم: جو فصل در فصل پھل دیتا ہو، اور وہ آپس میں ممتاز نہ ہوں، اور اس کی ایک انتہا ہو جہاں وہ ختم ہو جائے مثلاً گلاب کا پھول، انجیر، اور مثلاً کھیرا، کلڑی، تربوزہ، کولر، اور بیگن وغیرہ کے کھیت، تو اس صورت میں پہلی فصل کے بد و صلاح کے بعد بقیہ ساری فصلوں کی بیع جائز ہوگی۔ ابن جزیری نے کہا: ان کا یعنی ائمہ ثلاثہ کا

مباح کر دے، اور اسی وجہ سے ان فقہاء نے کہا ہے کہ معدوم میں عقد کو جائز قرار دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے جبکہ وہ اس نص سے متعارض ہے جس میں انسان کے پاس غیر موجود چیز کو فروخت کرنے سے منع کیا گیا ہے (۱)۔

اسی سلسلے میں ابن عابدین کہتے ہیں:

ہمارے زمانے میں ضرورت کا پایا جانا مخفی نہیں، اور خاص طور پر دمشق شام جیسے علاقہ میں جہاں درختوں اور پھلوں کی کثرت ہے، کیونکہ لوگوں میں جہالت کے غلبہ کی وجہ سے مذکورہ کسی طریقہ کو اختیار کر کے اس سے بچنے پر ان کو مجبور کرنا ناممکن ہے۔ اگر بعض افراد کے لحاظ سے ایسا ممکن ہو بھی تو عام لوگوں کے لحاظ سے ناممکن ہے، اور لوگوں کو ان کی عادت سے ہٹانے میں حرج ہے (جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے)، اور لازم آئے گا کہ ان شہروں میں پھل کھانا حرام قرار دے دیا جائے، اس لئے کہ ان کی بیع اسی طرح ہوئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے سلم کی رخصت محض ضرورت کی بنا پر دی ہے، حالانکہ وہ معدوم کی بیع ہے، لہذا چونکہ یہاں بھی ضرورت و مجبوری پائی جا رہی ہے، اس لئے بہ طریق دلالت اس کو ”سلم“ کے حکم میں شامل کرنا ممکن ہے، لہذا یہ نص سے متصادم نہیں، اور اسی وجہ سے انہوں نے اس کو استحسان کے قبیل سے قرار دیا ہے، اس لئے کہ قیاس عدم جواز کا ہے۔ اور ”فتح القدر“ کے کلام کا ظاہر جواز کی طرف میلان ہے، اسی وجہ سے انہوں نے اس کے لئے امام محمد کی روایت ذکر کی ہے، بلکہ اس کو حلوانی نے ہمارے اصحاب سے نقل کیا ہے، اور جس معاملہ میں تنگی ہو جاتی ہے اس میں گنجائش نکل آتی ہے، اور مخفی نہیں کہ ظاہر روایت سے عدول کرنے کے لئے اتنا کافی ہے (۲)۔

(۱) المشرح الکبیر للدرر مع حاشیہ الدرر ۳/ ۱۷۷، ۸۷۸، شرح الخرشنی ۵/ ۱۸۶، ۱۸۵، القوائین الفقہیہ ۱/ ۱۷۳۔

(۱) تبیین الحقائق ۱۲/ ۳۹، نیز دیکھئے رد المحتار ۳/ ۳۹۔

(۲) دیکھئے فتح القدر ۵/ ۳۹۲، رد المحتار ۳/ ۳۹۔

## بیع منہی عنہ ۸۸-۸۹

کرنے سے منع فرمایا ہے)۔ اس سے مراد یہ ہے کہ کھجور کا درخت آئندہ دو سال یا تین سال یا اس سے زیادہ تک جو پھل دے فرخت کرنے والا اس کو فرخت کرے۔ اس سے ممانعت کی وجہ اس میں غرر ہے۔ اور یہ بد و صلاح سے قبل پھلوں کی بیع کی ممانعت کے مقابلہ میں بدرجہ اولیٰ ممنوع ہے (۱)۔

## د- پانی میں مچھلی کی بیع:

۸۹- غرر کی وجہ سے جن بیوع کی ممانعت ہے ان میں پانی میں مچھلی کی بیع بھی ہے۔ حضرت ابن مسعود کی حدیث میں ہے: ”أن النبی ﷺ قال: لا تشتروا السمک فی الماء، فإنه غرر“ (۲) (نبی کریم ﷺ نے فرمایا: پانی میں موجود مچھلی کو نہ خریدو، اس لئے کہ اس میں دھوکہ ہے)۔

جمہور فقہاء متفق ہیں کہ شکار کرنے سے قبل اس کی بیع صحیح نہیں ہے، اسی طرح اگر اس کو شکار کر کے پانی میں ڈال دیا گیا کہ بلا مشقت اس کو پکڑنا ناممکن ہو، تو بھی اس کی بیع صحیح نہیں ہے، اور یہ بیع فاسد ہوگی، اس لئے کہ یہ غیر مملوک کی بیع ہے۔ اور اس میں بہت زیادہ غرر ہے جو بالاجماع ناقابل معافی ہے، نیز اس لئے کہ اس کو شکار کرنے کے بعد ہی اسے سپرد کرنے پر وہ قادر ہے، لہذا وہ نضا میں پرندے کی طرح ہوگی۔ اسی طرح وہ مجہول ہے، لہذا اس کی بیع صحیح نہ ہوگی، جیسا کہ تھن میں دودھ اور کھجور میں گٹھلی (۳)۔

اختلاف ہے، لہذا جس نے ان مذکورہ چیزوں میں سے کوئی چیز خریدی، تو اس کے لئے ساری فصلوں کا فیصلہ ہوگا، کوکہ اس نے اس کی شرط عقد میں نہ لگائی ہو۔

اس سلسلہ میں ایک ماہ وغیرہ کا وقت مقرر کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ قلت و کثرت کے لحاظ سے اس کا پھل مختلف ہوتا ہے (۱)۔

سوم: جو یکے بعد دیگرے پھل دے، اور اس کی فصل آپس میں ایک دوسرے سے ممتاز نہ ہوں اور اس میں مسلسل پھل آتے ہوں یعنی اس کی انتہاء نہ ہو بلکہ اس کا پھل دینا اب جاری ہو۔ جب بھی اس کا پھل توڑ لیا جائے اس کی جگہ پر دوسرا پھل آجائے، اور اس طرح اس کی کوئی انتہاء نہ ہو، بلکہ وہ پورے سال جاری رہتا ہو، مثلاً کیلا، بعض ملکوں میں تو اس نوع کی بیع ایک طرح کی متعین مدت مقرر کئے بغیر ناجائز ہے، اور وہ زیادہ سے زیادہ امکانی آخری مدت ہوگی، اگرچہ مدت زیادہ (طویل) ہو یہ مشہور قول کے مطابق ہے، اس میں ابن مافع کا اختلاف ہے کہ انہوں نے جواز کو ایک سال میں محدود کیا ہے، اور اس میں ان لوگوں کا بھی اختلاف ہے جو دو سال سے زیادہ کی نفی کرتے ہیں۔

جواز کے بارے میں مدت مقرر کرنے کی طرح ہی متعین فصل کا استثناء کرنا بھی ہے (۲)۔

## ج- کئی سال کے لئے بیع:

۸۸- حضرت جابرؓ کی روایت میں ہے: ”أن النبی ﷺ نہی عن بیع السنین“ (۳) (نبی کریم ﷺ نے کئی سالوں کے لئے بیع

(۱) القوانین الفقہیہ ۱/۲۳، الشرح الکبیر للردیہ ۳/۴۸، الشرح الخرشنی ۱/۵۶۔

(۲) ساہتہ مراجع۔

(۳) حدیث: ”لہی عن بیع السنین“ کی روایت مسلم (۳/۴۸) طبع مجلسی نے کی ہے۔

(۱) فیض القدر للمناوی ۶/۳۰۷۔

(۲) حدیث: ”لا تشتروا السمک فی الماء.....“ کی روایت احمد (۱/۳۸۸) طبع لمبویہ نے کی ہے دارقطنی اور خطیب نے اس کے متوقف ہونے کو

درست قرار دیا ہے (تخصیص الجہیر لابن حجر ۳/۷۳ طبع مرکز الطباعة الفقیہ)۔

(۳) تبیین الحقائق ۳/۵۳، الشرح الکبیر للردیہ ۳/۶۰، نیز شرح الخرشنی

۵/۶۹، ۳/۵۵ میں اس کی نظیر کی طرف اشارہ کے لئے دیکھئے: المعنی ۳/۲۷۲۔

## بیع منہی عنہ ۹۰-۹۲

نہی عن شراء العبد وهو آبق“ (۱) (رسول اللہ ﷺ نے غلام کو خریدنے سے منع کیا جبکہ وہ بھاگا ہوا ہو)، لہذا جمہور کے نزدیک اس کی بیع فی الجملہ حرام ہے۔

حنفیہ نے اس کی بیع اس شخص کے ہاتھ جائز قرار دی ہے جس کے پاس وہ غلام ہے یا جو اس کو پکڑنے پر قادر ہے۔

شافعیہ نے اس کی بیع کے جواز کے لئے یہ قید لگائی ہے کہ اس کی بیع ایسے شخص کے ہاتھ ہو جو اس کو عادتاً قابل برداشت مشقت کے بغیر اور اس پر قابل لحاظ صرفہ کے بغیر لوٹا لینے پر قادر ہو۔

حنابلہ نے علی الاطلاق ناجائز کہا ہے، کو کہ اس کی جگہ کا اس کو علم ہو یا اس کے حاصل کرنے پر قادر ہو۔ ہاں اگر کسی انسان کے ہاتھ آجائے تو جائز ہے، اس لئے کہ اس کو سپرد کرنا ممکن ہے۔

اسی پر ان دو چیزوں کو قیاس کیا گیا ہے: بدکا ہوا اونٹ، بدکا ہوا گھوڑا اور گرم شدہ جانور الا یہ کہ ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کیا جائے جو اس کو بد آسانی واپس لے سکتا ہو، اور غصب کردہ چیز الا یہ کہ شافعیہ کے نزدیک ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کیا جائے جو اس کو چھین لینے پر قادر ہو، اور اس کی بیع غاصب کے ہاتھ یقیناً درست ہوگی (۲)۔

اس مسئلہ میں بہت سی فروعات ہیں جن کو اصطلاح ”بیع“ اور ”غرز“ میں دیکھا جائے۔

## و- تھن میں دودھ کی بیع:

۹۲- اس کی ممانعت کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ کی حدیث

(۱) حدیث ”نہی عن شراء العبد وهو آبق“ کی روایت ابن ماجہ (۲/۴۰۰) طبع النہی نے کی ہے نہی نے عبدالحق شیبلی کا یہ قول نقل کیا ہے اس کی اسنادنا قابل استدلال ہے (نصب الراية ۳/۱۵۷ طبع المجلس العلمی بالہندک۔

(۲) الدر المختار وورد المختار ۳/۱۱۳، بدائع الصنائع ۵/۱۳۸، شرح المکلی ۲/۵۸، کشاف القناع ۳/۶۲، المغنی ۳/۲۷۱۔

حنفیہ کے یہاں یہ بیع ان کی اپنی اصطلاح کے لحاظ سے باطل ہے، اور بعض حنفیہ اس کو فاسد کہتے ہیں اگر اس کو سامان کے عوض فروخت کیا گیا ہو، اس لئے کہ اس صورت میں مچھلی ثمن ہوگی اور سامان بیع ہوگا۔ اور اگر جہالت ثمن میں ہو تو بیع فاسد ہوتی ہے، باطل نہیں ہوتی۔ اور اگر دراہم و دنانیر کے عوض فروخت کی گئی ہو تو بیع باطل ہوگی، اس لئے کہ بیع میں ملکیت نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں مچھلی کا بیع ہونا اور دراہم یا دنانیر کا ثمن ہونا متعین ہے۔

اس کے بارے میں خاص شرائط و احکام کے ساتھ جواز کی کچھ صورتیں ہیں (۱)۔ جن کی تفصیل اصطلاح ”غرز“ میں ان کے اپنے مقام پر دیکھی جائے۔

۹۰- پانی میں مچھلی کی بیع کے مثل نضاء میں پرندے کی بیع ہے۔ اس کے فاسد ہونے میں فقہاء کا اختلاف نہیں۔

شافعیہ اور حنابلہ کے برخلاف حنفیہ کے یہاں تفصیل ہے کہ اگر وہ چھوڑنے کے بعد لوٹ آئے تو بیع صحیح ہوگی، اور اگر چھوڑنے کے بعد نہ لوٹے تو صحیح نہیں ہوگی (۲)۔

لیکن شکار کرنے سے قبل اس کی بیع ان کے نزدیک باطل ہے، جیسا کہ اجماع ہے، اس کے بعض احکام، اس کی تفصیلات اور جواز اور عدم جواز کی توجیہ اصطلاح ”غرز“ اور ”بیع“ میں دیکھی جائے۔

## ھ- بھگوڑے غلام کی بیع:

۹۱- حضرت ابوسعیدؓ کی روایت میں ہے: ”أن رسول الله ﷺ

(۱) الدر المختار وورد المختار ۳/۱۰۶، حاشیہ اقلیو بی علی شرح المکلی ۲/۱۵۸، المغنی ۲/۷۲۔

(۲) الدر المختار وورد المختار ۳/۱۰۷، تمییز الحقائق ۳/۵۷، شرح المخرشی ۲/۶۹، شرح المکلی و حاشیہ اقلیو بی ۲/۱۵۸، کشاف القناع ۳/۱۶۲۔

## بیع منہی عنہ ۹۳ - ۹۴

اور یہی حنابلہ کے یہاں مذہب ہے۔

امام ابو یوسف اس کے جواز کے قائل ہیں، امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے بشرطیکہ فی الحال اس کو کاٹ لیا جائے، مرداوی نے کہا: یہ رائے قوی ہے<sup>(۱)</sup>۔

مالکیہ کا مذہب اس کو تھوڑے دنوں مثلاً نصف ماہ میں کاٹ لینے کی شرط کے ساتھ جواز کا ہے۔ قائلین فساد کی دلیل اس سلسلے میں وارد ممانعت ہے، اور یہ کہ یہ جانور کے اوصاف میں سے ہے، جس کی الگ سے بیع نہیں ہو سکتی۔ اور بیع کا غیر بیع سے اختلاط ہے، اس لئے کہ وہ نیچے سے آگتا ہے یا اس کا جانور سے متصل ہونا ہے، لہذا اس کے اعضاء کی طرح اس کو الگ سے فروخت کرنا ناجائز ہے، یا کاٹنے کی جگہ کے بارے میں نزاع اور جہالت ہے۔

امام ابو یوسف اس کو تفصیل (فصصہ یا برسیم) پر قیاس کرتے ہیں، اور تفصیل کی تشریح میں کہا ہے کہ تفصیل ایسا جو ہے جو جانوروں کے چارہ کے لئے سبز حالت میں کاٹ لیا جائے<sup>(۲)</sup>۔ اس میں تفصیلات اور صورتیں ہیں جن کو اصطلاح ”بیع“، ”غرر“ اور ”جہالت“ میں دیکھا جائے۔

## ح - دودھ میں گھی کی بیع:

۹۴ - حضرت ابن عباسؓ کی سابقہ حدیث میں اس سے ممانعت وارد ہے: ”..... أو سمن فی لبن“ (..... یا دودھ میں گھی) (۳)، اور یہ بیع صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں بیع کا غیر بیع کے ساتھ اس طرح

(۱) الانصاف ۳/۱۳، جوہر للکلیل ۲/۱۶۶، الدرر النوری ۳/۲۰۳۔

(۲) الہدایہ مع الشروح ۱/۵۰، ۵۱، تمییز الحقائق ۳/۶۳، بدائع الصنائع ۵/۱۳۸، کشاف القناع ۳/۱۶۶، المغنی ۳/۶۶، نیل الاوطار ۵/۱۵۰، المصباح لمیر مادہ ”تفصیل“۔

(۳) حدیث کی تخریج منقرہ ۸/۹۳ میں آچکی ہے۔

وارد ہے۔ انہوں نے کہا: ”نہی النبی ﷺ أن یباع ثمر حتی یطعم، أو صوف علی ظہر، أو لبن فی ضرع، أو سمن فی لبن“ (۱) (نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا کہ پھل بیچا جائے تا آنکہ کھانے کے قابل ہو جائے، یا پشت پر موجود اون یا تھن میں دودھ یا دودھ میں گھی)۔

شوکانی نے صراحت کی ہے کہ اس حدیث کی وجہ سے اس کی بیع کے فاسد ہونے پر فقہاء کا اجماع ہے۔ فقہاء نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ اس کی صفت اور مقدار مجہول ہے، لہذا وہ حمل کے مشابہ ہو گیا۔ حنفیہ اس بات میں متردد ہیں کہ دو ملکیتوں کے اختلاط کی وجہ سے یہ بیع فاسد ہوگی یا اس کے وجود میں شک کی وجہ سے باطل ہوگی۔

حنفیہ میں سے ابن الہمام نے اس کے لئے، اور اس جیسے دوسرے مسائل کے لئے یہ ضابطہ مقرر کیا ہے کہ جو چیز اپنے غلاف میں پیچی جائے وہ ناجائز ہوگی، البتہ نلہ کی بیع اپنے چھلکے میں مستثنیٰ ہے<sup>(۲)</sup>۔ اس کے احکام کی تفصیل اصطلاح ”بیع“ اور ”غرر“ میں ہے۔

## ز - پشت پر رہتے ہوئے اون کی بیع:

۹۳ - اس کے متعلق ابھی اوپر منقرہ ۹۲ میں گذری ہوئی حدیث وارد ہے۔

اس کے فاسد ہونے کی صراحت کرنے والوں میں حنفیہ ہیں،

(۱) حدیث: ”نہی أن یباع ثمر حتی یطعم.....“ کی روایت دارقطنی (۳/۱۳ طبع دارالمحاسن) اور بیہقی (۵/۳۳۰ طبع دائرة المعارف الشیخانیہ) نے کی ہے بیہقی نے کہا اس کو مرنوع نقل کرنے میں عمرو بن فروخ کا تفرقہ ہے اور وہ قوی نہیں ہے دوسروں نے اس کی روایت موقوفہ کی ہے اسی طرح دارقطنی نے حضرت ابن عباسؓ پر اس کے موقوف ہونے کو درست قرار دیا ہے۔

(۲) نیل الاوطار ۵/۱۳۹، الشرح لمگیری فی ذیل المغنی ۳/۲۸، المغنی ۳/۶۶، کشاف القناع ۳/۱۶۶، الانصاف ۳/۱۳۸، الدرر النوری ۳/۶۶، نیز دیکھئے الہدایہ مع الشروح ۱/۵۰، تمییز الحقائق ۳/۶۳، بیع القدر ۱/۵۱۔

## بیع منہی عنہ ۹۵-۹۶

شافعیہ نے بھی اس قاعدہ کی طرف اشارہ کیا ہے، اسی طرح حنابلہ نے بھی اور صاحب ”اشرح الکبیر“ نے اس کا نام ”ضابطہ“ رکھتے ہوئے کہا کہ اس باب کا ضابطہ یہ ہے کہ جس چیز کی الگ سے بیع صحیح نہیں ہے، اس کا استثناء کرنا بھی صحیح نہیں ہے (۱)۔

۹۶- اس کی بعض عملی مثالیں درج ذیل ہیں:

الف- ایک غیر متعین بکری کے استثناء کے ساتھ اگر ”اس متعین ریوڑ“ کو فروخت کیا تو اکثر اہل علم کے قول کے مطابق صحیح نہیں ہے، اس کی دلیل غیر معلوم استثناء کی بیع سے ممانعت کے بارے میں مذکورہ حدیث ہے، نیز اس لئے کہ یہ معلوم بیع ہے، اس لئے صحیح نہیں ہے اور یہ ایسے ہی ہو گیا جیسا کہ اگر کہے: میں نے تمہیں ایک بکری فروخت کی جس کو تم اس ریوڑ میں سے منتخب کرو گے۔ یہی حکم اس باغ کو فروخت کرنے کا ہے جس میں ایک غیر متعین درخت کا استثناء کر دیا جائے (۲)۔

امام مالک نے اس کو جائز قرار دیا ہے، لہذا ان کے نزدیک فروخت کرنے والے کے لئے جائز ہے کہ باغ فروخت کرے اور اس کے پانچ درختوں کو مستثنیٰ کر دے، اس لئے کہ فروخت کرنے والا عام حالات میں اپنے باغ کے عمدہ اور شراب درختوں سے واقف ہوتا ہے، لہذا اس کے بارے میں یہ وہم نہیں ہو سکتا کہ وہ ایک درخت منتخب کرنے کے بعد دوسرے پر جائے گا، برخلاف خریدار کے جس کے بارے میں یہ وہم ہے کہ ایک درخت سے دوسرے درخت کی طرف منتقل ہو جائے گا اور اس کے نتیجے میں دونوں غلوں کے درمیان اگر وہ دونوں یا کوئی ایک ربوی ہوگی بیشی پیش آ جائے گی، اس لئے کہ جس کی طرف منتقل ہوا ہے احتمال ہے کہ وہ چھوڑے ہوئے

مخلوط ہونا ہے کہ وہ ممتاز نہ ہو سکے اور اس میں جہالت اور غرر ہے، پھر یہ ان چیزوں میں سے ہے جو اپنے غلظتوں میں ہوتی ہیں، اور ان کو حاصل کرنا اور سپرد کرنا فطری شکل کو بگاڑے بغیر ممکن نہیں جیسا کہ حنفیہ میں سے ابن اہمام کہتے ہیں، غلوں کو اس سے مستثنیٰ کیا گیا ہے، لہذا اس کی بیع صحیح نہیں ہوگی (۱)۔

ط- بیع میں مجہول شی کا استثناء کرنا:

۹۵- اس کے متعلق حضرت جابرؓ کی یہ حدیث وارد ہے: ”أن النبي ﷺ نهى عن المحاقلة، والمزابنة، والشياء، إلا أن تعلم“ (۲) (رسول اللہ ﷺ نے محاقلہ، مزابنہ اور استثناء سے منع فرمایا ہے الا یہ کہ استثناء معلوم ہو)۔

”ثنیا“ کا معنی استثناء ہے، بیع میں استثناء یہ ہے کہ کوئی چیز فروخت کرے اور اس کے بعض حصہ کو مستثنیٰ کر دے، اگر استثناء کردہ حصہ متعین ہو مثلاً فروخت شدہ درختوں میں سے متعین درخت تو بیع صحیح ہوگی، اور اگر مجہول ہو مثلاً بعض درخت تو صحیح نہیں ہوگی (۳)۔

فقہاء نے اس کے لئے یہ ضابطہ مقرر کیا ہے کہ تنہا جس چیز کا عقد کرنا جائز ہے بیع میں سے اس چیز کا استثناء کرنا بھی صحیح ہے۔ ابن عابدین نے اس پر یہ حاشیہ لکھا ہے کہ یہ قاعدہ عام معتبر کتابوں میں مذکور ہے، اس پر کچھ مسائل کی تفریح ہوتی ہے (۴)۔

(۱) دیکھئے تبیین الحقائق وحاشیہ العلامی ۳۶۳، نیل الاوطار ۵/۱۵۰، فتح القدیر ۵۱/۶۔

(۲) حدیث: ”نهى عن المحاقلة و المزابنة.....“ کی روایت بخاری (الفتح ۵۰/۵ طبع استقویہ) اور مسلم (۱۱/۵۳ طبع الحلیمی) نے ”الغبا إلا أن تعلم“ کے بغیر کی ہے البتہ اس مذکورہ حصہ کی روایت ترمذی (۳/۵۸۵ طبع الحلیمی) نے کی ہے۔

(۳) نیل الاوطار ۵/۱۵۰۔

(۴) دیکھئے الدر المختار ۳/۳۰، نیز دیکھئے تبیین الحقائق ۳/۳۳۔

(۱) دیکھئے شرح الحاشی علی الصماح ۳/۱۸۱، اشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۳/۲۹۳۔

(۲) الدر المختار رد المحتار ۳/۳۱، اشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۳/۳۰، ۲۹۳۔

## بیع منہی عنہ ۹۷

کثیر سے استثناء ہوگا، جیسا کہ اگر ایک رطل کا استثناء کرے۔ اسی طرح حنفیہ کے نزدیک صحیح ہے اگر درخت پر موجود پھلوں میں سے چند معلوم رطل کا استثناء ہو، ظاہر الروایہ یہی ہے<sup>(۱)</sup>۔

امام احمد کے نزدیک (اور یہی امام ابوحنیفہ سے ایک روایت ہے اور یہ روایت ان کے مذہب کے قرینہ قیاس ہے) یہ ہے کہ یہاں جائز نہیں جیسا کہ پہلی صورت میں اگر دونوں عقد کرنے والے رطل کی مقدار سے ناواقف ہوں، اس لئے کہ اس کی جہالت کے نتیجے میں استثناء کے بعد باقی ماندہ میں جہالت پیدا ہوگی<sup>(۲)</sup>۔

۷۔ اگر غیر معین بلکہ کسی عمومی حصہ کا استثناء کیا مثلاً چوتھائی اور تہائی تو یہ بالاتفاق صحیح ہے، اس لئے کہ اس کے اجزاء میں بیع کا علم ہے، اور اس لئے بھی کہ ان پر عقد کرنا صحیح ہے<sup>(۳)</sup>۔

۸۔ اگر ایک گز کے استثناء کے ساتھ زمین یا گھریا کپڑا فروخت کرے تو:

شافیہ اور حنابلہ کا مذہب اور حنفیہ میں سے صاحبین کا ایک قول یہ ہے کہ اگر متعاقبین زمین یا گھریا کپڑے کے گز کی تعداد جانتے ہوں کہ مثلاً دس گز ہے تو بیع صحیح ہے اور مذکورہ گز اس میں مشترک ہوگا، کو یا کہ اس نے دس کی بیع کی ہے، اور اگر وہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک ناواقف ہو تو بیع صحیح نہیں ہوگی، اس لئے کہ بیع نہ معین ہے اور نہ مشترک ہے، لہذا وہ مجہول ہوگی<sup>(۴)</sup>۔

۹۔ قاعدہ: ”جس چیز پر علاحدہ عقد کرنا درست ہے اس کا عقد سے استثناء بھی درست ہے“ کی تطبیق حنفیہ کی ذکر کردہ اس صورت پر

درخت سے کم یا زیادہ یا مساوی ہو، اور یکسانیت میں شک حقیقی کمی بیشی کی طرح ہے۔ اور اس کے نتیجے میں قبضہ سے قبل غلہ کی بیع لازم آئے گی، اگر وہ دونوں یا ان میں سے ایک ناپ والی ہو<sup>(۱)</sup>۔

ب۔ اگر ایک قفیز یا ایک رطل کے استثناء کے ساتھ گیہوں وغیرہ کے اس متعین ڈھیر کی بیع کی تو:

حنفیہ، امام مالک اور امام احمد سے ایک روایت میں جائز ہے، اس لئے کہ یہاں استثناء معلوم ہے، لہذا وہ ایسے ہی ہو گیا جیسا کہ اگر اس سے جز وغیر معین کا استثناء کرے جیسا کہ آئے گا۔

امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ ناجائز ہے، اس لئے کہ کبھی ہوئی چیز کا علم محض مشاہدہ سے ہوا ہے، مقدار سے نہیں، اور استثناء مشاہدہ کے حکم کو بدل دیتا ہے، اس لئے کہ مشاہدہ کے حکم میں کتنا باقی ہے نامعلوم ہے، لہذا ناجائز ہوگا<sup>(۲)</sup>۔

ج۔ اگر ایک معین بکری کے استثناء کے ساتھ اس ریوڑ کو فروخت کیا یا ایک معین درخت کے استثناء کے ساتھ اس باغ کو فروخت کیا تو یہ جائز ہے، اس لئے کہ استثناء کردہ حصہ متعین ہے اور اس کے نتیجے میں جہالت پیدا نہ ہوگی، اور فروخت شدہ چیز مشاہدہ سے معلوم ہے، اس لئے کہ استثناء کردہ حصہ معلوم ہے، لہذا سبب فساد ختم ہو گیا<sup>(۳)</sup>۔

د۔ چند معین رطل کے استثناء کے ساتھ کسی ڈھیر کی بیع ہو تو:

حنفیہ کے نزدیک جائز ہے، اس لئے کہ اس پر عقد کرنا صحیح ہے اگر معلوم ہو کہ مستثنیٰ کئے گئے حصہ سے زیادہ باقی رہے گا اور یہ قلیل کا

(۱) رد المحتار ۳/۳۱۔

(۲) کشاف القناع ۳/۱۶۹، نیز دیکھئے: شرح الکبیر فی ذیل المغنی ۳/۳۰۷۔

(۳) دیکھئے: رد المحتار ۳/۱۳، کشاف القناع ۳/۱۶۸۔

(۴) الدر المختار و رد المحتار ۳/۳۲، شرح المکمل علی المہاج ۳/۱۶۱، کشاف القناع

۳/۱۵۰، ۱۵۱۔

(۱) شرح الخرشبی ۵/۳۳، ۳۴۔

(۲) الدر المختار ۳/۳۱، شرح الکبیر فی ذیل المغنی ۳/۳۰، اور اس کو امام مالک

وغیرہ سے منسوب کیا ہے۔

(۳) الدر المختار ۳/۳۱، شرح الکبیر فی ذیل المغنی ۳/۳۰، کشاف القناع ۳/۱۶۸۔

## بیع منہی عنہ ۹۸-۹۹

لہذا بیع فاسد ہوگی (۱)۔

حنا بلہ نے حلال جانور کے سر، کھال، پھیکے جانے والے اجزاء اور سلب (۲) اور اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ کے استثناء کو جائز قرار دیا ہے، اس لئے کہ ”جب حضور ﷺ مکہ سے مدینہ ہجرت کے لئے نکلے، اور آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر اور عامر بن نبیرہ رضی اللہ عنہما تھے، تو ان کا گزرا ایک چرواہے کے پاس سے ہوا، ان دونوں نے اس سے ایک بکری خریدی اور اس سے اس کے ”سلب“ کی شرط لگائی“ (۳)، اور حنا بلہ کے نزدیک حضر کا حکم سفر کے حکم کی طرح ہے، جیسا کہ انہوں نے اس کی صراحت کی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ سے سفر میں ان مذکورہ چیزوں کے استثناء کا صحیح ہونا منقول ہے حضر میں نہیں، اس لئے کہ کھال اور اس کے روی اجزاء سے مسافر کے لئے فائدہ اٹھانا ممکن نہیں، لہذا اس کے لئے ان کو چھوڑ کر صرف گوشت کے خریدنے کو جائز قرار دیا گیا (۴)۔

ممانعت کے وہ اسباب جو عقد سے متعلق نہیں ہیں:

۹۹- ان سے مراد وہ اسباب ہیں جن کا تعلق محل عقد یا عقد کے وصف لازم سے نہ ہو اس طور پر کہ وہ اس سے جدا نہ ہوتا ہو، بلکہ ان کا تعلق اس کے علاوہ کسی خارجی امر سے ہو، پس وہ نہ تو رکن ہو اور نہ شرط ہو (۵)۔

(۱) الدر المختار و رد المحتار ۳/۴۰، ۴۱، ۴۲، ۱۰۷، تبیین الحقائق ۳/۵۸، القوانین المصیبر ۱/۶۹، شرح المکلی علی المہاج، ۱/۱۸۱، تحت المحتاج بشرح المہاج بحیثیہ المشروانی والعبادی ۳/۳۰۷، شرح المنج بحیثیہ الحمل ۳/۸۳، کشف القناع ۳/۱۷۲، الشرح المکبیری فی ذیل المغنی ۳/۳۱، ۳۲۔

(۲) ذبیحہ سلبہ اس کی کھال، پاپے اور شکم ہے (القاسوس)۔

(۳) دیکھئے کشف القناع ۳/۱۷۱، المغنی ۳/۲۱۳، الشرح المکبیری فی ذیل المغنی ۳/۳۲۔

(۴) دیکھئے کشف القناع ۳/۱۷۱، المغنی ۳/۲۱۳، الدرستی ۳/۱۸۔

(۵) حاشیہ الحمل علی شرح المنج (۳/۸۵)، بحوالہ قلیوبی، کے ساتھ سوازنہ کریں۔

ممکن ہے یعنی یہ کہ اگر کوئی شخص سوگز والی زمین یا گھر میں سے خواہ وہ قابل تقسیم ہو یا نہ ہو اس گز زمین فر وخت کر دے:

تو امام ابو حنیفہ اس عقد کو جگہ کی جہالت کی وجہ سے ناجائز کہتے ہیں، اس لئے کہ بیع زمین کی معین مقدار پر ہوئی ہے، عام حصہ پر نہیں، اور گھر کی جہتوں اور اس کے اجزاء میں تفاوت ہوتا ہے، اور یہ جہالت نزاع کی باعث ہے، اور جب اس پر عقد کرنا صحیح نہیں ہے تو عقد سے اس کا استثناء کرنا بھی صحیح نہیں ہوگا، برخلاف ”ڈھیر“ والے مسئلہ کے، کیونکہ اس کے اجزاء میں تفاوت نہیں ہوتا۔

اور صاحبین کہتے ہیں: اگر مجموعی ذراع کو متعین کر دے تو صحیح ہوگا، ورنہ جہالت کی بنا پر عقد صحیح نہیں ہوگا جیسا کہ گذرا۔

صاحبین کے مذہب میں صحیح یہ ہے کہ عقد جائز ہے، اگرچہ متعاقبین گز کے اعتبار سے زمین کی مجموعی پیمائش نہ بیان کریں، اس لئے کہ یہ ایسی جہالت ہے جس کا زائل کرنا ان دونوں کے ہاتھ میں ہے، لہذا اس کی پیمائش کی جائے گی، اور اس میں سے دس فر وخت شدہ کے تناسب کو معلوم کر لیا جائے گا، اور بیع پوری زمین میں عام ہوگی (۱)۔

جب دس پر عقد کرنا صحیح ہے تو عقد سے دس کا استثناء کرنا بھی صحیح ہوگا۔

۹۸- اگر ایک بکری فر وخت کی اور اس کے ”حمل“ کو مستثنیٰ کر دیا تو بالاتفاق بیع صحیح نہیں ہوگی، اسی طرح اگر اس کے بعض اعضاء کا استثناء کر دے، اس لئے کہ مذکورہ چیز کا علاحدہ عقد کرنا صحیح نہیں، لہذا عقد سے اس کا استثناء کرنا بھی صحیح نہ ہوگا، اور وہ شرط فاسد ہوگی جیسا کہ ابن عابدین کہتے ہیں، اور اس میں فر وخت کرنے والے کا نفع ہے،

(۱) دیکھئے الدر المختار و رد المحتار ۳/۳۱، ۳۲، بدائع الصنائع ۵/۶۲، ۶۳، ۱۶۳۔

## بیچ منہی عنہ ۱۰۰-۱۰۳

(جس نے ماں اور اس کے بچہ کے درمیان تفریق کی، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے درمیان اور اس کے محبوب لوگوں کے درمیان تفریق کر دے گا)۔

اس تفریق کے حکم کے بارے میں فقہاء کے مذاہب:

۱۰۲- یہ تفریق عام فقہاء کے نزدیک عمومی طور پر اور اپنی آنے والی مختلف تفصیلات کے مطابق ناجائز ہے۔

جمہور یعنی امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ بیچ کے ذریعہ تفریق حرام ہے۔

امام مالک کے نزدیک اس کو فسخ کرنا واجب ہے، اگرچہ ان دونوں کو ایک شخص کی ملکیت میں جمع کرنا ممکن نہ ہو، البتہ عقود

معاوضات وغیر معاوضات میں تفصیل ہے جو درج ذیل ہے:

ان دونوں (امام شافعی اور امام احمد) کے نزدیک بیچ باطل ہے۔

شافعیہ کا ایک قول ہے کہ تفریق کرنے سے روکا جائے گا۔

امام ابو حنیفہ اور امام محمد کا مذہب یہ ہے کہ بیچ جائز ہے، اور فی نفسہ حکم کا فائدہ دینے والی ہے، البتہ مکروہ ہے، اور بائع تفریق کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔

امام ابو یوسف کا مذہب یہ ہے کہ والدین اور اولاد میں بیچ فاسد ہے، اور بقیہ قرابتی رشتہ داروں میں جائز ہے۔

اور ان سے ایک روایت یہ ہے کہ بیچ سب میں فاسد ہے۔

ان آراء کے دلائل کی تفصیل اصطلاح ”رق“ میں دیکھی جائے۔

۱۰۳- علاوہ ازیں حنفیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے کہ حرمت عام ہے جو ہر ذی رحم محرم کے درمیان ہر قسم کی تفریق کو شامل ہے۔

ان اسباب کو درج ذیل دو انواع میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:  
نوع اول: جس کے نتیجے میں تنگی یا ایذا رسانی یا ضرر خواہ مادی ہو یا معنوی، خاص ہو یا عام لازم آئے، جیسے غبن، ایک مسلمان کا اپنے بھائی کی بیچ پر بیچ کرنا، اور اہل حرب کے ہاتھ ہتھیار فروخت کرنا۔

نوع دوم: جس کے نتیجے میں خالص دینی مخالفت یا خالص عباداتی خلاف ورزی لازم آئے، جیسے اذان جمعہ کے وقت بیچ، اور کافر کے ہاتھ قرآن کریم کی بیچ۔

نوع اول: وہ اسباب جن کے نتیجے میں ضرر مطلق لازم آئے:  
۱۰۰- اس نوع کے تحت آنے والی اہم بیوع حسب ذیل ہیں:

الف- غلام کی بیچ میں ماں اور اس کے بچہ کے درمیان تفریق کرنا:

۱۰۱- فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ بیچ ممنوع ہے، اس لئے کہ حدیث میں اس کی ممانعت ثابت ہے، مثلاً حضرت عمران بن حصینؓ کی حدیث میں ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ملعون من فرق بین والدہ و ولدہا“<sup>(۱)</sup> (ملعون ہے وہ شخص جس نے ماں اور اس کے بچہ کے درمیان تفریق کی)۔

حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی حدیث ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ”من فرق بین والدہ و ولدہا، فرق اللہ بینہ و بین أحبته یوم القیامۃ“<sup>(۲)</sup>

(۱) حدیث ”ملعون من فرق بین والدہ و ولدہا.....“ کی روایت دارقطنی (۳/ ۶۷ طبع دارالمحاسن) نے کی ہے ابن تظان نے کہا: حدیث صحیح نہیں ہے نصب الرایۃ (۳/ ۲۵ طبع مجلس علمی ہندوستان)۔

(۲) حدیث ”من فرق بین والدہ و ولدہا.....“ کی روایت ترمذی (۳/ ۵۱۱)

= (طبع الحلیمی) نے کی ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے (۱/ ۵۵ طبع دار الفکر المعارف اعثمانیہ)۔



## بیع منہی عنہ ۱۰۴-۱۰۶

ایسی ماں کو ذبح کرنا جس کا بچہ اس کے دودھ سے بے نیاز ہو گیا ہو، مکروہ ہے، اور اگر وہ اس کے دودھ سے بے نیاز نہ ہوا ہو تو ماں کو ذبح کرنا حرام ہے۔ بیع اور تصرف صحیح نہیں ہوگا اگرچہ جانور ماکول اللحم نہ ہو، اور چھوٹے بچہ کو جو ماکول اللحم ہو ذبح کرنا قطعاً حلال ہے، اور اس کی بیع ایسے شخص کے ہاتھ جس کے بارے میں خیال ہے کہ وہ اس کے بے نیاز ہونے سے پہلے اس کی ماں کو ذبح کرنا باطل ہے، اگرچہ ابن حجر اس کی حلت کے قائل ہیں، اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ ذبح فوری نہ ہو یا سرے سے ذبح ہی نہ ہو تو ممنوع چیز کا وجود ہوگا، اور خریدار پر ذبح کی شرط لگانا صحیح نہیں ہے (۱)۔

ہاں اگر خریدار کو معلوم ہو کہ فروخت کرنے والے نے اس کے ذبح کی نذر مانی ہے اور فروخت کرنے والے نے خریدار پر ذبح کی شرط لگا دی تو بیع صحیح ہے، اور یہ نذر یہ لیما ہوگا، اور خریدار پر اس کا ذبح کرنا واجب ہے، اور اگر وہ ذبح نہ کرے تو قاضی اس کو ذبح کر دے گا، اور ذبح کرنے والا اس کو فقراء میں تقسیم کر دے گا، اور ذبح کے علاوہ کسی اور غرض سے اس بچہ کو فروخت کرنا جو اپنی ماں سے بے نیاز ہو مکروہ ہے، اور ان دونوں کو ذبح کرنا حرام نہیں ہے (۲)۔

اس مسئلہ میں ہمیں حنفیہ اور حنابلہ کا کلام نہیں ملا۔

ب- شراب بنانے والے کے ہاتھ عصیر (رس) کی بیع:

۱۰۶- عصیر سے مراد: عصیر عنب ہے یعنی انگور کا وہ رس جو اس سے نچوڑ کر نکالا جائے۔

مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ صرف حقیقی ماں اور اس کے اس چھوٹے بچے کے درمیان جس کے دانت دوبارہ نہ نکلے ہوں، بیع کے ذریعہ تفریق حرام ہے۔

شافعیہ نے اس کو قراہت ولادت میں منحصر کیا ہے، گو کہ بچے کی ہو، بشرطیکہ چھوٹا ہو یہاں تک کہ وہ باشعور اور اپنے کھانے پینے کے سلسلہ میں خود کفیل ہو جائے، اگرچہ سات سال کی عمر کو نہ پہنچا ہو (۱)۔ دلائل کی تفصیل اصطلاح ”رق“ میں ہے۔

چھوٹے جانور اور اس کی ماں کے درمیان تفریق کا حکم:

۱۰۴- مالکیہ کے یہاں راجح یہ ہے کہ چوپایہ جانور اور اس کی ماں کے درمیان تفریق جائز ہے۔ اور جو تفریق ممنوع ہے وہ عاقل کے ساتھ خاص ہے، اور مالکیہ میں سے ابن القاسم سے مروی ہے کہ جانوروں کے بچوں اور ان کی ماں کے درمیان بھی تفریق منع ہے، اور ظاہر حدیث یہی ہے۔ یہاں تک کہ وہ بچہ اپنی ماں کے بغیر چرنے لگے۔

لہذا اگر ان دونوں کے درمیان بیع کے ذریعہ تفریق کر دی جائے تو فسخ نہ ہوگی، اور متعاقبین کو ایک ملکیت میں دونوں کو جمع کرنے پر مجبور کیا جائے گا، اور یہ عاقل کی تفریق کرنے کی طرح نہیں ہے (۲)۔

۱۰۵- یہ جس کو ابن القاسم نے ممنوع کہا ہے یہی شافعیہ کا بھی مذہب ہے جن کی صراحت ہے کہ چوپایہ جانور اور اس کے بچے کے درمیان تفریق کرنا حرام ہے۔

پھر انہوں نے مسئلہ میں تفصیل کرتے ہوئے کہا:

(۱) بدائع الصنائع ۵/۳۳۲، تبیین الحقائق ۶۸/۳، الہدایۃ مع الشرح ۶/۱۰۸، المغنی ۳/۳۰۷، کلتایۃ الطالب ۲/۱۳۷، شرح المنہج بحامیہ الجمل ۳/۷۲، ۷۳، تحتہ المکنج شرح الصنائع بحامیہ الشروانی والعبادی ۳/۳۱۹، ۳۲۰۔

(۲) کلتایۃ الطالب وحامیہ الصدوی ۲/۱۳۷، الشرح الکبیر للذری وحامیہ الصدوی ۳/۶۳، نیز دیکھئے شرح الخرشنی وحامیہ الصدوی ۵/۷۹۔

(۱) حامیہ اقلیو بی علی شرح الجملی ۲/۱۸۵۔  
(۲) تحتہ المکنج شرح الصنائع مع حامیہ الشروانی والعبادی ۳/۳۲۱، حامیہ اقلیو بی علی شرح الجملی ۲/۱۸۵، حامیہ الجملی علی شرح المنہج ۳/۷۲، ۷۳۔

## بیع منہی عنہ ۱۰۶

جائے اس پر، اس کی قیمت کھانے والے پر، اس کو پینے والے پر، اور اس کو پلانے والے پر)۔

وجہ استدلال جیسا کہ عمیرہ بر لسی کہتے ہیں، یہ ہے کہ اس حدیث سے حرام کا سبب بننے کی حرمت معلوم ہوتی ہے (۱)۔

اور اس کی دلیل ابن سیرین سے مروی وہ روایت بھی ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا ان کی زمین میں ان کا ایک ٹکرا تھا، اس نے حضرت سعد کو انگور کے بارے میں بتایا کہ وہ منعی نہیں بن سکتا، اور اس قابل نہیں کہ شراب کشید کرنے والے کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ فروخت کیا جائے، تو حضرت سعد نے اس کو اکھاڑ پھینکنے کا حکم دیا اور کہا: ”اگر میں شراب پیوں تو بدترین بوڑھا ہوں گا“۔ نیز اس لئے کہ وہ ایسے شخص کے لئے نچوڑنے پر عقد بیع کر رہا ہے جس کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ اس کو معصیت کے قصد سے لے رہا ہے، لہذا یہ ایسے ہی ہو گیا جیسا کہ ایک شخص اپنی باندی کسی ایسے شخص کے ہاتھ اجرت پر دے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ اس کو زنا کاری کے لئے اجرت پر لے رہا ہے (۲)۔

شافعیہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ وہ مکروہ ہے، اور بیع دونوں اقوال کے مطابق صحیح ہے۔

امام ابو حنیفہ کی رائے ہے کہ یہ بیع جائز ہے، ابن المنذر نے اس کو حسن، عطاء اور ثوری سے نقل کیا ہے، اور اس کے بارے میں ان کا یہ قول نقل کیا گیا ہے: ”بیع الحلال ممن شئت“ (۳) (حالی چیز جس کے ہاتھ چاہو فروخت کرو)، ان کا استدلال اس فرمان باری

اس جزئیہ کے شرعی حکم کے سلسلہ میں فقہاء کے مختلف مذاہب ہیں۔

چنانچہ مالکیہ اور حنابلہ کے مذاہب میں یہ بیع حرام ہے، اور شافعیہ کے یہاں اصح اور معتد بھی یہی ہے، اگر اس کو علم یا غالب گمان ہو کہ اس کی شراب بنے گی، اور اگر شک ہو تو مکروہ ہے۔ اور اسی کے مثل صاحبین کا ایک قول ہے (حصکلی نے اس کی تصحیف کی طرف اشارہ کیا ہے) کہ وہ مکروہ ہے، اور حنفیہ کے نزدیک اگر کراہت مطلق بولی جائے تو حرمت کے لئے ہوتی ہے (۱)۔

مالکیہ کی عبارت ہے: مکلف پر حرام ہے کہ وہ انور کی بیع ایسے شخص کے ہاتھ کرے جس کے بارے میں علم ہو کہ وہ اس سے شراب کشید کرے گا، ان کا استدلال اس فرمان باری سے ہے: ”وَلَا تَعَاوَنُوا عَلٰی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ“ (۲) (اور مدد نہ کرو گناہ پر اور ظلم پر) ابن قدامہ نے کہا: یہ ممانعت حرمت کی متقاضی ہے۔

اسی طرح ان کا استدلال اس حدیث سے ہے: ”لعنت الخمر علی عشرة اوجه: بعینها، وعاصرها، ومعتصرها، وبائعها، ومبتاعها، وحاملها، والمحمولة اليه، واكل ثمنها، وشاربها، وساقبها“ (۳) (دس طریقہ سے شراب پر لعنت کی گئی ہے: بذات خود شراب پر، اس کا رس نچوڑنے والے پر، اس کو شراب بنانے والے پر، اس کو فروخت کرنے والے پر، اس کو خریدنے والے پر، اس کو اٹھانے والے پر، جس کے پاس اٹھا کر لائی

(۱) الدر المختار و رد المحتار ۲/۵، ۲۵۰، الہدایہ مع الشرح ۸/۳۹۳، الشرح الکبیر للدرر مع حاشیہ الدسوقی ۳/۷، شرح الخرشنی ۵/۱۱، نیز دیکھئے شرح کمالی علی المہاجر و حاشیہ اقلیو بی ۲/۱۸۳، المغنی ۳/۲۸۳، الانصاف ۳/۳۷۔

(۲) سورہ مائدہ ۲۔

(۳) حدیث: ”لعنت الخمر.....“ کی روایت ابن ماجہ (۲/۱۱۳۲ طبع اقلیو) نے حضرت ابن عمرؓ سے کی ہے ابن اسکن نے اس کو صحیح قرار دیا ہے (تخصیص الخیر لابن حجر ۳/۲۷ طبع مکتبۃ المطابع النوریہ)۔

(۱) دیکھئے حاشیہ عمیرہ علی شرح کمالی فی ذیل حاشیہ اقلیو بی ۲/۱۸۳، حاشیہ الجمل علی شرح الصحیح ۳/۹۳۔

(۲) المغنی ۳/۲۸۳۔

(۳) الدر المختار ۲/۵، ۲۵۰، المغنی ۳/۲۸۳۔

## بیع منہی عنہ ۱۰۷-۱۰۹

سے شراب بنانے کے خریدار کے ارادہ کا بائع کو علم ہو، لہذا اگر اس کو یہ علم نہ ہو تو بلا اختلاف مکروہ نہیں ہے، جیسا کہ حنفیہ میں سے تہستانی نے لکھا ہے اور مرغینانی کے مذکورہ کلام میں اسی کی صراحت ہے۔

اسی طرح ابن قدامہ نے کہا: بیع اسی صورت میں حرام ہے جبکہ فروخت کرنے والے کو خریدار کے اس ارادہ کا علم ہو، خواہ اس کے کہنے سے یا ایسے قرآن سے جو اس قصد پر دلالت کرتے ہوں۔

رہے شافعیہ تو ان کے یہاں یہی کافی ہے کہ فروخت کرنے والے کو ظن غالب ہو کہ خریدار اس سے شراب یا کوئی نشہ آور چیز بنائے گا۔ ابن تیمیہ نے اسی کو اختیار کیا ہے<sup>(۱)</sup>۔

۱۰۸- اگر فروخت کرنے والے کو خریدار کے حال کا علم نہ ہو، یا خریدار ان لوگوں میں سے ہو جو اس سے سرکہ اور شراب دونوں بناتے ہوں یا فروخت کرنے والے کو خریدار کے بارے میں شک یا وہم ہو تو: جمہور کا مذہب جواز ہے، جیسا کہ حنفیہ اور حنابلہ کی صراحت ہے۔

شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ شک یا وہم کی حالت میں بیع مکروہ ہے<sup>(۲)</sup>۔

شراب بنانے والے ذمی کے ہاتھ انگور کے رس کی بیع کا حکم: ۱۰۹- شراب بنانے والے کے ہاتھ انگور کے رس کی بیع سے ممانعت میں اطلاق و عموم، اور شروحات میں مذکورہ تعلیلات کا تقاضا (جیسا کہ ابن عابدین کہتے ہیں) یہ ہے کہ مسلمان اور کافر کے ہاتھ انگور کا رس فروخت کرنے کے بارے میں کوئی فرق نہیں ہے، اور یہ کہ جو فقہاء

سے ہے: ”وَ أَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ“<sup>(۱)</sup> (اور اللہ نے بیع کو حلال کیا) اور بیع اپنے ارکان و شرائط کے ساتھ مکمل ہوگی۔

نیز اس لئے کہ معصیت کا تعلق بعینہ اس سے نہیں بلکہ اس کے تغیر کے بعد اس کے پینے سے ہے۔ اور یہ اختیار رکھنے والے شخص کا فعل ہے، اور پینا اٹھا کر لے جانے کے لوازمات میں سے نہیں، اس لئے کہ پینا بسا اوقات اٹھا کر لے جانے کے بغیر پایا جاتا ہے، اور اٹھا کر لے جانا پینے کے لوازمات میں سے نہیں، اس لئے کہ اٹھا کر لے جانا بسا اوقات بہانے کے لئے اور سرکہ میں ڈال کر سرکہ بنانے کے لئے ہوتا ہے، لہذا معصیت اٹھا کر لے جانے کے لوازمات میں سے نہیں، اور یہ انگور نچوڑنے کے لئے اجرت پر لینے کے مثل ہو گیا، یہ قول قیاس پر مبنی ہے۔ اور صاحبین کا قول استحسان پر مبنی ہے، جیسا کہ کرلانی نے کہا، لیکن اس کے باوجود بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مذہب یہ ہے کہ یہ مکروہ تفریحی ہے اور خلاف اولیٰ ہے، کیونکہ صاحب ”الہدایہ“ نے کہا: اس کی بیع ایسے شخص کے ہاتھ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ اس سے شراب کشید کرے گا<sup>(۲)</sup>۔ اور عربی میں لفظ ”لابأس“ (کوئی حرج نہیں) کراہت تفریحی کے لئے ہے۔ لہذا اس کو چھوڑنا اولیٰ ہے۔

امام ابو حنیفہ کا یہ قول ہی حنفیہ کے یہاں مذہب ہے اور اسی کے مطابق ”متون“ کی عبارت ہے۔

رس کو شراب بنانے کے خریدار کے قصد کا بائع کو علم ہونے کی شرط:

۱۰۷- جمہور نے اس بیع سے ممانعت کے لئے شرط لگائی ہے کہ اس

(۱) رد المحتار ۵/۲۵۰، المغنی ۳/۲۸۳، تجلید المحتاج ۳/۱۶۳، شرح المکلی مع حاشیہ اقلیو بی ۲/۱۸۳، الاضاف ۳/۳۲۷، مردوی نے کہا یہی درست ہے۔

(۲) الدر المختار و رد المحتار ۵/۲۵۰، المغنی ۳/۲۸۳، شرح المکلی علی المسماح و حاشیہ اقلیو بی ۲/۱۸۳، ۱۸۵، تجلید المحتاج ۳/۱۶۳، شرح المسماح مع حاشیہ المجلد ۳/۹۳۔

## بیع منہی عنہ ۱۱۰-۱۱۱

حنفیہ اس مسئلہ میں متردو ہیں:  
ان میں صاحب المہیط کے نزدیک انگور اور انگور کی بیل کی بیع  
اس سے شراب بنانے والے کے ہاتھ مکروہ نہیں ہے۔  
تہستانی نے نقل کیا ہے کہ انگور کی بیع بھی امام ابوحنیفہ اور  
صاحبین کے درمیان مختلف فیہ ہے۔  
امام صاحب کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں، یہ مکروہ  
تزیینی ہے، صاحبین کے نزدیک ممنوع ہے، اور مکروہ تحریمی ہے (۱)۔

شراب بنانے والے کے ہاتھ انگور کے رس کی بیع کے صحیح  
اور باطل ہونے کا حکم:

۱۱۱ - حنفیہ، شافعیہ کا مذہب اور حنابلہ کے یہاں ایک رائے یہ ہے کہ  
بیع صحیح ہے۔ شافعیہ نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ ممانعت (جو شراب  
کشید کرنے والے پر لعنت والی حدیث سے مستفاد ہے) (۲) اگرچہ  
کراہت یا حرمت کی متقاضی ہے، اس لئے کہ بیع حقیقی یا وہمی معصیت  
کا سبب ہے، تاہم وہ یہاں بطلان کی متقاضی نہیں ہے، اس لئے کہ  
اس کا تعلق ممنوع چیز کی ذات اور اس کے لازم سے خارج علت سے  
ہے۔ ہاں وہ اس سے وابستہ ہے، جیسے اذان جمعہ کے بعد بیع کا مسئلہ  
ہے، اس لئے کہ یہ ممانعت اس بیع کی ذات یا اس کے لازم کے سبب  
نہیں ہے بلکہ جمعہ کے فوت ہونے کے اندیشہ سے ہے۔  
مالکیہ کی رائے ہے کہ بیع فسخ کئے بغیر خریدار کو مجبور کیا جائے گا  
کہ اس کو اپنی ملکیت سے نکال دے (۳)۔

کفار کفر و عات شریعت کا مخاطب مانتے ہیں ان کے نزدیک کافر کے  
ہاتھ انگور کے رس کی بیع جائز ہے۔ اور اصح یہ ہے کہ وہ مخاطب ہیں،  
اور کوئی فرق نہیں ہے، حنابلہ نے بھی اس کی صراحت کی ہے۔  
شافعیہ نے بھی اس کی صراحت کی ہے اور کہا: کشید کرنے  
والے کے ہاتھ کو کہ وہ کافر ہو، بیع حرام ہے، اس لئے کہ وہ اس کے  
لئے بھی حرام ہے، اگرچہ ہم ان سے باز پرس اس شرط کی وجہ سے نہیں  
کرتے کہ وہ اس کا اظہار نہیں کر رہے ہیں (۱)۔

انگور کے رس کی بیع کا حکم اور دوسرے رسوں پر اس حکم کی  
شمولیت:

۱۱۰ - فقہاء نے شراب بنانے والے کے ہاتھ انگور کے رس کے  
فروخت کے حکم کو عام رکھا ہے، اس حکم کو انگور کے رس پر منحصر نہیں کیا  
بلکہ بذات خود انگور، ترکھور، اور مٹھی میں بھی اس حکم کو عام رکھا ہے،  
لہذا یہ چیزیں حرمت میں انگور کے رس کی طرح ہیں بشرطیکہ اس کا  
مقصد شراب یا نشہ آور چیز بنانا ہو۔

شافعیہ نے کہا: ترکھور کے مثل کی بیع کا حکم اس شخص کے ہاتھ جو  
اس سے نشہ آور چیز بنائے انگور کی طرح ہے۔

حنابلہ نے کہا: جس چیز سے حرام مقصود ہو اس کفر و خت کرنا صحیح  
نہیں ہے، مثلاً انگور اور انگور کا رس شراب کشید کرنے والے کے ہاتھ  
اسی طرح مٹھی وغیرہ فروخت کرنا (۲)۔

مالکیہ نے کہا: اسی طرح ہر اس چیز کی بیع ممنوع ہوگی جس کے  
بارے میں معلوم ہو کہ خریدار اس کے ذریعہ ناجائز چیز کا قصد رکھتا ہے۔

(۱) المشرح الکبیر للردی بھائیہ الدسوتی ۳/۷۷، رد المحتار ۵/۲۵۰۔

(۲) شراب کشید کرنے والے پر لعنت والی حدیث فقہ ۱۰۶/۱۰۶ کے تحت آچکی ہے۔

(۳) تحفۃ المحتاج ۳/۳۰۸، ۳۰۹، شرح المنہج بھائیہ الجمل ۳/۸۵، ۹۳، شرح

المکمل علی المنہج ۲/۱۸۳، ۱۸۵، شرح الدرر بھائیہ الدسوتی ۳/۷۷، شرح

المحرف بھائیہ العدوی ۵/۱۱۔

(۱) رد المحتار ۵/۲۵۰، کشاف القناع ۳/۱۸۱، حاشیہ الشروانی و ابن قاسم

العبادی علی تحفۃ المحتاج ۳/۳۱۶، حاشیہ الجمل علی شرح المنہج ۳/۹۳۔

(۲) المنہج مع المشرح بھائیہ الجمل ۳/۹۲، ۹۳، حاشیہ الشروانی علی تحفۃ المحتاج

۳/۳۱۶، کشاف القناع ۳/۱۸۱۔

## بیع منہی عنہ ۱۱۲-۱۱۵

”التبصرہ“ میں، اور ابن جزئی نے ”المقوانین“ میں ابن القاسم سے منسوب کیا ہے۔

”المعیار“ ہی میں شاطبی کے حوالہ سے ہے: ان کے ہاتھ بیع کی بیع ممنوع ہے، اگر وہ اس سے مسلمانوں کی ایذا رسانی میں مدد لیتے ہوں۔ اور اگر ان کی عیدوں کے لئے ہو تو مکروہ ہے (۱)۔

۱۱۲- شافعیہ کے یہاں اس کی مثالوں میں نشہ آور شئی کی بیع اس شخص کے ہاتھ جس کے بارے میں ظن غالب ہو کہ وہ اس کو حرام طریقہ پر استعمال کرے گا، لکڑی کی بیع اس شخص کے ہاتھ جو اس سے سامان لہو بنائے گا، اور ریشمی کپڑے کی بیع اس شخص کے ہاتھ جو اس کو بغیر کسی مجبوری وغیرہ کے پہنے گا اور اسی طرح باغی اور ڈاکو وغیرہ کے ہاتھ ہتھیار کی بیع، مرغے کی بیع اس شخص کے ہاتھ جو اس کو لڑائے گا، مینڈھے کی بیع اس شخص کے ہاتھ جو اس کو سینگ بازی میں استعمال کرے گا، اور جانور کی بیع اس شخص کے ہاتھ جو اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ لادے گا۔

اسی طرح شروانی اور ابن قاسم العبادی نے صراحت کی ہے کہ مسلمان کے لئے کافر کے ہاتھ کھانا فروخت کرنا ممنوع ہے، جس کے بارے میں ظن یا ظن غالب ہو کہ وہ رمضان کے دن میں اس کو کھائے گا۔ رٹی نے یہی فتویٰ دیا ہے، انہوں نے کہا: اس لئے کہ یہ معصیت پر تعاون ہے، یہ اس بات پر مبنی ہے کہ کفار فروغ شریعت کے مخاطب ہیں (۲)۔

۱۱۵- حنابلہ کے نزدیک اس کی مثالوں میں حربیوں کے ہاتھ یا ڈاکوؤں کے ہاتھ یا فتنہ و ہنگامہ میں، ہتھیار فروخت کرنا یا شراب

حنابلہ نے صراحت کی ہے کہ اگر حرمت ثابت ہو یعنی انگور کی خریداری سے خریدار کا قصد شراب ہو، اس کا علم بائع کو خواہ جس طریقہ سے بھی حاصل ہو تو بیع باطل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اللہ کی معصیت کے لئے ایک چیز پر عقد کیا ہے، لہذا صحیح نہیں ہے، نیز اس لئے کہ یہاں حرمت اللہ تعالیٰ کے حق کے لئے ہے جو عقد کو فاسد کر دے گی جیسے ایک درہم کی دو درہم سے بیع (۱)۔

## حرام مقصد والی چیز کی بیع:

۱۱۲- جمہور کا مذہب ہے کہ ہر وہ چیز جس کا مقصد حرام ہو اور ہر وہ تصرف جس کے نتیجے میں معصیت ہو وہ حرام ہے، لہذا ہر اس چیز کی بیع ممنوع ہوگی جس کے بارے میں معلوم ہو کہ خریدار کا اس سے مقصد ناجائز ہے (۲)۔

۱۱۳- مالکیہ کے یہاں اس کی مثالوں میں برے لوگوں کے ہاتھ باندی کی بیع، کینسہ یا شراب خانہ بنانے کے لئے زمین کی بیع، صلیب بنانے والے کے ہاتھ لکڑی کی بیع اور ناقوس بنانے والے کے ہاتھ تانبے کی بیع ہیں۔

دسوقی نے کہا: اسی طرح ممنوع ہے کہ حربیوں کے ہاتھ آگہ جنگ مثلاً ہتھیار یا گھوڑے یا زین فروخت کی جائے، اسی طرح ہر ایسی چیز جس سے ان کو جنگ میں تقویت ملے مثلاً تانبا، خیمہ اور خانگی سامان۔ رہا ان کے ہاتھ اناج فروخت کرنا تو ابن یونس نے ابن حبیب کے حوالہ سے کہا ہے کہ صلح کی حالت میں جائز اور غیر صلح کی حالت میں جائز نہیں ہے۔ اور ”المعیار“ میں شاطبی کے حوالہ سے ہے: مذہب یہ ہے کہ مطلقاً ممنوع ہے، اسی کو ابن فرحون نے

(۱) الدسوقی ۳/۷۔

(۲) تحفۃ المحتاج و جامعہ الشروانی ۳/۳۱۷، جامعہ اہلبیہ علی شرح الکلی ۲/۱۸۳، جامعہ الجمل علی شرح المنہج ۳/۹۳۔

(۱) المغنی ۳/۲۸۳، کشاف القناع ۳/۱۸۱۔

(۲) المغنی ۳/۲۸۳، تحفۃ المحتاج ۳/۳۱۷، شرح الدررہیہ بحامیۃ الدسوقی ۳/۷۔

## بیع منہی عنہ ۱۱۶-۱۱۷

دیا تاکہ کینسہ کی تعمیر میں کام کرے یا کسی ذمی کے لئے خود اپنے اوپر اٹھا کر یا اپنے جانور پر لا کر شراب لے جائے یا ذمی کا سور چرائے، یا آگ گھریا کینسہ یا یہودی کا عبادت خانہ بنانے کے لئے یا اس میں شراب فروشی کے لئے گھر کرایہ پر دے تو یہ اس کے لئے امام صاحب کے نزدیک جائز ہے، اس لئے کہ عین عمل میں معصیت نہیں ہے، معصیت تو محض اجرت لینے والے کے فعل سے ہے، اور یہ فاعل مختار کا فعل ہے، جیسا کہ اس کی شراب نوشی اور شراب فروشی ہے، اور اسی سلسلے میں مرغینانی کہتے ہیں: اجارہ گھر وغیرہ کی منفعت پر وارد ہوتا ہے، اور اسی وجہ سے محض سپرد کرنے سے اجرت واجب ہو جاتی ہے، اس میں کوئی معصیت نہیں، معصیت تو اجرت لینے والے کے فعل سے ہے اور وہ اس میں باختیار ہے، لہذا اس کے اجرت پر دینے والے کا تعلق اس سے ختم ہو گیا (۱)۔

صاحبین اس کو مکروہ سمجھتے ہیں، کیونکہ اس میں معصیت پر اعانت ہے۔

بعض حنفیہ نے یہ ضابطہ پیش کیا ہے کہ جس کی ذات سے معصیت کا تعلق ہو اس کی بیع مکروہ تحریمی ہے مثلاً اہل فتنہ کے ہاتھ ہتھیار کی بیع، اور جو اپنی ذات میں معصیت نہ ہو اس کی بیع مکروہ تزیہی ہے۔

حرام قصد والی چیز کی بیع کے صحیح اور باطل ہونے کا حکم:  
۱۱۷- جمہور (حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ) کا مذہب اور حنابلہ کے یہاں بھی ایک احتمال یہ ہے کہ بیع صحیح ہے، اس لئے کہ اس میں کوئی رکن یا شرط مفقود نہیں ہے۔

ابن مالکیہ نے اس کے ساتھ ہتھیار فروخت کرنے کے مسئلہ

فروشی یا کینسہ بنانے یا آتش خانہ وغیرہ بنانے کے لئے گھر کرایہ پر دینا ہیں، کیونکہ یہ حرام ہیں۔

ابن عقیل نے کہا: امام احمد نے کچھ ایسے مسائل کی صراحت کی ہے جن میں اس پر تنبیہ ہے۔ انہوں نے قصاب، اور مانباہی کے بارے میں کہا ہے: اگر اس کو معلوم ہو کہ اس سے خریدنے والا نشہ خور کی دعوت کرے گا تو اس کے ہاتھ فروخت نہ کرے۔ پیالے بنانے والا پیالوں کو اس شخص کے ہاتھ فروخت نہ کرے جو اس میں شراب پئے گا، اور انہوں نے مردوں کے ہاتھ ریشم فروخت کرنے سے منع کیا ہے (۱)۔

۱۱۶- امام ابوحنیفہ کی رائے ہے کہ ایسی چیز کی بیع مکروہ نہیں جو اپنی ذات میں معصیت نہ ہو، مثلاً سینگ مارنے والے مینڈھے، اڑنے والے کبوتر اور گانے کے سامان بنانے والے کے ہاتھ لکڑی کی بیع۔ اس کے برخلاف اہل فتنہ کے ہاتھ ہتھیار کی فروخت جائز نہیں ہے، کیونکہ معصیت اس کی ذات سے وابستہ ہے۔ لہذا یہ گناہ اور سرکشی پر تعاون ہوگا جو ممنوع ہے۔ برخلاف اس چیز کی بیع کے جس سے ہتھیار بنایا جاتا ہے مثلاً لوہا، اس لئے کہ وہ جنگ کے لئے تیار شدہ نہیں ہے، اس لئے اس میں تعاون کا مفہوم ثابت نہیں ہوگا۔

حنفیہ میں سے صاحبین کی رائے ہے کہ مسلمان کے لئے ایسا کرنا مناسب نہیں ہے، اس لئے کہ یہ معصیت پر تعاون ہے، لہذا وہ ان دونوں کے نزدیک مکروہ ہے۔ امام ابوحنیفہ کا اس میں اختلاف ہے اور یہ حرام نہیں، جمہور کی رائے اس کے خلاف ہے (۲)۔

حنفیہ نے اس مسئلہ کی نظیر پر ”اجارہ“ کے باب میں بحث کی ہے، جیسا کہ حنابلہ کے یہاں گزرا، مثلاً ایک شخص نے خود کو مزدوری پر

(۱) المغنی ۳/۲۸۳، کشاف القناع ۳/۱۸۱، ۱۸۲، الانصاف ۳/۳۲۷، ۳۲۸۔

(۲) رد المحتار ۵/۲۵۰، ۲۵۱، الہدایہ مع الشرح ۸/۳۹۳، بدائع الصنائع ۲۳۳/۵۔

(۱) الہدایہ مع الشرح ۸/۳۹۳، الدر المختار ۵/۲۵۰۔

## بیع منہی عنہ ۱۱۸

حضرت ابن عمرؓ کی صحیح حدیث میں اس سے ممانعت ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لا بیع بعضکم علی بیع بعض" (۱) (تم میں سے کوئی دوسرے کی بیع پر بیع نہ کرے)، اور دوسری حدیث میں ہے: "لا بیع الرجل علی بیع أخیه، ولا یخطب علی خطبۃ أخیه، إلا أن یأذن لہ" (۲) (آدمی اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے، اور نہ اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام نکاح دے، الا یہ کہ وہ اس کی اجازت دے)۔

ایک اور روایت کے الفاظ ہیں: "لا بیع بعضکم علی بیع بعض، حتی یتناع أو ینذر" (۳) (تم میں سے کوئی کسی کی بیع پر بیع نہ کرے تا آنکہ وہ خرید لے یا چھوڑ دے)۔

ایک روایت میں ہے: "لا بیع الرجل علی بیع أخیه، ولا یخطب علی خطبۃ أخیه، إلا أن یأذن لہ" (۴) (آدمی اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے، اور اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام نکاح نہ دے، الا یہ کہ وہ اس کو اجازت دے)۔

ایک اور روایت میں ہے: "لا بیع بعضکم علی بیع أخیه" (۵) (تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے)۔

(۱) حدیث: "لا بیع بعضکم علی بیع بعض....." کی روایت بخاری (الفتح

۳۷۳/۳ طبع السنۃ) اور مسلم (۱۰۳۲/۳ طبع الجلی) نے کی ہے۔

(۲) حدیث: "لا بیع الرجل علی بیع أخیه....." کی روایت مسلم (۱۱۵۳/۳ طبع الجلی) نے کی ہے۔

(۳) حدیث: "لا بیع بعضکم علی بیع بعض....." کی روایت نسائی

(۲۵۸/۷ طبع المکتبۃ التجاریہ) نے کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

(۴) اس کی تخریج گذر چکی ہے۔

(۵) حدیث: "لا بیع بعضکم علی بیع أخیه....." کی روایت بخاری (الفتح

۳۵۲/۳ طبع السنۃ) نے کی ہے۔

میں صراحت کی ہے کہ خریدار کو مجبور کیا جائے گا کہ اس کو اپنی ملکیت سے بیع کو فسخ کئے بغیر بیع یا ہبہ وغیرہ کے ذریعہ نکال دے۔

دسوقی کہتے ہیں: حربوں کے ہاتھ سامان جنگ، ہتھیار یا گھوڑے یا زین کی بیع ممنوع ہے، اسی طرح ہر وہ چیز جس سے ان کو جنگ میں تقویت ملے مثلاً تانبا یا خیمہ یا خانگی ضروریات کی چیز۔ اور ان کو لوٹانے پر مجبور کیا جائے گا۔

اسی طرح شافعیہ میں سے قلیوبی نے صراحت کی ہے کہ جس شخص نے باندی ایسے شخص کے ہاتھ بیچی جو اس کو زنا پر مجبور کرے گا یا جانور ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کیا جو اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ لا دے گا تو حاکم کے لئے جائز ہے کہ ان دونوں کو مالک کی رضامندی کے بغیر زبردستی فروخت کر دے۔

حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ بیع باطل ہے، اس لئے کہ یہ ایسی چیز پر عقد ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی معصیت ہوگی، لہذا صحیح نہیں (۱)۔

ج۔ کسی دوسرے کی بیع پر بیع کرنا:

۱۱۸۔ اس کی صورتوں میں سے یہ ہے کہ فریقین سامان کے ثمن پر راضی ہو جائیں، پھر ایک دوسرا شخص آئے اور کہے: میں تمہیں اسی جیسا سامان اس سے کم ثمن میں فروخت کرنا ہوں، یا کہے: میں تمہیں اس سے بہتر سامان اسی ثمن میں یا اس سے کم ثمن میں فروخت کرنا ہوں، یا خریدار کو ایسا سامان دکھائے کہ خریدار اس میں راغب ہو، پھر اس بیع کو فسخ کر کے اس سامان کو خرید لے (۲)۔

(۱) حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر للذہری ۲/۷، حاشیہ اہلبی علی شرح الجلی

۲/۱۸۳، المصنوع ۲/۲۸۲، الانصاف ۲/۳۲۷، کشف القناع ۱۸۱/۳۔

(۲) فتح القدر ۱/۱۰۷، رد المحتار ۲/۳۲۷، شرح المنہج للبیہقی ۱/۳۹۱، المغنی

۲/۷۸، تجزیۃ المحتاج ۲/۳۱۲، کشف القناع ۲/۱۸۳۔

## بیع مہی عنہ ۱۱۹-۱۲۱

اس کا حکم:

(۱) بیع پر بیع لزوم بیع سے قبل ہو، اس لئے کہ خیاری مجلس یا خیاری شرط باقی رہتا ہے۔ اسی طرح لزوم کے بعد خیاری عیب کے زمانہ میں ہو اگر خریدار کسی عیب پر مطلع ہو جائے۔ ان کے نزدیک معتمد یہی ہے۔ اور حنابلہ کے اس قول کا مفہوم یہی ہے کہ بیع دونوں خیاریوں کے زمانہ میں ہو، لہذا اگر خیاری کے زمانہ کے گزرنے اور لزوم بیع کے بعد ہو تو حرام نہیں ہوگا، کیونکہ اب خریدار اس کو فسخ نہیں کر سکتا، اور نہ ہی اس کی کوئی وجہ ہے۔

(۲) یہ کہ بیع پر بیع اس کی اجازت کے بغیر ہو، جیسا کہ تقاضی زکریا نے کہا ہے۔ (یعنی پہلے فروخت کرنے والے نے اپنے بھائی کی بیع پر بیع کرنے والے کو اس کی اجازت نہ دی ہو)۔

حنفی نے دوسرے کی بیع پر بیع کی ممانعت میں یہ قید لگائی ہے کہ خریدار فروخت کرنے والے بیع پر رضی ہو چکے ہوں<sup>(۱)</sup>۔

۱۲۱- شافعیہ نے اس جزئیہ میں بعض فروعات و احکام ذکر کرتے ہوئے کہا ہے:

کہ حرمت ثابت ہے کہ خریدار اپنے سودے میں دھوکہ کھانے والا ہو، اس لئے کہ واجبی خیر خواہی بیع کے بغیر تعارف کر دینے سے حاصل ہو جاتی ہے۔ اور قلیوبی نے حرمت میں یہ قید لگائی ہے کہ باطنی رضا کا علم نہ ہو۔

بیع پر بیع کے مثل یہ ہے کہ فروخت کرنے والا خریدار کے ہاتھ زمانہ خیاری میں اسی جیسا سامان فروخت کرے جس کو اس نے خریدا ہے۔ اور ممانعت کی وجہ یہ اندیشہ ہے کہ خریدار خیاری کی وجہ سے پہلے سامان کو واپس کر دے، جیسا کہ امام شافعی نے اس کی صراحت کی ہے۔

۱۱۹- شافعیہ کا مذہب اور حنابلہ کے یہاں ایک احتمالی رائے یہ ہے کہ بیع حرام ہے، لیکن یہ بیع باطل نہیں بلکہ صحیح ہے، اس لئے کہ ممانعت کا تعلق ذات یا اس کے لازم سے خارج علت سے ہے، کیونکہ اس میں کوئی رکن یا شرط مفقود نہیں، ہاں ممانعت ایک متصل معنی کی وجہ سے ہے جو خارج ہے، لازم نہیں ہے، اور وہ معنی یہاں ایذا رسانی ہے۔ یہ شافعیہ کی توجیہ ہے۔

حنابلہ کی توجیہ یہ ہے کہ حرام یہ ہے کہ سامان خریدار کے سامنے پیش کرے یا اس سے ایسی بات کہے جس کی وجہ سے وہ بیع کو فسخ کر دے، اور یہ بیع سے مقدم ہے۔ نیز اس لئے کہ جب فسخ جس کی وجہ سے ضرر ہوا ہے صحیح ہے تو بیع جو مصلحت کو بروئے کار لانے والی ہے بدرجہ اولیٰ صحیح ہوگی، نیز اس لئے کہ ممانعت آدمی کے حق کی وجہ سے ہے، لہذا بیع ”نجش“ کے مشابہ ہو گیا۔

حنفی کا مذہب ہے کہ یہ اور اس جیسی بیوع مکروہ تحریمی ہیں۔ ابن اہمام نے کہا: یہ تمام کراہتیں تحریمی ہیں، گناہ ہونے میں ہمارے علم میں کوئی اختلاف نہیں، اس کی وجہ مذکورہ احادیث ہیں، نیز یہ کہ اس میں وحشت انگیزی اور ایذا رسانی ہے<sup>(۱)</sup>۔

حنابلہ کے یہاں مذہب یہ ہے کہ بیع جائز اور حرام ہے، یہ بیع صحیح نہیں ہے بلکہ باطل ہے، کیونکہ یہ ممنوع ہے کہ اس میں مسلمان کی ایذا رسانی اور اس کو بگاڑنا ہے، اور ممانعت کا تقاضا بگاڑ ہے<sup>(۲)</sup>۔

۱۲۰- شافعیہ اور حنابلہ نے بیع مہی عنہ میں حسب ذیل قیدیں لگائی ہیں:

(۱) تحفۃ المحتاج ۳/۳۱۳، شرح المکلی علی اسمہاج مع حاشیہ اعلیوی ۲/۱۸۳، ۱۸۴، کشف القناع ۳/۱۸۳، حاشیہ اشرافی علی تحفۃ المحتاج ۳/۳۱۳، شرح المصحح بحاشیہ الجمل ۳/۹۱، ابن ماجہ ۲/۱۳۲۔

(۱) فتح القدیر ۶/۱۰۶، ۱۰۷، تحفۃ المحتاج ۳/۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۳، شرح المکلی و حاشیہ اعلیوی ۲/۱۸۳، ۱۸۴، المغنی ۲/۲۷۸، ۲۷۹۔  
(۲) المغنی ۳/۲۷۸، کشف القناع ۳/۱۸۳، الانصاف ۳/۳۳۱۔



## بیع منہی عنہ ۱۲۲-۱۲۳

ثمن میں اس کو خرید لے۔ وہ صاحب وجاہت ہو اور اسی وجاہت کے سبب فروخت کرنے والا اس کے ہاتھ فروخت کر دے۔

۱۲۳- خریداری پر خریداری کی صورتوں میں سے یہ ہے کہ ایک شخص فروخت کرنے والے کو عقد فسخ کرنے کا حکم دے، تاکہ وہ اس کو اس سے زیادہ میں خریدے، یا ایک شخص فروخت کرنے والے کے پاس لزوم عقد سے پہلے آئے اور اس کی ہوئی چیز کا اس سے زیادہ ثمن دے جس میں اس کی خریداری ہو چکی ہے، تاکہ وہ عقد فسخ کر کے اس کے ساتھ عقد کر لے<sup>(۱)</sup>۔

حنفیہ نے اس خریداری یا مول بھاؤ کی ممانعت میں یہ قید لگائی ہے کہ خرید فروخت کرنے والے ثمن پر متفق یا راضی ہو چکے ہوں، یا فروخت کرنے والا خریدار کی طرف سے مقرر کردہ ثمن میں فروخت کرنے کی طرف مائل ہو گیا ہو۔ لیکن اگر اس کی طرف مائل یا اس سے راضی نہ ہو تو دوسرے کے لئے اس سے زیادہ ثمن میں خریدنے میں کوئی حرج نہیں، اس لئے کہ یہ نیلای والی بیع ہے۔ اور اس میں کوئی کراہت نہیں<sup>(۲)</sup>۔ جیسا کہ آئے گا۔

شافعیہ نے ممانعت میں یہ قید لگائی ہے کہ خریداری لزوم سے پہلے ہو یعنی زمانہ خیار میں (جیسا کہ تاضی کی تعبیر ہے)<sup>(۳)</sup> یا لزوم کے بعد ہو اور اس کو کسی عیب کی اطلاع مل گئی ہو (جیسا کہ دوسرے کی بیع پر بیع کی بحث میں گزرا)۔

حنابلہ کے یہاں بھاؤ پر بھاؤ کرنے کی چند صورتیں ہیں:

- (۱) بدائع الصنائع ۲/۵، فتح القدر ۶/۱۰۷، تحت المحتاج و حاجیہ الشروانی ۳/۳۱۳، شرح المنہج بحامیہ الجمل ۳/۹۱، المعنی ۳/۷۸، کشاف القناع ۳/۱۸۳، ۱۸۳۔
- (۲) الدر المختار ۳/۳۲، الہدایہ مع الشرح ۶/۱۰۷، تبیین الخلق ۳/۶۷، بدائع الصنائع ۲/۵۔
- (۳) شرح المنہج بحامیہ الجمل ۳/۹۱۔

دوسرے کی بیع پر بیع اس وقت تک ممنوع ہوگی جب تک انجام واضح نہ ہو جائے، یعنی بیع لازم ہو جائے یا خریدار خریدنے سے رک جائے۔ اگر وہ اعراض کر لے تو ممانعت کی مدت ختم ہو جائے گی، اور دوسرے کے لئے فروخت کرنا جائز ہو جائے گا۔

بیع پر بیع حرام ہونے ہی کے مثل بیع کے علاوہ دوسرے عقود ہیں مثلاً اجارہ، عاریت پر لینا، قرض لینا<sup>(۱)</sup>، بیہ لینا، مساقات، مزارعت، اور جعالہ ہے۔ حنابلہ نے کہا: یہ چیزیں حرام اور غیر صحیح ہیں، اگر پہلے کسی دوسرے کے لئے ہو چکی ہوں، یہ بیع پر قیاس کرتے ہوئے ہے، اس لئے کہ اس میں ایذا و رسانی ہے۔

بلکہ شافعیہ سے میں بر ماوی نے بھی صراحت کی ہے کہ جس کو کوئی کتاب (عاریتاً) احسان کے طور پر مطالعہ کے لئے دی گئی، تو دوسرے کے لئے حرام ہے کہ اس کے بارے میں کتاب والے سے درخواست کرے، یعنی کتاب والے سے کتاب مانگے کہ وہ بھی اس کا مطالعہ کرے گا۔ اس کی وجہ اس میں ایذا و رسانی ہے۔ اور انہوں نے اسی پر عاریت کے مکمل ہونے کے بعد پھر عاریت طلب کرنے کی علی الاطلاق بنیاد رکھی ہے<sup>(۲)</sup>۔

د- دوسرے کی خریداری پر مول تول کرنا اور خریدنا:

۱۲۲- جہاں تک بھاؤ پر بھاؤ کرنے کا تعلق ہے تو اس کی چند صورتیں یہ ہیں:

دو شخص مول بھاؤ کریں، فروخت کرنے اپنے سامان کا ثمن مانگے اور خریدار اس ثمن پر راضی ہو جائے، پھر دوسرا خریدار آجائے اور وہ پہلے بھاؤ میں دخل اندازی کر کے اور کچھ اضافہ کے ساتھ یا اسی

- (۱) تحت المحتاج مع حامیہ الشروانی ۳/۳۱۳، حامیہ التعلیوبی علی شرح المنہج ۲/۱۸۳۔
- (۲) کشاف القناع ۳/۱۸۳، حامیہ الشروانی علی تحت المحتاج ۳/۳۱۳۔

## بیع منہی عنہ ۱۲۴

اس کا حکم:

۱۲۴ - یہ خریداری یا مول تول ان صورتوں اور قیود کے ساتھ ممنوع اور سب کے نزدیک ناجائز ہے، لیکن جمہور کے نزدیک صحیح ہے۔ اور حنا بلہ کے نزدیک باطل ہے البتہ حنا بلہ کے یہاں ایک احتمالی رائے صحیح ہونے کی ہے، جیسا کہ جمہور کی رائے ہے۔ حنفیہ عدم جواز سے کراہت تحریمی مراد لیتے ہیں، حرام ہونا نہیں۔

الف - خریداری کی صحت کے ساتھ حرمت پر شافعیہ کے مذہب اور حنا بلہ کے یہاں احتمالی رائے کی دلیل یہ سابقہ حدیث ہے: ”لا بیع بعضکم علی بیع بعض“<sup>(۱)</sup> (تم میں سے کوئی دوسرے کی بیع پر بیع نہ کرے)۔ مٹلی نے کہا: اسی کے معنی میں خریداری پر خریداری ہے۔

بہوتی نے اشارہ کیا ہے کہ حرمت بیع پر قیاس کی وجہ سے ہے، نیز اس لئے کہ خریداری کو ”بیع“ کہا جاتا ہے۔

نیز اس میں ایذا ہے۔ مٹلی نے کہا: اس کی حرمت کی وجہ اس سے ممانعت سے واقف کو ایذا دینا ہے۔

نیز اس لئے کہ جب فسخ جس کی وجہ سے ضرر وجود میں آیا صحیح ہے تو بیع جو مصلحت کو حاصل کرانے والی ہے بدرجہ اولیٰ صحیح ہوگی، نیز اس لئے کہ ممانعت آدمی کے حق کی وجہ سے ہے، لہذا بیع نجش کے مشابہ ہوگا<sup>(۲)</sup>۔

ب - خریداری کی صحت کے ساتھ کراہت پر حنفیہ کی دلیل حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ حدیث ہے: ”أن رسول الله ﷺ نهى أن يتلقى الركبان، ولا يبيع حاضر لباد، وأن تسأل المرأة

اول: فروخت کرنے والے کی طرف سے فروخت کرنے پر رضامندی کی صراحت پائی جائے، تو اس صورت میں خریدار کے علاوہ بھاؤ کرنا حرام ہے۔

دوم: اس کی طرف سے کوئی ایسی چیز پائی جائے جس سے عدم رضامندی معلوم ہو تو بھاؤ کرنا حرام نہیں۔

سوم: اس کی رضامندی اور عدم رضا کی کوئی دلیل نہ پائی جائے تو بھی دوسرے کے لئے بھاؤ کرنا ناجائز ہوگا۔

چہارم: صراحت کے بغیر اس کی رضامندی کی کوئی دلیل پائی جائے تو ”قاضی“ نے کہا: بھاؤ کرنا حرام نہیں ہے، اور ابن قدامہ نے کہا: حرام ہے<sup>(۱)</sup>۔

اسی طرح شافعیہ نے یہ بھی قید لگائی ہے کہ وہ خریدار کی طرف سے اجازت کے بغیر ہو، لہذا اگر ان میں سے کسی ایک کی طرف سے اجازت ہو جائے تو حرام نہیں ہوگا، اس لئے کہ حق دونوں کا ہے اور دونوں نے اس کو ساقط کر دیا، نیز اس سابقہ حدیث کا مفہوم بھی یہی ہے: ”حتی یبتاع أو یذر“<sup>(۲)</sup> (تا آنکہ خریدے یا چھوڑ دے)۔

شافعیہ نے کہا ہے کہ معتبر مالک کی اجازت ہے۔ ولی، وصی یا وکیل کی نہیں اگر مالک کا اس میں ضرر ہو اور یہ کہ اجازت کے ساتھ جواز کی صورت یہ ہے کہ باطنی رضامندی پر دلالت حال پائی جائے۔ لیکن اگر اس کی عدم رضامندی اور اس بات پر دلالت ہو کہ اس نے تنگ آ کر اور غصہ میں اجازت دی ہے تو جائز نہیں ہوگا، جیسا کہ ان میں سے اذری نے کہا ہے<sup>(۳)</sup>۔

(۱) المغنی ۳/۲۳۶ طبع المریاض۔

(۲) حدیث فقہ ۱۱۸ کے تحت آجکی ہے نیز دیکھئے: حافیہ الشروانی علی تھتہ

النجاشی ۳/۳۱۵۔

(۳) حافیہ الشریعی علی شرح النجاشی ۳/۹۲، ۹۱۔

(۱) حدیث فقہ ۱۱۸ میں آجکی ہے۔

(۲) شرح مٹلی علی النجاشی ۳/۱۸۳، کشاف القناع ۳/۱۸۳،

المغنی ۳/۲۷۹۔

## بیع منہی عنہ ۱۲۵

کرنے سے متعلق بعض فروعات اور تفصیلات ہیں:

الف۔ حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ دوسروں کے مول بھاؤ پر مول کرنا مکروہ ہے، اگرچہ جس پر مول بھاؤ کیا جا رہا ہے وہ ذمی یا مستامن ہو، انہوں نے کہا: ”بھائی“ کا ذکر حدیث میں بطور قید نہیں، بلکہ مزید نفرت دلانے کے لئے ہے، اس لئے کہ مول پر مول کرنا وحشت انگیزی اور ایذا رسانی کا سبب ہے۔ اور یہ بھائی کے حق میں اور سخت منع ہے۔ اور یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ غیبت کے بارے میں یہ فرمان نبوی ہے: ”ذکرک أخاک بما یکرہ“<sup>(۱)</sup> (اپنے بھائی کا ذکر اس طرح پر کہ اس کو ناگوار ہو)، اس لئے کہ ظاہر ہے کہ ذمی کی بھی غیبت ممنوع ہے<sup>(۲)</sup>۔

شافعیہ نے کہا ہے کہ آدمی کا ذکر غالب استعمال کے طور پر ہے، جیسا کہ ”بھائی“ کی تخصیص اس کے ساتھ نرمی و مہربانی اور فوری آمدگی کے جذبہ کو ابھارنے کے لئے ہے، لہذا ان دونوں کے علاوہ کا حکم بھی وہی ہوگا۔ اور ذمی، معاہدہ اور مستامن مسلمان کی طرح ہوں گے، البتہ حربی اور مرتد اس سے خارج ہوں گے، لہذا ان پر حرام نہیں ہوگا<sup>(۳)</sup>۔

ب۔ مول پر مول کرنے کی ممانعت میں حنفیہ نے اجارہ کو بیع کے حکم میں رکھا ہے، کیونکہ اجارہ منافع کی بیع ہے<sup>(۴)</sup>۔ جیسا کہ حنابلہ نے بہت سے عقود مثلاً قرض، ہبہ وغیرہ کو بیع پر قیاس کرتے ہوئے اسی حکم میں شامل کیا ہے۔ اور یہ سب حرام اور غیر صحیح ہیں، اس لئے کہ ان میں ایذا رسانی ہے<sup>(۵)</sup>۔

طلاق آختہا، و عن النجش والتصریة، وأن یستام الرجل علی سوم آخیه“<sup>(۱)</sup> (رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا کہ سواروں سے (جو غلہ لے آتے ہیں) جا کر ملا جائے۔ اور شہری باہر والے کا مال بیچے، اور یہ کہ ایک عورت اپنی بہن (کسی اور عورت) کی طلاق کا مطالبہ کرے۔ اور قیمت بڑھا کر دھوکہ میں ڈالنے سے، تھن میں دودھ روکنے سے اور آدمی کے اپنے بھائی کے مول بھاؤ پر مول بھاؤ کرنے سے)۔

حنفیہ نے کہا ہے کہ یہ حدیث مول بھاؤ کرنے سے ممانعت میں صریح ہے، لہذا حدیث: ”لا بیع أحدکم علی بیع آخیه“ (کوئی اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے) میں لفظ بیع کو مجازاً بیع و شرا کو شامل قرار دینے کی کوئی ضرورت نہیں (جیسا کہ ابن الہمام نے وضاحت کی)۔ اس کی ضرورت اس وقت ہوتی جبکہ مول تول کرنے کی حدیث نہ آتی، نیز اس لئے کہ اس میں وحشت انگیزی اور ایذا رسانی ہے، لہذا مکروہ ہوگا۔

کاسانی نے کہا: ممانعت ایسی علت کی وجہ سے ہے جو بیع کے علاوہ میں ہے۔ اور وہ ایذا رسانی ہے، لہذا نفس بیع مشروع ہوگی اور اس کا خریدنا جائز ہوگا البتہ مکروہ ہوگا<sup>(۲)</sup>۔

ج۔ تحریم و باطل ہونے پر حنابلہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ ممنوع ہے، اور ممانعت کا تقاضا فساد ہے<sup>(۳)</sup>۔

۱۲۵۔ ذیل میں مول بھاؤ اور دوسروں کی خریداری پر خریداری

(۱) حدیث: ”لہی أن یصلی الرکبان.....“ کی روایت بخاری (فتح ۳/۵۱۳)

(۲) طبع المستقیم اور مسلم (۳/۱۱۵، طبع المصنف) نے کی ہے الفاظ بخاری کے

ہیں۔

(۳) فتح القدر ۶/۱۰۸، تبیین الحقائق ۶/۶۷، بدائع الصنائع ۲۳۲/۵۔

(۴) المغنی ۳/۲۷۸، نیز اس میں تفصیل، وجوہات اور چاروں صورتیں دیکھی

جائیں۔

(۲) الدر المختار ررد المحتار ۳/۱۳۲۔

(۳) شرح المنہج و جامعہ اشمل ۳/۹۰۔

(۴) رد المحتار ۳/۱۳۲۔

(۵) کشاف القناع ۳/۱۸۳۔

## بیع منہی عنہ ۱۲۶-۱۲۷

سے ما واقف ہو، حالانکہ اس صورت میں اس کی کوئی کوتاہی نہیں ہے۔ اور اس میں اور غبن میں کوئی فرق نہیں ہے، اس لئے کہ لحاظ ضرر ہونے کا ہے۔ اور انہوں نے اشارہ کیا ہے کہ یہ غور کا مقام ہے۔ اور ان کی رائے ہے کہ خیر خواہی کے وجوب کا تقاضا ہے کہ دھوکہ کھانے والے کو بتا دیا جائے اگرچہ دھوکہ اس کی کوتاہی سے پیدا ہوا ہو، لیکن نصیحت فروخت کے بغیر صرف بتا دینے سے حاصل ہو سکتی ہے (۱)۔

۱۲۶- فقہاء نے اس سے بولی بول کر نیلامی کی بیع کو مستثنیٰ کیا ہے، اس کو بیع دلالت کہا جاتا ہے (۲)۔ اور ”مزایدہ“ بھی کہا جاتا ہے۔ فقہاء نے اس کو خرید پر خرید اور مول پر مول سے مستثنیٰ کیا ہے۔

اس کی صورت یہ ہے کہ سامان کی نیلامی کی جائے اور لوگ ایک دوسرے سے بڑھا کر بولی بولیں، تا آنکہ آخری زائد حد پر رک جائے اور اسی میں اس کو لے لے۔

یہ بیع باتفاق امت مسلمہ جائز ہے جیسا کہ حنابلہ نے صراحت کی ہے۔ انہوں نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، مگر وہ نہیں کہا ہے۔ شافعیہ نے اس میں دو قیدیں لگائی ہیں: یہ کہ اس میں کسی کو ضرر پہنچانے کا قصد نہ ہو، اور خریدنے کے ارادہ سے ہو، ورنہ دام بڑھانا حرام ہوگا، اس لئے یہ ”نجش“ (قیمت بڑھا کر دھوکہ میں ڈالنا) ہے (۳)۔

۱۲۷- نیلامی کی بیع کے جواز کی دلیل:

حضرت انس بن مالکؓ کی روایت میں ہے کہ ایک انصاری سوال کرنے آئے تو حضور ﷺ نے ان سے فرمایا: ”ما فی بیتک شیء؟“ قال: بلی! حلس یلبس بعضہ، ویبسط

ح۔ شافعیہ میں سے ماوردی نے خریداری پر خریداری کے حکم میں اس صورت کو بھی رکھا ہے کہ عقد کے لازم ہونے سے پہلے (فروخت کرنے والے کی موجودگی میں) خریدار سے سامان کو زیادہ قیمت میں مانگنا حرام ہے، کیونکہ اس کے نتیجے میں عقد فسخ ہوگا یا ندامت ہوگی۔

و۔ اسی طرح شافعیہ نے حرمت کے بارے میں ماوردی کے کلام پر اس صورت کو قیاس کیا ہے کہ ایک شخص فروخت کرنے والے سے زمانہ خیار میں فروخت شدہ سامان کی جنس کی کوئی چیز اس شخص سے زیادہ میں طلب کرے جس پر بیع ہوئی ہے، خاص طور پر اگر اس سے اتنی مقدار کا مطالبہ کرے جو فروخت شدہ چیز کے ملے بغیر پوری نہ ہو۔ انہوں نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ مذکورہ صورت حرام ہے، خواہ بچی ہوئی چیز اپنی قیمت کو پہنچے یا نہ پہنچے۔ ان کے نزدیک معتمد یہی ہے۔

و۔ نیز انہوں نے خریداری میں دھوکہ کھانے والے کو اس کے غبن سے آگاہ کرنے کے مسئلہ پر بحث کی، چنانچہ ابن حجر نے صراحت کی ہے کہ اس میں کوئی ممانعت نہیں ہے، کیونکہ یہ واجب خیر خواہی ہے، لیکن انہوں نے کہا: ظاہر یہ ہے کہ اس کا عمل ایسا غبن ہے جو فروخت کرنے والے کے دھوکہ دینے وغیرہ سے پیدا ہوا، لہذا وہ اس کی ضرر رسانی کی پرواہ نہ کرے گا، اس لئے کہ وہ گنہ گار ہے، برخلاف اس صورت کے جبکہ فروخت کرنے والے کی کوتاہی کے بغیر پیدا ہو، اس لئے کہ فسخ میں اس کا ضرر ہے اور ضرر کا ازالہ ضرر سے نہیں ہوتا۔

شروانی نے صراحت کی ہے کہ اگر دوسرے خریدار کو بچی ہوئی چیز میں کسی عیب کا علم ہو جائے تو اس کے خریدار کو اس کی خبر دینا واجب ہے، اور یہ اس صورت میں صادق آتا ہے جبکہ فروخت کرنے والا عیب

(۱) تحفۃ المحتاج و جامعہ الشروانی ۳/۳۱۳، ۳۱۵۔

(۲) الدر المختار ۳/۳۳۳۔

(۳) القوائین المکھیہ ۵/۱۷۵، الدر المختار ۳/۳۳۳، تحفۃ المحتاج ۳/۳۱۳، المغنی

۳/۹۲، کشاف القناع ۳/۱۸۳، جامعہ الحرمین علی مشروع الصحیح ۳/۹۱۔

## بیع منہی عنہ ۱۲

نے وہ دونوں اس کو دے دیئے اور دو درہم لے لئے۔ اور درہم انصاری کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا: ایک درہم کا غلہ خرید کر اپنے گھر والوں کو دے آؤ۔ اور دوسرے درہم کا کلہاڑا خرید کر میرے پاس لاؤ، وہ لے کر آئے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اس میں لکڑی (دستہ) لگایا، اور پھر ان سے فرمایا: جاؤ لکڑیاں اکٹھا کرو اور بیچو، اور میں تمہیں پندرہ روز تک نہ دیکھوں۔ وہ گئے اور لکڑی جمع کرتے اور فروخت کرتے رہے۔ آئے تو ان کے پاس دس درہم تھے۔ کچھ سے کپڑا خریدا، کچھ سے غلہ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تمہارے لئے اس سے بہتر ہے کہ یہ مانگنا قیامت کے دن تمہارے چہرہ پر داغ بن کر آئے۔ سوال کرنا صرف تین اشخاص کے لئے درست ہے: سخت فقر والے یا خوف ناک قرض میں مبتلا شخص کے لئے یا تکلیف دہ خون والے کے لئے (یعنی خون بہا کے لئے)۔

کاسانی نے اس حدیث کے تحت لکھا ہے: رسول اللہ ﷺ مکروہ بیع کر ہی نہیں سکتے تھے<sup>(۱)</sup>۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ مسلمان بازاروں میں نیلامی کی بیع کرتے رہے ہیں<sup>(۲)</sup>۔

یہ فقراء کی بیع ہے جیسا کہ کاسانی نے کہا اور اس کی ضرورت ہے<sup>(۳)</sup>۔

نیز اس لئے کہ ممانعت محض بیع کی حالت میں مول کرنے سے وارد ہے، اور نیلامی کی حالت بیع سے خارج ہے<sup>(۴)</sup>۔ ”مزایدہ“ کے احکام کی تفصیل اس کی اپنی اصطلاح میں ہے۔

بعضہ، وقعب يشرب فيه الماء، قال: اتني بهما، فأتاه بهما، فأخذهما رسول الله ﷺ وقال: من يشتري هذين؟ فقال رجل: أنا أخذهما بدرهم، قال: من يزيد علي درهم؟ مرتين أو ثلاثا، فقال رجل: أنا أخذهما بدرهمين، فأعطاهما إياه، وأخذ الدرهمين، فأعطاهما الأنصاري، وقال: اشتر بأحدكما طعاما فانبذه إلي أهلک، واشتر بالآخر قلوبا، فأتني به. فأتاه به، فشد رسول الله ﷺ عودا ببیده، ثم قال له: اذهب فاحتطب وبع، ولا أرينک خمسة عشر يوما، فذهب الرجل يحتطب ويبيع، فجاء وقد أصاب عشرة دراهم، فاشترى ببعضها ثوبا، وببعضها طعاما، فقال له رسول الله ﷺ:

هذا خير لك من أن تجيء المسألة نكتة في وجهك يوم القيامة. إن المسألة لا تصلح إلا لثلاثة: لذي فقر مدقع، أو لذي غرم مفظع، أو لذي دم موجه“<sup>(۱)</sup>

(تمہارے گھر میں کچھ نہیں ہے؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں، ایک ٹاٹ ہے جس کا کچھ حصہ ہم اپنے بدن پر ڈالتے ہیں اور کچھ حصہ بچھا لیتے ہیں، اور ایک قعب ہے جس میں پانی پیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ان دونوں کو میرے پاس لاؤ، وہ لے کر آئے، آپ ﷺ نے ان دونوں کو لے کر فرمایا: انہیں کون خریدے گا؟ ایک آدمی نے کہا: میں ان کو ایک درہم میں خریدوں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک درہم سے کوئی بڑھائے گا؟ دو یا تین بار آپ ﷺ نے یہی فرمایا۔ تو ایک شخص نے کہا: میں ان کو دو درہم میں لوں گا۔ آپ

(۱) بدائع الصنائع ۵/۲۳۲۔

(۲) کشاف القناع ۳/۱۸۳۔

(۳) الہدایہ مع الشروح ۶/۱۰۸، تبیین الحقائق ۳/۶۷، ۶۸۔

(۴) کشاف القناع ۳/۱۸۳۔

(۱) حدیث: ”إن المسألة لا تصلح.....“ کی روایت احمد (۳/۱۱۳ طبع المیزب) نے کی ہے، ابن حجر نے کہا: ابو بکر خنی کی حالت مجہول ہونے کی وجہ سے ابن تظان نے اس کو معلول کہا ہے اور بخاری کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اس کی حدیث صحیح نہیں، (تفہیم المیر ۱۵۳ طبع شرکت المطبعات الغریب)۔

## بیع منہی عنہ ۱۲۸

ھ۔ نجش:

کرو (جو نلہ لاتے ہیں)، کوئی دوسرے کی بیع پر بیع نہ کرے، ایک دوسرے کو نجش (دھوکہ) نہ دو، شہری باہر والے کے لئے بیع نہ کرے۔ اور بکری کے تھن میں دو دھ جمع نہ کرو)۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں ہے: ”أن رسول اللہ ﷺ نهى عن النجش“ (۱) (رسول اللہ ﷺ نے نجش (قیمت بڑھا کر دھوکہ میں ڈالنے سے) سے منع فرمایا ہے)۔

الف۔ جمہور فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ یہ حرام ہے، اس لئے کہ اس کی ممانعت ثابت ہے جیسا کہ گزرا، نیز اس میں مسلمان کو دھوکہ دینا ہے جو حرام ہے۔

ب۔ حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ مکروہ تحریمی ہے اگر سامان اپنی قیمت کے مطابق ہو، ہاں اگر اپنی قیمت کے مطابق نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے، اس لئے کہ خداع (دھوکہ) نہیں ہوا (۲)۔

یہ اس کا شرعی حکم ہے۔ اور اس کا قانونی حکم یہ ہے:

الف۔ جمہور فقہاء یعنی حنیفہ، شافعیہ نیز حنابلہ کے یہاں صحیح مذہب یہ ہے کہ بیع صحیح ہے، اس لئے کہ نجش مانع کا فعل ہے، عقد کرنے والے کا نہیں، لہذا وہ بیع میں اثر انداز نہ ہوگا۔ اور ممانعت آدمی کے حق کے لئے ہے، لہذا وہ عقد کو فاسد نہ کرے گا جیسے سواروں سے ملاقات کرنا، اور عیب دار اور عیب چھپائے ہوئے سامان کی بیع۔

برخلاف اس صورت کے، جبکہ اللہ کا حق ہو، اس لئے کہ بندہ کے حق کی تلافی اختیار یا ثمن میں اضافہ کے ذریعہ ہو جاتی ہے۔

ب۔ امام مالک کا مذہب اور امام احمد سے ایک روایت ہے کہ بیع نجش صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ یہ ممنوع ہے، اور ممانعت کا

(۱) حدیث: ”نهى عن النجش.....“ کی روایت مسلم (۱۱۵۶/۳ طبع مجلس) نے کی ہے۔

(۲) المغنی ۳/۲۷۸، القوانین المکویہ ۱/۵۷، تحفۃ الحاج ۳/۳۰۸، ۳۱۵، الدر المختار ۳/۳۳۲، الہدایۃ مع فتح القدر والعتابہ ۱/۶۶۔

۱۲۸۔ نجش جیم کے سکون کے ساتھ مصدر، اور جیم کے فتح کے ساتھ اسم مصدر ہے (۱)۔ اور اس کے لغوی معانی میں سے بھڑکانا ہے۔ کہا جاتا ہے: جب کوئی شخص پرندہ کو اس کی جگہ سے بھڑکائے۔ فیومی نے کہا: نجش الرجل ینجش نجشاً: سامان کی قیمت کو بڑھانا، حالانکہ خریداری کا ارادہ نہ ہو، محض دوسروں کو دھوکہ دینا اور اس میں پھنسانا ہو، اسی طرح نکاح وغیرہ میں ہوتا ہے۔

نجش کی اصل استتار (چھپنا) ہے، اس لئے کہ نجش کرنے والا اپنے ارادہ کو چھپاتا ہے۔ اور اسی سے شکاری کو ”مانجش“ کہا جاتا ہے، اس لئے کہ وہ چھپتا ہے (۲)۔

فقہاء نے اس کی تعریف یہ کی ہے کہ ایک شخص قیمت بڑھائے جبکہ خریدنے کا ارادہ نہ ہو، محض دوسروں کو ترغیب دینے کے لئے ہو، یا بکی ہوئی چیز کی بلاوجہ تعریف کرے، تا کہ اس کی شہرت ہو (۳)۔

حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں اس سے ممانعت وارد ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لا تلتقوا الرکبان، ولا بیع بعضکم علی بیع بعض، ولا تناجشوا، ولا بیع حاضر لباد، ولا تصروا الغنم“ (۴) (سواروں سے ملاقات نہ

(۱) الدر المختار ۳/۳۳۲، تمییز الحقائق ۳/۶۷، فتح القدر ۶/۱۰۷، شرح الدرر ۳/۶۷، حاشیہ الشروانی علی تحفۃ الحاج ۳/۳۱۵، حاشیہ الجمل علی شرح المنج ۳/۹۲۔

(۲) المصباح الممیر مادۃ ”نجش“۔

(۳) الہدایۃ مع الشروح ۶/۱۰۶، بولع الصالح ۵/۲۳۳، ابن حابدین ۳/۳۳۲، شرح الکبیر للدرر ۳/۶۸، شرح الخرشنی ۵/۸۲، تحفۃ الحاج ۳/۳۱۵، شرح المغنی علی المنج ۳/۱۸۳، المغنی ۳/۲۷۸۔

(۴) حدیث: ”لا تلتقوا الرکبان ولا بیع بعضکم علی بعض.....“ کی روایت بخاری (فتح ۳/۳۶۱ طبع المستوفی) اور مسلم (۱۱۵۵/۳ طبع المجلس) نے کی ہے اور الفاظ بخاری کے ہیں۔

## بیع منہی عنہ ۱۲۹ - ۱۳۰

تقاضا فساد ہے۔ خلیل نے کہا: جیسے ”تلقی سلع“ یا صاحب سلع سے تلقی۔ اور مالکیہ

میں ابن جزئی کی تعبیر ”تلقی السلع“ ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کی تعبیر ”تلقی رکبان“ ہے۔

تلقی: اس شہر سے باہر جانا ہے جہاں خوراک<sup>(۱)</sup> وغیرہ لائی جاتی ہے۔

جلب (جیم اور لام پر فتح کے ساتھ) جالب کے معنی میں ہے، یا مجلوب کے معنی میں، لہذا وہ ”فعل“ بمعنی مفعول ہوا<sup>(۲)</sup>۔ اور مجلوب وہ ہے جس کو ایک شہر سے دوسرے شہر میں لایا جائے۔ مالکیہ کی تعبیر میں ”تلقی سلع“ سے یہی مراد ہے۔

اسی طرح لفظ ”رکبان“ (شافعیہ اور حنابلہ کی تعبیر میں) راکب کی جمع ہے۔ اور اس لفظ کے ذریعہ تعبیر غالب استعمال کے مطابق ہے۔ مراد آنے والا ہے کو کہ تنہا ہو یا پیدل ہو<sup>(۳)</sup>۔

## تلقی کا شرعی حکم:

۱۳۰ - جمہور فقہاء کے نزدیک بیع تلقی حرام ہے، اس لئے کہ اس فرمان نبوی میں اس کی ممانعت وارد ہے: ”لا تلتقوا الجلب، فمن تلقاه فاشترى منه، فإذا أتى سيده (أي صاحبه) السوق فهو بالخيار“<sup>(۴)</sup> (آگے جا کر باہر سے مال لانے والوں سے نہ ملو۔ اگر کوئی آگے جا کر ملے اور مال خرید لے پھر مال کا مالک بازار میں آئے تو اس کو اختیار ہوگا)۔

(۱) دیکھئے: المشرح الکبیر للردی و حاشیہ ۷۰/۳۔

(۲) المصباح لمیر مادہ ”جلب“، الدر المنثور و رد المحتار ۱۳۲/۳۔

(۳) تحفۃ المحتاج ۳/۱۱۳، فتح القدر ۶/۱۰۷، بدائع الصنائع ۲۳۲/۱۵، رد المحتار

۱۳۲/۳، حاشیہ اعلیٰ علی تبیین الحقائق ۶۸/۳۔

(۴) حدیث: ”لا تلتقوا الجلب.....“ کی روایت مسلم (۳/۱۱۵ طبع النسخی)

نے کی ہے۔

تاہم فقہاء نے اس بیع میں فسخ کرنے کا اختیار ملنے کی صراحت کی ہے:

چنانچہ مالکیہ نے کہا: اگر فروخت کرنے والے کو نجش کرنے والے کا علم ہو اور وہ خاموش رہے، تو خریدار کو بکی ہوئی چیز رد کرنے کا اختیار ہوگا اگر وہ چیز باقی ہو، اور وہ اس کو روک بھی سکتا ہے، لیکن اگر بکی ہوئی چیز فوت ہو چکی ہو تو واجب قبضہ کے دن کی قیمت ہے، اگر وہ چاہے، اور اگر چاہے تو نجش کا ثمن ادا کر دے۔

اور اگر بائع کو نجش کرنے والے کا علم نہ ہو تو خریدار کو کچھ کہنے کا حق نہیں ہے، اور بیع فاسد نہ ہوگی، اور گناہ ایسا کرنے والے پر ہوگا، یہ شافعیہ کے نزدیک ایک قول ہے، کیونکہ انہوں نے ساز باز کرنے پر خریدار کے لئے اختیار بتایا ہے۔

جبکہ شافعیہ کے یہاں اصح یہ ہے کہ خریدار کے لئے اختیار نہیں ہے، اس لئے کہ اس کی کوتاہی ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں: بیع صحیح ہے، خواہ نجش بائع کی جانب سے ساز باز سے ہو یا نہ ہو، لیکن اگر بیع میں ایسا غبن ہے جو عادتاً نہیں چلتا، تو خریدار کو فسخ کرنے اور نافذ کرنے کا اختیار ہے جیسا کہ ”تلقی رکبان“ میں، اور اگر اس جیسا غبن چلتا ہو تو اس کے لئے اختیار نہیں ہوگا<sup>(۱)</sup>۔

اس سلسلہ میں تفصیلی احکام ہیں، جن کو اصطلاح ”نجش“ میں دیکھا جائے۔

## و- ”تلقی جلب“ یا ”رکبان“ یا ”سلع“:

۱۲۹ - حنفیہ کی تعبیر ”تلقی جلب“ اور مالکیہ کی تعبیر ”تلقی سلع“ ہے۔

(۱) المغنی ۳/۲۷۸، المشرح الکبیر للردی و حاشیہ الدسوقی ۶۸/۳، شرح الخرشنی

۸۲/۵، ۸۳، شرح کفای علی المصباح ۱۸۲/۳، تحفۃ المحتاج ۳/۱۶۶۔

## بیع منہی عنہ ۱۳۱-۱۳۲

سے نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق ایک طرح کے دھوکہ سے ہے، جس کی تلافی خیار ثابت کر کے ممکن ہے، لہذا یہ بیع مصراۃ کے مشابہ ہے، اور بیع الحاضر للبادی (شہری کا دیہاتی کے لئے بیچنے) سے الگ ہے، اس لئے کہ اس کی تلافی خیار کے ذریعہ ممکن نہیں ہوتی ہے، اس لئے کہ ضرر اس کا نہیں بلکہ مسلمانوں کا ہے۔

امام احمد سے ایک دوسری روایت یہ ہے کہ تعلق فاسد ہوگی، اس کی وجہ ظاہر ممانعت ہے۔ ابن قدامہ نے کہا: پہلا قول زیادہ صحیح ہے (۱)۔

## ز- شہری کی دیہاتی سے فروخت:

۱۳۲- متعدد احادیث میں اس سے ممانعت وارد ہے، مثلاً حضرت جابرؓ کی مرفوع روایت ہے: ”لا یبیع حاضر لباد، دعوا الناس یرزق اللہ بعضهم من بعض“ (۲) (شہری باہر والے کے لئے نہ بیچے، لوگوں کو چھوڑ دو، اللہ تعالیٰ ایک کو دوسرے سے روزی دیتا ہے)۔

”بیع الحاضر للبادی“ سے مراد کیا ہے؟ اس کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، جمہور کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ شہری باہر والے کا دلال ہو، اس سے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اس کے نتیجے میں زرخ اوپر اٹھنے کی وجہ سے اہل شہر کو نقصان پہنچے گا۔ اس کی اور بھی تشریح کی گئی ہے۔ اور ممانعت کے لئے جواز اور عدم جواز اور صحت یا باطل ہونے کے لحاظ سے کچھ شرائط اور تفصیلات ہیں۔

اس کو اصطلاح ”بیع الحاضر للبادی“ میں دیکھا جائے۔

حنفی کی رائے ہے کہ تعلق مکروہ ہے، اس لئے کہ اس میں ضرر یا غرر ہے، یا جیسا کہ کاسانی نے کہا: اس لئے کہ بیع اپنی ذات میں مشروع ہے، اور ممانعت دوسری چیز میں ہے۔ یعنی پہلی تفسیر کے مطابق (جس کو ہم نے ان کے نزدیک ذکر کیا ہے) عام لوگوں کو نقصان پہنچانا، اور دوسری تشریح کے مطابق سامان کے مالکین کو دھوکہ دینا ہے، لہذا اگر ضرر یا غرر نہ ہو تو کوئی حرج نہیں ہے، اور نہ ہی مکروہ ہے، جیسا کہ مرغینانی، کرلانی، کاسانی، زبیلی اور حصکمی نے اس کی صراحت کی ہے، اس لئے کہ اس میں ضرر نہیں ہے (۱)۔

لہذا ابن قدامہ کا یہ قول کہ امام ابوحنیفہ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنا زیادہ واجب ہے (۲)، علی الاطلاق نہیں ہے۔ اور مکروہ بیوع کا فسخ کرنا ان دونوں میں سے ہر ایک پر واجب ہے، تاکہ گناہ کا خاتمہ ہو، اور کراہت ان کے نزدیک مطلق ہونے کے وقت حرمت کے لئے ہے، جیسا کہ یہاں ہے اور جیسا کہ ہر مکروہ بیع میں ہے۔

## تعلق کا قانونی حکم:

۱۳۱- جمہور فقہاء کے نزدیک بیع تعلق صحیح ہے، اور اس کی وجہ سے عقد فسخ نہ ہوگا۔ ابن قدامہ نے ابن عبدالبر سے نقل کیا ہے کہ ہر ایک کے قول کے مطابق بیع صحیح ہے۔ اور صحت کی توجیہ یہی ہے کہ: حضرت ابوہریرہ کی سابقہ حدیث میں ”خیار“ کا اثبات ہے۔ اور خیار صرف عقد صحیح میں ہی ہو سکتا ہے۔

اور اس لئے کہ ممانعت فروخت شدہ چیز میں موجود صحت کی وجہ

(۱) المغنی ۳/۲۸۱، ۲۸۲۔

(۲) حدیث: ”لا یبیع حاضر لباد.....“ کی روایت مسلم (۳/۱۱۵ طبع علمی) نے کی ہے۔

(۱) بدائع الصنائع ۵/۲۳۲، الہدایہ وشرح النہایہ ۶/۱۰۷، تمییز الحقائق

۶۸، الدر المختار ۳/۱۳۲۔

(۲) المغنی ۳/۲۸۱، الدر المختار ۳/۱۳۲۔



## بیع منہی عنہ ۱۳۳۳

ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

حضرت سائب بن یزید سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: "کان النداء يوم الجمعة أوله إذا جلس الإمام على المنبر، على عهد رسول الله ﷺ و أبي بكر وعمر رضي الله عنهما، فلما كان عثمان رضي الله عنه وكثير الناس، زاد النداء الثالث على الزوراء" (حضور ﷺ کے زمانہ میں، اور حضرت ابو بکر و عمر کے زمانہ میں جمعہ کے دن پہلی اذان اس وقت ہوا کرتی تھی جب امام (خطبہ کے لئے) منبر پر بیٹھتا تھا، حضرت عثمان کے زمانہ میں جب لوگ بہت ہو گئے تو انہوں نے "زوراء" پر تیسری اذان کا اضافہ کیا)۔

ایک روایت میں الفاظ ہیں: "زاد الثاني" (دوسری اذان کا اضافہ کیا)۔

ایک اور روایت میں ہے: "على دار في السوق، يقال لها: الزوراء" (۱) (بازار میں ایک مکان پر جس کو "زوراء" کہا جاتا ہے)۔ اور ہمارے زمانہ میں پہلی اذان کو تیسری اذان کہنا اس لئے ہے کہ اقامت کو (جیسا کہ ابن الہمام کہتے ہیں) اذان کہا جاتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے: "بين كل أذانين صلاة" (۲) (ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے)۔

نیز اس لئے کہ اس اذان کے وقت خرید و فروخت نماز سے

نوع دوم: وہ اسباب جن کے نتیجے میں دینی یا خالص عباداتی مخالفت لازم آئے:

الف- اذان جمعہ کے وقت بیع:

۱۳۳۳ ستر آن کا حکم ہے کہ جمعہ کے دن نداء (اذان) کے وقت بیع ترک کر دی جائے۔ فرمان باری ہے: "يا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ، ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ" (۱) (اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن اذان کہی جائے نماز کے لئے تو چل پڑا کرو اللہ کی یاد کی طرف اور خرید و فروخت چھوڑ دیا کرو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو)۔

بیع ترک کرنے کا حکم اس کی ممانعت ہے۔

اس نص کی وجہ سے بیع کے حرام ہونے میں فقہاء کا اختلاف نہیں ہے۔

البتہ جمعہ کی دو اذانیں ہیں، ان میں سے کس اذان کے وقت کو بیع سے ممانعت کا محل مانا جائے گا؟

الف- اس سلسلے میں جمہور فقہاء کی رائے جن میں سے بعض حنفیہ مثلاً طحاوی بھی ہیں، یہ ہے کہ یہ وہ اذان ہے جس کا تعامل جاری ہے، اور رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں صرف یہی اذان تھی یعنی جمعہ کی وہ اذان جو منبر کے سامنے اس وقت ہوتی ہے جب امام منبر پر موجود ہوتا ہے، لہذا "نداء" سے یہی اذان مراد ہوگی۔ اور اسی وجہ سے مالکیہ اور حنابلہ نے اس کو اذان ثانی کے ساتھ مقید کیا ہے (۲)۔

(۱) سورہ جمعہ/۹۔

(۲) الہدایہ مع الشرح ۳۸/۲، شرح المنہج للبحرانی ۵۳/۲، شرح الخرشنی ۹۰/۲، التوابع القدریہ ۵۷/۲، نیز دیکھئے: کشاف القناع

(۱) حدیث: "السائب بن یزید....." کی روایت بخاری (فتح ۳۹۳/۲ طبع الاستقیر) نے کی ہے دوسری روایت بخاری (۳۹۶/۲) نے کی ہے، اور تیسری روایت ابن ماجہ (۲۵۹/۱ طبع المجلس) نے کی ہے نیز دیکھئے: فتح القدر شرح الہدایہ ۳۸/۲۔

(۲) حدیث: "بين كل أذانين صلاة....." کی روایت بخاری (فتح ۱۱۰/۲ طبع الاستقیر) اور مسلم (۵۷۳/۱ طبع المجلس) نے کی ہے نیز دیکھئے: فتح القدر ۳۸/۲۔

## بیع منہی عنہ ۱۳۴-۱۳۵

پہلے بھی وقت ہے (۱)، کیونکہ امام احمد کے نزدیک جمعہ کا وقت ایک نیزہ سورج کے بلند ہونے سے ظہر کے آخری وقت تک ہے۔

### اس کا شرعی حکم:

۱۳۴- جمہور فقہاء کے نزدیک اذان کے وقت خرید و فروخت سے ممانعت تحریمی ہے، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے اس کی صراحت کی ہے۔

جبکہ حنفیہ نے لکھا ہے کہ ممانعت کا کم از کم درجہ کراہت ہے، اور یہ کہ ترک بیع واجب ہے، لہذا وہ مذہب کے مطابق طرفین یعنی فروخت کرنے والے اور خریدار کی طرف سے مکروہ تحریمی ہے۔ اس پر حرام کا اطلاق صحیح ہے جیسا کہ مرغینانی کی تعبیر ہے، اور اس کو ترک کرنا فرض ہے جیسا کہ شربلالی کی تعبیر ہے (۲)۔

### اس بیع کی حرمت کی قیود:

۱۳۵- تحریم یا کراہت کی متقاضی یہ ممانعت چند قیود کے ساتھ مقید ہے:

الف- بیع میں مصروف شخص ان لوگوں میں سے ہو جن پر جمعہ لازم ہے، لہذا عورت، بچہ، اور مریض پر بیع حرام نہیں ہے بلکہ حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ اس ممانعت سے وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جن پر جمعہ واجب نہیں ہے (۳)۔

(۱) المغنی ۲/۱۳۵۔

(۲) دیکھئے: التوائین القہریہ ص ۵۷، شرح المنہج بحامیہ الجمل ۲/۵۳، کشاف القناع ۳/۱۸۰، حامیہ اللہی علی تبیین الحقائق ۲/۶۸، حامیہ الطحاوی علی مرآۃ الفلاح ۲/۲۸۲، نیز دیکھئے الدر المختار ۲/۱۳۱، انہوں نے کراہت تحریمی سے تعبیر کیا ہے الہدایہ مع الشرح ۲/۳۸۔

(۳) حامیہ الطحاوی علی مرآۃ الفلاح ۲/۲۸۲، شرح المنہج بحامیہ الجمل ۲/۵۳، المغنی ۲/۱۳۶، الدر المختار رور المختار ۲/۱۳۲۔

بٹا دے گی، اور پوری یا بعض نماز کے فوت ہونے کا ذریعہ بنے گی (۱)۔

ب- حنفیہ کے نزدیک قول اصح اور مختار اور اسی کو شمس لائمر نے اختیار کیا ہے، یہ ہے کہ ممنوع پہلی اذان کے وقت بیع ہے جو منارہ پر ہوتی ہے، اور اسی اذان کے وقت جمعہ کے لئے سعی کرنا واجب ہوتا ہے۔ اور اسی کو حسن نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے، اگر وہ اذان زوال کے بعد ہو۔

اس کی توجیہ انہوں نے یہ کی ہے کہ اطلاع اور خبر دینا اسی کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے، نیز اگر وہ منبر کے پاس اذان کا انتظار کرے تو سنت کی ادائیگی اور خطبہ کا سننا رہ جائے گا۔ بسا اوقات جمعہ بھی چھوٹ سکتا ہے اگر اس کا گھر جامع مسجد سے دور ہو۔

بلکہ طحاوی نے طحاوی کی رائے کے متعلق صاحب "البحر" کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ ضعیف ہے (۲)۔

ج- امام احمد سے ایک روایت ہے جس کو "تقاضی" نے نقل کیا ہے کہ بیع زوال شمس سے حرام ہو جاتی ہے کہ امام منبر پر نہ بیٹھا ہو۔ یہ روایت حنفیہ کے مذہب سے قریب ہے، لیکن ابن قدامہ کا فیصلہ ہے کہ یہ چند وجوہ سے صحیح نہیں جو یہ ہیں:

اللہ تعالیٰ نے خرید و فروخت کی ممانعت کو اذان پر معلق کیا ہے، وقت پر نہیں اور اس لئے کہ اس کا مقصد جمعہ کو پانا ہے۔ اس کا حصول منبر پر امام کے بیٹھنے کے فوراً بعد والی اذان سے ہوگا، نہ کہ اس سے جس کا ذکر "تقاضی" نے کیا ہے، یعنی زوال آفتاب سے، اگرچہ امام منبر پر نہ بیٹھا ہو، نیز اس لئے کہ اگر خرید و فروخت کی حرمت وقت پر معلق ہوتی تو زوال کے ساتھ خاص نہ ہوتی، اس لئے کہ اس سے

(۱) کشاف القناع ۳/۱۸۰۔

(۲) الہدایہ والاحتیاء ۲/۳۸، تبیین الحقائق ۲/۶۸، مرآۃ الفلاح بحامیہ الطحاوی ۲/۲۸۲، الدر المختار ۲/۱۳۲۔

## بیع منہی عنہ ۱۳۶-۱۳۷

دوسرے عقود کو شامل ہے بلکہ حنفیہ نے ہر اس چیز کے ترک کی صراحت کی ہے جس کے نتیجے میں جمعہ کے لئے سعی سے رکاوٹ پیش آئے یا اس میں خلل پڑے۔

مالکیہ نے صراحت کی ہے کہ بیع، اجارہ، تولیہ، شرکت، اتقالہ اور شفعہ کو فسخ کر دیا جائے گا، نکاح، صدقہ، ہبہ، کتابت اور خلع کو نہیں۔

شافعیہ نے صراحت کی ہے کہ عقود اور صنعتوں وغیرہ میں مصروف ہونا حرام ہے، جن کی وجہ سے جمعہ سے رکاوٹ ہو (۱)۔

حنابلہ کے یہاں ایک قول ہے کہ بیع کے علاوہ دوسرے عقود مثلاً اجارہ، صلح اور نکاح حرام ہیں، اس لئے کہ یہ عقود معاوضہ ہیں، لہذا بیع کے مشابہ ہو گئے۔

حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ اذان ثانی کے شروع ہونے کے بعد خاص طور پر صرف خرید و فروخت حرام اور غیر صحیح ہیں، لہذا ان کے نزدیک دوسرے عقود مثلاً نکاح، اجارہ اور صلح وغیرہ جیسے قرض، رہن، ضمان (کفالہ) صحیح ہیں، اس لئے کہ ممانعت صرف بیع کے بارے میں وارد ہے، اور دوسرے عقود اس کے برابر نہیں ہیں کہ وہ کم پیش آتے ہیں، لہذا ان کی اباحت جمعہ فوت ہونے کا ذریعہ نہ ہوگی۔ اور ان کو بیع پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

انہوں نے صراحت کی ہے کہ جس بیع میں خیار ہے اس کو نافذ کرنا یا فسخ کرنا صحیح ہے۔ اور ”خیار“ میں محض نافذ کرنا اور فسخ کرنا بیع نہیں مانا جائے گا (۲)۔

نماز ختم ہونے تک بیع کی حرمت کا برقرار رہنا:

۱۳۷- تقریباً فقہاء کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اذان کے وقت

(۱) مراتی الفلاح و جامعہ الطحاوی / ۲۸۲، القوانین الفقیہیہ / ص ۷۷، شرح المنہج

بجامعہ المنہج / ۲۸۲، جوہر لا کلیل لولای / ۹۹، طبع دار المعرفہ بیروت۔

(۲) کشاف القناع / ۱۸۱، نیز دیکھئے المنہج / ۱۳۶-۱۳۷۔

تاہم حنابلہ میں سے ابن ابی موسیٰ نے غیر مخاطب لوگوں کے بارے میں دو روایتیں ذکر کی ہیں۔ اور ان کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ حرمت جمعہ کے مخاطب لوگوں کے ساتھ خاص ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیع سے صرف ان لوگوں کو منع کیا ہے جن کو سعی کا حکم دیا ہے، لہذا جو سعی کے مخاطب نہیں ان کو ممانعت شامل نہ ہوگی، نیز اس لئے کہ خرید و فروخت کی حرمت کی توجیہ یہ کی گئی ہے کہ اس کی وجہ سے جمعہ سے رکاوٹ پیش آتی ہے، جو ان غیر مخاطب لوگوں کے حق میں معدوم ہے۔

ب۔ بیع میں مصروف شخص ممانعت سے واقف ہو، جیسا کہ شافعیہ نے اس کی صراحت کی ہے۔

ج۔ بیع کی مجبوری نہ ہو مثلاً مضطر اپنے کھانے کے لئے بیع کرے اور اس میت کے لئے کفن کی بیع جس میں تاخیر سے تغیر کا اندیشہ ہو، ورنہ کوئی حرمت نہیں ہوگی، کو کہ جمعہ فوت ہو جائے جیسا کہ شافعیہ میں سے ”الجمہل“ کہتے ہیں۔

د۔ بیع اذان خطبہ کے شروع ہونے کے بعد ہو جیسا کہ جمہور کی تعبیر ہے (۱)، یا اذان خطبہ کے وقت ہو جیسا کہ مالکیہ کی بھی تعبیر ہے۔

ه۔ اذان زوال کے بعد ہو، اس کے علاوہ حنفیہ نے کسی قید کو نہیں ذکر کیا ہے (۲)۔

حرمت میں بیع کے علاوہ دوسرے عقود کو بیع پر قیاس کرنا:

۱۳۶- جمہور کے نزدیک خرید و فروخت کی ممانعت نکاح اور

(۱) المنہج / ۱۳۶، جامعہ المنہج / ۲۸۲، شرح المنہج / ۲۸۲، کشاف القناع / ۱۸۰،

۱۸۱، اس میں کچھ اور مثالیں مذکور ہیں۔

(۲) شرح الخرشنی و جامعہ الصدوق / ۲۹۰، الہدایہ و شرح اختار / ۳۸، مراتی

الفلاح / ۲۸۲۔

## بیع منہی عنہ ۱۳۸-۱۳۹

اس کو اس پر تعاون دیا۔

شافعیہ کے یہاں ایک قول جس کو ضعیف قرار دیا گیا ہے، یہ ہے کہ دوسرے کے لئے بھی جس پر جمعہ واجب نہیں مکروہ ہے، لیکن وہ گنہگار نہ ہوگا<sup>(۱)</sup>۔

مالکیہ نے صراحت کی ہے کہ اس حالت میں بیع وغیرہ کو فسخ کر دیا جائے گا جبکہ ایسے شخص کی طرف سے ہو جس پر جمعہ واجب ہے، گوکہ ایسے شخص کے ہاتھ ہو جس پر جمعہ واجب نہیں ہے<sup>(۲)</sup>۔

حنابلہ نے صراحت کی ہے کہ جس پر جمعہ لازم ہے اس کے تعلق سے بیع صحیح نہیں ہے۔ اور دوسرے شخص کے لئے جس پر جمعہ لازم نہیں خرید و فروخت مکروہ ہے، اس لئے کہ اس میں گناہ پر تعاون کرنا ہے<sup>(۳)</sup>۔

دوم: اذان سن کر جامع مسجد جاتے ہوئے بیع کا حکم: ۱۳۹- چونکہ جامع مسجد جانے والا ممنوع کے ارتکاب میں ملوث ہوتے ہوئے بھی ممانعت سے مطلوب امر کی تکمیل کر رہا ہے اس لئے فقہاء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

الف۔ حنفیہ کے مذہب میں رائج شافعیہ کا مذہب، اور مالکیہ کا ایک قول یہ ہے کہ اگر وہ دونوں چلتے چلتے بیع کریں تو حرام نہیں ہے، حنفیہ میں سے ابن نجیم نے ”اسراج“ کے حوالہ سے کہا ہے کہ مکروہ نہیں ہے اگر وہ جمعہ سے رکاوٹ نہ بنے۔ اور حاکمی نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے<sup>(۴)</sup>۔

(۱) حامیۃ الطحاوی علی مرآۃ الفلاح، ۲۸۲، شرح بیع، ۲/۵۳۔

(۲) حامیۃ الصدوی علی شرح الخرشنی، ۲/۹۰۔

(۳) کشاف القناع، ۳/۱۸۰۔

(۴) رد المحتار، ۱/۵۵۲، الدر المختار، ۳/۳۲۲، شرح بیع، ۲/۵۳، حامیۃ الصدوی

۲/۵۳، حامیۃ الصدوی علی شرح کفاۃ الطالب، ۱/۳۲۸۔

بیع کی ممانعت نماز سے فراغت تک برقرار رہتی ہے، اس سلسلے میں ان کی تصریحات یہ ہیں:

بیع، نکاح اور دوسرے عقود خطیب کے بیٹھنے کے وقت سے نماز کے اختتام تک حرام ہیں<sup>(۱)</sup>۔

حرمت جمعہ سے فراغت تک برقرار رہتی ہے<sup>(۲)</sup>۔

بیع اور صنعتوں کی حرمت اذان ثانی کے شروع ہونے یا اس وقت سے کہ اگر وہ اس میں دو گھر سے سعی کرے تو جمعہ کو پالے گا، نماز کے ختم ہونے تک برقرار رہتی ہے<sup>(۳)</sup>۔

اذان کے وقت بیع کے عمومی احکام:

اول: جس پر جمعہ لازم ہے اس کی طرف سے ایسے شخص کے ہاتھ بیع کا حکم جس پر جمعہ لازم نہیں:

۱۳۸- فقہاء کا فیصلہ ہے کہ جس پر جمعہ واجب نہیں وہ اذان کے وقت بیع کی حرمت حکم سے مستثنیٰ ہے، بشرطیکہ ان دونوں پر جمعہ واجب نہ ہو<sup>(۴)</sup>، لہذا اگر ایسے دو اشخاص آپس میں بیع کریں جن پر جمعہ لازم نہیں تو نہ حرام ہے نہ مکروہ (جیسا کہ شافعیہ نے صراحت کی ہے)<sup>(۵)</sup>۔

اگر ایک پر جمعہ واجب ہو دوسرے پر نہ ہو:

تو جمہور حنفیہ اور شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ دونوں ہی گنہگار ہوں گے، اس لئے کہ پہلا شخص جس پر جمعہ واجب ہے اس نے ممانعت کا ارتکاب کیا، اور دوسرے شخص نے جس پر جمعہ واجب نہیں

(۱) القوانین العظمیٰ، ۱/۵۷، دیکھئے شرح الخرشنی، ۲/۹۰، اور عمومی طور پر دیکھئے:

مرآۃ الفلاح، ۲/۲۸۳۔

(۲) حامیۃ الجمل علی شرح بیع، ۲/۵۳۔

(۳) کشاف القناع، ۳/۱۸۱۔

(۴) حامیۃ الطحاوی علی مرآۃ الفلاح، ۲/۲۸۲، بحوالہ ہستانی۔

(۵) شرح بیع، حامیۃ الجمل، ۲/۵۳۔

## بیع منہی عنہ ۱۴۰

اس نقطہ نظر کی صرف وہی تعلیل ہے جس کو حنفیہ میں سے شریبلائی نے پیش کیا ہے کہ یہ سعی میں خلل انداز ہے، لہذا امر کے مطلق ہونے کی وجہ سے اس کا ترک کرنا واجب ہوگا۔ اسی طرح بعض مالکیہ کی رائے کے مطابق یہ سد ذریعہ کے لئے ہے (۱)۔

سوم: سعی کے بعد مسجد میں بیع کا حکم:

۱۴۰۔ فقہاء اس کی کراہت پر متفق ہیں:

الف۔ حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ مسجد کے دروازہ پر یا مسجد میں اذان اول کے وقت جو زوال کے بعد ہو، بیع کرنے کا گناہ جمعہ کے لئے چلتے ہوئے بیع سے بڑھا ہوا ہے۔

ب۔ شافعیہ کی صراحت ہے کہ بیع وغیرہ سے ممانعت اس شخص کے حق میں ہے جو اس کے لئے مسجد کے علاوہ میں بیٹھا ہو، لیکن اگر اذان سننے کے بعد جامع مسجد یا اس سے قریب کسی جگہ بیٹھ گیا اور بیع کی تو حرام نہیں ہے، لیکن مسجد میں بیع کرنا مکروہ ہے، ابن حجر وغیرہ نے صراحت کی ہے کہ ان کا قول حرمت کے زیادہ قریب ہے (۲)۔

ج۔ حنابلہ نے صراحت کی ہے کہ اذان کے بعد نقد ثمن یا ذمہ میں واجب ثمن کے عوض پانی پینا مکروہ ہے، (جیسا کہ حریمین میں ہوتا ہے) بلکہ انہوں نے اشارہ کیا ہے کہ اذان شروع ہونے کے بعد خرید و فروخت کی عدم صحت کا تقاضا حرمت ہی ہے۔ خاص طور پر جبکہ یہ مسجد میں ہو، الا یہ کہ کہا جائے کہ یہ حقیقت میں بیع نہیں ہے بلکہ لباحت ہے، پھر اس کی طرف سے نیابت ہوتی ہے (۳)۔

لیکن بیع کی ممانعت مطلقاً وارد ہے، لہذا ”اجتہاد“ کے ذریعہ اس کو بعض صورتوں کے ساتھ خاص کرنا حنفیہ کے قاعدہ کے مطابق نسخ ہے، لہذا اجتہاد کے ذریعہ تخصیص جائز نہیں ہوگی (۱)۔ عدم کراہت کی تعلیل یہ کی گئی ہے کہ اذان کے وقت بیع کی ممانعت کی وجہ سعی میں خلل کا پیش آنا ہے۔ اور جب سعی میں خلل نہیں ہے تو ممانعت بھی نہیں ہوگی۔

نیز یہ کہ اس نص قرآنی سے ان لوگوں کو خاص کر لیا گیا ہے جن پر جمعہ واجب نہیں ہے، اور عام میں جب تخصیص آجائے تو وہ ظنی ہو جاتا ہے۔ اور بعد میں اس کی تخصیص ”رائے“ یعنی اجتہاد کے ذریعہ بھی جائز ہو جاتی ہے (۲)۔

مالکیہ نے جواز کی توجیہ یہ کی ہے کہ بیع اس حالت میں ان دونوں کے لئے سعی سے رکاوٹ نہیں بنے گی، مالکیہ نے اس کو حضرت ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے (۳)۔

ب۔ بعض حنفیہ مثلاً صاحب ”انہر“، زیلعی، حصکلی کا قول باب جمعہ کے شروع میں، اور شریبلائی کی رائے ہے کہ بیع کو چھوڑ دینا واجب ہے کہ سعی کے ساتھ ہو۔ صاحب ”انہر“ نے صراحت کی ہے کہ اسی پر اعتماد کرنا چاہئے (۴)۔

بعینہ یہی مالکیہ کا دوسرا قول بھی ہے، اور یہی حنابلہ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے (۵)، کوکہ انہوں نے بذات خود اس مسئلہ کو ذکر نہیں کیا ہے۔

(۱) تبیین الحقائق ۶۸، ۶۹، نیز دیکھئے: حافیہ الطحاوی علی مرآتی الفلاح ۲۸۲۔

(۲) الدر المختار و رد المحتار ۳۳، ۳۴، نیز دیکھئے: ابن ماجہ بن کے بارے میں ان کا مناقبہ اور تخصیص کے بجائے تعلیل پر ان کی تریز۔

(۳) حافیہ الصدوی علی شرح کلتیہ الطالب ۳۲۸۔

(۴) رد المحتار ۱/ ۵۵۲، تبیین الحقائق ۶۸، ۶۹، مرآتی الفلاح بحافیہ الطحاوی ۲۸۲۔

(۵) حافیہ الصدوی علی شرح الخرشنی ۹۰، ۹۱، نیز دیکھئے: کشاف القناع ۳/ ۱۸۰۔

(۱) مرآتی الفلاح ۲۸۲، حافیہ الصدوی علی شرح کلتیہ الطالب ۳۲۸۔

(۲) شرح المنہج و حافیہ الجمل ۲/ ۵۳، رد المحتار ۱/ ۵۵۲، مرآتی الفلاح ۲۸۲۔

(۳) کشاف القناع ۳/ ۱۸۱۔

## بیچ منہی عنہ ۱۴۱-۱۴۴

بلکہ آیت پر عمل کرتے ہوئے جامع مسجد کی طرف پیش قدمی واجب ہوگی (۱)۔

ششم: اذان میں اعتباراً ابتداء کا ہے یا مکمل ہونے کا؟  
۱۴۳- مالکیہ نے صراحت کی ہے کہ اذان میں اعتباراً اس کے آغاز کا ہے، مکمل ہونے کا نہیں، لہذا اگر مؤذن اللہ اکبر کہہ دے تو بیچ حرام ہو جائے گی، اس لئے کہ حرمت کا تعلق اذان سے ہے (۲)۔

### اس کا قانونی حکم:

۱۴۴- جمہور فقہاء حنفیہ، شافعیہ اور بعض مالکیہ کی رائے ہے کہ عقد بیچ صحیح ہوگا، اس لئے کہ اس سے ممانعت بیچ کے علاوہ میں اور اس سے خارج ہے، اور وہ ترک کرنا ہے، لہذا بیچ اصل کے لحاظ سے مشروع اور جائز ہوگی، لیکن مکروہ تحریمی ہوگی، اس لئے کہ اس کے ساتھ ایک غیر مشروع چیز متصل ہوگئی ہے اور وہ سعی ترک کرنا ہے (۳)۔

صحت بیچ پر حسب ذیل امور متفرع ہوتے ہیں:

الف۔ اس کا فسخ واجب نہیں ہوگا، حنفیہ کے یہاں ایک قول اور مالکیہ کے یہاں بھی ایک قول یہی ہے، چنانچہ شیخ عدوی نے کہا: اس مسئلہ میں ایک دوسرا قول یہ ہے کہ بیچ فسخ نہیں ہوگی بلکہ نافذ رہے گی اور وہ اللہ سے استغفار کرے گا۔  
ب۔ ثمن واجب ہوگا، قیمت نہیں۔

(۱) مرقی افلاح و حامیہ الطحاوی، ۲۸۲، شرح کفایہ اللہ رب علی رسالہ ابن ابی زید حامیہ العدوی، ۳۲۸، کشاف القناع، ۱۸۱/۳، حامیہ الجمل علی شرح المنجیح، ۵۳/۲۔

(۲) حامیہ العدوی علی شرح کفایہ اللہ رب، ۳۲۸۔

(۳) الدر المختار، ۱۳۱/۳، حامیہ الطحاوی، ۲۸۲، شرح المنجیح الجمل، ۵۳/۲، التواہین الفقہیہ، ۵۷، بدائع الصنائع، ۲۳۲/۵۔

چہارم: زوال کے بعد دوسری اذان سے قبل بیچ:

۱۴۱- وجوب سعی اور ترک بیچ کے بارے میں حنفیہ کے یہاں معتبر وقت کا داخل ہونا ہے، اور اسی وجہ سے انہوں نے اذان کو ماسبق میں اس کے ساتھ مقید کیا ہے، لہذا مناسب ہے کہ زوال کے بعد بیچ کی کراہت ثابت ہو، اور اس سے قبل نہ ہو (۱)۔

شافعیہ نے اسی طرح صراحت کی ہے کہ بیچ وغیرہ اذان ثانی اور خطبہ کے لئے بیٹھنے سے قبل جبکہ وہ زوال کے بعد ہوں مکروہ ہیں، اس لئے کہ وجوب کا وقت داخل ہو چکا ہے، البتہ زوال سے قبل عقد مکروہ نہیں ہے۔

ان کے نزدیک یہ دونوں احکام اس صورت کے ساتھ مقید ہیں کہ عقد کرنے والے پر اس وقت سعی لازم نہ ہوتی ہو، ورنہ اگر ایسا ہو کہ اس وقت چلے بغیر جمعہ نہیں مل سکتا تو وہ عقد اس پر حرام ہوگا (۲)۔

پنجم: ممانعت کا جمعہ سے غافل کرنے والی تمام چیزوں کو شامل ہونا:

۱۴۲- فقہاء متفق ہیں کہ بقاء کے بعد ہر ایسی چیز حرام یا مکروہ (اس میں فقہاء کے اختلاف کے ساتھ) ہے جو جمعہ کے لئے جانے سے غافل کرنے والی ہو، اور جمعہ کے لئے جانے سے غافل کرنے والی ہر چیز کو ترک کرنا واجب ہے مثلاً اذان کے وقت سفر کا آغاز کرنا، کھانا، سلائی، تمام صنعتیں مثلاً بھاؤ تاؤ، آواز لگانا، اور کتابت، اسی طرح عبادت میں مصروفیت، اہل و عیال وغیرہ کے ساتھ اپنے گھر میں ٹھہرے رہنا، کو کہ گھر مسجد کے دروازے پر یا اس سے قریب ہو

(۱) الدر المختار، ۵۵۳، ماخوذ مرقی افلاح و حامیہ الطحاوی، ۲۸۲۔

(۲) شرح المنجیح و حامیہ الجمل، ۵۳/۲، تصرف کے ساتھ۔

## بیع منہی عنہ ۱۴۵

ان کے نزدیک ”بدلہ کا بہہ“ (یعنی وہ بہہ جو مکانات کی شرط پر ہو جیسا کہ مالکیہ کی تعبیر ہے یا عوض کی شرط پر جیسا کہ حنفیہ وغیرہ کی تعبیر ہے) بیع کی طرح ہے۔

خلع کے بارے میں مناسب یہ ہے کہ وہ نافذ ہو جائے، فنخ نہ ہو، سابقہ علت کا تقاضا یہی ہے، اور وہ علت یہ ہے کہ خلع بالکلیہ باطل ہو جائے گا اگر فنخ کر دیا جائے<sup>(۱)</sup>۔

جبکہ حنابلہ نے صراحت کی ہے کہ بیع تھوڑی ہو یا زیادہ صحیح نہیں ہوگی، اور سابقہ نص قرآنی جو حکم حرمت میں ظاہر ہے، کی وجہ سے منعقد ہی نہ ہوگی<sup>(۲)</sup>۔

## ب- کافر کے ہاتھ مصحف کی بیع:

۱۴۵- باتفاق فقہاء یہ بیع ممنوع ہے، جمہور فقہاء نے حرمت کی صراحت کی ہے، اور حنفیہ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ کراہت ثابت ہے، اور ”کراہت“ ان کے قواعد و تعلیلات کے مطابق حرمت کے لئے ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں: مالک کے لئے حرام ہے کہ کافر کے ہاتھ مصحف یا اس کا جز و فروخت کرے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اس لئے کہ مصحف کی ملکیت کی وجہ سے اس میں اسلام کی بے حرمتی ہے۔

فرمان باری ہے: ”وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا“<sup>(۳)</sup> (اور اللہ کافروں کا ہرگز مومنوں پر غلبہ نہ

ج- قبضہ سے قبل فروخت شدہ چیز پر ملکیت ثابت ہوگی<sup>(۱)</sup>۔ لیکن مالکیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ یہ بیع بیع فاسد کی طرح فنخ کر دی جائے گی، اور خریدار کے ہاتھ سے واپس کر لی جائے گی، اگر فوت نہ ہوئی ہو۔ ہاں اگر (بازار کے بدلنے سے) فوت ہو چکی ہو تو عقد نافذ ہو جائے گا، اور خریدار پر قبضہ کے وقت کی قیمت لازم ہوگی، مشہور یہی قول ہے، ایک قول ہے کہ بیع کے وقت کی قیمت لازم ہوگی<sup>(۲)</sup>۔

جن مالکیہ نے وجوب فنخ کی صراحت کی ہے، انہوں نے اس کے ساتھ بیع کے مثل اجارہ، شرکت، اتقالہ اور شفعہ کو لاحق کیا ہے، اگر ان کے ذریعہ لیا گیا ہو، لیکن اگر ترک کر دیا گیا ہو تو نہیں، تاہم انہوں نے نکاح، بہہ، صدقہ، اور آزادی جیسے امور کو مستثنیٰ کیا ہے، لہذا ان میں کسی کو فنخ نہیں کیا جائے گا، گو کہ حرام ہو۔

ان مذکورہ چیزوں اور بیع وغیرہ کے درمیان ان کے نزدیک فرق یہ ہے کہ بیع وغیرہ جس میں عوض ہے، ان میں فنخ کی وجہ سے ہر ایک کو اپنا عوض مل جاتا ہے، لہذا اس میں کوئی بڑا ضرر نہیں ہے، برخلاف ان چیزوں کے جن میں عوض نہیں ہے، کہ وہ بالکلیہ باطل ہو جاتی ہیں اگر فنخ ہو جائیں<sup>(۳)</sup>۔

عدوی نے نکاح کے بارے میں ایک دوسری علت لکھی ہے، وہ یہ ہے کہ اس کے فنخ سے ضرر ہوگا، کیونکہ بسا اوقات زوجین میں سے ایک دوسرے سے مانوس ہو جاتے ہیں۔

(۱) حامیۃ الخطاوی علی مراثی الفلاح ۲۸۲، نیز دیکھئے رد المحتار ۳/۱۳۱، حامیۃ العدوی علی شرح الخرشنی ۲/۹۰، اور دیکھئے القوانین الفقہیہ ۱/۵۷ میں فنخ کے سلسلہ میں اختلاف کی طرف اشارہ۔

(۲) شرح الخرشنی ۲/۹۰۔

(۳) شرح الخرشنی بحامیۃ العدوی ۲/۹۰، نیز دیکھئے حامیۃ العدوی علی شرح رسالۃ ابن ابی زید ۱/۳۲۸۔

(۱) شرح الخرشنی حوالہ سابق۔

(۲) کشاف القناع ۳/۱۸۰، نیز دیکھئے المغنی ۲/۱۳۶۔

(۳) شرح الخرشنی ۵/۱۰، نیز اس کے مثل: شرح الصحیح بحامیۃ الخرجل ۳/۱۹۳، ۲۰۰ میں دیکھئے۔

## بیع منہی عنہ ۱۳۶-۱۳۷

ہونے دے گا۔) (پہلے اسلام کی شرط صرف مسلمان غلام کی خریداری اور صحف کی خریداری میں لگائی ہے (۱)۔

ب۔ حنفیہ کا مذہب اور مالکیہ کا مشہور مذہب اور شافعیہ کے یہاں ایک قول یہ ہے کہ کافر کے ہاتھ صحف کی بیع صحیح ہے، البتہ اس کو مجبور کیا جائے گا کہ اس کو اپنی ملکیت سے نکالے، تاکہ کتاب اللہ کو اہانت سے بچایا جائے (جیسا کہ ابن عابدین نے طحطاوی کے حوالے سے نقل کیا ہے)، نیز اس لئے کہ اس میں قرآن پر ملکیت کی وجہ سے اسلام کی بے حرمتی ہے، (جیسا کہ خرفی کہتے ہیں) اور حرمت کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، جیسا کہ عمیرہ نے کہا (۲)۔

### اس بیع سے ملحق امور:

۱۳۶۔ جس طرح کفار کے ہاتھ صحف کی بیع ممنوع ہے اسی طرح قرآن کو ان پر صدقہ کرنا اور ان کو بیہ کرنا (جیسا کہ مالکیہ نے اس کی صراحت کی ہے) ممنوع ہے، اور اسی طرح قرآن کو ان کے پاس رہن میں دینا (جیسا کہ حنابلہ نے صراحت کی ہے) ممنوع ہے۔ اول الذکر علماء کفار کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ اس کو اپنی ملکیت سے نکالیں، جیسا کہ بیع میں ہے، دوسری نے اس کی صراحت کی ہے (۳)۔ اس میں دوسروں کا اختلاف نہیں ہونا چاہئے۔

### اس بیع سے مستثنیٰ امور:

۱۳۷۔ شافعیہ نے صحف کی بیع کے حکم سے چند چیزوں کو مستثنیٰ کیا ہے (۱)۔  
 (۱) القوانین الکبریٰ ۱/۱۶۳، نیز اس شرط کے بارے میں دیکھئے شرح المنہج وحاہیہ الجمل ۳/۱۹، ۲۰۔  
 (۲) رد المحتار ۳/۱۳۲، شرح الخرشنی بحاہیہ العدوی ۵/۱۰، نیز شافعیہ کا دوسرا قول دیکھئے شرح المنہج وحاہیہ عمیرہ ۲/۱۵۶، اور حاہیہ الدسوقی علی المشرح الکبیر ۳/۷۷۔  
 (۳) کشاف القناع ۳/۱۳۲، حاہیہ الدسوقی علی المشرح الکبیر ۳/۷۷۔

اس تغلیل کی اصل کا تعلق حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اس روایت سے ہے: ”أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى أَنْ يَسَافِرَ بِالْقُرْآنِ إِلَى أَرْضِ الْعَدُوِّ“ (۱) (رسول اللہ ﷺ نے قرآن کو سفر میں دشمن کے ملک میں لے جانے سے منع فرمایا)۔

تاہم اس بیع کی صحت کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے:

الف۔ شافعیہ کے یہاں اظہر، حنابلہ کا مذہب اور مالکیہ کے یہاں ایک قول یہ ہے کہ کافر کے ہاتھ صحف فروخت کرنا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ فرمان باری ہے: ”وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ“ (۲) (اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو)، نیز اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن کو سفر میں دشمن کے ملک میں لے جانے سے منع فرمایا، کیونکہ ان کے ہاتھ میں آجانے کا اندیشہ ہے، لہذا ان کو اس پر قدرت نہیں دی جائے گی، نیز اس لئے کہ جب کافر قرآن پر ملکیت برقرار رکھنے سے روکا جاتا ہے، تو ملکیت کا آغاز کرنے سے بھی روکا جائے گا، جیسا کہ بقیمما جائز بیع والی چیزیں ہیں، نیز صحف وغیرہ پر کافر کی ملکیت میں توہین ہے (۳)۔

مالکیہ نے اس پر بیع کے فسخ کو مفرغ کیا ہے، بشرطیکہ فروخت شدہ چیز موجود ہو۔ اس رائے کو سحنون نے اکثر اصحاب مالک سے منسوب کیا ہے (۴)۔ مالکیہ نے بیع میں (جیسا کہ ابن جزئی کہتے

(۱) حدیث: ”نہی أن يسافر بالقرآن.....“ کی روایت بخاری (بیع ۶/۱۳۳ طبع انتقادیہ) اور مسلم (سفر ۱۳۹۰ طبع المجلد) نے کی ہے۔

(۲) سورہ مائدہ ۲۔

(۳) المشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۳/۱۳۲، کشاف القناع ۳/۱۳۲، شرح المنہج وحاہیہ الجمل ۳/۲۰، نیز دیکھئے شرح المنہج وحاہیہ عمیرہ ۲/۱۵۶، تحتہ المحتاج ۳/۲۳۰۔

(۴) حاہیہ الدسوقی علی المشرح الکبیر للدرہ ۳/۷۷۔



## بیع منہی عنہ ۱۴۸

کیا ہے: مصحف کی فروخت اور اس کی خریداری مکروہ ہے۔ اور مصحف سے مراد خالص قرآن ہے۔ اور کراہت کی وجہ جیسا کہ (شیخ عمیرہ لکھتے ہیں) قرآن کریم کو خریدنا فروخت کے سبب حقیر سامانوں کے معنی میں ہونے سے بچانا ہے۔ اور یہ امام احمد سے بھی ایک روایت ہے، نیز اس لئے کہ اس سے مقصود کلام اللہ ہے، لہذا اس کو حقیر ہونے سے بچانا ضروری ہے۔ اور اس خریداری کے جواز میں اس کا سبب بننا، اور اس کی مدد کرنا ہے۔

ب۔ شافعیہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ بلا حاجت فروخت مکروہ ہے، نہ کہ خریداری۔ قلیوبی اور الجمل نے صراحت کی ہے کہ یہی ان کے نزدیک معتد ہے۔ الجمل نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ خریداری میں اس کو حاصل کرنا ہے، برخلاف بیع کے<sup>(۱)</sup>، کہ اس میں فوت کرنا، حقیر بنانا اور رغبت کا ختم ہونا ہے۔

شافعیہ کے یہاں یہ معتد قول ہے، یہی امام احمد سے ایک روایت ہے، مرداوی نے خریداری اور اس کے جواز کے مسئلہ میں کہا ہے کہ یہی مذہب ہے۔ اور انہوں نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ خریداری میں مصحف کو بچانا ہے، لہذا یہ جائز ہوگا، جیسا کہ مکہ کے مکانات کو خریدنا اور اس کے گھروں کو اجرت پر لینا، حالانکہ اس کی بیع یا اس کی اجرت لینا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح حجام کی اجرت دینا مکروہ نہیں ہے، حالانکہ اس کی کمائی مکروہ ہے، بلکہ بہوتی نے اس کو قیدی کے خریدنے کی طرح قرار دیا ہے<sup>(۲)</sup>۔

ج۔ امام احمد سے ایک روایت ہے کہ مصحف کی فروخت ناجائز ہے اور صحیح نہیں ہے، مرداوی نے کہا: یہی مذہب ہے، جیسا کہ ان

ایسے دراہم و دمانیر جن پر قرآن کی کوئی آیت نقش ہو، اس لئے کہ اس کی حاجت ہے۔

اہل ذمہ کا ایسے مکانات خریدنا جن کی دیواروں یا چھتوں میں قرآن لکھا ہوا ہو، اس لئے کہ عموم بلوی ہے۔ اور وہ عام حالات میں گنجائش کی وجہ سے معاف ہوگا، اس لئے کہ اس نقش سے مقصود قرآنیت نہیں ہوتی۔

بعض حضرات (مثلاً ابن عبدالحق) نے، اس کافر کے لئے تعویذ کو مستثنیٰ کیا ہے جس کے اسلام کی امید ہو، اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں مکتوب مستثنیٰ ہے۔

اسی طرح انہوں نے اس کپڑے کو مستثنیٰ کیا ہے جس پر کچھ قرآن تحریر ہو، اس لئے کہ اس تحریر کا مقصد قرآنیت نہیں ہوتی، الا یہ کہ کہا جائے کہ عموماً کپڑے پر تحریر کا مقصد تمکک حاصل کرنا ہوتا ہے، اس کو پہننا نہیں، لہذا یہ تعویذوں کے مشابہ ہو گیا، تاہم کافر کے بدن کے ساتھ اس کے لگنے میں اس کی توہین ہے، برخلاف ان آیات کے جو چھتوں پر لکھی جائیں۔

مصحف پر کافر کی ملکیت کو زائل کرنے کا حکم دینے والا حاکم ہوگا، عام لوگ نہیں، اس لئے کہ اس میں فتنہ ہے، جیسا کہ شافعیہ نے اسی جیسے مسئلہ میں اس کی صراحت کی ہے<sup>(۱)</sup>۔

مسلمانوں کی طرف سے مصحف کی بیع اور اس کی خریداری کا حکم:

۱۴۸- الف۔ شافعیہ نے صراحت کی ہے کہ مسلمان کی طرف سے

(۱) حاشیہ عمیرہ علی شرح الجمل ۲/۱۵۷، لشرح الکلبیری فی ذیل المغنی ۳/۱۳، حاشیہ الجمل علی شرح بیع ۳/۲۳۔

(۲) الانصاف ۳/۲۷۹، کشاف القناع ۳/۱۵۵، لشرح الکلبیری فی ذیل المغنی ۳/۱۳۔

(۱) حاشیہ الجمل علی شرح بیع ۳/۱۹، حاشیہ القلیوبی علی شرح الجمل علی المنہاج ۲/۱۵۶ کے ساتھ موازنہ کریں۔

## بیع منہی عنہ ۱۴۹

کہ ابن قدامہ اور بہوتی کے کلام سے سمجھ میں آتا ہے) یہ ہے کہ بیع حرام اور غیر صحیح ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی بتائی گئی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے کہا: میری خواہش ہے کہ ان کی بیع میں ہاتھوں کو کاٹ دیا جائے، نیز اس لئے کہ اس کی تعظیم واجب ہے، اور فروخت کرنے میں ترک تعظیم اور قرآن کی تحقیر ہے۔ اور خریداری مکروہ نہیں ہے، اس لئے کہ یہ بچانا ہے۔ اور نہ ہی دوسرے مصحف سے بدلنا مکروہ ہے، اس لئے کہ اس سے قرآن سے بے رغبتی ظاہر نہیں ہوتی ہے<sup>(۱)</sup>۔

## ممنوع بیع کے نتائج:

۱۴۹- ممانعت میں اصل جمہور کے نزدیک باطل ہونا ہے، لہذا اس کو اصل پر جاری رکھا جائے گا الا یہ کہ کوئی ضرورت ہو، اور ضرورت صرف اس صورت میں ہے جبکہ کوئی دلیل ہو کہ ممانعت ایسی علت کی وجہ سے ہے جو صرف ممنوع کے ساتھ متصل ہے، لیکن اگر دلیل سے معلوم ہو کہ ممانعت وصف لازم میں کسی علت کی وجہ سے ہے تو اصل سے نکلنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور نہ اس بات کی کہ ممانعت اپنی اصل (بطلان) کے خلاف جاری ہو، اس لئے کہ وصف لازم کا بطلان اصل کے بطلان کا سبب ہے، برخلاف ”مجاور“ کے، کیونکہ وہ لازم نہیں ہے۔

حنفیہ کے نزدیک ممنوع تصرف میں اصل یہ ہے کہ وہ شرعاً موجود اور صحیح ہو، لہذا ممانعت اس اصل پر جاری رہے گی الا یہ کہ کوئی ضرورت ہو، اور حنفیہ کے نزدیک ”ضرورت“ اس صورت میں منحصر ہے کہ دلیل سے معلوم ہو جائے کہ ممانعت صرف ممنوع کی ذات یا اس کے جزو میں موجود علت کی وجہ سے ہے، لیکن اگر دلیل بتائے کہ ممانعت وصف لازم میں موجود علت کی وجہ سے ہے تو اصل سے

سے مروی ہے کہ خریداری حرام ہے۔ اگرچہ بعض نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اور عدم جواز کی توجیہ یہ کی ہے کہ:

امام احمد نے کہا: مصاحف کفر و خست کرنے کی رخصت کا مجھے علم نہیں ہے۔

یہی صحابہ سے مروی ہے، اور ان کے دور میں ان کا کوئی مخالف معلوم نہیں ہے۔

اس لئے کہ اس میں کتاب اللہ ہے، لہذا اس کفر و خست کرنے اور تحقیر ہونے سے بچانا واجب ہے<sup>(۱)</sup>۔

د۔ اور یہاں امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ مصحف کی بیع بلا کراہت جائز ہے۔ مرداوی نے کہا: اس روایت کو ابو الخطاب نے ذکر کیا ہے۔ حنابلہ نے بیع مصحف کے جواز اور اس کی رخصت دینے کو حسن، مکرمہ، ثانی اور اصحاب رائے کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور انہوں نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ بیع کاغذ اور چمڑے کی ہوگی، اور ان کی بیع مباح ہے۔

مصحف کے تبادلہ کی کراہت کے بارے میں امام احمد سے دو روایتیں ہیں، امام احمد کے یہاں مختار یہ ہے کہ مصحف کو مصحف سے بدلنا جائز ہے، اس لئے کہ اس سے مصحف سے بے رغبتی کا پتہ نہیں چلتا، اور نہ دنیوی عوض میں تبادلہ کرنا معلوم ہوتا ہے، برخلاف اس کا ثمن لینے کے<sup>(۲)</sup>۔

اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ اجمالی طور پر بیع مصحف کے بارے میں امام احمد سے تین روایات ہیں:

حرمت، کراہت، اور جواز۔ اور خریداری کے بارے میں بھی یہی روایتیں ہیں۔ تبادلہ کے بارے دو اقوال ہیں۔ اور مذہب (جیسا

(۱) شرح الکبیری ذیل المغنی ۴۳۳-۱۳

(۲) الانصاف ۴۳۳، ۴۳۹، شرح الکبیری ذیل المغنی ۴۳۳-۱۳

(۱) کشف القناع ۴۳۳-۱۳

## بیع منہی عنہ ۱۵۰-۱۵۱

بیوع پر ان کا کوئی اثر مرتب نہ ہوگا۔

جبکہ حنفیہ تفصیل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مضامین، ملائح، جنین اور مردار کی بیع باطل ہے، اس لئے کہ محلیت اور رکنیت مفقود ہے، جیسا کہ جمہور کی رائے ہے۔ اور یہی حنفیہ کی تعبیر کے مطابق اصل کا مشروع نہ ہونا ہے، لہذا اس پر کوئی اثر مرتب نہ ہوگا۔

بقیہ بیوع کے حنفیہ فساد کے قائل ہیں، بطلان کے نہیں۔

الف۔ چنانچہ مثال کے طور پر بیع بالشرط میں ممانعہ کا تعلق شرط سے ہے، لہذا اصل عقد صحیح باقی رہے گا، اور ملکیت کا فائدہ دے گا، لیکن فساد اور حرمت کی صفت کے ساتھ، لہذا یہ شرط بیع سے ایک زائد امر ہے جو اس کے لئے لازم ہے، کیونکہ وہ نفس عقد میں مشروط ہے، اس جگہ پر وصف سے مراد یہی ہے (۱)۔

ب۔ ربا پر مشتمل بیع کے بارے میں حنفیہ کہتے ہیں کہ رکن بیع یعنی اہل کی طرف سے محل میں ہونے والا مالی تبادلہ موجود ہے، لہذا وہ مشروع ہوگا، لیکن مکمل تبادلہ موجود نہیں ہے، لہذا اصل تبادلہ موجود ہے، اس کا وصف یعنی مکمل ہونا موجود نہیں ہے (۲)۔

یہ مردار اور جنین کی بیع کے خلاف ہے اس لئے کہ وہ مال نہیں ہیں، اور نہ ہی ان کی قیمت ہے، لہذا وہ اصلاً غیر مشروع ہیں۔ ذیل میں بیع باطل کے احکام (حنفیہ کے نقطہ نظر سے جو اس کے قائل ہیں) پھر بیع فاسد کے احکام پھر بیع مکروہ کے احکام ذکر کئے جا رہے ہیں۔

اول: حنفیہ کے نزدیک بیع باطل کے احکام:

۱۵۱- بیع باطل بالکلیہ غیر منعقد ہے۔ اس کا شرعاً کوئی معتبر وجود

خروج کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ اس کی ضرورت ہے کہ ممانعت کو اس کی اصل پر جاری نہ کیا جائے، اور وہ اصل صحیح ہونا ہے، اس لئے کہ اس کے اجزاء اور شروط کی صحت اس چیز کی صحت کے لئے کافی ہے۔ اجزاء کی صحت کی وجہ سے صحت کو ترجیح دینا وصف خارجی کی وجہ سے باطل ہونے کو ترجیح دینے سے اولیٰ ہے۔ اور جب ضرورت نہ ہو تو ممانعت اپنی اصل پر جاری رہے گی، اور وہ یہ ہے کہ ممنوع شرعاً موجود یعنی صحیح ہوگا (۱)۔

فساد، بطلان اور صحت کی اصطلاحات کے درمیان فرق:  
۱۵۰- گذشتہ تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ جمہور فساد اور بطلان کے درمیان فرق نہیں کرتے ہیں، حنفیہ کا اختلاف ہے۔

لہذا یہاں عقود بشمول بیع میں تقاضا یہ ہے کہ عقد اپنے مطلوبہ شرعی نتائج کے مرتب ہونے کا سبب ہو، مثلاً بیع میں ملکیت کے تعلق سے نتائج۔

بطلان کا معنی یہ ہے کہ عقود کے ساتھ احکام نہ پائے جائیں، اور عقود کا ایسا سبب نہ بن سکیں جو احکام کے لئے مفید ہوتے ہیں۔

فساد جمہور کے نزدیک بطلان کے مرادف ہے۔ حنفیہ کے نزدیک فساد ایک تیسری قسم ہے جو صحیح کے خلاف ہے، اور وہ یہ ہے کہ اصل کے لحاظ سے مشروع ہو، وصف کے لحاظ سے غیر مشروع ہو، برخلاف باطل کے، اس لئے کہ باطل وہ ہے جو اپنی اصل یا وصف کسی اعتبار سے مشروع نہ ہو (۲)۔

لہذا جمہور کے نزدیک بطلان میں ملائح اور مضامین کی بیع اور جنین و مردار کی بیع برابر ہے، جیسے بد و صلاح سے قبل پھل کی بیع، قبضہ سے قبل اناج کی بیع، بیع عینہ، ربا پر مشتمل بیع، اور بیع بالشرط، ان تمام

(۱) الخلو ج ۱/ ۲۱۸۔

(۲) مرآة الاصول ۱/ ۳۳۰، نیز دیکھئے التوضیح والخلو ج ۱/ ۲۲۰، ۲۲۱۔

(۱) التوضیح والخلو ج ۱/ ۲۱۸۔

(۲) کشف الاسرار ۱/ ۲۵۸۔

## بیع منہی عنہ ۱۵۲-۱۵۳

غصب کے مشابہ ہے۔ ”الدر“ میں ہے: کہا گیا ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے (۱)۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: ”بیع باطل“۔

دوم: بیع فاسد کے احکام:

۱۵۲- بیع فاسد پر چند اثرات مرتب ہوتی ہیں جو یہ ہیں: قبضہ کے ذریعہ ملکیت کا منتقل ہونا، حق شرع کی وجہ سے فسخ کا وجوب اور استحقاق، فروخت شدہ چیز سے پیدا ہونے والے نفع کا حلال نہ ہونا، اس کا قائل تصحیح ہونا، ہلاکت کی وجہ سے بیع کا ضمان دینا اور اس میں خیار کا ثبوت۔ ان اثرات اور ان کے متعلقات کی تفصیل اصطلاح ”بیع فاسد“ میں دیکھی جائے۔

یہ حنفیہ کے نزدیک ہے۔

بیع فاسد کے احکام جمہور کے نزدیک بیع باطل ہی کے احکام ہیں، کیونکہ وہ ان دونوں میں فرق نہیں کرتے ہیں، دیکھئے: اصطلاح ”بیع باطل“۔

سوم: بیع مکروہ کے احکام:

۱۵۳- بیع مکروہ کا حکم یہ ہے کہ یہ شرعاً ممنوع ہے، اس کے نتیجہ میں گناہ ہوگا، تاہم وہ صحیح ہوگی، اس لئے کہ ممانعت ایک ایسی علت کی وجہ سے ہے جو بیع سے متصل ہے، ذات بیع اور اس کی صحت کی شرائط میں نہیں ہے، اور اس طرح کی ممانعت فساد کی متقاضی نہیں ہوتی ہے، بلکہ کراہت کا سبب ہوتی ہے۔

لہذا اذان جمعہ کے وقت بیع، بیع نجس، اپنے بھائی کی بیع پر بیع، اپنے بھائی کے مول پر مول وغیرہ ممنوع ہیں۔ اور یہ بیوع (جیسا کہ

(۱) رد المحتار علی الدر المختار ۳/۱۰۵۔

نہیں ہے، اگر خرید اور فروخت شدہ چیز پر قبضہ کر لے تو وہ اس کی ملکیت میں نہیں آتی ہے۔

کاسانی نے کہا: اس بیع کا بالکل یہ کوئی حکم نہیں ہے، اس لئے کہ حکم موجود کے لئے ہوتا ہے، اور اس بیع کا بجز صورت کے کوئی وجود نہیں ہے، کیونکہ شرعی تصرف کا کوئی وجود شرعاً اہلیت و محلّیت کے بغیر نہیں ہوتا ہے، اس لئے کہ تصرف حقیقی کا کوئی وجود حقیقتاً اسی وقت ہوتا ہے جب وہ اہل کی طرف سے اور محلّ میں پایا جائے۔ اس کی مثال مردار، خون، گندگی اور پیشاب کی بیع اور ملائح، مضامین اور ہر غیر مال کی بیع ہے۔

اگر فروخت شدہ چیز خریدار کے پاس ہلاک ہو جائے تو اس کے ضمان کے بارے میں حنفیہ کے یہاں اختلاف ہے:

الف۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا ضمان نہیں ہوگا، اس لئے کہ فروخت شدہ چیز اس کے ہاتھ میں امانت ہے، کیونکہ جب عقد باطل ہو گیا تو محض فروخت کرنے والے کی اجازت سے قبضہ رہ گیا، اور وہ زیادتی کے بغیر قائل ضمان نہیں ہوگا، جیسا کہ ابن عابدین نے ”الدر“ سے نقل کیا ہے۔

کہا گیا ہے کہ یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے (۱)۔

ب۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا ضمان ہوگا، اس لئے کہ وہ خریداری کے مول بھاؤ کے طور پر قبضہ شدہ کی طرح ہو جائے گا۔ سرحدی وغیرہ کے نزدیک مختار یہ ہے کہ مثل یا قیمت کے ذریعہ ضمان دیا جائے، اس لئے کہ وہ خریداری کے لئے مول بھاؤ کے طور پر قبضہ میں لی گئی چیز سے کم درجہ کا نہیں ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ یہ صاحبین کا قول ہے، ”الحنفیہ“ میں ہے: یہی صحیح ہے، اس لئے کہ اس نے اس پر اپنے لئے قبضہ کیا ہے جو

(۱) بدائع الصنائع ۵/۳۰۵، رد المحتار ۳/۱۰۵۔

## بیع منہی عنہ ۱۵۴

ایسے ممنوع امر سے متعلق ہو جو بیوع کے باب سے خارج ہو، مثلاً غصب کردہ جگہ میں خرید و فروخت تو اس کو فسخ نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ فوت ہو چکی ہو یا فوت نہ ہوئی ہو۔

اگر بیع سے ممانعت ہو اور صحت بیع کی کسی شرط میں خلل نہ ہو مثلاً جمعہ کے وقت بیع، شہری کا دیہاتی کے لئے بیچنا اور قافلوں سے ملنا تو اس میں اختلاف ہے، ایک قول ہے کہ اس کو فسخ کر دیا جائے گا۔ دوسرے قول ہے کہ فسخ نہیں کیا جائے گا۔ تیسرے قول ہے کہ اگر سامان باقی ہو تو فسخ کر دیا جائے گا<sup>(۱)</sup>۔

صکمی کہتے ہیں) مکروہ تحریمی ہیں، تاہم صحیح ہیں، باطل نہیں ہیں، کوکہ جمہور کے نزدیک ان سے ممانعت ہے، البتہ امام احمد سے روایات اس سے الگ ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ممانعت کا تعلق ممنوع کی ذات یا شرائط صحت سے نہیں ہے، بلکہ اس سے متصل علت کی وجہ سے ہے<sup>(۱)</sup>۔

۱۵۴- بیع مکروہ کے چند اہم احکام یہ ہیں:

یہ بیع صحیح ہے جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے۔

قبضہ سے قبل اس میں فروخت شدہ چیز پر ملکیت حاصل ہو جاتی

ہے۔

اس میں شمن واجب ہے، قیمت نہیں ہے۔

اس کو فسخ کرنا واجب نہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ ان دونوں پر اس کو فسخ کرنا واجب ہے، تاکہ ان کو ممنوع چیز سے بچایا جاسکے، نیز اس لئے کہ معصیت کو ختم کرنا امکانی حد تک واجب ہے۔

ابن عابدین نے ان دونوں اقوال میں یوں تطبیق دی ہے کہ ان دونوں پر دیناً واجب ہے، برخلاف بیع فاسد کے کہ اگر وہ دونوں اس کو جاری رکھنے پر مصر ہوں، تو قاضی بالجبر فسخ کر دے گا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں بیع صحیح ہے، لہذا قاضی کو اس کے فسخ کا اختیار نہیں ہوگا، اس لئے کہ ملکیت صحیح حاصل ہے<sup>(۲)</sup>۔

لیکن مالکیہ میں سے ابن جزی نے لکھا ہے کہ اگر بیع کی ممانعت



(۱) رد المحتار ۱۳۱۴ھ، شرح المسماح للمحلی بحاشیہ اقلیوی بی ۱۸۱/۲ اور اس کے بعد کے صفحات، نیز دیکھئے: الہدایۃ المشرورۃ ۱۰۸/۶، الانصاف ۳۳۱/۳ اور اس کے بعد کے صفحات، ۳۲۳، ۳۲۴، مرداوی کا فیصلہ ہے کہ مذہب اور صحیح قول جس پر جمہور اصحاب ہیں یہ ہے کہ اذان کے وقت بیع صحیح نہیں ہے۔

(۲) رد المحتار ۱۳۱۴ھ، ۱۳۲، بحوالہ الدرر۔

(۱) القوانین الفقہیہ ۱/۱۷۲۔

## بیع موقوف ۱-۲

اس کے بالمقابل بیع مانذ ہے، اور بیع مانذ وہ بیع صحیح ہے، جس کے ساتھ دوسرے کا حق متعلق نہ ہو، اور وہ فی الحال حکم کا فائدہ دے، لہذا ”مانذ“ موقوف کی ضد ہے، اور جب بیع مانذ کہا جائے تو مراد یہ ہے کہ وہ غیر موقوف بیع ہے<sup>(۱)</sup>۔

## بیع موقوف

### بیع موقوف کی مشروعیت:

۲- حنفیہ اور مالکیہ کی رائے، حنابلہ کے یہاں ایک روایت، اور امام شافعی کا مذہب قدیم میں قول (اور مذہب جدید میں بھی یہ منقول ہے) یہ ہے کہ بیع موقوف مشروع ہے، اور وہ بیع صحیح کی اقسام میں سے ایک قسم ہے، اس کی دلیل بیع کے عمومی نصوص ہیں، مثلاً فرمان باری ہے: ”وَ أَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ“<sup>(۲)</sup> (حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے)، اور فرمان باری ہے: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ“<sup>(۳)</sup> (اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر نہ کھاؤ، ہاں البتہ کوئی تجارت باہمی رضامندی سے ہو)۔

ان آیات سے وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خرید و فروخت اور تجارت کو مشروع قرار دیا اور کوئی تفصیل نہیں کی گئی ہے کہ مالک کی طرف سے اصالت ہو یا وکیل کی طرف سے ابتداء ہو، یا مالک کی طرف سے انتہا میں اجازت پائی جائے یا عقد کے وقت یا اس کے بعد تجارت کی رضامندی پائی جائے، لہذا اس کے عموم پر عمل واجب ہے، الا یہ کہ کسی دلیل کی وجہ سے تخصیص ہو۔

نیز روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عروہ باریؓ کو

تعریف:

۱- بیع: مال کا مال سے تبادلہ ہے<sup>(۱)</sup>۔

موقوف ”وقف“ سے ماخوذ ہے۔ کہا جاتا ہے: ”وقفتم الدابة وقوفاً“ یعنی جانور ٹھہر گیا۔ اور ”وقفتمہا أنا وقفاً“ میں نے اس کو روک دیا، ”وقفتم الدار وقفاً“ یعنی میں نے اللہ کی راہ میں گھر کو وقف کر دیا، ”وقفتم الأمر علی حضور زید“ میں نے معاملہ کو زید کی آمد پر معلق کر دیا، ”وقفتم قسمة الميراث إلى الوضع“ میں نے میراث کی تقسیم کو وضع حمل تک مؤخر کر دیا<sup>(۲)</sup>۔ اس لفظ کا فقہی استعمال اس کے لغوی معانی سے خارج نہیں ہے۔

بیع موقوف: اس کے جواز کے قائل فقہاء نے اس کی یہ تعریف کی ہے کہ یہ ایسی بیع ہے جو اصل اور وصف کے لحاظ سے مشروع ہو، لیکن توقف کے طور پر ملکیت کا فائدہ دے، اور تمام ملکیت کا فائدہ نہ دے، کیونکہ اس کے ساتھ دوسرے کا حق متعلق ہو، اور یہ بیع صحیح ہے<sup>(۳)</sup>۔

(۱) القاموس المحیط لسان العرب مادة ”بیع“، مجلۃ الاحکام دفعۃ (۱۰۵)، البحر الرائق ۵/۲۷۷۔

(۲) امصباح الحمیر مادة ”وقف“۔

(۳) مجمع لا شہر شرح ملتقى الاہم ۳/۷۳، درر احکام مشرح جملۃ الاحکام ۱/۹۳، حاشیہ ابن عابدین ۳/۱۰۰ طبع بولاق۔

(۱) درر احکام ۱/۹۵، ۳۳۰۔

(۲) سورۃ بقرہ ۲۷۵۔

(۳) سورۃ نساء ۲۹۶۔

### بیع موقوف ۳

کہ اس کی تعریف اور اس کا حکم اس پر صادق آتا ہے، اور اس بیع کا اجازت پر موقوف ہو کر منعقد ہونا اس کے صحیح ہونے کے منافی نہیں ہے<sup>(۱)</sup>۔

۳- شافعیہ کے یہاں مشہور مذہب، حنابلہ کے یہاں ایک روایت اور ابو ثور و ابن المنذر کا قول یہ ہے کہ عقد موقوف باطل ہے۔ ان کا استدلال حضرت حکیم بن حزام کی اس روایت سے ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: ایک شخص میرے پاس آ کر ایسی چیز فروخت کرنے کا مطالبہ کرتا ہے جو میرے پاس موجود نہیں ہے، کیا میں بازار سے اس کو اس کے لئے خرید لوں، پھر اس کے ہاتھ اس کو فروخت کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”لا تبع مالیس عندک“<sup>(۲)</sup> (جو چیز تمہارے پاس نہیں، اس کو فروخت نہ کرو)۔

اسی طرح ان کا استدلال اس فرمان نبوی سے ہے: ”لا بیع ولا طلاق ولا عتاق فیما لا یملک ابن آدم“<sup>(۳)</sup> (جس چیز کا آدمی مالک نہیں، اس میں بیع یا طلاق یا آزادی نہیں)، نیز اس

ایک دینار دیا اور حکم فرمایا کہ قربانی کا جانور خریدیں، انہوں نے دو بکریاں خریدیں، پھر ایک بکری کو ایک دینار میں فروخت کر دیا، اور ایک دینار اور ایک بکری لے کر خدمت نبوی میں حاضر ہوئے، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے برکت کی دعا فرمائی اور ارشاد فرمایا: ”بارک اللہ فی صفة یمینک“<sup>(۱)</sup> (اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھ کے سودے میں برکت دے)، یہ معلوم ہے کہ ان کو بکری فروخت کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا، اگر بیع موقوف منعقد نہ ہوتی تو وہ فروخت نہ کرتے، اور رسول اللہ ﷺ ان کے عمل میں خیر و برکت کی دعا فرماتے، بلکہ ان پر نکیر کرتے، اس لئے کہ باطل پر نکیر کی جاتی ہے۔

نیز بیع موقوف اپنے اہل کی طرف سے محل میں صادر ہے، لہذا لغو نہ ہوگی، جیسا کہ اگر مالک کی طرف سے ہوتی، اور جیسے مدیون کی طرف سے مال کی وصیت اور غیر مدیون کی طرف سے تہائی سے زائد کی وصیت۔

تصرف اگر اپنے اہل کی طرف سے اپنے محل میں ہو تو اس کا وجود متحقق ہے، پھر بسا اوقات اس کا شرعاً نفاذ کسی مانع کی وجہ سے رک جاتا ہے۔ اور وہ تصرف اس مانع کے زوال پر موقوف ہو جاتا ہے، اور اجازت کی وجہ سے مانع زائل ہو جاتا ہے۔ وہ مانع مالک کی عدم رضامندی ہے۔

نیز اس لئے کہ بیع موقوف قبضہ کے بغیر مکمل ملکیت کا فائدہ دیتی ہے، جیسا کہ بیع صحیح کا حکم ہے، لہذا بیع موقوف بیع صحیح ہے، اس لئے

(۱) بدائع الصنائع ۵/۱۳۸، ۱۳۹، طبع الجمالی، ارسوطلسرخصی ۱۳/۱۵۳، مجمع الانہر ۲/۴۷، دررالحکام ۱/۹۳، ۹۵، شائع کردہ مکتبہ المہدیہ، حاشیہ ابن ماجہ ۲/۱۰۰، طبع بولاق، القوائین المکتبہ لابن جزیری ص ۱۶۲، طبع دارالعلم، حاشیہ الدرستی ۳/۱۰۳، ۱۱۰، شائع کردہ دارالفکر، مواہب الجلیل ۳/۳۳۶، طبع مکتبہ انباج لیبیا، معنی المحتاج ۲/۱۵۵، شائع کردہ دار احیاء التراث العربی، المجموع ۹/۲۵۹، طبع مطبعہ انصاری الاغوی مصر، المعنی مع الشرح الکبیر ۳/۲۷۳، الانصاف ۳/۲۶۷، ۲۸۳، طبع دار احیاء التراث العربی۔

(۲) حدیث: ”لا بیع مالیس عندک.....“ کی روایت ابوداؤد (۳/۶۹۳) طبع عزت عبید دھاس (اور ترمذی (۳/۵۲۵) طبع الجلیلی نے کی ہے ترمذی نے کہا حدیث حسن ہے۔

(۳) حدیث: ”لا بیع ولا طلاق ولا عتاق.....“ کی روایت ابوداؤد (۳/۲۳۰) طبع عزت عبید دھاس (اور ترمذی (۳/۷۷) طبع الجلیلی نے کی ہے ترمذی نے کہا حدیث حسن ہے الفاظ ابوداؤد کے ہیں۔

(۱) حدیث: ”بارک اللہ فی صفة یمینک.....“ کی روایت ترمذی (۳/۵۵۰) طبع الجلیلی نے کی ہے اس کے ایک رووی کی جہالت کی وجہ سے ابن حجر نے اس کو معلول کہا ہے (تخصیص البیہر ۳/۵۳) طبع شرکت المطابع لغویہ۔

## بیع موقوف ۴

فروخت کرنے والے کی طرف سے خریدار کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ قبضہ کے بعد فروخت شدہ چیز کی بیع پہلے خریدار کی اجازت پر موقوف ہے۔

- مرد کی بیع امام ابوحنیفہ کے نزدیک ارتداد سے اس کی توبہ پر موقوف ہے۔

- کسی چیز کی اس کے نمبر کے ذریعہ بیع، ثمن کے واضح ہونے پر موقوف ہے۔

- جتنے میں فلاں نے فروخت کیا اس کے عوض بیع، حالاں کہ خریدار کو اس کا علم نہیں، مجلس میں علم پر موقوف ہے۔

- جتنے میں لوگ فروخت کرتے ہیں اس کے مثل میں بیع، ثمن کی وضاحت پر موقوف ہے۔

- جتنے میں فلاں نے لیا ہے اس کے مثل میں بیع، ثمن کی وضاحت پر موقوف ہے۔

- مالک کی طرف سے غصب شدہ چیز کی بیع غصب کرنے والے کے اقرار پر یا اس کے انکار کے بعد ثبوت پیش کرنے پر موقوف ہے۔

- دوسرے کے مال کی بیع اس کی اجازت پر موقوف ہے (اور یہ بیع فضولی ہے)۔

- اختیاری طور پر خلط کرنے یا مالکوں کے فعل کے بغیر اختلاط کی وجہ سے مشترک چیز میں سے شریک کا اپنے حصہ کو فروخت کرنا، دوسرے شریک کی اجازت پر موقوف ہے۔

- مرض الموت میں گرفتار شخص کا اپنے مال میں سے کسی معین چیز کو اپنے کسی وارث کے ہاتھ فروخت کرنا باقی وراثت کی اجازت پر موقوف ہے، گوکہ قیمت کے مثل میں ہو، یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے۔

- وارث کی طرف سے قرض پر حاوی ترکہ کی بیع قرض خواہوں

لئے کہ سبب کا مکمل وجود اس کے اثرات کے بغیر اس کے فساد پر دلالت کرتا ہے۔

وہ حضرات بیع موقوف کو طلاق اور عتاق پر قیاس کرتے ہیں<sup>(۱)</sup>۔

## بیع موقوف کی انواع:

۴- عقد بیع موقوف ہوتا ہے اگر اس کے ساتھ دوسرے کا حق متعلق ہو اور اس کی صورت یہ ہے کہ وہ دوسرے کی ملکیت ہو یا غیر مالک کا فروخت شدہ چیز میں حق ہو<sup>(۲)</sup>۔

صاحب ”الخلاصہ“ نے بیع موقوف کی انواع پندرہ بتائی ہیں، اور صاحب ”المنہر“ نے اس کو اڑتیس انواع تک پہنچایا ہے۔ اور ابن نجیم نے ”البحر الرائق“ میں بیع موقوف کی انتیس صورتیں ذکر کی ہیں، جن میں سے اہم یہ ہیں:

- تصرف سے روک دئے گئے بچہ کی بیع باپ یا وصی کی اجازت پر موقوف ہے۔

- بے سوجھ بوجھ والے شخص کی بیع تاقضی کی اجازت پر موقوف ہے۔

- رہن کے سامان کی بیع مرتہن کی اجازت پر موقوف ہے۔

- اجرت پر لی گئی چیز کی بیع اجرت پر لینے والے کی اجازت پر موقوف ہے۔

- دوسرے کے ساتھ مزارعت میں موجود چیز کی بیع مزارعت کرنے والے کی اجازت پر موقوف ہے۔

(۱) تہذیب الفروق والقواعد لاسیہ ۳/۲۳۱ دارالعرف، المجموع ۵۵/۱، ۵۸/۲ طبع مطبعہ انصاف من اللہ، المغنی مع الشرح الکبیر ۳/۴۳، الانصاف ۳/۲۸۳، ۲۶۷ طبع دار احیاء التراث العربی۔

(۲) البحر الرائق ۶/۵۷



## بیع موقوف ۵-۶

کی اجازت پر موقوف ہے۔ لگے، لہذا اگر دوسرے کا کپڑا اس کے حکم کے بغیر فروخت کر دیا، اور خریدار نے اس کو رنگ دیا اور مالک نے بیع کی اجازت دے دی تو جائز ہے، اور اگر اس نے اس کو کاٹ کر سل دیا، پھر بیع کی اجازت دی تو ناجائز ہے، اس لئے کہ اب وہ دوسری چیز بن گئی۔

د۔ فروخت کرنے والے کے ہاتھ میں ثمن کا وجود، اگر وہ کوئی ”عین“ ہو، مثلاً سامان تجارت۔ اور اگر ثمن دین ہو، مثلاً دراہم و دنانیر اور پیسے تو ثمن کا فروخت کرنے والے کے قبضہ میں موجود ہونا شرط نہیں ہے۔

۵۔ بیع موقوف کا حکم: بیع موقوف کا حکم یہ ہے کہ حسب ذیل شرائط کے ساتھ وہ اجازت کو قبول کرتی ہے:

الف۔ فروخت کرنے والے کا باحیات ہونا، اس لئے کہ اجازت کی وجہ سے اس پر عقد کے حقوق لازم ہوں گے، اور حقوق زندہ ہی پر لازم ہوتے ہیں۔

ب۔ خریدار کا باحیات ہونا، تاکہ اس پر ثمن لازم ہو، اور موت کے بعد اس پر لازم نہ ہوگا جب تک کہ اہلیت کی حالت میں اس پر لازم نہ رہا ہو۔

ج۔ فروخت شدہ چیز کا وجود، اس لئے کہ اس میں ملکیت منتقل نہیں ہوئی، ملکیت تو اجازت کے بعد ہی منتقل ہوگی۔ اور بلاکت کے بعد منتقل ہونا ممکن نہیں ہے۔

فروخت شدہ چیز کے قائم ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس میں کوئی ایسی تبدیلی نہ ہوئی ہو جس کی وجہ سے وہ دوسری چیز شمار ہونے

۵۔ بیع موقوف کا حکم: بیع موقوف کا حکم یہ ہے کہ حسب ذیل شرائط کے ساتھ وہ اجازت کو قبول کرتی ہے:

الف۔ فروخت کرنے والے کا باحیات ہونا، اس لئے کہ اجازت کی وجہ سے اس پر عقد کے حقوق لازم ہوں گے، اور حقوق زندہ ہی پر لازم ہوتے ہیں۔

ب۔ خریدار کا باحیات ہونا، تاکہ اس پر ثمن لازم ہو، اور موت کے بعد اس پر لازم نہ ہوگا جب تک کہ اہلیت کی حالت میں اس پر لازم نہ رہا ہو۔

ج۔ فروخت شدہ چیز کا وجود، اس لئے کہ اس میں ملکیت منتقل نہیں ہوئی، ملکیت تو اجازت کے بعد ہی منتقل ہوگی۔ اور بلاکت کے بعد منتقل ہونا ممکن نہیں ہے۔

فروخت شدہ چیز کے قائم ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس میں کوئی ایسی تبدیلی نہ ہوئی ہو جس کی وجہ سے وہ دوسری چیز شمار ہونے

۵۔ بیع موقوف کا حکم: بیع موقوف کا حکم یہ ہے کہ حسب ذیل شرائط کے ساتھ وہ اجازت کو قبول کرتی ہے:

الف۔ فروخت کرنے والے کا باحیات ہونا، اس لئے کہ اجازت کی وجہ سے اس پر عقد کے حقوق لازم ہوں گے، اور حقوق زندہ ہی پر لازم ہوتے ہیں۔

ب۔ خریدار کا باحیات ہونا، تاکہ اس پر ثمن لازم ہو، اور موت کے بعد اس پر لازم نہ ہوگا جب تک کہ اہلیت کی حالت میں اس پر لازم نہ رہا ہو۔

ج۔ فروخت شدہ چیز کا وجود، اس لئے کہ اس میں ملکیت منتقل نہیں ہوئی، ملکیت تو اجازت کے بعد ہی منتقل ہوگی۔ اور بلاکت کے بعد منتقل ہونا ممکن نہیں ہے۔

فروخت شدہ چیز کے قائم ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس میں کوئی ایسی تبدیلی نہ ہوئی ہو جس کی وجہ سے وہ دوسری چیز شمار ہونے

بیع موقوف کا اثر:

۶۔ ”بیع ناند“ فی الحال حکم کا فائدہ دیتی ہے، یعنی ثمن پر فروخت کرنے والے کی ملکیت اور فروخت شدہ چیز پر خریدار کی ملکیت اور فروخت کرنے والے اور خریدار میں سے ہر ایک کا اپنے قبضہ والی چیز میں کسی اور چیز کی ضرورت کے بغیر تصرف ثابت ہوتا ہے، خواہ عقد

(۱) دررالحکام فی شرح غرر الاحکام ۱۷۷/۲ طبع مطبعہ احمد کمال، نیز دیکھئے: بیع القدر ۱۹۱/۶، طبع دار احیاء التراث العربی، بدائع الصنائع ۱۵۱/۵، ۱۵۲، الخرشنی ۱۵/۵۔

(۱) البحر الرائق ۳۵۷، ۳۵۸، نیز دیکھئے: حاشیہ ابن عابدین ۱۳۹/۳ طبع بولاق، جامعہ الخطاوی علی الدرر ۳۳/۶۳، حاشیہ ابوسعود علی شرح الکنز از المنزلا مسکین ۲۳/۵۶۵، دررالحکام فی شرح غرر الاحکام ۱۷۷/۲، ۱۷۷/۱ طبع مطبعہ احمد کمال ۱۳۳۰ھ، الفتاویٰ الخانیہ بہائش الہندیہ ۱۷۲/۲ اور اس کے بعد کے صفحات، جامعہ الدوسقی ۱۱/۳، ۱۱، طبع الخرشنی، الخرشنی ۱۵/۵، ۱۸، لا شاہد الاظہار للسیوطی ۲۸۵، ۲۸۶ طبع درالکتب العلمیہ۔

## بیع موقوفے

تفصیل کے لئے دیکھئے: ”رہن“۔

اس بات کی طرف اشارہ کر دینا مناسب ہے کہ بیع موقوف کا نفاذ اور اس کے اثر کا ظہور ہمیشہ عقد کرنے والا کے علاوہ شخص پر موقوف نہیں ہوتا ہے، ہاں انطباق یہی ہے، لیکن بسا اوقات اس کا نفاذ کسی شخص کی اجازت پر موقوف نہیں ہوتا ہے، بلکہ کسی ایسی حالت کے زوال پر موقوف ہوتا ہے جو عدم نفاذ کا سبب ہے، مثلاً اسلام سے مرتد ہونے والے کی بیع، اس کا نفاذ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اسلام کی طرف لوٹ آنے پر موقوف ہوتی ہے (۱)۔

توقف کے دوران معقود علیہ میں ہونے والے تصرفات: ۷۔ بیع موقوف میں توقف کے دوران معقود علیہ میں ہونے والے تصرفات میں سے بعض کا اثر، انشاء (آغاز) عقد کے وقت سے جاری ہوتا ہے، جبکہ بعض کا اثر اجازت کے وقت سے شروع ہوتا ہے، لہذا اجازت بسا اوقات انشاء ہوتی ہے، اور بسا اوقات اظہار۔ ذیل میں ان دو انواع کے تصرفات کی مثالیں ہیں:

اول: وہ تصرفات جن کا اثر انشاء عقد کے وقت سے جاری ہوتا ہے:

الف۔ اگر فضولی کی طرف سے ہونے والی دوسرے کے مال کی بیع کی اجازت دے دی جائے، تو اس کا حکم عقد کے آغاز کے وقت سے نافذ مانا جاتا ہے، لہذا فروخت شدہ چیز خریدار کی ملکیت ہو جاتی ہے، اور ثمن مالک کی ملکیت ہو جاتی ہے جو فضولی کے ہاتھ میں امانت ہے۔ اس لئے کہ بعد میں ملنے والی اجازت سابق وکالت کے درجہ میں ہے۔ اگر ثمن فضولی کے ہاتھ میں اجازت سے قبل ہلاک

(۱) الفتاویٰ الحنفیہ بہائش الہندیہ ۱۸۵/۲۔

میں ذکر ہو کہ فروخت کرنے والا ثمن کا اور خریدار فروخت شدہ چیز کا مالک ہو جائے گا یا ذکر نہ ہو، اس لئے کہ موجب (سبب) کے وجود کے بعد تقاضہ اور نتیجہ کی صراحت کرنا شرط نہیں ہے (۱)۔

بیع کے نفاذ کے لئے شرط ہے کہ فروخت کرنے والا فروخت شدہ چیز کا مالک ہو یا اس چیز کے مالک کا وکیل ہو یا اس چیز کے وصی کا وکیل ہو، اور یہ کہ فروخت شدہ چیز میں دوسرے کا حق نہ ہو۔ اگر ان میں کوئی شرط مفقود ہوگی تو بیع موقوف ہوگی، اور صاحب معاملہ کی اجازت کے وقت ہی حکم کا فائدہ دے گی، اگر وہ اجازت دے تو نافذ ہوگی ورنہ باطل ہوگی (۲)۔

لہذا مالک کی طرف سے اجازت کے صادر ہونے سے قبل بیع موقوف کا اثر ظاہر نہ ہوگا، بلکہ اس کے اثر کا ظہور اجازت پر موقوف ہوگا، مثلاً بیع فضولی ابتداء نافذ نہیں ہوگی، اس لئے کہ ملکیت اور ولایت نہیں ہے، ہاں مالک کی اجازت پر موقوف ہو کر منعقد ہوتی ہے۔ اگر وہ اجازت دے تو نافذ ہوگی ورنہ باطل ہوگی (۳)۔

(دیکھئے: ”بیع فضولی“)

اسی طرح اگر رہن دینے والا مرثن کی اجازت کے بغیر رہن کو فروخت کر دے تو حنفیہ کے یہاں صحیح روایت میں بیع موقوف ہوگی، کیونکہ اس سے مرثن کا حق متعلق ہے، لہذا اس کی اجازت پر موقوف ہوگی، اگر مرثن اجازت دے یا رہن دینے والا اس کا دین ادا کر دے تو نافذ ہوگی، اور اگر مرثن کی اجازت سے بیع نافذ ہو جائے تو اس کا حق اس کے بدل کی طرف منتقل ہو جاتا ہے (۴)۔

(۱) فتح القدیر ۱۹۱/۶ طبع دار احیاء التراث العربی، جامع المصنفین ۲۳۱/۱ طبع بلاق ۱۳۰۰ھ۔

(۲) الفتاویٰ الہندیہ ۱۱۲/۳۔

(۳) المجموعۃ الخیر ۱۹۶/۱۵ طبع المطبعۃ الخیر ۱۳۲۲ھ۔

(۴) الکفایۃ شرح الہدایہ ۱۹۱/۶ طبع دار احیاء التراث العربی۔

## بیع موقوفے

ہوگی، جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں<sup>(۱)</sup>، اس لئے کہ فضولی سے خریدنے والا اجازت کے بعد ہی اپنی خریدی ہوئی چیز کا مالک ہوگا، لہذا اس کی بیع اپنی غیر مملوک چیز پر ہوئی۔

ب۔ اگر فضولی دوسرے کی مملوک چیز فروخت کر دے تو اس فروخت شدہ چیز میں شفعہ کا مطالبہ اجازت کے وقت ہوگا<sup>(۲)</sup>۔

ہو جائے، پھر عقد کی اجازت دے دی جائے تو وہ ضامن نہ ہوگا جیسا کہ وکیل کے لئے ہے۔ اسی طرح اگر فروخت کرنے والا فضولی شمن میں کمی کر دے، پھر مالک بیع کی اجازت دے دے تو بیع اور کمی دونوں ثابت ہوں گی، خواہ فروخت کرنے والے کو کم کرنے کا علم ہو یا نہ ہو، البتہ اگر اس کو کم کرنے کا علم اجازت کے بعد ہوا ہو تو اس کے لئے اختیار ثابت ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فضولی اجازت کی وجہ سے وکیل کی طرح ہو جاتا ہے۔ اگر وکیل شمن میں کمی کر دے تو مؤکل خریدار سے اس کا مطالبہ نہیں کر سکتا، تو یہاں بھی یہی ہوگا<sup>(۱)</sup>۔

ب۔ اگر مالک بیع موقوف کی اجازت دے دے تو فروخت شدہ چیز پر ملکیت خریدار کے لئے خریداری کے وقت سے ثابت ہوگی، اور نتیجتاً اس کے لئے ہر اس فرائض یا زیادتی میں حق ثابت ہوگا جو فروخت شدہ چیز میں اجازت سے قبل پیدا ہو، مثلاً آمدنی، اولاد اور تاوان وغیرہ<sup>(۲)</sup>۔



دوم: وہ تصرفات جن کا حکم اجازت ملنے کے وقت کے ساتھ محدود ہوتا ہے:

الف۔ فضولی سے خریدنے والے کے لئے اجازت ملنے سے قبل فروخت شدہ چیز میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے، خواہ اس نے اس پر قبضہ کر لیا ہو یا نہ کیا ہو<sup>(۳)</sup>، اگر فضولی سے خریدنے والے نے فروخت شدہ چیز دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دی، پھر مالک نے بیع فضولی کی اجازت دے دی تو فضولی سے خریدنے والے کی بیع مانڈ نہ

(۱) درالمنہاج شرح مجلہ الأحكام ۱/۳۳۳، ۳۳۰۔

(۲) درالمنہاج شرح مجلہ الأحكام ۱/۳۲۸، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰۔

(۳) بدائع الصنائع ۵/۱۳۸، الخرشی ۵/۱۸۔

(۱) درالمنہاج شرح غرر الأحكام ۲/۲۵۶، الفتاویٰ الخانیہ بہامش الہندیہ ۱۷۷/۲۔

(۲) حاشیہ الفتاویٰ علی الدرر ۲/۲۸۶، حاشیہ ابن عابدین ۳/۳۰۰۔

## بیع و شرط

حدیث ہے: ”مقاطع الحقوق عند الشروط“<sup>(۱)</sup> (حق کا پورا کرنا اسی وقت ہوگا جب شرط پوری کی جائے)۔ اور حدیث ہے: ”ماکان من شرط لیس فی کتاب اللہ، فہو باطل“<sup>(۲)</sup> (جو شرط اللہ کی کتاب میں نہیں وہ لغو ہے)۔ یعنی ایسی شرط جو اللہ تعالیٰ نے اپنی جو شریعت جاری کی ہے اور اس میں جو فرض واجب کیا ہے، اس میں یہ نہ ہو۔ اور حضرت عمر و بن شعیب کی حدیث اپنے والد اور اپنے دادا کے واسطے سے نبی ﷺ سے مروی ہے: نہی عن بیع و شرط“<sup>(۳)</sup> (نبی کریم ﷺ نے ایک ساتھ بیع اور شرط سے منع فرمایا)۔

یہ نصوص (مجموعی حیثیت سے) اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ متعاقبین کے لئے کچھ مباح شرائط ہیں جن کو وہ حسب منشا اپنے عقود میں پابندی کرنے کے لئے اختیار کر سکتے ہیں، اور کچھ شرائط ممنوع ہیں، جن کو متعاقبین میں سے کوئی بھی مشروط نہیں کر سکتا، کیونکہ وہ مقصود کے برعکس یا شریعت کے عام قواعد کے خلاف یا مقصد شریعت سے متصادم ہیں۔

= طبع عیسٰی العلی (نے کی ہے یہ حدیث اپنے طرق کے ساتھ صحیح ہے) (تفصیص لہیر لابن حجر ۳۳ طبع شرکت المطابع العنبر)۔

(۱) حدیث: ”مقاطع الحقوق عند الشروط“..... یہ حضرت عمر کا قول ہے بخاری نے اس کو حلیتاً ذکر کیا ہے (فتح الباری ۲۱۷ طبع المستقر) اور سعید بن منصور نے اس کو اپنی سنن (۶۶۳) میں موصولاً روایت کیا ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے (تفصیص لہیر لابن حجر ۳۱۹ طبع المکتب الاسلامی)۔

(۲) حدیث: ”ماکان من شرط لیس فی کتاب اللہ فہو باطل“..... کی روایت بخاری (فتح الباری ۳۲۶/۵ طبع المستقر) نے کی ہے۔

(۳) حدیث: ”نہی عن بیع و شرط“..... کی روایت طبرانی نے لا وسط میں کی ہے زبلی نے ابن تظان کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس کو ضعیف کہا ہے (نصب الراية ۱۸/۳ طبع مجلس العلی)، نیز دیکھئے: التناہیہ ۷۸/۶، بدائع الصنائع ۱۷۵/۵، فتح القدير ۶/۶، شرح المجلد علی الصماح ۱۷۷/۳۔

## بیع و شرط

اس کی ماہیت و شریعت:

۱- اسلامی شریعت میں بہت سے شرعی نصوص وارد ہیں جو عقود کے اثرات کو متعین کرتے ہیں، اور اس کے بارے میں کچھ اور نصوص وارد ہیں، جن میں سے بعض عام ہیں اور بعض خاص ہیں جن کا تعلق اس بات سے ہے کہ عقود کے نتائج میں اضافہ یا کمی کے ذریعہ تبدیلی پیدا کرنے کے سلسلے میں فریقین کا حق کہاں تک ہے، اور یہ تبدیلی ان شروط کے ذریعہ ہوتی ہے جو فریقین اپنے عقد میں لگاتے ہیں۔

قرآن کریم میں فرمان باری ہے: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ“<sup>(۱)</sup> (اے ایمان والو! اپنے عہدوں کو پورا کرو)، نیز فرمایا: ”لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ“<sup>(۲)</sup> (ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر نہ کھاؤ، ہاں البتہ کوئی تجارت باہمی رضامندی سے ہو)۔

سنت نبوی میں یہ حدیث وارد ہے: ”... المسلمون على شروطهم، إلا شرطاً حرم حلالاً“ (مسلمان اپنی شرطوں کے پابند ہیں، مگر ایسی شرط جو حلال کو حرام کرے)۔ ایک روایت میں ہے: ”عند شروطهم“<sup>(۳)</sup> (اپنی شرطوں کے پاس ہیں)۔ اور ایک

(۱) سورۃ مائدہ ۱۔

(۲) سورۃ نساء ۲۹۔

(۳) حدیث: ”المسلمون على شروطهم، إلا شرطاً حرم حلالاً“ اور ایک روایت میں ”عند شروطهم“ ہے کی روایت ترمذی (۳/۵۲۳)۔

## بیع و شرط ۲-۵

۴- اسی طرح اگر شرط، عقد کے مناسب ہو، مثلاً اس کے تقاضے کی توثیق کرے تو عقد کو فاسد نہ کرے گی، کو کہ عقد اس کا متقاضی نہ ہو، اس لئے کہ وہ معنوی حیثیت سے اس کے حکم کو ثابت اور پختہ کرتی ہے، لہذا یہ اس شرط کے ساتھ لاحق ہو جائے گی جو عقد کے تقاضوں میں سے ہے، مثلاً اشارہ یا شمیہ (نام لینے) کے ذریعہ معلوم رہن کی شرط، کفالت سے قبل حاضر کفیل کی شرط یا کفیل غائب تھا پھر آ گیا اور علاج کی سے قبل اس کو قبول کر لیا (۱)۔

حوالہ کی شرط لگانا کفالت کی طرح ہے، لہذا اگر اس شرط پر فروخت کیا کہ خریدار فروخت کرنے والے کو ثمن کے حصول کے لئے دوسرے پر محمول کرے گا، تو انہوں نے کہا کہ قیاساً فاسد ہے، اور احتساباً جائز ہے (۲)۔

لیکن کاسانی نے حوالہ کی شرط کو مفسد قرار دیا ہے، اس لئے کہ اس کا عقد متقاضی نہیں، اور نہ ہی وہ اس کے موجب کو ثابت کرتی ہے، کیونکہ حوالہ ثمن سے بری کرنا اور اس کو ساقط کرنا ہے، لہذا وہ عقد کے مناسب نہیں ہے، برخلاف کفالت اور رہن کے (۳)۔

۵- ان کے نزدیک ”نفع“ کی شرط کے تحت حسب ذیل چیزیں آتی ہیں:

الف- متعاقدین میں سے کسی ایک کے لئے منفعت کی شرط ہو، مثلاً اگر اس شرط پر گھر بیچنے کو فروخت کرنے والا اس میں ایک ماہ رہے گا، پھر اسے اس کو سپرد کرے گا یا زمین اس شرط پر بیچنے کو فروخت کرنے والا اس میں ایک سال بھیتی کرے گا یا جانور ایک ماہ سواری کی شرط پر یا کپڑا ایک ہفتہ استعمال کرنے کی شرط پر، یا اس شرط پر کہ

(۱) رد المحتار ۳/۱۲۱، ۱۲۲، بدائع الصنائع ۵/۱۷۱، ۱۷۲، نیز دیکھئے تبیین الحقائق ۳/۵۷۔

(۲) رد المحتار ۳/۱۲۳، ۱۲۴۔

(۳) بدائع الصنائع ۵/۱۷۲۔

ذیل میں بیع مع شرط کے بارے میں فقہاء کے مذاہب کی تفصیل ہے، ہر مذہب کو علاحدہ علاحدہ بیان کیا جائے گا، کیونکہ اس سلسلے میں ان میں سخت اختلاف ہے:

## اول: مذہب حنفیہ:

۲- حنفیہ نے ممنوع شرط کے لئے جو عقد کو فاسد کر دیتی ہے یہ ضابطہ مقرر کیا ہے: ہر ایسی شرط جس کا عقد متقاضی نہیں اور نہ ہی وہ عقد کے مناسب ہے، اور اس میں متعاقدین میں سے کسی ایک کے لئے یا جنسی کے لئے یا فروخت شدہ چیز کے لئے جو اہل استحقاق میں سے ہو، نفع ہو اور اس کا عرف و رواج نہ ہو، اور شریعت میں اس کا جواز وارد نہ ہو (۱)۔

۳- اگر شرط ایسی ہو جس کا عقد متقاضی ہے، یعنی وہ عقد کی وجہ سے بلا شرط واجب ہوتی ہے تو وہ شرط صحیح ہوگی، وہ فساد بیع کا سبب نہیں ہوگی (۲)۔ مثلاً اس شرط پر خرید اکہ وہ فروخت شدہ چیز کا مالک ہو جائے گا، یا اس شرط پر بیچا کہ وہ ثمن کا مالک ہو جائے گا، یا اس شرط پر بیچا کہ ثمن مکمل وصول کرنے کے لئے فروخت شدہ چیز کو روک لے گا یا اس شرط پر خرید اکہ فروخت شدہ چیز اس کے سپرد کر دے گا، یا اس شرط پر جانور خرید اکہ اس پر سوار ہوگا، یا کپڑا پہننے کی شرط پر خرید اکہ یا بالی میں موجود گیہوں کو اس شرط پر خرید اکہ فروخت کرنے والا اس کو کاٹے گا، اور اس طرح کی دوسری شرطیں تو بیع جائز ہے، اس لئے کہ بیع مذکورہ چیزوں کی شرط کے بغیر متقاضی ہے، لہذا ان کو شرط کے طور پر ذکر کرنا عقد کے تقاضے کی توثیق کے لئے ہے، ان کی وجہ سے عقد فاسد نہیں ہوگا (۳)۔

(۱) رد المحتار ۳/۱۲۱، نیز دیکھئے بدائع الصنائع ۵/۱۶۹، الہدایہ مع الشرح ۶/۷۷، تبیین الحقائق ۳/۵۷۔

(۲) رد المحتار ۳/۱۲۱، بحوالہ البحر الرائق، نیز دیکھئے الہدایہ مع الشرح ۶/۷۷۔

(۳) بدائع الصنائع ۵/۱۷۱، نیز ان میں سے بعض مثالوں کے لئے دیکھئے الہدایہ مع الشرح ۶/۷۷، تبیین الحقائق ۳/۵۷، الدر المختار ۳/۱۲۳۔

## بیع و شرط ۶

ظاہر الروایہ یہی ہے۔ اسی طرح اگر خریدار پر شرط لگائے کہ اس کو فروخت نہیں کرے گا یا اس کو بیہ نہیں کرے گا، کیونکہ مملوک کے لئے مختلف ہاتھوں میں نہ جانا اچھا لگتا ہے<sup>(۱)</sup>۔ اور حسن نے امام ابوحنیفہ سے خریدار پر آزاد کرنے کی شرط لگانے کا جواز نقل کیا ہے۔

جس شرط میں کسی کا نفع نہ ہو وہ شرط مذکور کے تحت نہیں آتی، اور وہ سبب فساد نہیں ہے، مثلاً کپڑا اس شرط پر فروخت کیا کہ اس کو فروخت نہ کرے یا اس کو بیہ نہ کرے یا جانور اس شرط پر فروخت کیا کہ اس کو فروخت نہ کرے یا کھانا اس شرط پر فروخت کیا کہ اس کو کھائے گا فروخت نہیں کرے گا تو اس شرط میں کسی کا نفع نہیں ہے، لہذا یہ ”صحیح“ قول میں سبب فساد نہیں ہے، کیونکہ اس طرح کی شروط میں فساد (جیسا کہ کاسانی کہتے ہیں) کا سبب ان میں شروط و منفعت کی زیادتی کی وجہ سے جس کا کوئی عوض نہیں ہے رہا ہوتا ہے، اور یہ چیز اس شرط میں نہیں پائی گئی، اس لئے کہ اس میں کسی کے لئے منفعت نہیں ہے، اور نہ ہی اس شرط کا کوئی مطالبہ کرنے والا ہے، لہذا اس کے نتیجے میں ربا یا نزاع نہ ہوگا، اس لئے عقد جائز ہے اور شرط باطل ہے<sup>(۲)</sup>۔

۶۔ جس شرط میں عاقدین میں سے کسی کا ضرر ہو مثلاً کپڑا اس شرط پر فروخت کرے کہ خریدار اس کو پھاڑ دے گا یا گھر اس شرط پر فروخت کرے کہ خریدار اس کو ویران کر دے گا، تو بیع جائز اور شرط باطل ہے، اس لئے کہ ضرر کی شرط بیع میں اثر انداز نہیں ہوتی ہے، اور

(۱) بدائع الصنائع ۵/۷۰، نیز اس میں امام ابوحنیفہ سے حسن کی مذکورہ روایت کی توجیہ دیکھی جائے۔

(۲) بدائع الصنائع ۵/۷۰، العنایہ شرح الہدایہ ۸/۶، رد المحتار (۱۲۲/۳)

میں مذکور ابن عابدین کی اس عبارت کے ساتھ موازنہ کریں: اس طرح کی شرط (عدم بیع و بیہ) کے ساتھ بیع میں ان دونوں میں سے ایک کا ضرر ہے اور طرفین کے نزدیک اس طرح کی شرط کے ساتھ بیع جائز ہے اس میں امام ابو یوسف کا اختلاف ہے۔

خریدار اس کو قرض دے گا یا اس کو کوئی بیہ کرے گا یا اپنی بیٹی سے اس کی شادی کر دے گا یا اس کے ہاتھ فلاں سامان فروخت کرے گا وغیرہ یا کپڑا فروخت کیا اس شرط پر کہ فروخت کرنے والا اس کو قمیص سلے گا یا گیہوں اس کو پینے کی شرط پر یا پھل اس کو توڑنے کی شرط پر یا ایسی چیز فروخت کی جس میں بار برداری اور خرچہ ہے، اس شرط پر کہ فروخت کرنے والا اس کو خریدار کے گھر تک اٹھا کر لے جائے گا وغیرہ وغیرہ۔

ان تمام صورتوں میں بیع فاسد ہے، اس لئے کہ بیع میں شروط و منفعت کا اضافہ سود ہوگا، کیونکہ یہ ایسا اضافہ ہے جس کے بالمقابل عقد بیع میں کوئی عوض نہیں ہے، اور سود کی تشریح یہی ہے۔ اور وہ بیع جس میں سود ہو وہ فاسد ہے یا اس میں سود کا شبہ ہو تو وہ حقیقت سود کی طرح بیع کو فاسد کرنے والا ہے<sup>(۱)</sup>۔

ب۔ اس میں یہ بھی شامل ہے کہ منفعت اجنبی کے لئے ہو، جیسے خالی زمین اس شرط پر فروخت کی کہ اس میں مسجد تعمیر کرے گا یا کھانا اس شرط پر کہ اس کو صدقہ کر دے گا تو یہ فاسد ہے، کو کہ مذہب حنفیہ میں اجنبی کے لئے قرض وغیرہ کی منفعت کی شرط لگانے کے بارے میں رد قول ہیں<sup>(۲)</sup>۔

ج۔ یہ اس کو بھی شامل ہے کہ معقود علیہ کے لئے منفعت ہو، جیسے باندی اس شرط پر فروخت کی کہ خریدار اس کو آزاد کرنے کی وصیت کرے گا تو بیع فاسد ہے، اس لئے کہ یہ ایسی شرط ہے جس میں فروخت شدہ چیز کے لئے منفعت ہے۔ اور یہ مفسد ہے۔ اور یہی حکم اس صورت میں ہے جب باندی کو آزاد کرنے کی شرط لگائے،

(۱) بدائع الصنائع ۵/۱۶۹، ۷۰، نیز دیکھئے الہدایہ شرح المشروح ۸/۶، رد المحتار کے بعد کے صفحات، الدر المختار ۳/۱۲۱، ۱۲۲۔

(۲) الدر المختار رد المحتار ۳/۱۲۲۔

## بیع و شرط ۷-۱۰

ہوگا، اگر اس کے نتیجے میں نزاع پیدا نہ ہو۔

ابن عابدین نے ”المخ“ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ اس حالت میں عرف کا اعتبار کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اس حدیث کی خلاف ورزی ہے جس کے الفاظ ہیں: ”نہی النبی ﷺ عن بیع و شرط“ (نبی کریم ﷺ نے ایک ساتھ بیع اور شرط سے منع فرمایا ہے)، کیونکہ حدیث کی توجیہ یہ کی گئی ہے کہ ایسی نزاع ہو جو عقد کو اپنے مقصود یعنی قطع نزاع سے نکال دے، عرف اس نزاع کو ختم کرنا ہے، لہذا وہ حدیث کے معنی کے موافق ہے۔ اس لئے قیاس کے علاوہ کوئی اور مانع باقی نہ رہا، اور عرف قیاس پر غالب ہے (۱)۔

۹- عقد کے تقاضے کی مخالفت کی شرط سے وہ شرط بھی مستثنیٰ ہے جو شریعت میں وارد ہو، مثلاً شمن کی ادائیگی میں ”مدت“ کی شرط، کیونکہ لوگوں کو اس کی ضرورت ہوتی ہے، ہاں یہ شرط ہوگی کہ وہ مدت معلوم ہو، تاکہ جھگڑے کا سبب نہ ہو (۲)۔ اسی طرح بیع میں خیار کی شرط، کہ اس کا ثبوت حضرت حبان بن منقذ کی اس معروف حدیث میں ہے: ”إذا بايعت فقل لا خلافة“ (۳) (جب تم بیع کرو تو کہو: فریب کا کام نہیں)، پھر تم کو ہر خریدے ہوئے سامان میں تین دنوں تک اختیار ہے، اگر پسند ہو تو روک لو اور اگر ناپسند ہو تو واپس کر دو۔

حنفیہ نے بتیس ایسے مقامات شمار کرائے ہیں جن میں شرط کی وجہ سے بیع فاسد نہیں ہوتی ہے (۴)۔

۱۰- کیا شرط فاسد کا عقد کے ساتھ متصل ہونا شرط ہے؟ عقد کے بعد

ابن عابدین نے نقل کیا ہے کہ یہی امام محمد کا مذہب ہے جبکہ امام ابو یوسف کا مذہب بیع کا فاسد ہونا ہے (۱)۔

جس شرط میں کسی کا ضرر یا نفع نہ ہو وہ جائز ہے، مثلاً کھانے کی شرط پر کھانا خریدے یا پہننے کی شرط پر کپڑا خریدے۔

۷- حنفیہ نے منفعت کی ایسی شرط جو عقد کو فاسد کر دے اس سے اس شرط کو مستثنیٰ کیا ہے جس کا عرف و رواج ہو، اور لوگوں میں بلا تکثیر اس کا تعامل ہو، حنفیہ نے اس کی مثال یہ دی ہے کہ جو اس شرط پر خریدے کہ فر وخت کرنے والا اس میں نعل (یا اڑی) لگائے گا یا کھڑاؤں اس شرط پر خریدی کہ فر وخت کرنے والا اس میں تسمہ لگائے گا یا بنا ہوا اون خرید اس شرط پر کہ فر وخت کرنے والا اس کی ٹوپی (یا گلوبند اور کوٹ) بنائے گا یا ٹوپی اس شرط پر خریدی کہ فر وخت کرنے والا اس میں اپنے پاس سے استر لگائے گا یا خف یا پیرانا کپڑا اس شرط پر خریدی کہ فر وخت کرنے والا اس میں پیوند لگائے گا یا اس کو رو کرے گا۔

یہ اور اس طرح کی شرائط حنفیہ کے نزدیک جائز شرطوں میں سے ہیں، لہذا ان کے ساتھ بیع صحیح ہے، اور احتسماً شرط لازم ہوگی، کیونکہ لوگوں میں ان کا تعامل اور رواج ہے۔

قیاس یہ ہے کہ فاسد ہو (جیسا کہ امام زفر کہتے ہیں)، اس لئے کہ عقد ان شروط کا متقاضی نہیں ہے، اور ان میں متعاقدین میں سے ایک کا نفع ہے۔ اور وہ یہاں خریدار ہے، لیکن لوگوں میں اس کا تعامل ہے، اور اس جیسی چیز سے قیاس ترک کر دیا جاتا ہے (۲)۔

۸- ابن عابدین رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے کہ نئے عرف کا اعتبار ہے، لہذا اگر رو کی شرط پر کپڑے کی بیع اور جوتا بنانے کی شرط پر چپل کی بیع میں مذکورہ شرط کے علاوہ کوئی اور عرف پیدا ہو جائے تو وہ معتبر

(۱) بدائع الصنائع ۵/۷۰، رد المحتار ۳/۱۲۲ بحوالہ الجومہ۔

(۲) سابقہ مراجع۔

(۱) رد المحتار ۳/۱۲۳۔

(۲) الدر المختار ۳/۲۲۔

(۳) حدیث: ”إذا بايعت فقل لا خلافة...“ کی روایت ان الفاظ کے ساتھ

بیہقی (۵/۳۷۳ طبع دائرة المعارف اصفہانیہ حیدرآباد) نے کی ہے اس کی

اصل بخاری (فتح الباری ۳/۳۳ طبع استنبول) میں ہے۔

(۴) تبیین الحقائق ۳/۵۷، الدر المختار ۳/۱۲۱، رد المحتار ۳/۶۲۔

## بیع و شرط ۱۱

نیز (کتب مذہب کے حوالہ سے) رطلی کے اس فتوے پر قیاس ہے کہ اگر دو شخص عقد سے قبل ”بیع الوفاء“ پر اتفاق کر لیں، پھر شرط سے خالی عقد کریں تو یہ بیع ان کے اتفاق کے موافق ہوگی (۱)۔

## دوم: مذہب مالکیہ:

۱۱- مالکیہ نے بیع کے وقت متصور شرط کی تفصیل کرتے ہوئے کہا: یا تو عقد اس شرط کا متقاضی نہ ہوگا، اور وہ مقصود عقد کے منافی ہوگی یا وہ شرط ضمن میں خلل انداز ہوگی۔

اور یا تو عقد اس کا متقاضی ہوگا یا عقد اس کا متقاضی نہ ہوگا اور نہ وہ عقد کے منافی ہوگی۔

پس جو شرط عقد کو ضرر پہنچائے اور اس کو باطل کر دے، وہ ایسی شرط ہے جس میں بیع کے مقصود سے تضاد یا ضمن میں خلل اندازی ہو، مالکیہ کے نزدیک یہی شرط اس حدیث کا محمل ہے جس میں یہ آیا ہے: ”نہی النبی ﷺ عن بیع و شرط“ (نبی کریم ﷺ نے ایک ساتھ بیع اور شرط سے منع فرمایا ہے)، نہ کہ اخیر کی دو قسمیں (۲)۔

اول کی مثال یعنی جس کا عقد متقاضی نہیں ہے، اور وہ مقصود عقد کے منافی ہے، اور جس کے بارے میں ابن جزئی نے کہا: ایسی شرط جو خریدار پر پابندی کی متقاضی ہے، یہ ہے کہ فروخت کرنے والا خریدار پر یہ شرط لگائے کہ وہ سامان کسی کو بھی فروخت نہیں کرے گا یا صرف چند افراد کے ہاتھ فروخت کرے گا یا اس کو بھہ نہیں کرے گا یا اس پر سوار نہ ہوگا یا اس کو نہیں پہنچے گا یا اس میں رہائش اختیار نہیں کرے گا یا اس کو اجرت پر نہیں دے گا یا اس شرط پر کہ اگر اس کو کسی کے ہاتھ بھی

شرط کی صراحت کا حکم کیا ہے؟ اور اس پر عقد کے معنی ہونے کا حکم کیا ہے؟

الف۔ رہا مجلس سے علاحدگی کے بعد عقد کے ساتھ شرط کا متصل ہونا تو اس کے بارے میں مذہب میں دو صحیح شدہ روایتیں ہیں: ایک امام ابوحنیفہ سے ہے کہ وہ اصل عقد کے ساتھ لاحق ہوگی، دوسری صاحبین سے ہے کہ وہ اصل عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہوگی، اور یہی صحیح ہے۔

اس روایت کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اگر مطلقاً فروخت کرے، پھر ضمن کو اوصار رکھے تو اوصار رکھنا صحیح ہے، اس لئے کہ یہ شرط فاسد کے حکم میں ہے۔ اور اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ اگر ان دونوں نے بلا شرط بیع کی، پھر دونوں نے وعدہ کے طور پر شرط کا ذکر کیا تو بیع جائز ہے۔ اور وعدہ کو پورا کرنا لازم ہے، اس لئے کہ وعدے بسا اوقات لازم ہوتے ہیں، لہذا اس کو لوگوں کی حاجت کی وجہ سے لازم کر دیا جائے گا، اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اگر وہ دونوں شرط و فاء کے تذکرہ کے بغیر بیع کریں، پھر اس کی شرط لگائیں تو یہ ”بیع الوفاء“ کے قبیل سے ہوگی۔ اس لئے کہ بعد میں آنے والی شرط اصل عقد کے ساتھ مل جاتی ہے، یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے، صاحبین کے نزدیک نہیں، اور صحیح یہ ہے کہ اس کے لاحق ہونے کے لئے مجلس عقد کی شرط نہیں ہے۔

ب۔ رہا عقد کا شرط فاسد پر معنی ہونا، مثلاً ان دونوں نے عقد سے قبل شرط فاسد لگائی، پھر عقد کیا تو ابن عابدین نے ”جامع الفصولین“ کے حوالہ سے عقد کا فاسد نہ ہونا نقل کیا ہے، تاہم ابن عابدین کی تحقیق یہ ہے کہ فاسد مرتب ہوگا اگر وہ دونوں عقد کی بنا اس شرط فاسد پر رکھنے سے اتفاق کر لیں۔ اس کی وجہ مذاق کی جانے والی بیع کے بارے میں ان کی تصریحات کا تقاضا یہی ہے۔

(۱) رد المحتار ۳/۲۱۱، تصرف کے ساتھ۔

(۲) حاشیہ الدسوقی علی شرح الکبیر ۳/۶۵، شرح الخرشنی ۵/۸۰۔



## بیع و شرط ۱۲ - ۱۳

اول: ثمن میں جہالت، اس کی مثال سلف یعنی ان میں سے ایک کی طرف سے دوسرے کے لئے قرض کی شرط کے ساتھ بیع ہے۔

اگر قرض کی شرط خریدار کی طرف سے صادر ہو تو یہ ثمن میں خلل انداز ہوگی، کیونکہ اس کے نتیجے میں ثمن زیادتی کی وجہ سے مجہول ہو جائے گا، اس لئے کہ قرض سے اس کا فائدہ اٹھانا مجملہ ثمن کے ہوگا، اور یہ مجہول ہے۔ اور اگر قرض کی شرط فروخت کرنے والے کی طرف سے صادر ہو تو ثمن میں خلل انداز ہوگی، اس لئے اس کے نتیجے میں کمی کے سبب ثمن میں جہالت آئے گی، اس لئے کہ قرض سے اس کا فائدہ اٹھانا مجملہ فروخت شدہ چیز کے ہوگا۔ اور یہ مجہول ہے (۱)۔

دوم: شبہ ربا، اس لئے کہ قرض کی شرط پر بیع کو نفع لانے والا قرض مانا جاتا ہے:

چنانچہ اگر خریدار قرض لینے والا ہو تو اس کو قرض دینے والا فروخت کرنے والا ہوگا، اور فروخت کرنے والا ثمن کی زیادتی سے فائدہ اٹھائے گا۔

اگر فروخت کرنے والا قرض لینے والا ہو تو اس کو قرض دینے والا خریدار ہوگا، اور خریدار ثمن میں کمی سے فائدہ اٹھائے گا (۲)۔

اس سلسلے میں ابن جزئی نے صراحت کی ہے کہ خریدار فروخت کرنے والوں میں سے ایک کی طرف سے قرض کی شرط لگانا بالاجماع ناجائز ہے (۳)۔

۱۲ - ربی تیسری شرط یعنی عقد جس کا متقاضی ہے، تو یہ فروخت شدہ چیز خریدار کے سپرد کرنے اور عیب کی تلافی اور بیع ٹوٹنے کے وقت

فروخت کیا تو وہی ثمن کا زیادہ حق دار ہوگا یا لمبی مدت تک اختیار کی شرط لگائے۔

ان تمام حالات میں شرط اور بیع دونوں باطل ہیں (۱)۔

۱۲ - مالکیہ نے مقتضائے عقد کے منافی شرط سے بعض صورتوں کو مستثنیٰ کیا ہے:

اول: فروخت کرنے والے نے خریدار سے اقالہ (رد) کرنے کا مطالبہ کیا تو خریدار نے اس سے کہا: اس شرط پر کہ اگر تم اس کو میرے علاوہ کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کرو گے تو میں ثمن کے عوض اس کا زیادہ حق دار ہوں گا تو یہ صورت کسی کے ہاتھ فروخت نہ کرنے سے مستثنیٰ ہے، اور ان کے نزدیک اس کے باوجود وہ جائز ہے، اس لئے کہ اقالہ میں ایسی چیزوں کو درگزر کر دیا جاتا ہے جو اقالہ کے علاوہ میں قابل معافی نہیں ہیں (۲)۔

دوم: فروخت کرنے والا خریدار پر شرط لگائے کہ وہ فروخت شدہ چیز کو وقف کرے گا یا اس کو بہہ کرے گا یا اس کو فقراء پر صدقہ کرے گا تو یہ سب جائز ہیں، اس لئے کہ یہ احسان کی انواع ہیں جس کی شریعت دعوت دیتی ہے۔

سوم: باندی کو فوری طور پر آزاد کرنے کی شرط پر فروخت کرے تو یہ جائز ہے، گوکہ یہ شرط عقد کے تقاضے کے منافی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ شارع نے آزادی کو پسند کیا ہے۔ برخلاف ”مدبر“، ”مکاتب“ اور باندی کو ام ولد بنانے کی شرط کے، کہ یہاں جائز ہے، کیونکہ اس میں خریدار پر تنگی کرنا ہے۔

۱۳ - ربی دوسری شرط یعنی ثمن میں خلل انداز ہونا تو اس کی دو صورتیں ممکن ہیں:

(۱) المشرح الکبیر للدرہر وحامیہ الدسوتی ۶۶/۳، تصرف کے ساتھ نیز دیکھئے

شرح الخرش ۸۱/۵۔

(۲) المشرح الکبیر وحامیہ الدسوتی ۶۷/۳۔

(۳) القوانین الفقہیہ ۱۷۲۔

(۱) القوانین الفقہیہ ۱۷۱، المشرح الکبیر وحامیہ الدسوتی ۶۶/۳، شرح الخرش

۸۰/۵۔

(۲) المشرح الکبیر ۶۶/۳۔

## بیع و شرط ۱۵-۱۷

تھے جو تھک گیا تھا، انہوں نے اس کو آزاد کر دینا چاہا۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ مجھ سے آکر ملے، میرے لئے دعاء کی، اور اونٹ کو مارا، پھر وہ ایسا چلا کہ اس طرح سے کبھی نہیں چلا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو میرے ہاتھ بیچ دو۔ میں نے کہا: نہیں، پھر آپ ﷺ نے کہا: میرے ہاتھ اس کو بیچ دو۔ میں نے اس کو بیچ دیا، اور اپنے گھر تک سواری کا استثناء کر لیا۔ ایک روایت میں ہے: ”وشرطت ظہرہ إلی المدینة“<sup>(۱)</sup> (میں نے مدینہ تک اس کی سواری کی شرط لگائی)۔

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ شرط بہت سے حضرات کے نزدیک جائز ہے، کیونکہ شوکانی نے اس حدیث پر لکھا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سواری کے استثناء کرنے کے ساتھ بیع جائز ہے۔ یہی جمہور کا قول ہے۔ امام مالک نے اس کو جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ سفر کی مسافت قریبی ہو، اور اس کی تحدید انہوں نے تین دن سے کی ہے۔ امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ یہ ناجائز ہے، مسافت مختصر ہو یا طویل<sup>(۲)</sup>۔

یہ حدیث کو کہ فر وخت شدہ چیز سے اگر وہ قابل سواری جانور ہو معمولی انتفاع کے بارے میں ہے، لیکن مالکیہ نے اس پر ہر فر وخت شدہ چیز سے اس کی بیع کے بعد معمولی انتفاع کو مستقل طور پر آسانی پیدا کرنے کے لئے قیاس کیا ہے جو فر وخت کرنے والوں کی ضرورت کے پیش نظر ہے۔

۱۷- مالکیہ کے یہاں قابل ذکر یہ ہے کہ اگر وہ عقد میں خلل انداز شرط کو ساقط کر دے، خواہ یہ شرط مقصود بیع کے منافی ہو مثلاً

(۱) حدیث جابرہ ”فی اشراطہ الحمل علی الجمال.....“ کی روایت بخاری (بیع الباری ۵/۳۱۳ استقیہ) اور مسلم (۳/۳۱ طبع عیسیٰ الحلبي) نے کی ہے۔

(۲) نیل الاوطار ۵/۱۷۸، ۱۷۹۔

عوض کو لوٹانے کی شرط کی طرح ہے۔ یہ امور بلا شرط لازم ہیں، کیونکہ عقد ان کا متقاضی ہے، لہذا ان کی شرط لگانا تاکید ہے، جیسا کہ دسوقی کہتے ہیں<sup>(۱)</sup>۔

۱۵- رعی چوتھی شرط تو وہ معین مدت، رہن، خیار اور جمیل (یعنی کفیل) کی شرط کی طرح ہے۔ تو یہ شرط عقد کے منافی نہیں ہیں، اور عقد ان کا متقاضی بھی نہیں ہے، بلکہ یہ عقد کی مصلحت پوری کرتے ہیں۔ اگر ان کی شرط لگائی گئی تو ان پر عمل ہوگا ورنہ نہیں۔

مالکیہ نے رہن کو کہ وہ غائب ہی کیوں نہ ہو کی شرط لگانے کو صحیح قرار دیا، اور رہن غائب پر قبضہ تک سامان کو موقوف رکھا جائے گا۔ رہا کفیل غائب کی شرط لگانا تو جائز ہے، اگر اس کی غیبی مدت قریبی ہو، اور ناجائز ہے اگر اس کی غیبی مدت بعید ہو، اس لئے کہ بسا اوقات وہ راضی ہوگا، اور ہو سکتا ہے انکار کرے، لہذا اس میں قرب کی شرط لگائی گئی۔

۱۶- ابن جزئی نے شرط کی کچھ اور صورتوں کو ذکر کیا ہے جن کو استثناء یا خاص حکم والی مانا جاتا ہے مثلاً یہ صورت کہ فر وخت کرنے والا اپنے لئے منفعت کی شرط لگائے مثلاً معلوم مدت تک جانور پر سواری یا گھر میں رہائش، تو یہ بیع جائز اور شرط صحیح ہے<sup>(۲)</sup>۔

ظاہر یہ ہوتا ہے کہ یہ سابقہ چاروں تقسیم سے استثناء کی طرح ہے<sup>(۳)</sup>۔ اس کی دلیل حضرت جابرؓ کی معروف حدیث ہے: ”أنہ کان یسیر علی جمیل لہ، قد أعیا فأراد أن یسبہ، قال: ولحقنی النبی ﷺ فدعا لی، وضربہ، فسار سیرا لم یسر مثله، فقال: بعینہ، فقلت: لا ثم قال: بعینہ، فبعته، واستثنیت حملانہ إلی أهلی“ (وہ اپنے ایک اونٹ پر جا رہے

(۱) حاشیہ الدسوقی علی المشریح الکبیر ۳/۶۵۔

(۲) المشریح الکبیر ۳/۶۷، حاشیہ الدسوقی ۳/۶۵، القوائین الفقہیہ ۲/۱۷۲۔

(۳) دیکھئے اسی بحث کا فقرہ ۱۱۔

## بیع و شرط ۱۸-۱۹

طرح عدوی کے کلام سے بھی ظاہر ہوتا ہے (۱)۔

یہاں دو سوال سامنے آتے ہیں:

۱۹- پہلا سوال: کیا لازم آئے گا اگر بیع قرض کی شرط کے ساتھ ہو جو ثمن میں مخل شرط ہے، اور سامان خریدار کے پاس بیع فاسد کو فوت کرنے والی چیز کے سبب فوت ہو جائے (مثلاً اگر بلاک ہو جائے)، خواہ شرط لگانے والے نے اپنی شرط کو ساقط کر دیا ہو یا ساقط نہ کیا ہو؟ اس کے جواب میں چند اقوال ہیں:

اول: یہی ”المدونہ“ میں ہے۔ یا تو قرض دینے والا خریدار ہوگا یا فروخت کرنے والا:

الف۔ اگر خریدار نے ہی فروخت کرنے والے کو قرض دیا ہو تو خریدار پر جس ثمن میں بیع ہوئی ہے، اور قبضہ کے دن اس کی قیمت دونوں میں سے جو زائد ہو لازم ہوگا، لہذا اگر اس نے اس کو بیس میں خرید اور ”قیمت“ میں ہو تو بیس لازم ہوں گے۔

ب۔ اگر فروخت کرنے والے نے خریدار کو قرض دیا ہو تو خریدار پر فروخت کرنے والے کے لئے ثمن اور قیمت دونوں میں سے جو کم ہو لازم ہوگا، چنانچہ مذکورہ مثال میں اس پر بیس لازم ہوں گے، اس لئے کہ اس نے اضافہ کے لئے قرض دیا، تو اس کے ساتھ اس کے قصد کے برعکس معاملہ کیا جائے گا۔

دوم: ”المدونہ“ کے قول کے بالمقابل علی الاطلاق قیمت کا لازم ہونا ہے، خواہ قرض دینے والا فروخت کرنے والا ہو یا خریدار۔

سوم: خریدار کو کم تر کی ادائیگی کا ذمہ دار بنانا، جبکہ اس نے فروخت کرنے والے سے قرض لیا ہو، اس کا محل یہ ہے کہ وہ قرض کے ساتھ غائب نہ رہا ہو ورنہ اس پر قیمت لازم ہے، خواہ جتنی ہو (۲)۔

(۱) المشرح الکبیر وحامیہ الدسوقی ۶۷/۳ قدرے تصرف کے ساتھ، حامیہ الصوی علی شرح الخرشنی ۸۲/۵۔

(۲) المشرح الکبیر وحامیہ الدسوقی ۶۷/۳۔

فروخت شدہ چیز کے فروخت نہ کرنے کی شرط، یا ثمن میں خلل انداز شرط ہو مثلاً خریدار فروخت کرنے والوں میں سے کسی ایک کی طرف سے قرض کی شرط ہو، تو بیع صحیح ہو جائے گی۔

اس حالت میں صرف یہ شرط ہے کہ ساقط کرنا سامان کے باقی رہنے کے ساتھ ہو۔

قرض کی شرط کے حذف کرنے کی وجہ سے یہاں بیع کے صحیح ہونے کی توجیہ خرسی نے یہی ہے کہ مانع زائل ہو گیا (۱)۔

۱۸- کیا قرض کی شرط کے مثل میں ساقط کرنے سے متعلق حکم ان دونوں صورتوں میں برابر ہے کہ یہ اس سے انتفاع کی قدرت سے قبل ہو یا اس کے بعد؟ اس مسئلہ میں دو اقوال ہیں:

الف۔ مذہب میں مشہور جو ابن القاسم کا قول ہے، یہ ہے کہ اگر قرض قرض دینے والے کو لوٹا دے، جبکہ سامان موجود ہو تو بیع صحیح ہوگی، اگر چہ قرض لینے والا قرض کے بعد اتنی مدت تک غائب ہو جس میں وہ اس سے انتفاع کر سکتا ہو۔

ب۔ سخون اور ابن حبیب کا قول یہ ہے کہ قرض کے ساتھ غیبیہ سے بیع ٹوٹ جائے گی، اگر چہ وہ قرض کی شرط کو ساقط کر دے، کیونکہ ان دونوں کے درمیان ربا کا سبب پایا گیا ہے یا دونوں کے درمیان ربا ہو چکا ہے (جیسا کہ شیخ درویر کی تعبیر ہے)، لہذا ساقط کرنے سے فائدہ نہیں ہوگا۔

درویر کے نزدیک معتمد پہا قول ہے، جیسا کہ انہوں نے اس کی صراحت کی ہے، اور دسوقی کا میلان دوسرے قول کی طرف ہے، جیسا کہ ان کے کلام اور دوسرے قول کو ان کے نقل کرنے سے ظاہر ہوتا ہے، کیونکہ انہوں نے اس کے مشہور ہونے کو نقل کیا ہے۔ اور اسی

(۱) اس سلسلہ میں دیکھئے: القوانین الفہمیہ ۱۷۲، کیونکہ ابن جزئی نے یہاں صراحتاً کہا: ان کا اختلاف ہے نیز دیکھئے: المشرح الکبیر للدرویر وحامیہ الدسوقی ۶۷/۳، شرح الخرشنی ۸۱/۵۔

## بیع و شرط ۲۰-۲۱

چیزوں کو مستثنیٰ کیا ہے جن کا استثناء شرع سے ثابت ہے، اور انہوں نے عقد کے تقاضے اور اس کے مصالح کی طرف بہت کم نظر کی ہے۔ اس لحاظ سے ان کا مذہب تینوں مذاہب میں سب سے تنگ ہے۔

تاہم بعض شافعیہ نے شرط کی تقسیم کرتے ہوئے کہا:

شرط یا تو مطلق عقد کا تقاضا ہوگی مثلاً قبضہ، فائدہ اٹھانا، اور

عیب کی وجہ سے رد کرنا یا نہ ہوگی۔

پہلی صورت: عقد کے لئے مضر نہیں ہے۔

دوسری صورت: جس میں شرط عقد کا تقاضا نہ ہو، وہ یا تو

مصلحت عقد سے متعلق ہوگی، مثلاً رہن، گواہ بنانا، اور مقصودہ اوصاف

یعنی کتابت، خیاطت، خیار<sup>(۱)</sup> وغیرہ کی شرط یا وہ مصلحت عقد سے

متعلق نہ ہوگی۔

پہلی شکل مفسد عقد نہیں ہوگی اور خود شرط بھی صحیح ہوگی۔

اور دوسری شکل جو مصلحت عقد سے متعلق نہ ہو یا تو اس میں

زاع بننے والی غرض نہ ہوگی جیسے یہ شرط کہ فرخت کیا گیا جانور صرف

ایسی غذا کھائے گا تو یہ شرط لغو ہوگی اور عقد صحیح ہوگا اور یا اس میں زاع

بننے والی غرض ہوگی تو یہ شرط فاسد اور مفسد ہوگی جیسے وہ امور جو

مقتضائے عقد کے منافی ہوں مثلاً عدم قبضہ اور عدم تصرف وغیرہ<sup>(۲)</sup>۔

اس تقسیم کا خلاصہ:

(۱) ایسی شرط لگانا جس کا عقد متقاضی ہو یا عقد کی مصلحت یا

اس کی صحت سے متعلق ہو، صحیح ہے۔

(۲) ایسی شرط جس کی کوئی غرض نہ ہو لغو ہے، لیکن مفسد عقد

نہیں ہے۔

(۳) ایسی شرط جس میں زاع پیدا کرنے والی غرض ہو وہ مفسد

یہ سب اس صورت میں ہیں جبکہ فرخت شدہ چیز ذوات اقلیم میں سے ہو، اور اگر مثلی ہو تو اس میں محض مثل واجب ہے، اس لئے کہ ”مثل“، ”اس کے عین“ کی طرح ہے، لہذا اس میں کسی کی کوئی بات نہیں، کیونکہ وہ اس درجہ میں ہے کہ وہ قائم ہو، اور عینہ اس کو لوٹا دیا گیا ہو<sup>(۱)</sup>۔

دوسرا سوال:

۲۰- کیا لازم آئے گا اگر مقصود کے منافی شرط کے ساتھ بیع

ہو جائے، اور سامان خریدار کے پاس فوت ہو جائے، خواہ اس شرط کو

ساقط کر دیا گیا ہو یا نہ ساقط کیا گیا ہو؟

انہوں نے کہا: حکم یہ ہے کہ قبضہ کے دن اس کی قیمت اور ثمن

میں سے جو زیادہ ہو وہی فرخت کرنے والے کے لئے ہوگا، کیونکہ

شرط کی وجہ سے بیع عام ثمن سے کم میں ہوئی ہے<sup>(۲)</sup>۔

سوم: مذہب شافعیہ:

۲۱- شافعیہ شارع کی طرف سے سابقہ حدیث میں ایک ساتھ بیع

اور شرط سے ممانعت کے پابند ہیں اور انہوں نے حضرت ابن عمرؓ کی

اس روایت پر عمل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”لا یحل

سلف و بیع، ولا شرطان فی بیع، ولا ربح مالہ یضمن،

ولا بیع مالیس عندک“<sup>(۳)</sup> (حالی نہیں ہے ایک ساتھ قرض

اور بیع، ایک بیع میں دو شرطیں، ایسی چیز کا نفع جو قائل ضمان نہ ہو، اور

اس چیز کی بیع جو تمہارے پاس نہ ہو)۔ اور انہوں نے صرف انہی

(۱) حاشیہ الدبوتی حوالہ سابق۔

(۲) لشرح الکبیر و حاشیہ الدبوتی ۳۳ ۶۷۔

(۳) حدیث: ”لا یحل سلف و بیع، ولا شرطان فی بیع.....“ کی روایت ترمذی (۵۳۵۳) طبع مصنفہ کبلی نے کی ہے ترمذی نے کہا: حسن صحیح ہے۔

(۱) اصل میں اسی طرح ہے اور کیا درستہ ”خبازت“ ہے؟

(۲) حاشیہ الجمل علی شرح بیع ۳۳ ۷۵، ۷۷۔

## بیع و شرط ۲۲-۲۳

جائے گا۔

دوم: شرط باطل ہوگی۔ اور فروخت شدہ چیز کے بالمقابل مقررہ ثمن میں بیع صحیح ہوگی<sup>(۱)</sup>۔

۲۳- شافعیہ نے ممانعت سے چند مسائل کو مستثنیٰ کیا ہے<sup>(۲)</sup>، جن کو شرط کے باوجود صحیح کہا ہے، وہ یہ ہیں:

الف۔ معین مدت کی شرط پر بیع، اس کی دلیل فرمان باری ہے: ”إِذَا تَدَايَيْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ“<sup>(۳)</sup> (جب ادھار کا معاملہ کسی مدت معین تک کرنے لگو تو اسی کو لکھ لیا کرو)۔

ب۔ بیع رہن کی شرط کے ساتھ، اس میں انہوں نے متعین ہونے کی قید لگائی ہے۔

ج۔ معین کفیل کی شرط پر بیع اور کفالت فروخت شدہ چیز یا ذمہ میں ثابت ثمن میں سے کسی عوض میں ہو۔ اس کی وجہ ایسے شخص کے ساتھ معاملہ کرنے میں ان دونوں کی ضرورت ہے جو ان دونوں کے بغیر راضی نہیں ہوتا۔

د۔ بیع ہونے پر گواہ بنانا، اس لئے کہ اس کا حکم آیت میں ہے: ”وَ أَشْهَدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ“<sup>(۴)</sup> (اور جب خرید و فروخت کرتے ہو تب) گواہ کر لیا کرو)۔

ھ۔ خیاری کی شرط کے ساتھ بیع، کیونکہ اس کا ثبوت حبان بن

شرط ہے اور یہ تقاضائے عقد کے خلاف شرط لگانے کی طرح ہے<sup>(۱)</sup>۔  
۲۲- دونوں احادیث اور اس تقسیم کی تطبیق کے لئے ان کے یہاں اہم تصریحات یہ ہیں:

(۱) بیع کی شرط کے ساتھ بیع مثلاً کہے: میں نے تمہیں یہ زمین ایک ہزار میں اس شرط پر بیع دی کہ تم اپنا گھر مجھے اتنے میں بیع دو یا تم مجھ سے میرا گھر اتنے میں خریدو، تو یہ شرط فاسد و مفسد ہے، عقد اس کا متقاضی نہیں ہے۔

(۲) قرض کی شرط کے ساتھ بیع، مثلاً اپنی زمین دوسرے کو ایک ہزار میں اس شرط میں فروخت کرے کہ وہ اس کو ایک سو قرض دے گا۔ اور قرض ہی کے مثل اجرت پر دینا، شادی کرانا اور عاریت پر دینا ہے<sup>(۲)</sup>۔

(۳) بھیتی کی خریداری اس شرط پر کہ فروخت کرنے والا اس کو کاٹ دے یا کپڑے کی خریداری اس شرط پر کہ فروخت کرنے والا اس کو سل دے، اور اسی میں سے (جیسا کہ عمیرہ برسی کہتے ہیں) ایندھن کی خریداری اس شرط پر ہے کہ فروخت کرنے والا اس کو خریدار کے گھر اٹھا کر لے جائے، تو یہ اور ان جیسی شرطوں کے بارے میں مذہب خریداری کا باطل ہونا ہے، کیونکہ اس میں ایسی چیز میں عمل کی شرط ہے جس کا مالک ابھی تک وہ نہیں ہے۔ اور یہ فاسد ہے، نیز اس لئے کہ (جیسا کہ اسنوی نے کہا) یہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہے، لہذا اصح قول کے مطابق بیع اور شرط دونوں باطل ہوں گی، اگرچہ ان کے یہاں اس جزئیہ میں دو اور اقوال ہیں:

اول: بیع صحیح ہوگی اور شرط لازم ہوگی، اور یہ معنوی لحاظ سے بیع اور اجارہ ہے اور مقررہ ثمن ان دونوں پر قیمت کے اعتبار سے تقسیم کیا

(۱) حاشیہ عمیرہ علی شرح لکھلی علی الصہاج ۱۷۷۳، شرح المنہج بحامیہ الجمل ۴۳، ۴۵۔

(۲) حاشیہ الجمل علی شرح المنہج ۱۷۷۳، ۷۶، شیخ الجمل نے اس کو شرح تسلطانی علی البخاری کے حوالہ سے صراحتاً نقل کیا ہے۔

(۳) سورۃ بقرہ ۲۸۲۔

(۴) سورۃ بقرہ ۲۸۲۔

(۱) حاشیہ الجمل علی شرح المنہج ۱۷۷۳، تصرف کے ساتھ۔  
(۲) تحتہ المنہج شرح الصہاج بحامیہ الشروانی و حاشیہ العبادی ۳۷۳، ۳۹۵، شرح لکھلی بحامیہ اعلیٰ بی عمیرہ، حاشیہ الجمل ۳۷۳۔

## بیع و شرط ۲۳-۲۶

منقذ کی مشہور روایت میں ہے (۱)۔

۲۴- فروخت شدہ چیز کو آزاد کرنے کی شرط پر بیع کے بارے میں ان کے یہاں چند اقوال ہیں:

پہلا قول جو زیادہ صحیح ہے، یہ ہے کہ شرط صحیح ہوگی اور بیع بھی صحیح ہوگی۔ اس کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ انہوں نے حضرت بریرہ کو آزاد کرنے کے لئے خریدنا چاہا، حضرت بریرہ کے گھر والوں نے ”ولاء“ کی شرط لگائی۔ حضرت عائشہ نے اس کا تذکرہ حضور ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اشتریبھا و اعتقیبھا، فإنما الولاء لمن أعتق“ (۲) (اس کو خرید لو، اور آزاد کرو، اس لئے کہ ولاء تو آزاد کرنے والے ہی کے لئے ہوتا ہے)، اور حضور ﷺ نے ان کے لئے ولاء کی شرط لگائے جانے پر کبیر نہیں فرمائی، اس لئے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ما بال أقوام یشرطون شروطا لیست فی کتاب اللہ؟ من اشترط شرطاً لیس فی کتاب اللہ فهو باطل“ (۳) (کیا حال ہے لوگوں کا کہ وہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہیں، جس نے کوئی ایسی شرط لگائی جو اللہ کی کتاب میں نہیں وہ باطل ہے)۔ نیز اس لئے کہ بیع کے فوراً بعد آزاد ہونا رشتہ دار کے خریدنے کی صورت میں معروف ہے، لہذا اس کی شرط کو برداشت کر لیا گیا، نیز اس لئے کہ بشارع نے آزادی کو پسند کیا ہے۔

اسی کے ساتھ اس میں خریدار کے لئے فائدہ اور نفع ہے، دنیا میں ولاء کے حصول کے ذریعہ اور آخرت میں ثواب کے ذریعہ اور

فروخت کرنے والے کا نفع اس کا سبب بننے کی وجہ سے ہے (۱)۔

دوسرا قول یہ ہے کہ شرط باطل ہوگی اور بیع بھی باطل ہوگی، جیسا کہ اگر اس کی بیع یا اس کے سبب کی شرط لگا دے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ بیع صحیح ہوگی اور شرط باطل ہوگی (۲)۔

۲۵- شافعیہ کے یہاں ممانعت سے مستثنیٰ امور میں سے آزادی کے ساتھ خریدار کے علاوہ کسی اور کے لئے ولاء کی شرط لگانا ہے۔ شافعیہ کے یہاں دو اقوال میں سے زیادہ کمزور قول یہی ہے۔ اس صورت میں بیع صحیح ہوگی اور شرط باطل ہوگی، اس کی دلیل بعض روایات میں حضرت بریرہ کی حدیث کا ظاہر اور حضرت عائشہ سے آپ ﷺ کا فرمان ہے: ”واشترطی لہم الولاء“ (۳) (ان کے لئے ولاء کی شرط لگا لو)۔

لیکن اصح اس حالت میں شرط اور بیع کا باطل ہونا ہے۔ اس لئے کہ شرعاً طے ہے کہ ولاء آزاد کرنے والے کے لئے ہے۔

ان حضرات نے حدیث عائشہ: ”واشترطی لہم الولاء“ کا جواب یہ دیا ہے کہ شرط عقد بیع میں نہیں تھی، اور یہ کہ یہ حضرت عائشہ کے مسئلہ کے ساتھ خاص ہے، اور یہ کہ آپ ﷺ کے فرمان میں ”لہم“ (ان کے لئے) ”علیہم“ (ان کے خلاف) کے معنی میں ہے (۳)۔

۲۶- شافعیہ کے یہاں مستثنیٰ امور میں سے ہی فروخت شدہ چیز میں عیوب سے براءت کی شرط ہے، اس لئے کہ اس میں فروخت کرنے والے کو شرط براءت کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ اس کو خفیہ اپنے لئے

(۱) تحفۃ المحتاج ۳۰۰-۳۰۱

(۲) حاشیہ الجمل ۵/۳، ۷، ۶، نیز دیکھئے: شرح بیع ۶/۳-۷

(۳) حدیث: ”الولاء لمن أعتق.....“ کی تخریج فقہ ۲۳ میں گزر چکی ہے

(۴) حاشیہ الجمل علی شرح بیع ۶/۳، ۷، نیز دیکھئے: شرح کلمی علی المہاج

(۱) حدیث کی تخریج فقہ ۲۴ میں گزر چکی ہے

(۲) حدیث: ”الما الولاء لمن أعتق.....“ کی روایت بخاری (بیع الباری

۳۷۶، طبع استغیث) اور مسلم (۵/۳۱۳ طبع الحلیم) نے کی ہے

(۳) حدیث: ”من اشترط شرطاً لیس فی کتاب اللہ فهو باطل.....“ کی

تخریج فقہ ۲۴ کے تحت گزر چکی ہے

## بیع و شرط ۲۷

منتقل کرنے کی شرط، انہوں نے کہا: اس لئے کہ یہ مقتضائے عقد کی صراحت ہے (۱)۔

ب۔ پھل کی صلاحیت ظاہر ہونے اور پکنے کے بعد اس کو توڑنے یا باقی رکھنے کی شرط، یہ عقد بیع میں جائز ہے، جیسا کہ پکنے کے بعد اس کی بیع بلا شرط جائز ہے، اس لئے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے: "أن النبي ﷺ نهى عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها" (۲) (رسول اللہ ﷺ نے بد و صلاح سے قبل پھل کی بیع سے منع فرمایا)، اور حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: "لا تتبايعوا الثمار حتى يبدو صلاحها" (۳) (پھلوں کو آپس میں فروخت مت کرو جب تک کہ اس کا کارآمد ہونا ظاہر نہ ہو جائے)۔

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بد و صلاح کے بعد پھل کی بیع جائز ہے، اور یہ تینوں احوال پر صادق آتا ہے: بلا شرط اس کی بیع، اس کو توڑنے کی شرط پر اس کی بیع اور اس کو باقی رکھنے کی شرط پر بیع (۴)۔

ج۔ یہ شرط کہ فروخت کرنے والا فروخت شدہ چیز میں متعین کام کرے گا مثلاً کپڑا خرید اس شرط پر کہ فروخت کرنے والا اس کو سلے گا، یہ تین احوال میں سب سے ضعیف قول کے مطابق ہے، جیسا کہ گزرا (۵)۔

د۔ فروخت شدہ چیز میں عرفاً مقصود وصف کی شرط لگانا

(۱) حاشیہ الجمل علی شرح الحج ۷۶۳۔

(۲) حدیث: "نهى عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها....." کی روایت بخاری (فتح الباری ۳۴۳، ۳۴۳ طبع استنبیہ) اور مسلم (۳/۱۱۶۷ طبع المکتب) نے کی ہے الفاظ بخاری کے ہیں۔

(۳) حدیث: "لا تتبايعوا الثمار حتى يبدو صلاحها....." کی روایت مسلم (۳/۱۱۶۷ طبع المکتب) نے کی ہے۔

(۴) شرح المکتب علی المسماج ۲/۲۳۳۔

(۵) دیکھئے: اسی بحث کا فقرہ ۲۲۔

ما معلوم عیب کے بارے میں بیع کے لزوم کا اطمینان ہو (معلوم عیب کے بارے میں نہیں)۔ یہ حکم جانور اور اس کے علاوہ میں مطلق ہے، لہذا مذکورہ شرط کے ساتھ بیع علی الاطلاق صحیح ہوگی، خواہ شرط صحیح ہو یا غیر صحیح، اس لئے کہ یہ ایسی شرط ہے جو عقد کو پختہ کرتی ہے اور ظاہر حال (یعنی عیوب سے سلامتی) کے موافق ہے (۱)۔

اس کی تائید حضرت ابن عمر کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنا ایک غلام آٹھ سو درہم میں عیوب سے بری ہونے کی شرط پر فروخت کیا، پھر خریدار نے ان سے کہا: اس میں ایک مرض ہے جس کو آپ نے میرے سامنے بیان نہیں کیا، وہ دونوں اس معاملہ کو حضرت عثمان کے پاس لے گئے، تو انہوں نے حضرت ابن عمر کے خلاف یہ فیصلہ کیا کہ ابن عمر قسم کھائیں کہ انہوں نے جب غلام کو فروخت کیا تھا تو ان کے علم میں یہ مرض نہ تھا، حضرت ابن عمر نے قسم کھانے سے انکار کیا، اور غلام واپس لے لیا، پھر اس کو پندرہ سو میں فروخت کیا (۲)۔

انہوں نے کہا: صحابہ کے درمیان مشہور اس فیصلہ عثمانی کے ذریعہ عیب سے برائت کی شرط لگانے کا جواز معلوم ہوتا ہے، یہ صحابہ کے درمیان مشہور ہے، لہذا یہ اجماع سلوٹی ہو گیا (۳)۔

۲۷۔ شافعیہ کے یہاں مستثنیٰ امور میں سے یہ بھی ہے:

الف۔ فروخت کرنے والے کی جگہ سے فروخت شدہ چیز کو

(۱) شرح الحج ۱۳۲، ۱۳۳۔

(۲) ابن عمر: "أله باع عبدا....." کو شیخ الاسلام زکریا انصاری نے شرح الحج (۳/۱۳۲ طبع المکتب) میں ذکر کیا ہے، اور اس کو بیعتی سے منسوب کیا ہے اور ان کے حوالہ سے اس کی تصحیح نقل کی ہے لیکن ہمیں بیعتی کی "اسنن" میں یہ ائمہ نہیں ملا، مثلاً یوان کی کسی اور کتاب میں ہو۔

(۳) دیکھئے: شرح الحج و حاشیہ الجمل علی المسماج ۲/۱۷۸۔

## بیع و شرط ۲۸

(۱) پہلی قسم: شرط صحیح لازم کی تین قسمیں ہیں:

اول: جو حکم شریعت سے عقد کے تقاضے کے مطابق ہو مثلاً آپسی قبضہ کرنا، ثمن کافی الفور ہونا، ان میں سے دونوں کا اپنے تحت آنے والی چیز میں تصرف کرنا، خیار مجلس، اور پرانے عیب کی وجہ سے رد کرنا۔

اس شرط کا وجود اس کے عدم کی طرح ہے۔ وہ نہ تو حکم کا فائدہ دیتی ہے، اور نہ ہی عقد میں اثر انداز ہے، اس لئے کہ یہ عقد کے تقاضے کا بیان اور تاکید ہے (۱)۔

دوم: مصلحت عقد کی شرط، یعنی اس شرط سے ایسی مصلحت متعلق ہے جس کا فائدہ دونوں عقد کرنے والوں میں سے شرط لگانے والے کو پہنچے مثلاً خیار، کو ایسی یا ثمن میں کسی وصف کی شرط، مثلاً کلی یا جزوی طور پر اس کو ادھار رکھنے یا اس کے عوض معین رہن، یا معین کفیل یا فروخت شدہ چیز میں مطلوب صفت کی شرط لگانا مثلاً صنعت، کتابت یا جانور کا دودھ والا ہونے یا بہت زیادہ دودھ والا ہونے کی

شرط یا چیتے کا شکاری یا پرندہ کا خوش الخان یا انڈا دینے والا ہونے یا معلوم مسافت سے آنے یا زمین کے خراج (آمدنی) کا اتنی مقدار میں ہونے کی شرط..... مذکورہ تمام صورتوں میں شرط صحیح ہے، اس کو پورا کرنا لازم ہے (۲)۔ اس کی دلیل یہ ہے: "المسلمون عند شروطہم إلا شرطاً أحل حراماً أو حرم حلالاً" (۳)

(مسلمان اپنی شرطوں کے پابند ہیں، مگر ایسی شرط جو حرام کو حلال کرے یا حلال کو حرام کرے)، کیونکہ ان اوصاف کے ہونے یا نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کی رغبتیں مختلف ہوتی ہیں، اگر ان کی شرط لگانا

مثلاً جانور حاملہ ہو یا دودھ والا ہو۔ اس صورت میں شرط صحیح ہوگی۔ اور اگر شرط نہ پائی جائے تو خریدار کے لئے خیار ہوگا، انہوں نے کہا: صحت کی وجہ یہ ہے کہ یہ شرط مصلحت عقد سے متعلق ہے (۱)۔

نیز اس لئے کہ یہ عقد کے وقت موجود شرط کا التزام ہے، اس کا التزام مستقبل میں کسی چیز کے انشاء پر موقوف نہیں ہے، اور یہی شرط کی حقیقت ہے، لہذا یہ "ایک ساتھ بیع اور شرط سے" ممانعت کے تحت نہیں آئے گا (۲)۔

۷۔ یہ شرط لگانا کہ جب تک ثمن پورا وصول نہ کر لے گا فروخت شدہ چیز سپرد نہیں کرے گا۔

۸۔ عیب کی وجہ سے واپسی کی شرط، اس لئے کہ یہ عقد کا تقاضا ہے (۳)۔

ز۔ خیار ردیعت، جبکہ بغیر دیکھی ہوئی چیز فروخت کی، یہ اس کی صحت کے قول کے مطابق ہے، اس لئے کہ اس کی ضرورت ہے (۴)۔

چہارم: مذہب حنابلہ:

۲۸- حنابلہ نے بیع میں شرائط کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے:

اول: صحیح اور لازم شرط، جس کے خلاف یہ شرط ہے اس کے لئے اس کو توڑنے کا اختیار نہیں ہے۔

دوم: فاسد شرط، اس کی شرط لگانا حرام ہے۔

(۱) شرح المنہج صحیحہ الجمل ۳۸، ۷۸، ۸۰، شرح المجل صحیحہ اقلیوی

۱۸۱، ۱۸۰، ۲

(۲) تحتہ الحجاج ۳۰، ۵۳، لفظ "بیع و شرط" میں "واو" کا اضافہ صحیحہ لشروائی سے کیا گیا ہے۔

(۳) شرح المجل علی المصباح ۱۸۰، ۲

(۴) صحیحہ الجمل ۶۳۔

(۱) کشاف القناع ۱۸۹، ۳، المغنی ۲۸۵، ۳

(۲) کشاف القناع ۱۸۹، ۳، ۱۹۰، المغنی ۲۸۶، ۳، ۲۸۵، ۳

(۳) حدیث: "المسلمون علی شروطہم....." کی تخریج فقہ ۱، ۸ کے تحت آجکی ہے



## بیع و شرط ۲۸

”ثنیا“ سے مراد استثناء ہے۔

نیز کرایہ پر دینے گئے گھر کو فروخت کرنے کے مسئلہ پر اس کو قیاس کرنا ہے۔

ما سبق کے مثل ہی فروخت کرنے والے کا یہ شرط لگانا ہے کہ شمن پورا وصول کرنے تک وہ فروخت شدہ چیز کو روکے گا۔ اسی طرح دوسرے کے لئے معلوم مدت تک منفعت کی شرط لگانا ہے۔ اگر وہ ”عین“ جس کے نفع کے استثناء کی شرط ہے، فروخت کرنے والے کے نفع وصول کرنے سے قبل تلف ہو جائے:

اگر تلف خریدار کے فعل اور اس کی کوتاہی سے ہو تو اس پر اجرت مثل لازم ہوگی، اس لئے کہ اس نے واجب منفعت کو اس کے مستحق کے حق میں فوت کر دیا، اور اگر اس کے بغیر تلف ہو تو اس پر عوض لازم نہیں ہوگا (۱)۔

ب۔ نیز جیسا کہ اگر خریدار نے فروخت کرنے والے پر ایندھن کے اٹھا کر پہنچانے یا اس کو توڑنے یا کپڑے کے سلنے یا اس کو کاٹنے یا کچی کھیتی کو کاٹنے یا کچی کے توڑنے کی شرط لگائی تو صحیح ہے اگر نفع معلوم ہو، اور فروخت کرنے والا اس کو انجام دینا لازم ہے۔ اور اگر شرط لگائی کہ فروخت کرنے والے خریدار کے سامان کو اس کے گھر تک پہنچائے اور فروخت کرنے والے کو گھر کا علم نہ ہو تو اس سلسلہ میں ان کے یہاں دو اقوال ہیں (۲)۔

پھر اگر مشروط عمل بیع کے تلف ہونے کی وجہ سے ناممکن ہو جائے یا اجارہ خاصہ کی وجہ سے نفع کا استحقاق ہو جائے یا فروخت کرنے والے کی موت کی وجہ سے محال ہو جائے تو خریدار اس نفع کا عوض واپس لے گا، جیسا کہ اگر اجارہ اس کے عوض پر قبضہ کے بعد فسخ

صحیح نہ ہو تو وہ حکمت فوت ہو جائے گی، جس کی وجہ سے بیع کو جائز کیا گیا ہے۔

لہذا اس شرط کو اگر پورا کرے تو بیع لازم ہوگی، ورنہ اس کی شرط لگانے والے کے لئے اختیار ہے کہ اس کے نقد ان کی وجہ سے فسخ کر دے یا صفت کے نقد ان کا تاوان لے۔ اور اگر واپس کرنا محال ہو تو صفت کے نقد ان کا تاوان متعین ہے، جیسے عیب دار چیز اگر خریدار کے پاس تلف ہو جائے (۱)۔

سوم: ایسی شرط جس کا عقد متقاضی نہ ہو، نہ عقد کی مصلحت میں سے ہو، نہ عقد کے تقاضے کے منافی ہو، لیکن اس میں فروخت کرنے والے یا خریدار کے لئے معلوم نفع ہو۔

الف۔ مثلاً فروخت کرنے والے نے فروخت شدہ گھر میں ایک ماہ رہائش کی شرط لگائی یا یہ شرط لگائی کہ جانور (یا گاڑی) اس کو معلوم جگہ تک لے جائے گی، تو صحیح ہے، اس لئے کہ حضرت جابرؓ کی حدیث میں ہے کہ جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ اپنا اونٹ فروخت کیا تو انہوں نے کہا: میں نے اس کو فروخت کیا، اور اپنے گھر تک اس پر سواری کو استثناء کیا (۲)۔

حضرت جابرؓ کی روایت ہے: ”أن النبي ﷺ نهى عن المحاقلة والمزابنة، والثنيا إلا أن تعلم“ (۳) (نبی کریم ﷺ نے محاقلہ، مزابنہ، اور ثنیا سے منع فرمایا الا یہ کہ ثنیا معلوم ہو)، اور

(۱) کشاف القناع ۱۸۹/۳، ۱۹۰۔

(۲) حدیث جابر کی روایت بخاری (فتح الباری ۵/۳۱۳ طبع المستقیم) اور مسلم (۱۴۲۱ طبع المجلدی) نے کی ہے۔

(۳) حدیث: ”لہی عن المحاقلة والمزابنة والثنيا إلا أن تعلم.....“ کی روایت مسلم (۱۱۷۵ طبع عیسیٰ المجلدی) اور بخاری (فتح الباری ۵/۵۰ طبع المستقیم) نے کی ہے لیکن حدیث کے آخری کلمے ”وَالثَنِيَا إِلَّا أَنْ تَعْلَمَ“ کی روایت ترمذی (۸۵۳ طبع المجلدی) نے کی ہے۔

(۱) کشاف القناع ۱۹۱۔

(۲) حوالہ سابق۔

## بیع و شرط ۲۹-۳۰

## نوع اول:

۳۰- ان میں سے ایک دوسرے پر کسی اور عقد کی شرط لگائے مثلاً عقد سلم یا قرض یا بیع یا اجارہ یا شرکت کی تو یہ شرط فاسد ہے، اور اس کی وجہ سے بیع فاسد ہو جائے گی، خواہ اس کی شرط فروخت کرنے والے نے لگائی ہو یا خریدار نے۔

مذہب میں مشہور یہی ہے، گوکہ صرف شرط کا باطل ہونا حنا بلہ کے یہاں ایک احتمال ہے، اور یہی امام احمد سے ایک روایت ہے<sup>(۱)</sup>۔

## مشہور قول کی دلیل:

الف۔ یہ ایک بیع میں دو بیع ہیں اور حدیث ہے: ”أن النبي ﷺ نهى عن بيعتين في بيعة“<sup>(۲)</sup> (نبی کریم ﷺ نے ایک بیع میں دو بیوع سے منع کیا ہے) ممانعت فساد کی متقاضی ہے۔

ب۔ حضرت ابن مسعود کا قول ہے: ”ایک سو دے میں دو سودا ربا ہے“۔

ج۔ اس لئے کہ اس نے ایک عقد میں دوسرے عقد کی شرط لگائی ہے، لہذا صحیح نہیں ہے، جیسا کہ نکاح شغار۔

اسی طرح ہر وہ چیز جو اس کے مفہوم میں ہو مثلاً کہے میں نے تمہیں اپنا گھرا تنے میں اس شرط پر فروخت کیا کہ تم اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے کرو گے، یا اس شرط پر کہ تم میرے جانور پر یا اس میں سے میرے حصہ پر قرض کے طور پر یا مفت خرچہ کرو گے<sup>(۳)</sup>۔

(۱) دیکھئے الاضاف ۳۲۹/۳، ۳۵۰۔

(۲) حدیث: ”نهى عن بيعتين في بيعة“ کی روایت احمد (۳۳۲/۲ طبع المبدیہ) اور ترمذی (۵۳۳/۳ طبع المجلد) نے کی ہے، اور ترمذی نے کہا حدیث حسن صحیح ہے۔

(۳) کشاف القناع ۳/۳۱۳، نیز دیکھئے المغنی ۲/۲۸۶، شرح الکبیر فی ذیل المغنی ۳/۵۳۔

ہو جائے تو اجرت پر لینے والا منفعت کا عوض واپس لے گا۔

اگر مرض کی وجہ سے فروخت کرنے والے کے لئے عمل کرنا محال ہو جائے تو کام کے لئے اس کا قائم مقام مقرر کیا جائے گا، اور اجرت کام کرنے والے کے ذمہ ہوگی، جیسا کہ اجارہ میں<sup>(۱)</sup>۔

۲۹- حنا بلہ نے معلوم نفع کے اشتراط کے جواز سے اس صورت کو مستثنیٰ کیا ہے کہ استثناء میں دو شرطوں کو جمع کر دیا جائے، اور وہ دونوں صحیح ہوں مثلاً ایندھن کے اٹھا کر لے جانے، اور اس کو توڑنے یا کپڑے کو سلنے اور کاٹنے کی شرطیں، کہ اس صورت میں بیع صحیح نہیں ہوگی، اس لئے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں فرمان نبوی ﷺ ہے: ”لا یحل سلف و بیع، ولا شرطان فی بیع، ولا ربح مالم یضمن، ولا بیع مالیس عندک“<sup>(۲)</sup> (حالیٰ نہیں ہے ایک ساتھ قرض اور بیع، ایک بیع میں دو شرطیں، ایسی چیز کا نفع جس کا ضمان نہ ہو، اور اس چیز کی بیع جو تمہارے پاس نہ ہو)۔

ہاں اگر دونوں مجموعی شرطیں مقتضائے عقد میں سے ہوں مثلاً دونوں کے اپنے پاس آنے والی چیز میں تصرف کی شرط کے ساتھ ثمن کے فی الفور ہونے کی شرط لگانا تو یہ بلا اختلاف صحیح ہے، یا دونوں شرطیں مصلحت عقد میں سے ہوں مثلاً ثمن پر معین رہن، اور معین کفیل کی شرط تو صحیح ہے، جیسا کہ اگر وہ دونوں مقتضائے عقد میں ہوں<sup>(۳)</sup>۔

(۲) دوم: یعنی شرط فاسد حرام، اس کے تحت بھی تین انواع

ہیں:

(۱) کشاف القناع ۳/۱۹۲۔

(۲) حدیث: ”لا یحل سلف و بیع“ کی تخریج رقم ۲۱۸ کے تحت آچکی ہے۔

(۳) کشاف القناع ۳/۱۹۱، ۱۹۲، نیز دیکھئے المغنی ۲/۲۸۵، شرح الکبیر فی ذیل المغنی ۳/۵۲، ۵۳۔

## بیع و شرط ۳۱-۳۳

نوع دوم:

سے فروخت کرنے والے اور خریدار میں سے جس کی بھی غرض فوت ہوئی ہو، خواہ اس کو فساد شرط کا علم ہو یا نہ ہو، اس کے لئے حسب ذیل امور جائز ہیں:

الف۔ بیع کو فسخ کرنا، اس لئے کہ جس شرط پر وہ آیا تھا وہ شرط اس کے لئے محفوظ و سالم نہیں رہی۔

ب۔ شرط کی وجہ سے ثمن میں پیدا ہونے والے نقص کو شرط کے لغو ہونے کے بعد فروخت کرنے والا واپس لے سکتا ہے، کیونکہ اس نے نقص کے ساتھ اس لئے فروخت کیا تھا کہ اس کی مشروط غرض حاصل ہوگی، اور جب اس کی غرض حاصل نہیں ہوئی تو نقص کو واپس لے گا۔

ج۔ شرط کے بعد زائد ثمن کو خریدار واپس لے سکتا ہے، کیونکہ اس نے زائد ثمن کے ساتھ اس لئے خرید کیا تھا کہ اس کو مشروط غرض حاصل ہوگی، اور جب اس کی مشروط غرض پوری نہیں ہوئی تو اس زیادتی کو واپس لے گا جس کو اس نے درگزر کر دیا تھا، جیسا کہ اگر اس کو عیب دار پائے۔

لہذا فروخت کرنے والے کو اختیار ہے کہ فسخ کر دے یا نقص کا تاوان لے۔

خریدار کو اختیار ہے کہ فسخ کر دے یا ثمن میں زیادتی کو واپس لے (۱)۔

اسی کے ساتھ حنا بلہ نے کوئی چیز واپس لئے بغیر ثبوت خیار کا احتمال ذکر کیا ہے۔ اس کی وجہ رہن اور کفیل کی شرط لگانے پر راہن اور کفیل کے گریز کرنے پر قیاس ہے، نیز اس لئے کہ شرط کی وجہ سے ثمن میں آنے والا نقص مجہول ہے، لہذا ثمن بھی مجہول ہو جائے گا، نیز اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بریرہ کے مالکان کے حق

۳۱- عقد میں تقاضائے عقد کے منافی شرط لگائے مثلاً فروخت کرنے والا خریدار پر شرط لگائے کہ فروخت شدہ چیز کو فروخت نہیں کرے گا، بیہ نہیں کرے گا، آزاد نہیں کرے گا یا شرط لگائے کہ اس کو فروخت کرے گا یا وقف کرے گا یا اگر فروخت شدہ چیز ہلاک ہو جائے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کو واپس کرے گا یا اگر اس کو کسی غاصب نے غصب کر لیا، تو اس کا ثمن واپس لے لے گا۔ اور اگر اس کو آزاد کر دیا تو ولاء اس کے لئے ہوگا، تو یہ اور اس جیسی تمام شرطیں فاسد ہیں۔

ان شرائط کی وجہ سے بیع کے فساد کے بارے میں ”مذہب“ میں دور وایتیں ہیں، امام احمد سے منصوص یہ ہے کہ بیع صحیح ہے اور شرط اس کو باطل نہیں کرے گی، بلکہ صرف شرط باطل ہو جائے گی، اس لئے کہ حضور ﷺ نے حضرت بریرہ کی معروف حدیث میں شرط کو باطل کر دیا، اور عقد کو باطل نہیں کیا (۱)۔

۳۲- حنا بلہ نے اس شرط باطل سے آزادی کو مستثنیٰ کیا ہے، لہذا صحیح ہے کہ فروخت کرنے والا خریدار پر اس کی شرط لگائے، اس کی دلیل حضرت بریرہ کی سابقہ حدیث ہے۔ اور خریدار کو آزاد کرنے پر مجبور کیا جائے گا اگر وہ انکار کرے، اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے، جیسا کہ نذر، اور اگر خریدار آزاد کرنے سے گریز کرے تو حاکم اس کی رضامندی کے بغیر آزاد کر دے گا، اس لئے کہ یہ آزادی اس پر واجب ہے، کیونکہ یہ ایسا ”تقرب“ ہے جس کا اس نے التزام کیا ہے، جیسا کہ نذر (۲)۔

۳۳- حنا بلہ کے مذہب کے مطابق سابقہ صورت میں بیع کی صحت اور صرف شرط کے فساد کے حکم کی بنیاد پر شرط کے فاسد ہونے کی وجہ

(۱) حدیث بریرہ کی تحریر بیع نذر ۱۰/۲۳ کے تحت آچکی ہے۔

(۲) کشاف القناع ۱/۳۳-۱۹۳۔

## بیع و شرط ۳۴-۳۵

میں کسی چیز کا فیصلہ نہیں کیا، جبکہ شرط فاسد اور بیع صحیح تھی (۱)۔

حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث میں ہے: ”نہی النبی ﷺ عن صفقتین فی صفقة“ (۱) (حضور ﷺ نے ایک سو دے میں دو سو دوں سے منع فرمایا ہے)۔

نوع سوم:

اس مسئلہ سے مراد ایک عقد میں دو بیع کو جمع کرنا ہے۔ اس عقد کو دو بیع کہنا ثمن کے متعدد ہونے کے اعتبار سے ہے (۲)۔

۳۴- فروخت کرنے والا اور خریدار ایسی شرط لگائیں جس پر خرید و فروخت معلق ہو، مثلاً فروخت کرنے والا کہے: میں نے تمہیں فروخت کیا اگر میرے پاس اتنا لاؤ گے یا فروخت کیا اگر فلاں راضی ہو۔ اور جیسے خریدار کہے: میں نے خرید اگر زید آجائے، تو بیع صحیح نہیں ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے کہ بیع کا تنازعہ کے وقت ملکیت کو منتقل کرنا ہے، اور یہاں پر شرط اس سے مانع ہے، نیز اس لئے کہ اس نے بیع کو شرط مستقبل پر معلق کیا ہے، لہذا صحیح نہیں ہوگی، جیسا کہ اگر کہے: میں نے تمہیں فروخت کیا جب مہینہ کا آخر آجائے، حنا بلہ نے اس سے فروخت کرنے والے کے قول: فروخت کر دیا انشاء اللہ، اور خریدار کے قول: قبول کیا انشاء اللہ، اور بیع عربوں کو مستثنیٰ کیا ہے، کہ یہ صحیح ہے، اس لئے کہ مافع بن حارث نے حضرت عمر کے لئے صفوان سے قید خانہ خرید ا کہ اگر عمر راضی ہو جائیں تو ٹھیک ہے ورنہ اس کے لئے اتنا ہوگا (۲)۔

حنفیہ میں سے کمال ابن الہمام نے اشارہ کیا ہے کہ جو لوگ اس حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ دونوں حدیثیں ایک معنی میں ہیں، ان کو وہم ہوا ہے، کیونکہ ایسا نہیں ہے، بیعتین (دو بیع) والی حدیث صفقتین (دو سو دوں) والی حدیث سے خاص ہے، اس لئے کہ پہلی حدیث ایک خاص سو یعنی بیع کے بارے میں ہے (۳)، جبکہ صفقتین والی حدیث میں عموم زیادہ ہے، اس لئے کہ اس کے تحت بیع اور اس کے علاوہ مثلاً اجارہ آتے ہیں۔ اور ممنوع کے تصور کے لئے فقہاء نے مختلف صورتیں پیش کی ہیں۔

ان میں تفصیل ہے جس کو اصطلاح ”بیعتان فی بیع“ کے تحت دیکھا جائے۔

دیکھئے: اصطلاح ”عربوں“۔

ایک بیع میں دو بیع:

۳۵- حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں ہے: ”نہی النبی ﷺ عن بیعتین فی بیعة“ (۳) (حضور ﷺ نے ایک بیع میں دو بیع سے منع فرمایا ہے)۔

(۱) حدیث: ”نہی عن صفقتین.....“ کی روایت احمد (۳۹۸/۱ طبع المصنف) نے کی ہے شیخ احمد نے اسے احمد نے اسے (۳۹۵/۲ طبع معارف) پر اپنی تعلق میں اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۲) حاشیہ الصدوق علی شرح کفایۃ الطالب الربانی فی شرح رسالۃ ابن ابی زید ائیر وانی ۱۵۷/۳۔

(۳) فتح القدیر ۸۱/۶۔

(۱) اشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۳/۵۳، ۵۵۔

(۲) کشاف القناع ۱۹۵/۳، اشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۳/۵۸۔

(۳) حدیث کی تخریج گزر چکی ہے۔

## بیع الوضیعیہ

دیکھئے: ”وضیعیہ“۔

## بیع الوفاء

تعریف:

۱- بیع مال کامل سے تبادلہ ہے (۱)۔

وفاء لغت میں غدر کی ضد ہے، کہا جاتا ہے: وفی بعہدہ، اور اوفی: یہ دونوں ایک معنی میں ہیں۔ وفاء: شریفانہ عالی اور بلند اخلاق کا نام ہے، اور اوفی الرجل حقہ اور وفاہ ایہہ کا معنی ہے: اس نے اس کا حق مکمل اور پورا پورا دے دیا۔

اصطلاح فقہاء میں ”بیع الوفاء“ اس شرط پر بیع ہے کہ جب فروخت کرنے والا ٹھن لٹائے گا تو خریدار اس کو فروخت شدہ چیز لٹائے گا۔ اس کو بیع الوفاء اس لئے کہا جاتا ہے کہ خریدار پر اس شرط کی وفاداری اور تکمیل لازم ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں مالکیہ اس بیع کو ”بیع الثنیا“، شافعیہ اس کو ”بیع العہدہ“ (۲)، اور حنابلہ اس کو ”بیع الامانہ“ کہتے ہیں (۳)، اس کو ”بیع الطاعہ“ اور ”بیع الجائز“ بھی کہتے ہیں، اور حنفیہ کی بعض کتابوں میں اس کو ”بیع المعاملہ“ بھی کہا گیا ہے (۴)۔

بیع الوفاء کا حکم:

۲- بیع الوفاء کے شرعی حکم کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے:

- (۱) مجلۃ الأحکام العدلیہ دفعۃ (۱۰۵)۔
- (۲) الخطاب ۳/۳۷۳، حنفیہ المسعر شدین ص ۱۳۳۔
- (۳) کشاف القناع ص ۱۳۹، ۱۵۰۔
- (۴) الفتاویٰ الہندیہ ص ۲۰۹۔

## بیع الوفاء ۳-۴

ہوگا اور نہ ہی اس سے انتفاع کرے گا، اور اگر اس کو اجرت پر لے لے تو اس کی اجرت اس پر لازم نہ ہوگی، جیسا کہ اگر راہن مرہون کو مرتہن سے اجرت پر لے لے، اور اس کے بلاک ہونے کی وجہ سے دین ساقط ہو جائے گا، اور اس میں ہونے والی زیادتی کا وہ ضامن نہ ہوگا، اور اگر راہن مر جائے تو مرتہن اس کا بقیہ قرض خواہوں کے مقابلہ میں زیادہ حق دار ہوگا۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ عقود میں اعتبار معانی کا ہے، الفاظ اور کلمات کا نہیں، اسی وجہ سے بہہ بشرط عوض بیع ہوتی ہے، اور کفالت بشرط بردت اصل حوالہ ہوتی ہے، اس کی مثالیں فقہ میں بے شمار ہیں۔ اس بیع میں چونکہ ثمن لوٹانے کے وقت فروخت شدہ چیز لینے کی شرط ہے، لہذا یہ رہن ہے، اس لئے کہ دین کی ادائیگی کے وقت رہن ہی کو لیا جاتا ہے<sup>(۱)</sup>۔

۴- ابن عابدین نے کہا: بیع الوفاء کے بارے میں دو اقوال ہیں: اول: یہ بیع صحیح ہے، اپنے بعض احکام (یعنی اس سے فائدہ کے حلال ہونے) کا فائدہ دیتی ہے، البتہ خریدار اس کو فروخت کرنے کا مالک نہیں ہے، زلیعی نے 'لما کراہ' میں کہا: اور اسی پر فتویٰ ہے۔

دوم: بعض محققین کا جامع قول یہ ہے کہ یہ بیع بعض احکام کے حق میں فاسد ہے حتیٰ کہ ان میں سے ہر ایک فسخ کرنے کا مالک ہوتا ہے اور بعض احکام کے حق میں صحیح ہے، جیسے فروخت شدہ چیز کو اپنے پاس اتارنا اور اس کے منافع کا حلال ہونا، اور بعض احکام کے حق میں رہن ہے حتیٰ کہ خریدار دوسرے کے ہاتھ اس کو فروخت کرنے اور اس کو رہن رکھنے کا مالک نہیں ہوتا ہے، اور اس کی بلاکت سے دین ساقط ہو جاتا ہے، لہذا یہ تینوں عقود سے مرکب ہے، جیسا کہ زرافہ میں اونٹ، گائے اور چیتے کی صفات اکٹھا ہوتی ہیں، لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے اپنے مالکین کے لئے دونوں بدل کے محفوظ و سالم رہنے کی

مالکیہ، حنابلہ اور حنفیہ اور شافعیہ میں سے متقدمین کی رائے ہے کہ بیع الوفاء فاسد ہے، اس لئے کہ ثمن خریدار کو لوٹانے پر فروخت شدہ چیز کے لینے کی فروخت کرنے والے کی طرف سے شرط لگانا بیع کے تقاضے اور حکم کے خلاف ہے، بیع کا تقاضا ہے کہ استقرار و دوام کے طور پر فروخت شدہ چیز پر خریدار کی ملکیت ہو۔ اور اس شرط میں فروخت کرنے والے کا فائدہ ہے، اس کے جواز کی کوئی معین دلیل وارد نہیں ہے، لہذا یہ شرط فاسد ہوگی، اور بیع میں اس کی شرط لگانے سے بیع فاسد ہو جائے گی۔

نیز اس لئے کہ اس طریقہ پر بیع کا مقصد حقیقتاً بیع بشرط الوفاء نہیں ہوتا، بلکہ اس کا مقصد حرام ربا تک پہنچنا ہوتا ہے، یعنی مال کو ایک مدت تک کے لئے دینا، اور فروخت شدہ چیز کا نفع ہی ربح ہے۔ اور ربا تمام حالات میں باطل ہے۔

حنفیہ اور شافعیہ میں سے بعض متاخرین کی رائے ہے کہ بیع وفاء جائز ہے، اور بعض احکام کا فائدہ دیتی ہے جیسے خریدار کا فروخت شدہ چیز سے فائدہ اٹھانا، اور بعض احکام کا فائدہ نہیں دیتی ہے، جیسے دوسرے کے ہاتھ بیع۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ اس شرط پر بیع کا لوگوں میں عرف ہے، لوگوں نے اپنی ضرورت کی وجہ سے اس پر عمل کیا ہے تاکہ ربا سے بیع سکیں، لہذا یہ صحیح ہوگی، اور اس کی شرط لگانے سے بیع فاسد نہ ہوگی، گو کہ وہ قواعد کے خلاف ہے، اس لئے کہ تعامل کی وجہ سے قواعد کو ترک کر دیا جاتا ہے جیسا کہ استصناع میں ہے<sup>(۱)</sup>۔

۳- حنفیہ میں سے ابو شجاع، علی السعدی، اور قاضی ابو الحسن ماتریدی کی رائے ہے کہ بیع الوفاء رہن ہے، بیع نہیں ہے، پس اس کے لئے رہن کے سارے احکام ثابت ہوں گے، لہذا خریدار اس کا مالک نہ

(۱) تبیین الحقائق للربیع ۱۵/۱۸۳، البحر الرائق ۶/۸۶، الفتاویٰ الہندیہ ۲۰۸، ۲۰۹، ابن عابدین ۶۳/۲۲۷، ۲۳۷، معنی المحتاج ۲/۳۱، نہایت المحتاج ۳/۳۳۳، مغیۃ المسرشدین ص ۱۳۳، الاتحاف ۳/۵۸۔

(۱) تبیین الحقائق ۵/۱۸۳، البرازیرہ پشماش الہندیہ ۲۰۵/۳۔

## بیع الوفاء ۵-۷

اس کی قیمت میں سے دین کے بالمقابل مقدار ساقط ہو جائے گی، اور وہ اس سلسلے میں حنفیہ کے نزدیک رہن کی طرح ہے (۱)۔

بیع الوفاء پر مرتب ہونے والے اثرات:

متاخرین حنفیہ وغیرہ جو اس کے جواز کے قائل ہیں، ان کے نزدیک بیع الوفاء پر کچھ اثرات مرتب ہوتے ہیں جو اجمالی طور پر یہ ہیں:

اول: ملکیت کے لئے اس کو منتقل نہ کرنا:

۷- بیع الوفاء خریدار کے لئے کسی ایسے تصرف کا جواز پیدا نہیں کرتی جو ملکیت کو منتقل کر دے مثلاً بیع اور بیہ ان لوگوں کے نزدیک جو اس کو جائز کہتے ہیں۔ اور اس پر چند مسائل مرتب ہوتے ہیں:

الف۔ بیع الوفاء میں فروخت شدہ چیز کی بیع فروخت کرنے والے کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ نافذ نہیں ہوگی، اس لئے کہ بیع رہن کی طرح ہے اور رہن کی بیع ناجائز ہے (۲)۔

ب۔ بیع الوفاء میں خریدار کے لئے حق شفیعہ نہیں ہے، حق شفیعہ فروخت کرنے والے کے لئے باقی رہے گا، چنانچہ ”الفتاویٰ الہندیہ“ میں ”فتاویٰ ابی الفضل“ کے حوالے سے ہے: ان سے دریافت کیا گیا کہ ایک مرد اور ایک عورت کے پاس باغ ہے، عورت نے اپنا حصہ اس مرد کے ہاتھ فروخت کر دیا، اور یہ شرط لگائی کہ جب وہ ثمن لائے گی تو مرد اس کا حصہ اس کو واپس کر دے گا، پھر اس مرد نے اپنا حصہ فروخت کر دیا تو کیا عورت کے لئے اس میں شفیعہ ہے؟

انہوں نے (ابو الفضل نے) کہا: اگر بیع بیع المعاملہ ہے تو اس میں عورت کے لئے شفیعہ ہے، خواہ باغ میں سے اس کا حصہ اس کے ہاتھ میں ہو یا مرد کے ہاتھ میں۔

شرط پر اس کو جائز قرار دیا گیا ہے، ”البحر“ میں کہا: مناسب ہے کہ فتوے میں جامع قول سے عدول نہ کیا جائے، اور ”المنہر“ میں ہے کہ ہمارے دیار میں عمل زیلعی کی ترجیح پر ہے (۱)۔

۵- متاخرین شافعیہ میں سے صاحب ”بغیۃ المسترشدین“ نے کہا: بیع العہد صحیح اور جائز ہے، اور اس کے ذریعہ سے حجت شرعاً و عرفاً اس کے قائلین کے قول کے مطابق ثابت ہے۔ کسی نے اس کی کراہت کی صراحت کی ہو، میں نے نہیں دیکھا، زمانہ قدیم سے مسلمانوں کے غالب اطراف و جہات میں اس پر عمل جاری ہے، اس کے مطابق حکام نے فیصلہ کیا ہے، اس کے قائل علماء اسلام نے اس کو برقرار رکھا ہے، حالانکہ وہ امام شافعی کے مذہب میں نہیں ہے، صرف کچھ لوگوں نے اس کو اختیار کیا ہے، اور مختلف مذاہب سے تعلق کی ہے، جو اس کی سخت ضرورت کی وجہ سے ہے، تاہم بذات خود اس کی صحت اور اس پر تفریح کے بارے میں اختلاف فقہ سے واقف شخص پر مخفی نہیں ہے (۲)۔

جواز کے قائلین کے نزدیک بیع الوفاء کی شرط:

۶- بیع الوفاء کے احکام کی تطبیق کے لئے اس کی اجازت دینے والوں کے یہاں دو لازمی شرطیں ہیں:

الف۔ عقد میں صراحت ہو کہ جب فروخت کرنے والا ثمن لوٹائے گا تو خریدار فروخت شدہ چیز لوٹائے گا۔

ب۔ دونوں بدل کی سلامتی۔ اگر بیع الوفاء میں فروخت شدہ چیز ضائع ہو جائے، اور اس کی قیمت دین (یعنی ثمن) کے برابر ہو، تو اس کے مقابلہ میں دین ساقط ہو جائے گا، اور اگر مقدار دین سے زیادہ ہو، اور فروخت شدہ چیز خریدار کے ہاتھ میں ہلاک ہو جائے تو

(۱) ابن ماجہ بن ۲۳۶/۳، ۲۳۷، طبع بولاق۔

(۲) بغیۃ المسترشدین ص ۱۳۳ تصرف کے ساتھ۔

(۱) ابن ماجہ بن ۲۳۷، ۲۳۸، مجلۃ الأحکام العربیۃ (۳۹۹، ۴۰۰)۔

(۲) ابن ماجہ بن ۲۳۷۔

## بیع الوفاء ۸-۹

کر لیا، پھر خریدار نے اس کو دوسرے کے ہاتھ قطعی بیع کے طور پر فروخت کر دیا اور سپرد کر دیا اور غائب ہو گیا، تو فروخت کرنے والے یا اس کے ورثاء کو حق ہے کہ دوسرے خریدار سے مقدمہ لڑیں اور باغ واپس لے لیں۔

اسی طرح اگر فروخت کرنے والا اور دونوں خریدار مر گئے، اور ہر ایک کے ورثاء ہوں تو مالک کے ورثاء کو حق ہے کہ اس کو دوسرے خریدار کے ورثاء کے ہاتھ سے نکال لیں، اور دوسرے خریدار کے ورثاء کو حق ہے کہ دوسرے خریدار نے اپنے فروخت کرنے والے کو جو ثمن دیا ہے، اس کو فروخت کرنے والے کے ترکہ میں سے جو اس کے ورثاء کے ہاتھ میں ہے واپس لیں، اور پہلے خریدار کے ورثاء کے لئے حق ہے کہ اس کو واپس لیں، اور اپنے مورث کے دین کے عوض اس کو روک لیں تا آنکہ وہ دین کو ادا کر دیں<sup>(۱)</sup>۔

دوم: فروخت شدہ چیز کو واپس لینے کے سلسلے میں فروخت کرنے والے کا حق:

۸- فروخت کرنے والے کو حق ہے کہ اپنا فروخت کردہ سامان واپس کر لے اگر اس نے ثمن خریدار کو واپس کر دیا ہو، وقت مقرر کرنے اور نہ کرنے دونوں حالتوں کا یہی حکم ہے<sup>(۲)</sup>۔

سوم: بیع الوفاء میں متعاقدین میں سے کسی ایک کی موت کا اثر:

۹- ابھی گزرا ہے کہ اگر بیع الوفاء میں خریدار یا فروخت کرنے والا مرجائے تو رہن کے پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے، وفاء کے احکام کے

بیع الوفاء اور بیع المعاملہ ایک ہیں، ”تارخانیہ“ میں اسی طرح ہے<sup>(۱)</sup>۔

ج- بیع الوفاء کے طور پر فروخت شدہ زمین کا خارج فروخت کرنے والے پر ہوگا<sup>(۲)</sup>۔

د- اگر فروخت شدہ چیز خریدار کے ہاتھ میں بلاک ہو جائے تو فروخت کرنے والے اور خریدار میں سے کسی کے لئے دوسرے پر کچھ نہیں ہوگا<sup>(۳)</sup>۔

ه- بیع الوفاء میں فروخت شدہ چیز کے منافع فروخت کرنے والے کے لئے ہیں مثلاً اجارہ اور درختوں کے پھل وغیرہ، لہذا اگر بیع الوفاء کے طور پر معلوم ثمن میں کسی نے اپنا گھر دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیا، اور دونوں نے قبضہ کر لیا، پھر اس نے اس گھر کو خریدار سے صحت اجارہ کی شرائط کے ساتھ اجارہ پر لے لیا، اور اس پر قبضہ کر لیا، اور مدت گزر گئی تو کیا اس پر اجرت لازم ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ خریدار کے لئے ملکیت منتقل نہیں ہوئی، کیونکہ اگر ملکیت منتقل ہو چکی ہوتی تو اجرت لازم ہوتی۔ اسی طرح درخت کا پھل فروخت کرنے والے کے لئے ہوگا نہ کہ خریدار کے لئے۔ اور اگر خریدار درختوں کے پھل میں سے کچھ لے لے، اور اس نے فروخت کرنے والے کی اجازت سے لیا ہو تو اس کا ذمہ بری ہے۔ اور اگر اس کی اجازت اور رضامندی کے بغیر لیا ہو تو اس کا ضامن ہوگا<sup>(۴)</sup>۔

و- بیع الوفاء میں فروخت شدہ چیز کا وراثت کی وجہ سے فروخت کرنے والے کے ورثاء کی طرف منتقل ہونا، لہذا اگر کسی نے اپنا باغ دوسرے کے ہاتھ بیع الوفاء کے طور پر فروخت کیا اور دونوں نے قبضہ

(۱) الفتاویٰ الہندیہ ۲۰۹/۳۔

(۲) معین لؤکا مہ ص ۱۸۳۔

(۳) حوالہ سابق۔

(۴) الفتاویٰ الہندیہ ۲۰۹/۳، معین لؤکا مہ ص ۱۸۳۔

(۱) الفتاویٰ الہندیہ ۲۰۹/۳، ابو ازیب پیمائش الہندیہ ص ۳۱۱۔

(۲) معین لؤکا مہ ص ۱۸۲، الفتاویٰ الہندیہ ۲۰۹/۳، مدعیہ لہستہ شہین ص ۱۳۳۔



## بیعت الوداء ۱۰، بیعتان فی بیعتہ ۱

سلسلے میں اس کے ورنہ اس کے قائم مقام ہوں گے (۱)۔

چہارم: بیعت الوداء میں متعاقدین کا اختلاف:

۱۰- بیعت الوداء میں متعاقدین کے اختلاف سے متعلق اہم احکام یہ ہیں:

الف۔ اگر متعاقدین کا اختلاف اصل بیعت الوداء میں ہو، یعنی

ایک کہے: بیعت قطع تھی یا وفاء تھی تو اعتبار حقیقی اور قطعی بیعت کے مدعی کے

قول کا ہوگا، الا یہ کہ بیعت الوداء کا قرینہ ہو۔ اسی سلسلے میں حنفیہ کے یہاں

ایک اور قول یہ ہے کہ اعتبار بیعت الوداء کے مدعی کے قول کا استحساناً ہوگا (۲)۔

ب۔ اگر خریدار اور فروخت کرنے والا دونوں گواہ پیش کریں تو

”وفاء“ کے گواہ کو مقدم کریں گے، اس لئے کہ یہ خلاف ظاہر ہے (۳)۔

ج۔ اگر کسی کے پاس گواہ نہ ہوں تو اعتبار قطعی بیعت کے دعوے دار

کے قول کا ہوگا۔

ابن عابدین نے کہا: اس کا حاصل یہ ہے کہ بینہ (گواہ) میں

اختلاف کی صورت میں استحسان ”وفاء“ کے گواہوں کی ترجیح میں

ہے، اور قول میں اختلاف کی صورت میں استحسان قطعیت کے

دعوے دار کے قول کی ترجیح میں ہے (۴)۔

”وفاء“ پر دلالت کرنے والے قرآن میں سے ثمن میں بہت

زیادہ کم ہونا ہے۔ یعنی جس میں عادتاً لوگ دھوکہ روا نہیں رکھتے، الا یہ

کہ ”وفاء“ کا مدعی زرخ کی تبدیلی کا دعویٰ کرے (۵)۔

## بیعتان فی بیعتہ

تعریف:

۱- بیعتان لغت میں: بیعتہ کا تشبیہ ہے۔ اور ”بیعتہ“ ایک مرتبہ بیعت کا

نام ہے۔

”البیعتان فی بیعتہ“ کے اصطلاحی معنی میں فقہاء کے مختلف

اقول ہیں:

اول: اس کا معنی یہ ہے کہ آدمی اپنا سامان فروخت کرتے

ہوئے کہے: یہ نقد اتنے میں اور ادھار اتنے میں، یعنی ثمن اول سے

زیادہ ثمن میں، اس کی یہ تشریح امام احمد کے مطابق حضرت سماک نے

حضرت ابن مسعود کے حوالہ سے کی ہے (جو ”النہی عن البیعتین

فی بیعتہ“ والی حدیث کے راوی ہیں)، اور ایک جماعت نے اسی

تشریح کو اپنایا ہے، کوکہ بعد میں خرید فروخت کرنے والے ایک ثمن

کو بیان کر دیں، اور اسی وجہ سے انہوں نے سامان کی ادھار بیعت

میں اس دن کے زرخ سے اضافہ اور زیادتی کو منع کیا ہے، جیسا کہ

آئے گا۔

دوم: بعض حضرات نے اسی سابقہ تشریح میں یہ قید لگائی ہے

کہ دونوں ثمن میں ابہام کے ساتھ علاحدگی ہوگی ہو، انہوں نے کہا

کہ اس کا معنی یہ ہے کہ کہے: میں نے تمہارے ہاتھ اس کو نقد اتنے

میں یا ادھار اتنے میں فروخت کیا، پھر دونوں میں سے کسی ایک ثمن پر

بیعت ہونے کے التزام سے قبل وہ دونوں علاحدہ ہو گئے، ابہام کے

ساتھ ان میں علاحدگی ہوئی ہو۔ امام شافعی نے کہا: اس کی تعریف یہ

(۱) امیر ازبک بیہامش الہندیہ ۳۳، ۱۱، القتاوی الہندیہ ۳۳، ۲۰۹، جامعہ الطہلاوی  
علی الدر المختار ۳۳، ۱۳۳، ۱۳۴۔

(۲) الطہلاوی مع الدر المختار ۳۳، ۱۳۴۔

(۳) حوالہ سابق۔

(۴) ابن عابدین ۳۳، ۲۳۸۔

(۵) ابن عابدین ۳۳، ۲۳۸، ۲۳۹۔

## بیعتان فی بیعتہ ۱

ﷺ کے موافق ہے: ”فلہ أو كسهما أو الربا“<sup>(۱)</sup> (تو اس کے لئے ان دونوں سے کم تر ہوگا یا ربا)، کیونکہ اگر وہ زائد ثمن کو لے تو اس نے ربا لیا یا ثمن اول کو لے تو یہی ان دونوں میں کم تر ہے۔ اور اس کا مقصد نقد دراہم کو ادھار زائد دراہم کے عوض فروخت کرنا تھا، حالانکہ وہ صرف رأس المال کا مستحق ہے<sup>(۲)</sup>۔

اس کے ”بیعتین فی بیعتہ“ کے باب سے ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ دونوں دو بیعت ہیں: ایک ادھار ثمن میں، اور دوسری فوری ثمن میں، اور دونوں کو ایک سودے میں مکمل کیا گیا ہے۔

پنجم: یہ ہے کہ وہ دونوں ایک بیعت میں دوسری بیعت کی شرط لگائیں۔

اس کی یہ تشریح بھی امام شافعی نے کی ہے۔ انہوں نے کہا: وہ یہ ہے کہ کہے: میں نے تمہارے ہاتھ یہ گھوڑا ایک ہزار میں اس شرط پر فروخت کیا کہ تم اپنا گھر مجھے اتنے میں فروخت کر دو یعنی جب مجھ پر تمہارا واجب ہوگا تو میرا تم پر واجب ہو جائے گا۔ شوکانی نے کہا: یہ حضرت ابو ہریرہ کی پہلی روایت کی تشریح بننے کے قابل ہے، دوسری روایت کے لئے نہیں، اس لئے کہ آپ ﷺ کا فرمان: ”أو كسهما“ (ان دونوں میں کم تر) بتاتا ہے کہ اس نے ایک ہی چیز کو دو بار فروخت کیا: ایک بار کم میں اور دوسری بار زیادہ میں<sup>(۳)</sup>۔

مسروق نے اسی قبیل سے اس قول کو بھی نقل کر دیا ہے کہ وہ کہے: میں نے یہ کپڑا تمہارے ہاتھ اتنے اتنے دینا میں فروخت کیا، تم ایک

(۱) حدیث: ”من باع بعینہ فی بیعتہ.....“ کی روایت ابو داؤد (۳۹/۳) ۷۳۹

(۲) تحقیق عزت عبید دھاس (اور حاکم ۲۵/۲) طبع دارۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد دکن) نے کی ہے، حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

(۳) جامع و اصول لابن الاثیر (۹/۳۲) طبع ۱۳۸۰ھ میں اس حدیث پر حاشیہ ہے۔

(۳) نیل الاوطار ۵/۱۷۲۔

ہے کہ کہے: میں نے اس کو تمہارے ہاتھ نقد ایک ہزار میں یا ایک سال تک کے لئے ادھار دو ہزار میں فروخت کیا، لہذا ان میں سے جس کے عوض تم چاہو اور میں چاہوں لے لو۔ شافعیہ میں سے ”قاضی“ نے کہا: مسئلہ کی صورت یہ فرض کی گئی ہے کہ اس نے ابھام کے ساتھ قبول کر لیا، لیکن اگر اس نے کہا: میں نے ایک ہزار میں نقد قبول کیا، یا کہا: ادھار دو ہزار میں قبول کیا تو صحیح ہے<sup>(۱)</sup>۔

اس کی یہی تشریح ابو عبید، ثوری، اسحاق، مالکیہ اور حنابلہ نے بھی کی ہے، نیز انہوں نے اس کی کچھ اور تشریحات کی ہیں، جیسا کہ آئے گا۔

سوم: امام مالک نے یہ بھی کہا: وہ یہ ہے کہ کوئی سامان ایک دینار یا ایک بکری کے عوض خریدے یا ایک دینار میں ایک بکری یا ایک کپڑا خریدے، ان میں سے ایک خریدار کے لئے واجب ہو۔

باجی نے کہا: خواہ لزوم دونوں کے لئے ہو یا کسی ایک کے لئے، لہذا اس وجہ میں سابقہ وجہ بھی داخل ہو جائے گی، اور اس کا مدار دو قسموں یا دو سامانوں کے درمیان اختیار دینے پر ہے، ان دونوں میں سے کسی ایک غیر معین کا پابند بنانے کے ساتھ<sup>(۲)</sup>۔

چہارم: جسے ابن القیم نے ”تہذیب السنن“ میں کہا ہے: وہ یہ ہے کہ کہے: میں نے یہ سامان تمہارے ہاتھ ایک سو کے عوض ایک سال کے لئے ادھار اس شرط پر فروخت کیا کہ میں اس کو تم سے (یعنی اس کے بعد) اسی کے عوض نقد خریدوں گا۔ انہوں نے کہا: ”بیعتین فی بیعتہ“ کے بارے میں وارد حدیث کا مطلب یہی ہے، اس کے علاوہ اس کا کوئی اور مطلب نہیں ہے، اور یہی مفہوم اس فرمان نبوی

(۱) نیل الاوطار ۵/۱۷۲، عون المعبود ۹/۳۳۳، شائع کردہ المکتبۃ السنن بیروت سورہ، المعنی ۳۳۳، نصب الراية ۳۰۳، فتح القدر ۶/۸۱۔

(۲) المواقیہ شرح الجلیل ۳/۳۶۳۔

## بیعتان فی بیعتہ ۲-۳

پر ہوتا ہے، کیونکہ جب ایک شخص بیع کو لازم کرنا تو اپنا ہاتھ خریدار کے ہاتھ پر مارتا تھا۔ اور اس کا اطلاق امام کی بیعت پر بھی ہوتا ہے، اور اسی معنی میں یہ حدیث ہے: ”من بايع إماما فأعطاہ صفقة يده وثمره قلبه.....“<sup>(۱)</sup> (جو شخص کسی امام سے بیعت کرے اور اس کو اپنے ہاتھ کا ”صفقہ“، اور اپنے دل کا پھل دے دے)۔

اصطلاح میں صفقہ کا اطلاق بیعت اور دوسرے عقود پر بھی ہوتا ہے، لہذا ایک بار اجارہ صفقہ ہے، اور ایک بار کاترض صفقہ ہے اور اسی طرح ہے<sup>(۲)</sup>۔

”صفقتین فی صفقہ“ سے مراد دو سودے ایک عقد میں جمع کرنا ہے، مثلاً فلاں کے ہاتھ اپنا گھریںچے، اور اس سے اس کا جانور خریدے، اس شرط پر کہ جب پہلا سودا مکمل ہوگا، تو دوسرا بھی مکمل ہو جائے گا یا فلاں کے ہاتھ اپنا گھریںچے اور اس سے اس کا جانور کرایہ پر لے، اس شرط پر کہ جب بیع مکمل ہوگی تو اجارہ بھی مکمل ہو جائے گا، لہذا ”صفقتین فی صفقہ“ کی اصطلاح ”بیعتین فی بیعتہ“ کی اصطلاح کے مقابلہ میں عام ہے<sup>(۳)</sup>۔

### ب- بیع و شرط:

۳- بیع و شرط، ”بیعتین فی بیعتہ“ سے عام ہے، اس لئے کہ اشتراط میں کبھی کبھی دوسرے عقد کی شرط ہوتی ہے، اور بسا اوقات متعاقدین میں سے کسی ایک کی مصلحت کی شرط ہوتی ہے، کسی دوسرے عقد کی شرط نہیں ہوتی ہے۔

(۱) لسان العرب۔

حدیث: ”من بايع إماما فأعطاہ صفقة يده وثمره فؤادہ.....“ کی روایت مسلم (۳/۱۳۷ طبع عیسیٰ الحلبي) نے کی ہے۔

(۲) المغنی ۳/۲۳۳، ۲۳۶، شرح المصباح مع قلیوبی وحاشیہ عمیرہ ۲/۱۸۸، ۱۸۹۔

(۳) فتح القدير ۶/۸۱۔

دینار کے عوض مجھے دس درہم دو گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے ”بیع“ اور ”صرف“ کو جمع کر دیا ہے<sup>(۱)</sup>۔

ششم: اور یہ حنفیہ کے نزدیک پانچویں قول سے عام ہے، کیونکہ اس کے تحت یہ صورت بھی داخل ہے کہ اس شرط پر گھریں وخت کرے کہ فر وخت کرنے والا اس میں ایک ماہ رہے گا یا جانور اس شرط پر فر وخت کرے کہ اس سے خدمت لے گا، گو کہ مدت معینہ ہو وغیرہ<sup>(۲)</sup>۔

ہفتم: خطابی نے کہا: وہ یہ ہے کہ اس سے ایک دینار میں ایک صاع گیہوں ایک ماہ کے ”سلم“ کے طور پر خریدے، اور جب مدت پوری ہو جائے، اور وہ گیہوں کا مطالبہ کرے تو وہ اس سے کہے: تمہارا ایک صاع جو میرے ذمہ ہے، اس کو میرے ہاتھ دو ماہ تک کے لئے دو صاع کے عوض فر وخت کر دو۔ خطابی نے کہا: یہ دوسری بیع ہے جو بیع اول پر داخل ہوتی ہے، لہذا ان دونوں کو ان میں سے کم تر (یعنی بیع اول) کی طرف لوٹایا جائے گا، انہوں نے یہ تشریح ابن رسلان کی شرح سنن ابی داؤد کے حوالہ سے نقل کی ہے۔ اور ابن الاثیر نے اس کو ”النبایہ“ میں نقل کیا ہے<sup>(۳)</sup>۔ اور واضح ہے کہ اسی طرح کی بیع سب کے نزدیک باطل ہے، اس لئے کہ مال ربوی کی، اسی جنس کے عوض کی پیشی کے ساتھ ادھار بیع کی گئی ہے۔

### متعلقہ الفاظ:

#### الف- صفقتان فی صفقہ:

۲- صفقہ: صفقہ کا اسم مرہ ہے، لغت میں اس کا معنی ایسی مار ہے جس کی آواز سنائی دے۔ عرف لغوی میں اس کا اطلاق بیع میں ایک مرتبہ

(۱) مصنف عبدالرزاق ۸/۱۳۹۔

(۲) فتح القدير ۶/۸۰۔

(۳) نيل الاوطار ۵/۱۷۲، عون المعبود ۹/۳۲۔

## بیعتان فی بیعة ۴-۵

بیعتین فی بیعة کا حکم:

۴- بیعتین فی بیعة ایک ممنوع بیع ہے، اس سے ممانعت تین روایات میں وارد ہے:

اول: حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے: ”نہی النبی ﷺ عن بیعتین فی بیعة“ (۱) (نبی کریم ﷺ نے ایک بیع میں دو بیع سے منع فرمایا)۔ اور حضرت عبداللہؓ کی روایت اسی طرح ہے (۲)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے: ”نہی النبی ﷺ عن بیعتین فی بیعة، و عن ربح مالہم یضمن“ (۳) (رسول اللہ ﷺ نے ایک بیع میں دو بیع اور ایسی چیز کے نفع سے منع کیا جس کا ضمان نہ ہو)۔

دوم: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”من باع بیعتین فی بیعة فله أو کسہما أو الربا“ (۴) (جس نے ایک بیع میں دو بیع کی اس کے لئے ان دونوں میں سے کم تر یا ربا ہے)، شوکانی نے کہا: اس کی اسناد میں محمد بن عمرو بن علقمہ ہے، جس پر کئی ایک نے کلام کیا ہے (۵)۔

سوم: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے: ”نہی النبی ﷺ

عن صفقتین فی صفقة“ (۱) (نبی کریم ﷺ نے ایک سووے میں دو سوووں سے منع فرمایا)، اور ان ہی سے ایک روایت میں ہے: ”لا تحل الصفقتان فی الصفقة“ (۲) (ایک سووے میں دو سووے حلال نہیں ہیں)۔ اور ایک دوسری موقوف روایت میں ہے: ”الصفقة فی الصفقتین ربا“ (۳) (دو سوووں میں ہونے والا سود ربا ہے)۔

لہذا ایک بیع میں دو بیع حرام عقد ہے، اس کا اقدام کرنے والا گنہگار ہے، کیونکہ اس نے ممانعت کی مخالفت کی، اور یہ عقد فاسد ہے، لیکن ”بیعتین فی بیعة“ کی تعریف میں سابق اختلاف کے لحاظ سے کس پر فساد کا حکم لگائیں؟ اس سلسلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ جس کی تشریح حسب ذیل ہے:

نوع اول: یہ کہ فروخت کرنے والا کہے یہ اتنے میں نقد ہے اور اس سے زیادہ میں ادھار ہے۔

۵- ادھار ثمن کے عوض جس کی مقدار اور مدت معلوم ہو بیع فی الجملہ بالاتفاق جائز ہے، اس میں کسی فقیہ کا اختلاف نہیں ہے۔ اس لئے کہ فرمان باری ہے: ”یا ایہا الٰئین آمنوا إذا تداینتہم بدين الی

(۱) حدیث: ”نہی عن صفقتین فی صفقة“ کی روایت احمد (۳۹۸/۱) طبع المہدیہ (۱) نے کی ہے احمد نے اسے اسناد (۲۹۵/۲) طبع دارالمعارف پر اپنے حاشیہ میں اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۲) حدیث: ”لا تحل صفقتان فی الصفقة.....“ کی روایت طبرانی نے لا وسط میں سماک بن حرب سے مرفوعاً کی ہے اور زیلعی نے عقلی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس کے موقوف ہونے کو درست کہا ہے (نصب الرایہ ۲۰/۳ طبع مجلس العلمی ہندوستان)۔

(۳) حدیث: ”الصفقة فی الصفقتین ربا.....“ کی روایت عقلی نے حضرت ابن مسعودؓ سے مرفوعاً کی ہے اور اسے عمرو بن عثمان بن ابومعقوف ثقفی کی وجہ سے معلول قرار دیا ہے اور کہہ اس کے مرفوعاً پر اس کا کوئی متابع نہیں، اور موقوف اولیٰ ہے (نصب الرایہ ۲۰/۳ طبع مجلس العلمی ہندوستان)۔

(۱) حدیث: ”نہی عن بیعتین فی بیعة.....“ کی روایت احمد (۳۳۲/۲) طبع المہدیہ (۱) اور ذہبی (۵۳۳/۳) طبع مصنفی الجلی نے کی ہے اور امام ترمذی نے کہہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(۲) اس کو ابن قیم نے تہذیب السنن میں ذکر کیا ہے۔

(۳) حدیث: ”نہی عن بیعتین فی بیعة وعن ربح مالہم یضمن“ کی روایت احمد (۱۷۳/۲، ۱۷۵، ۱۷۶) طبع المہدیہ (۱) نے کی ہے احمد نے اسے اسناد (۱۶۰/۱۰) طبع دارالمعارف پر اپنے حاشیہ میں اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۴) حدیث: ”من باع بیعتین فی بیعة فله أو کسہما أو الربا“ کی تخریج فقرہ ۱ کے تحت آچکی ہے۔

(۵) نیل الاوطار ۵/۱۷۲۔

## بیعتان فی بیعتہ ۵

حرام سمجھتے تھے (۱)۔

صاحب ”سبل اسلام“ نے اس میں بعض حضرات کا اختلاف نقل کیا ہے مگر ان لوگوں کا نام نہیں لیا ہے (۲)۔

شوکانی نے کہا: اس کی دلیل یہ روایت ہے: ”فلہ أو كسهما أو الربا“ اور اس کے راوی کے بارے میں کلام آپ کو معلوم ہی ہے۔ اس کے باوجود حضرت ابوہریرہ سے مشہور روایت کے الفاظ وہی ہیں جو دوسرے راویوں نے ذکر کئے ہیں، یعنی: دو بیع سے ممانعت، اور اس میں مقصود کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے۔ پھر شوکانی نے کہا: تاہم اس میں زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ یہ بیع سے ممانعت پر دلالت ہے، اگر بیع اس صورت پر ہو یعنی فروخت کرنے والا کہے: ”نقد اتنے میں“، اور ادھار اتنے میں“۔ نہ کہ اس صورت میں جبکہ وہ ابتداء ہی کہہ دے: ”صرف ادھار اتنے میں“، اور کچھ نہ کہے، اور وہ اس دن کے نرخ سے زیادہ ہو، تاہم اس روایت کو مستدل بنانے والے اس صورت کو بھی ممنوع کہتے ہیں، اور حدیث اس پر دلالت نہیں کرتی ہے، لہذا دلیل دعویٰ سے خاص ہوئی۔ اور سماک کی سابقہ روایت (دیکھئے: فقرہ ۱) کا ظاہر یہ ہے کہ وہ حرام اس صورت کو سمجھتے تھے کہ وہ کہے: ”یہ نقد اتنے میں اور ادھار اتنے میں ہے“۔ اس طرح اس پر حدیث کی دلالت مطابق ہو جاتی ہے (۳)۔

نوع دوم: دو ثمن کے عوض بیع جس میں ایک نقد اور دوسرا ادھار ہو جو نقد سے زیادہ ہو اور ابہام کے ساتھ ہو۔

(۱) نیل الاوطار ۵/۱۷۲۔

(۲) سبل السلام ۱۶۳، طبع چہارم و ۱۳۱ھ۔

(۳) نیل الاوطار ۵/۱۷۲، شوکانی نے کہا: اس سلسلہ میں ہم نے ایک رسالہ ”شفاء الغلیل فی حکم البریۃ فی البیع الجرد والجل“ کے نام سے لکھا ہے اور اس میں ایسی تحقیق ہے جو اس سے پہلے نہیں ہوئی تھی۔

أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتَبُوهُ“ (۱) (اے ایمان والو جب ادھار کا معاملہ کسی مدت معین تک کرنے لگو تو اس کو لکھ لیا کرو)، مفسرین نے کہا: اس سے مراد ہر ایسا معاملہ ہے جس کا ایک عوض نقد ہو اور دوسرا ادھار (۲)، جس میں ثمن کو پہلے ادا کر دیا جائے، اور فروخت شدہ چیز کو سپرد کرنا ادھار ہو وہ ”سلم“ ہے۔ جس کا جواز شریعت میں وارد ہے، اور اس پر اجماع منعقد ہے، یہ بیع بھی اسی طرح ہے، اس لئے کہ یہ دونوں عوض میں سے ایک کی تاخیر ہے، یہ سب اس شرط پر ہے کہ دونوں عوض میں سے کوئی ایسا نہ ہو جس میں ادھار کا سود جاری ہوتا ہو، جیسا کہ سونا سونے کے بدلہ یا چاندی کے بدلہ، اور جیسے گیہوں جو کے بدلہ۔

لیکن امام احمد کے یہاں یہ مکروہ ہے کہ آدمی خاص طور پر ادھار کے عوض بیع کرے، ادھار کے عوض ہی بیع کرے اور نقد بیع نہ کرے۔ ابن عقیل نے کہا ادھار کو مکروہ محض اس لئے سمجھا کہ وہ ربا کے مشابہ ہے، اس لئے کہ اکثر اوقات ادھار کے عوض بیع کرنے والا مدت کی وجہ سے زیادتی کا قصد کرتا ہے، لیکن ادھار بیع بالاتفاق حرام نہیں ہے، اور مکروہ نہیں ہے، الا یہ کہ اس کے علاوہ اس کی کوئی تجارت نہ ہو (۳)۔

لیکن اگر وہ ثمن جس پر ادھار بیع ہوئی ہے، اس سامان کے موجود ثمن سے اعلیٰ ہو تو:

اس کے بارے میں زین العابدین علی بن حسین سے اختلاف منقول ہے، چنانچہ شوکانی نے ان سے نقل کیا ہے کہ ادھار کی وجہ سے اس دن کے نرخ سے زیادہ میں کسی چیز کی بیع کو وہ

(۱) سورۃ بقرہ ۲۸۲۔

(۲) تفسیر القرطبی ۳/۷۷، فتح القدیر لابن ابیہام ۵/۲۶۸۔

(۳) المغنی ۱۷۳۔

## بیعتان فی بیعتہ ۶-۷

دبا،<sup>(۱)</sup> (ایک سو داو سو دوں میں ربا ہے)، اور حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث پر ہے: ”فلہ أو کسہما أو الربا“<sup>(۲)</sup> (اس کے لئے ان دونوں میں سے کم تر یا ربا ہے)۔

یہی علت امام مالک، ان کے شیخ ربیعہ اور بقیہ مالکیہ نے بیان کی ہے۔ ”المدونہ“ میں مکروہ صورت کی تشریح یہ آئی ہے کہ اگر ایک دینار نقد یا دو دینار ایک مقررہ مدت تک ادھار کے عوض ایک کپڑے کا مالک بنایا کہ ان دونوں میں سے جس کے عوض تم چاہو، اور میں چاہوں لے لو، اور تم پر ان میں سے ایک واجب ہے، تو گویا وہ ایک دینار نقد میں تم پر واجب ہوئی، تم نے اس کو مؤخر کرتے ہوئے دو دینار ادھار کے عوض کر دیا، یا گویا وہ تم پر دو دینار ادھار کے عوض واجب ہوئی اور تم نے ان دو دیناروں کو ایک دینار نقد بنا دیا۔

اس مسئلہ میں مالکیہ کے مذہب کی توضیح:

۷۔ مالکیہ نے تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ کی تشریح کی ہے اور ایک بیعت میں دو بیعت کی حرام صورت کے ضوابط کو بیان کیا ہے، ان کے کلام کا حاصل یہ ہے:

الف۔ حرمت اس صورت کو شامل ہے جبکہ تردد و مختلف سامانوں کے درمیان ہو مثلاً اگر کہے: میں تمہیں ایک دینار میں یہ سامان یا یہ بکری بیچ رہا ہوں۔ اور اس صورت کو بھی جبکہ تردد و ثمنوں کے درمیان ہو مثلاً اگر کہے: میں تمہیں یہ سامان دس میں نقد یا بیس میں ایک سال تک ادھار فرخت کر رہا ہوں۔

ب۔ یہ حرام نہیں الا یہ کہ عقد دونوں خرید فرخت کرنے

(۱) حدیث: ”الصفقة فی الصفقین دبا.....“ کی تخریج تقریر ۴۸ میں آچکی ہے۔

(۲) حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث: ”فلہ أو کسہما أو الربا.....“ کی تخریج تقریر ۱ میں آچکی ہے۔

۶۔ اگر سامان کو ایک ہزار کے عوض نقد یا ڈیڑھ ہزار کے عوض ایک سال تک ادھار کے طور پر فرخت کرے، اور ان میں سے ایک اس پر واجب ہو، پھر اگر علاحدگی سے قبل دونوں میں سے ایک ثمن کفر یقین متعین کر دیں تو بیعت جائز ہے، اور اگر ابہام کے ساتھ وہ دونوں علاحدہ ہو گئے تو ناجائز ہے۔

امام شافعی نے جیسا کہ گزر اصراحت کی ہے کہ یہ ممنوعہ ایک بیعت میں دو بیعت کے قبیل سے ہے، اور جمہور فقہاء نے اسی کو لیا ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ نے اس ممانعت کی دو علت بتائی ہے:

اول: ثمن میں جہالت اور اس کا متعین نہ ہونا۔ ابن قدامہ نے کہا: اس لئے کہ ثمن مجہول ہے، لہذا صحیح نہیں ہوگی جیسا کہ ما معلوم نمبر پر بیعت، نیز اس لئے کہ ایک عوض غیر معین اور غیر معلوم ہے، لہذا صحیح نہیں ہوگی۔ جیسا کہ اگر کہے: میں نے تمہارے ہاتھ اپنے گھروں میں سے ایک گھرن فرخت کر دیا۔ انہوں نے کہا: صحیح اسی وقت ہوگی کہ خریدار اس کے بعد کہے: میں اس کو ادھار اتنے میں لینا ہوں، پھر فرخت کرنے والا کہے: لے لو یا کہے: میں راضی ہوں وغیرہ، تو یہ کامل عقد ہوگا، لیکن اگر کوئی ایسی چیز نہ پائی جائے جو ایجاب کے قائم مقام ہو یا ایجاب پر دلالت کرے تو صحیح نہیں ہوگا، اس لئے کہ جو قول تردد اور ابہام کے ساتھ گزر چکا ہے وہ ایجاب بننے کے لائق نہیں ہے، پھر انہوں نے صحیح ہونے کی ایک دوسری ”وجہ“ کی تخریج کی ہے<sup>(۱)</sup>۔

دوم: اس میں ربا ہے۔ اس علت کا مدار حضرت ابن مسعودؓ کی بعض روایات پر ہے جن میں وارد ہے: ”الصفقة فی الصفقتین

(۱) المغنی ۵/۳، جوہر لا کلیل ۲۲/۲ شرح المصابیح بحامیہ اقلیو بی و حامیہ عمیرہ ۲/۱۷۷۔

## بیعتان فی بیعتہ ۸

دے، اور دوسرے ڈھیر کو لے لے، اور ان دونوں کے ماپ میں کمی بیشی ہو، اور سامان غذائی شئی ہو، لہذا زیادتی کا سود ہوگا۔

حنفیہ نے اس تغلیل کو سرے سے قبول ہی نہیں کیا ہے۔ ابن ابہام نے کہا: ثمن کا بضرع نقد ایک ہزار ہونا، اور بضرع ادھار دو ہزار ہونا ربا کے معنی میں نہیں ہے<sup>(۱)</sup>۔

۸- ربا چند سامانوں کے درمیان یا ایک سامان کی چند قیمتوں کے درمیان اختیار کے ساتھ بیع کرنا تو یہ حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے یہاں بھی فاسد ہے، اس لئے کہ جہالت ہے، اور اس صفت کے ساتھ بیع باعث نزاع ہے، حنفیہ نے استحسان کے طور پر اس سے اس صورت کو مستثنیٰ کیا ہے کہ چند کپڑوں مثلاً دو کپڑوں یا تین کپڑوں میں ایک کو اس شرط پر فروخت کرے کہ تین دن کے اندر اندر ان میں سے انتخاب کرنے کا اختیار ہوگا۔ اور اگر کپڑے چار ہوں تو بیع فاسد ہوگی۔ انہوں نے کہا: قیاس یہ ہے کہ سارے میں بیع فاسد ہو، یہی امام زفر اور شافعی کا قول ہے۔ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ خیاب کی مشروعیت ازلمہ غبن کی ضرورت کی وجہ سے ہے، تاکہ وہ اپنے لئے زیادہ موافق اور بہتر کا انتخاب کر سکے، اور ضرورت کا ثبوت متحقق ہے، اس لئے کہ خریدار کو ضرورت ہوتی ہے کہ اس کا معتبر آدمی انتخاب کرے یا جس کے لئے وہ چیز خریدی ہے وہ انتخاب کر لے، البتہ یہ ضرورت تین کپڑوں سے پوری ہو جاتی ہے، کیونکہ اس میں عمدہ، رومی اور اوسط ہوتا ہے۔ رہا چار یا اس سے زائد تو اس کی ضرورت متحقق نہیں ہے<sup>(۲)</sup>۔

اگر دو ”قیمتی“ چیزوں میں سے ایک کو ابہام کے ساتھ بلا اختیار کے فروخت کرے، مثلاً گھر اور کپڑا ایک دینار میں، تو یہ سب کے

والوں یا کسی ایک کو دو چیزوں میں سے ایک کا پابند بنانے کے طور پر ہو، اور اگر بغیر پابندی کے دونوں کے لئے اختیار دینے کے طور پر ہوتو جائز ہے۔

ج۔ یہ اس صورت میں ہے کہ جبکہ ان دونوں سامانوں کی جنس جن کے درمیان اختیار دیا گیا ہے الگ الگ ہو، لیکن اگر جنس ایک ہو، اور اختلاف محض عمدہ اور خراب ہونے میں ہو تو کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ وہ افضل ہی کو اختیار کرے گا۔ امام مالک نے کہا: کوئی حرج نہیں کہ دو کپڑوں میں ایک جس کو وہ اختیار کرے گا اتنے ثمن میں خریدے یا گٹھر کے سو کپڑوں میں سے پچاس کپڑا جن کا وہ انتخاب کرے گا خریدے، اگر جنس ایک ہو، اور اس کی بناوٹ اور طول کو بتا دے اگرچہ قیمت الگ ہو۔ جبکہ وہ سب مروی یا ہروی ہوں<sup>(۱)</sup> (یہ مرو اور ہرات کی طرف منسوب ہیں)۔

د۔ اس حالت سے مستثنیٰ یہ ہے کہ سامان جس کی بیع ہو رہی ہے ناج ہو جس میں زیادتی کا سود جاری ہوتا ہے، تو جائز نہیں کہ تم اس میں سے اس شرط پر خریدو کہ ان چند ڈھیروں میں سے ایک ڈھیر کا انتخاب کر لو گے، یا کھجور کے چند درختوں کے پھلوں میں سے ایک درخت کے پھل کا انتخاب کر لو گے، یا پھل دار درختوں میں سے معین تعداد کا انتخاب کر لو گے، جنس ایک ہو یا مختلف۔ مالکیہ نے اس مسئلہ میں ”طعام“ کی صراحت اس لئے کی ہے کہ ان کے نزدیک زیادتی کے سود کی علت نقدین کے علاوہ میں ”غذائیت“ ہے<sup>(۲)</sup>۔

انہوں نے یہاں پر زیادتی کے سود کے وجود کی شکل یہ بتائی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی ایک ڈھیر کو اختیار کرنے کے بعد چھوڑ

(۱) مدونہ امام مالک بروایت جہون ۳۳/۱۹۳۔

(۲) مسو ابہام علی مختصر غلیل للوطاب، التاج و لکلیل بہامعہ ۳۳/۳۶۳، جوہر و لکلیل ۲۲/۲۲۔

(۱) فتح القدر ۱/۸۱۔

(۲) فتح القدر ۵/۵۲۱۔

## بیعتان فی بیعتہ ۹-۱۱

۱۰- اس کے دو طریقے ہیں:

اول: عقد بیع میں دوسری بیع کی شرط لگائے، اور دوسری فروخت شدہ چیز یا ثمن کی تحدید نہ کرے۔ تو یہ دو وجوہ سے صحیح نہیں ہے۔ اول: یہ ”ایک ساتھ بیع اور شرط“ میں سے ہے جو ممنوع ہے۔ دوم: جہالت۔ نیز یہ کہ یہ بیع اکثر علماء کے نزدیک ایک بیع میں دو بیع ہے۔

دوم: بیع میں دوسری بیع کی شرط لگائے اور دوسری فروخت شدہ چیز یا ثمن کی تحدید کر دے مثلاً کہے: میں نے تمہیں اپنا یہ گھرا ایک ہزار میں اس شرط پر بیچ دیا کہ تم مجھے اپنا گھرا ایک ہزار پانچ سو میں بیچو گے یا اس شرط پر کہ تم مجھ سے میرا دوسرا گھرا ایک ہزار پانچ سو میں خریدو گے۔

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے صراحت کی ہے کہ یہ ایک بیع میں دو بیع ہے جو ممنوع ہے اور یہ حنفیہ و شافعیہ کے نزدیک، ”ایک ساتھ بیع اور شرط“ میں سے بھی ہے جس سے سنت نبوی میں ممانعت وارد ہے<sup>(۱)</sup> (دیکھئے: ”بیع و شرط“).

۱۱- ایک ساتھ بیع و شرط سے ممانعت کا قائل ہونے میں اگرچہ فقہاء کا اختلاف ہے۔ حنفیہ و شافعیہ اس کو ممنوع کہتے ہیں، جبکہ حنابلہ اس کو جائز کہتے ہیں اگر شرط ایک ہو۔ اس میں ہر ایک کے یہاں تفصیل ہے، یہاں اس کے بیان کا موقع نہیں ہے، لیکن اگر مشروط دوسری بیع ہو تو شرط فاسد ہوگی، اور بیع بھی فاسد ہوگی حتیٰ کہ حنابلہ کے نزدیک بھی<sup>(۲)</sup>۔

نزدیک فاسد ہوگی، اس لئے کہ فروخت شدہ چیز مجہول ہے<sup>(۱)</sup>۔

نوع سوم: ابن القیم کے کلام میں وارد ہے کہ ثمن ادھار میں کوئی چیز فروخت کرے اور شرط ہو کہ وہ لوٹ کر اس کے خریدار سے اس کے ادھار ثمن سے کم نقد ثمن میں خریدے گا۔

۹- یہ نوع بھی ان تمام لوگوں کے نزدیک فاسد ہے جو عینہ کی بیع کو باطل سمجھتے ہیں، اس لئے کہ بیع عینہ یہ ہے کہ کسی شخص کے ہاتھ ثمن نقد میں سامان فروخت کرے، جس کو اس نے اسی سے اس سے زیادہ ادھار ثمن میں خرید اتھا۔ اور یہ ربا کا ایک حیلہ ہے، کیونکہ سامان اپنے مالک کے پاس لوٹ آیا، اور اس کے اپنے لئے فریق کے ذمہ میں مثلاً بارہ سو ایک مدت تک کے لئے ثابت ہو گئے۔ اور اس نے اس کے مقابلہ میں ایک ہزار نقد لے لیا (دیکھئے: ”بیع عینہ“).

بیع عینہ کی تحریم کے قائلین نے کہا: یہ حرام ہے، اور فاسد ہے، اگر اس کا وقوع ہو جائے، خواہ بیع دوسری اتفاقاً ہوئی ہو یا ان دونوں نے عقد اول کے وقت اس پر اتفاق کیا ہو<sup>(۲)</sup>۔ اور جب وہ عقد اول میں عقد ثانی کی شرط کی بنیاد پر ہوئی ہے تو یہ بدرجہ اولیٰ حرام اور فاسد ہوگی۔

لیکن جو لوگ بیع عینہ کے جواز کے قائل ہیں مثلاً امام شافعی اور ان کے اصحاب ان کے نزدیک بھی یہ بیع حرام ہے اور فاسد ہے، اور یہ ان کے نزدیک ایک بیع میں دو بیع میں سے ہے، اسی طرح ممنوع بیع یا شرط میں سے ہے<sup>(۳)</sup>، اور یہ اگلی نوع میں داخل ہے۔

نوع چہارم: عقد بیع میں دوسری بیع یا کسی اور عقد کی شرط

لگائے:

(۱) فتح القدیر والحنایہ ۵/۵۱۸، ۵۱۹، ابن ماجہ ۱۰۹/۳، شرح الصہاب ۱۶۱/۲۔

(۲) المغنی ۳/۱۷۳ طبع سوم۔

(۳) شرح الصہاب وحنایہ اقلیو بی ۱۷۷/۲۔

(۱) شرح الصہاب وحنایہ اقلیو بی و عمیرہ ۲/۱۷۷، المغنی ۳/۲۳۳ طبع سوم۔

حدیث: ”لہی عن بیع و شرط.....“ کی روایت طبرانی نے لاوسط میں کی ہے زبلی نے ابن القطن سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس کو ضعیف کہا ہے (نصب الراية ۳/۱۸، طبع مجلس العلیٰ ہندوستان)۔

(۲) المغنی ۳/۲۳۳، ۲۳۵، شرح فتح القدیر علی الہدایہ ۱/۸۰، ۸۱۔



## بیعتان فی بیعتہ ۱۲-۱۳

دونوں نے اسی عقد میں اتفاق کر لیا ہو۔ ابن قدامہ نے کہا: یہ باطل ہے، کیونکہ اس نے اس عقد میں شرط لگائی کہ اس کے ساتھ اس ثمن میں، جس پر عقد ہوا ہے بیعت صرف کرے، اور صرف عقد ہے تو یہ ”بیعتین فی بیعتہ“ کے باب سے ہوگا، پھر انہوں نے کہا: اور امام مالک نے کہا: میں لفظ فاسد کی طرف توجہ نہیں دوں گا اگر وہ معلوم حلال ہو۔ تو کو یا اس نے سامان کو ان دراہم کے عوض فروخت کیا جن کو وہ دیناروں کے بدلے لے گا۔

۱۲- مذکورہ بالا حالت اور اس صورت کے درمیان فرق کرنا چاہئے کہ دو مختلف سامانوں کو ایک ثمن میں فروخت کرے، مثلاً جانور اور گھر ایک ہزار دینار میں فروخت کرے تو یہ بالاتفاق جائز ہے۔ اور ”بیعتین فی بیعتہ“ میں سے نہیں ہے۔ اسی طرح اگر گھر کو ایک جانور اور ایک ہزار دینار کے عوض فروخت کرے۔

۱۳- اسی طرح اگر بیعت اور اجارہ کو یا بیعت اور صرف کو یا اجارہ اور نکاح کو ایک عوض کے ساتھ جمع کر دے، مثلاً اگر کہے: میں نے ایک ہزار دینار میں تمہیں اپنا یہ گھر فروخت کیا، اور اپنا دوسرا گھر تمہیں ایک سال کے لئے اجرت پر دیا، تو یہ جائز ہے، اس لئے کہ یہ دو چیزیں ہیں، انفرادی طور پر ان میں سے ہر ایک کا عوض لیما جائز ہے، لہذا اجتماعی طور پر ان دونوں کا عوض لیما بھی جائز ہوگا، جیسا کہ اگر کہے: میں نے تمہیں یہ دونوں کپڑے ایک ہزار میں فروخت کئے، یہ حنا بلہ کے یہاں قول اصح اور شافعیہ کے یہاں اظہر ہے، اور ایک کو واپس کرنے کے وقت عوض کو ان دونوں کی قیمت کے لحاظ سے تقسیم کیا جائے گا، یعنی مثلاً مقررہ مدت کی اجرت کے لحاظ سے کرایہ کی چیز کی قیمت اور فروخت شدہ چیز کی ذات کی قیمت۔

فریقین میں سے ہر ایک کے یہاں دوسرا قول یہ ہے کہ یہ صحیح

یہ نوع بھی فاسد ہے، خواہ شرط عقد بیعت میں بیعت ہو یا اس کے علاوہ مثلاً سلف یا اجارہ یا قرض یا اس کے علاوہ دوسرے عقود۔ اس کی وجہ بیعت کی شرط لگانے پر قیاس ہے۔ نیز وہ دوسری روایت یعنی ایک صفتہ میں دو صفتوں سے ممانعت کے عموم میں داخل ہے، اس لئے کہ صفتہ بمعنی عقد ہے، لہذا اس کے تحت ہر وہ دو عقد آئیں گے جن کو ایک عقد میں جمع کر دیا گیا ہو، اور سلف اور بیعت کو جمع کرنے کے بارے میں خاص ممانعت وارد ہے۔ اور وہ فرمان نبوی ﷺ ہے: ”لا یحل سلف و بیع“ (ایک ساتھ بیعت اور سلف حلال نہیں ہیں) ابن قدامہ نے کہا: یہ امام مالک اور شافعی کا مذہب ہے۔ میرے علم میں اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، البتہ امام مالک نے کہا: اگر سلف کی شرط لگانے والا اپنی شرط کو چھوڑ دے تو بیعت صحیح ہوگی۔

ابن قدامہ نے فساد بیعت کی توجیہ اس کا صفتتین فی صفتہ میں سے ہونے کے ساتھ ساتھ یہ کی ہے کہ جب اس نے مثلاً قرض کی شرط لگا دی تو اس کی وجہ سے ثمن میں اضافہ کر دیا، تو ثمن میں ہونے والی یہ زیادتی قرض کا عوض اور اس کا نفع ہوگی، اور یہ حرام سود ہے، لہذا فاسد ہوگی، جیسا کہ اگر اس کی صراحت کر دے<sup>(۱)</sup>۔

اگر دونوں عقدوں میں کوئی بیعت نہ ہو تو بھی دونوں فاسد ہیں جیسا کہ اگر اجارہ میں سلف یا نکاح کی شرط لگائے یا نکاح میں نکاح کی شرط لگائے، ایک تشریح کے مطابق یہی شغار کہلاتا ہے جو ممنوع ہے۔ (دیکھئے: ”شغار“)

اس نوع کے تحت آنے والے مسائل ہی میں یہ بھی ہے کہ کوئی سامان سونے کے دانیر میں فروخت کرے اور شرط لگائے کہ ثمن دراہم کی شکل میں بیعت صرف کے نرخ پر سپرد کرے گا، جس پر ان

(۱) یعنی ۵۴۳-۲۳۔

## بیعتان فی بیعتہ ۱۴

لوں گا۔ حنفیہ نے اس کو ”بیعتین فی بیعتہ“ میں داخل کیا ہے، جس سے ممانعت وارد ہے۔ اور انہوں نے کہا: اس کی وجہ سے بیع فاسد ہو جائے گی، نیز اس لئے کہ یہ ”ایک ساتھ بیع“ اور ”شرط“ کے باب سے ہے۔ جس سے ممانعت ہے۔ (دیکھئے: ”بیع و شرط“)

اس کے ”بیعتین فی بیعتہ“ میں سے ہونے کی وجہ جیسا کہ ”الہدایہ“ اور ”فتح القدر“ میں ہے، یہ ہے کہ اگر خدمت اور رہائش کے بالمقابل کچھ ثمن ہو، بایں طور کہ مقررہ رقم کو فروخت شدہ چیز کے بالمقابل ثمن اور خدمت و رہائش کے بالمقابل اجرت مانا جائے تو یہ بیع میں اجارہ ہوگا، اور اگر خدمت و رہائش کے بالمقابل ثمن کا کوئی حصہ نہیں تو یہ بیع میں اجارہ ہوگا، اور اس کے ربا ہونے کی وجہ یہ ہے عقد میں شرط زیادتی، عوض سے خالی ہے۔ اور ربا کا مفہوم یہی ہے (۱)۔

حنفیہ کے نزدیک اسی کے مثل یہ بھی ہے کہ درخت فروخت کرے جس پر پھل ہو، اور ایک مدت تک درخت پر پھل کے بقاء کی شرط لگا دے۔ اس کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ بیع میں اجارہ ہوگا، لہذا یہ ”صفتین فی صفتہ“ کے باب سے بھی ہوگا (۲)۔

شافعیہ اس بیع کے ممنوع ہونے اور اس جیسی شرط کے مفسد عقد ہونے سے اتفاق کرتے ہیں، اس لئے کہ یہ ”بیع و شرط“ کے باب سے ہے۔

مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ بیع جائز ہے، جبکہ شروط منفعہ معلوم ہو۔ انہوں نے کہا: حضرت جابرؓ کی صحیح حدیث ہے: ”انہ باع من النبی ﷺ جملاً واستثنى حملاً إلى المدينة“ (انہوں نے نبی کریم ﷺ کے ہاتھ اونٹ فروخت کیا اور مدینہ تک اس کی سواری کا استثنا کر لیا) اور اس لئے کہ: ”نہی عن الثنیا إلا أن

نہیں ہے، اس لئے کہ ان دونوں کا حکم مختلف ہے، اس لئے کہ فروخت شدہ چیز محض بیع سے قابل ضمان ہو جاتی ہے، اور اجارہ اس کے برخلاف ہے، اس لئے کہ بسا اوقات فسخ و انفساخ وغیرہ کے اسباب میں اختلاف کی وجہ سے ان دونوں کے حکم میں ہونے والے اختلاف کی بنا پر کوئی ایسی چیز پیش آ جاتی ہے، جو ان دونوں میں ایک کے فسخ کی متقاضی ہوتی ہے، اور تقسیم کی ضرورت ہوتی ہے تو لازم آئے گا کہ عقد کے وقت ان دونوں میں سے ہر ایک کا خصوصی عوض مجہول ہو، اور یہ ممنوع ہے، لیکن اگر دو عقد میں سے کوئی ایک نکاح ہو تو وہ مہر مثل سے صحیح ہو جائے گا، اس لئے کہ مقرر کرنا اس کی صحت کے لئے شرط نہیں ہے (۱)۔

مالکیہ کے یہاں مشہور قول کے مطابق صراحت ہے کہ بیع کے ساتھ ”صرف“ یا ”بعالہ“ یا ”مساقات“ یا ”شرکت“ یا ”قرض“ یا ”نکاح“ یا ”سلف“ کو جمع کرنا جائز ہے۔ اسی طرح ان میں کسی ایک چیز کو کسی دوسری چیز کے ساتھ جمع کرنا جائز ہے۔ اور سلف کے ساتھ سلف لینے والے کی جانب سے صدقہ یا ہبہ وغیرہ بھی جمع نہیں ہوں گے (۲)۔

نوع پنجم: متعاقبین میں سے کسی ایک کے لئے منفعہ کی

شرط:

۱۴- اس کی مثال یہ ہے کہ کہے: میں نے تمہیں یہ گھر اس شرط پر فروخت کیا کہ اس میں ایک سال رہائش اختیار کروں گا یا کہے: میں نے تمہیں یہ جانور اس شرط پر فروخت کیا کہ اس سے ایک ماہ خدمت

(۱) المغنی ۳/۲۳۶، شرح المنہج ۳/۱۵۳، نہایۃ المحتاج ۳/۶۶، ۳/۶۸، شرح

المحلی علی الصماح ۲/۱۸۸۔

(۲) لوطاب ۲/۳۱۳۔

(۱) الہدایہ و فتح القدر ۶/۷۸، ۷۸۔

(۲) الاختیار لتسلیل الخیار ۲/۷ طبع سوم، ابن عابدین ۳/۳۹، ۳۱۔

## بیعتان فی بیعتہ ۱۴، بیعت ۱

تعلیم،<sup>(۱)</sup> (حضور ﷺ نے استثناء سے منع کیا ہے الا یہ کہ وہ معلوم ہو)۔

## بیعت

تعریف:

۱- لغت میں بیعت کے کئی معانی ہیں، اس کا اطلاق: طاعت کے لئے بیعت پر ہوتا ہے، اور اس کا اطلاق: بیعت کے ایک سووے پر ہوتا ہے، کہا جاتا ہے: بایعتہ، یہ بیعت اور بیعت دونوں سے ہے۔ اور ”تبايع“ بھی اسی کی طرح ہے۔ فرمان باری ہے: ”إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ“<sup>(۱)</sup> (پیشک جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں۔ وہ اللہ ہی سے بیعت کر رہے ہیں)۔

اور حدیث میں ہے کہ جب حضرت مجاشع نے حضور ﷺ سے دریافت کیا: کس بات پر آپ ہم سے بیعت لیتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”علی الإسلام والجهاد“<sup>(۲)</sup> (اسلام اور جہاد پر)۔ اور یہ عقد اور معاہدہ کرنے کے معنی میں ہے، گویا کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنی چیز دوسرے کے ہاتھ بیچ دی، اور اس کو اپنی خالص نیت، اپنی اطاعت اور اپنا راز سونپ دیا۔ اور اسی کے مثل بیعت کی قسمیں ہیں، جن کو حجاج نے بہت سخت امور یعنی طلاق، آزادی اور روزہ وغیرہ پر مشتمل کر کے مرتب کیا تھا<sup>(۳)</sup>۔



(۱) المغنی ۹۶/۳، ۹۸، نیل المارب ۳۹۹/۱، تاریخ کردہ مکتبہ الفلاح کویت، ۱۳۰۳ھ، جوہر لا کلیل ۱۸۶/۲، ۱۸۷۔  
حدیث جابر کی روایت بخاری (فتح الباری ۵/۳۱۳ طبع استغیہ) نے کی ہے۔  
اور حدیث ۵۰۰۰ ”اللہی عن العبا“ کی روایت ترمذی (۵۸۵/۳ طبع المصاحف) نے کی ہے۔

(۱) سورہ فتح ۱۰۔  
(۲) حضرت مجاشع کی حدیث کی روایت بخاری (فتح ۶/۱۱۷ طبع استغیہ) اور مسلم (۳/۱۳۸۷ طبع المصاحف) نے کی ہے الفاظ بخاری کے ہیں۔  
(۳) لسان العرب، المصباح الممیر، الصحاح۔

## بیعت ۲-۵

متعلقہ الفاظ:

الف- عقد:

۳- عقد: اس کی جمع عقود ہے، لغت میں اس کے کئی معانی ہیں مثلاً رسی وغیرہ میں گرہ لگانا، اور اس کا ایک معنی عہد ہے (۱)۔

اصطلاح میں عقد تصرف کے اجزاء کو شرعاً ایجاب و قبول کے ذریعہ مربوط کرنا ہے (۲)۔

لہذا عقد میں بمقابلہ بیعت عموم ہے۔

ب- عہد:

۴- لغت میں اس کے معانی میں سے ہر وہ چیز ہے جس پر اللہ سے عہد کیا جائے، اور بندوں کے درمیان ہونے والے میثاق اور ایمان ہیں۔

عہد: وہ تحریر ہے جو حکمرانوں کے لئے ذمہ داری سونپتے وقت لکھی جاتی ہے۔ اس کی جمع: ”عہود“ ہے، کہتے ہیں: عہد الیہ عہداً: سونپنا، حوالہ کرنا۔

عہد: وہ میثاق اور قسم ہے جو انسان سے لی جائے، تم کہتے ہو: علیٰ عہد اللہ و میثاقہ یعنی مجھ پر اللہ کا عہد اور میثاق ہے، اور أخذت علیہ عہداً للہ و میثاقہ: میں نے اس سے اللہ کا عہد اور میثاق لیا، اور ”بیعت“ ایک طرح کا عہد ہے (۳)۔

بیعت کا شرعی حکم:

۵- بیعت کرنے والوں کے لحاظ سے بیعت کا حکم مختلف ہوتا ہے، چنانچہ اہل حل و عقد پر اس شخص سے بیعت کرنا واجب ہے جس کو

بیعت اصطلاح میں جیسا کہ ابن خلدون نے اپنے ”مقدمہ“ میں اس کی تعریف کی ہے، طاعت پر عہد کرنا ہے، گویا بیعت کرنے والا اپنے امیر سے اس بات پر عہد کرتا ہے کہ وہ اپنے ذاتی امر اور مسلمانوں کے امور کی نگرانی اس کے سپرد کرتا ہے۔ اس سلسلہ کی کسی چیز میں اس سے نزاع نہیں کرے گا، اور خوشی و ناخوشی میں اس کے حکم کو مانے گا، اور جب وہ کسی امیر سے بیعت کر لیتے اور اس سے عہد کو مکمل کر لیتے تو عہد کی تاکید کے لئے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیتے تھے۔ اس طرح سے یہ عمل خرید و فروخت کرنے والے کے فعل کی طرح ہو گیا اور بیعت دست بدست مصافحہ سے ہونے لگی۔

یہ لغت میں اس کا مدلول اور شریعت میں معروف معنی ہے۔ ”عقبہ کی رات“، اور ”درخت“ کے پاس نبی کریم ﷺ سے بیعت والی حدیث میں یہی مراد ہے، اور جہاں بھی یہ لفظ وارد ہے یہی مراد ہے۔ اسی سے ”بیعت خلفاء“، اور اسی سے ”بیعت کی قسمیں“ ماخوذ ہے، چنانچہ خلفاء عہد پر قسم لیتے، اور اس میں تمام اقسام کی قسموں کو شامل کر لیتے تھے، لہذا اس استیعاب و جامعیت کو ”ایمان بیعت“ کہا گیا (۱)۔

۲- علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ سے شہرت کے ساتھ ثابت ہے کہ لوگ آپ ﷺ سے کبھی ہجرت و جہاد پر، کبھی ارکان اسلام کے قائم کرنے پر، کبھی کفار سے جنگ میں ثابت قدمی، اور برتر ار رہنے پر، اور بسا اوقات سنت کو اختیار کرنے، بدعت سے اجتناب، اور طاعات کی پابندی پر بیعت کرتے تھے (۲)۔

اس کے علاوہ بیعت بمعنی ایک بار بیعت کرنا پر بحث کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”بیعت“۔

(۱) لسان العرب، المصباح المہیر۔

(۲) التعریفات للبحر ج ۱، ص ۵۳۔

(۳) لسان العرب، التعریفات للبحر ج ۱۔

(۱) مقدمہ ابن خلدون، ص ۲۰۹ طبع دار احیاء التراث العربی۔

(۲) القواعد الفہمیہ للبحر ج ۱، ص ۶۱۲ طبع ڈھاکہ۔

## بیعت ۶

يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ“<sup>(۱)</sup> (بیشک جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں، وہ اللہ ہی سے بیعت کر رہے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے)، چنانچہ اجر و ثواب دینے میں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ وفاداری کے بارے میں بیعت کرنے والوں کے ہاتھوں سے اوپر، اور ہدایت کے ذریعہ ان پر احسان کرنے میں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ طاعت کے باب میں ان کے ہاتھ کے اوپر ہے<sup>(۲)</sup>۔

اس آیت میں بیعت سے مراد مقام حدیبیہ میں ہونے والی بیعت رضوان ہے، جہاں بیعت کرنے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے: ”لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا“<sup>(۳)</sup> (بیشک اللہ خوش ہوا ان مسلمانوں سے جبکہ وہ آپ سے بیعت کر رہے تھے درخت کے نیچے اور اللہ کو معلوم تھا جو کچھ ان کے دلوں میں تھا۔ سو اللہ نے ان میں اطمینان پیدا کر دیا اور ان کو ایک لگتے ہاتھ فتح بھی دے دی)۔

”صحیح مسلم“ میں حضرت جابرؓ کی روایت ہے، انہوں نے کہا: ”كنا يوم الحديبية ألفا و أربعمائة، فبايعناه وعمر آخذ بيده تحت الشجرة وهي سمرة“ (ہم حدیبیہ کے دن ایک ہزار چار سو تھے، ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی، اور حضرت عمرؓ آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑے ہوئے درخت کے نیچے تھے۔ اور وہ سمرہ (ببول) کا درخت تھا)۔ انہوں نے کہا: ”بايعناه على أن لا نفر، ولم نبايعه على الموت“<sup>(۴)</sup> (ہم نے آپ ﷺ سے نہ بھاگنے

انہوں نے امامت کے لئے منتخب کیا ہو اور جس میں امامت کی تمام شرعی شرائط موجود ہوں۔

رہے عام لوگ تو اصل یہ ہے کہ اہل حل و عقد کی بیعت کی بنیاد پر ہر شخص پر بیعت واجب ہے، اس لئے کہ فرمان نبوی ہے: ”من مات وليس في عنقه بيعة لإمام مات ميتة جاهلية“<sup>(۱)</sup> (جو مر گیا، اور اس نے کسی امام سے بیعت نہیں کی تو اس کی موت جاہلیت کی سی ہوگی)، لیکن مالکیہ کی رائے ہے کہ بقیہ لوگوں کے لئے یہ عقیدہ رکھنا کافی ہے کہ وہ بیعت شدہ امام کے ماتحت ہیں اور اس کی اطاعت کے پابند ہیں<sup>(۲)</sup>۔

یہ تو بیعت کرنے والوں یعنی اہل حل و عقد اور بقیہ لوگوں کے تعلق سے ہے۔

جہاں تک امامت کے لئے منتخب کئے جانے والے شخص کا تعلق ہے تو اس پر واجب ہے کہ بیعت قبول کر لے، اگر امامت اس کے لئے متعین ہو، یعنی کسی دوسرے کے اندر تمام شرائط نہ پائی جائیں۔ اور اگر کئی ایک میں تمام شرائط موجود ہوں تو بیعت کو قبول کرنا فرض کفایہ ہوگا، دیکھئے: اصطلاح ”امامت کبریٰ“ اور ”اہل حل و عقد“۔

## بیعت کی مشروعیت کے دلائل:

۶۔ مسلمانوں کا رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنا، اللہ سے بیعت کرنا ہے جیسا کہ فرمان باری میں ہے: ”إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا

(۱) سورة فتح / ۱۰۔

(۲) الجامع لاحکام القرآن للقرطبي ۱/ ۲۶۷۔

(۳) سورة فتح / ۱۸۔

(۴) حدیث جابرہ ”کنا يوم الحديبية.....“ کی روایت مسلم (۳/ ۱۳۸۳ طبع اہل حل و عقد کے لئے ہے۔

(۱) حدیث: ”من مات وليس في عنقه بيعة.....“ کی روایت مسلم (۳/ ۱۳۷۸ طبع اہل حل و عقد کے لئے ہے۔

(۲) ابن ماجہ ۱/ ۳۶۸، شرح الکبیر ۳/ ۲۹۸، دیکھئے: منهاج الطالبین وجاهدہ اقلیوبی ۳/ ۱۷۳، مطالب اولیٰ اہل حل و عقد ۱/ ۲۶۳۔

## بیعت ۷

پر بیعت کی تھی، مہر جانے پر بیعت نہیں کی تھی)۔

بیعت عقبہ اولیٰ میں مسلمانوں نے آپ ﷺ سے ”عورتوں“ والی بیعت کی تھی، یہ جہاں فرض ہونے سے قبل تھی، چنانچہ حضرت عبادہ بن صامتؓ سے جو شہداء بدر اور عقبہ کی رات کے نقتباء میں سے ہیں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اردگرد صحابہ کی ایک جماعت تھی، آپ ﷺ نے فرمایا: ”بایعونی علیٰ أن لا تشرکوا باللہ شیئا، ولا تسرقوا، ولا تزنوا، ولا تقتلوا اولادکم، ولا تاتوا ببہتان تفترونہ بین یدیکم وأرجلکم، ولا تعصوا فی معروف، فمن وفی منکم فأجرہ علی اللہ، ومن أصاب من ذلک شیئا فعوقب فی الدنیا فهو کفارة له، ومن أصاب من ذلک شیئا ثم سترہ اللہ، فهو إلی اللہ، إن شاء عفا عنہ وإن شاء عاقبہ، فبایعناہ علی ذلک“ (۱) (تم مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ گے، چوری نہ کرو گے، زنا نہ کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گے، اور بہتان نہ لادو گے جسے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان گھڑ لو، نیک کام میں مانرمانی نہ کرو گے، پھر تم میں سے جو یہ عہد پورا کرے اس کا ثواب اللہ پر ہے، اور جو ان گناہوں میں سے کچھ کر بیٹھے، اور اس دنیا میں اس کی سزا مل جائے تو وہ اس کے لئے کفارہ ہے۔ اور جو کوئی ان گناہوں میں سے کچھ کر بیٹھے، پھر اللہ نے اس کو دنیا میں چھپائے رکھا، تو وہ اللہ کے حوالے ہے، اگر چاہے اس کو معاف کر دے، اور اگر چاہے عذاب دے، پھر ہم نے ان باتوں پر آپ ﷺ سے بیعت کر لی)۔

۷۔ عری عورتوں والی بیعت تو اس کا بیان اس فرمان باری میں ہے:

”یا ایہا النبیؐ إذا جاءک المؤمنات یتبایعنک علی أن لا یشرکن باللہ شیئا ولا یسرقن ولا یزنین ولا یقتلن اولادھن ولا یتأتین ببہتان یفترنہ بین یدیہن وأرجلھن ولا یعصینک فی معروف فبایعنہن واستغفر لھن اللہ إن اللہ عفورٌ رحیم“ (۱) (اے پیغمبر جب مسلمان عورتیں آپ کے پاس آئیں تو آپ سے ان باتوں پر بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ نہ کسی کو شریک کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی اور نہ کوئی بہتان لائیں گی جسے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان گھڑ لیں اور شروع باتوں میں آپ کی مانرمانی نہ کریں گی تو آپ ان کو بیعت کر لیا کیجئے اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کر لیا کیجئے، بیشک اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے)۔

فتح مکہ کے موقع پر مکہ کی عورتیں آپ ﷺ کے پاس بیعت کے لئے آئیں تو آپ ﷺ نے ان سے عہد لیا شریک نہ ٹھہرائیں..... الخ۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے، انہوں نے کہا کہ مسلمان عورتیں جب ہجرت کر کے آئیں تو آپ ﷺ ان کا اس آیت کے مطابق امتحان لیتے: ”یا ایہا النبیؐ إذا جاءک المؤمنات یتبایعنک علی أن لا یشرکن باللہ شیئا ولا یسرقن ولا یزنین“ إلی آخر الآیة۔ حضرت عائشہؓ نے کہا: پھر جو عورت اس کا اتر کر لیتی تو کو بیعت کا اتر کر لیتی (۲)۔

جب وہ اپنی زبان سے اس کا اتر کر لیتیں تو رسول اللہ ﷺ فرماتے: ”انطلقن فقد بایعتکن“ (جاؤ، میں تم سے بیعت لے

(۱) سورہ بقرہ ۱۲۷۔

(۲) امام نووی نے کہا یعنی آپ نے شرعی بیعت لے لی۔

(۱) حدیث عبادہ صامت کی روایت بخاری (فتح ۱/ ۶۳ طبع السنہ) نے کی

## بیعت ۸

(رسول اللہ ﷺ عورتوں سے بیعت لیتے تو پانی کا ایک پیالہ منگاتے، اس میں دست مبارک ڈال دیتے پھر عورتیں آپ ﷺ کے حکم سے اپنے ہاتھ اس میں ڈال دیتیں)۔

بہر کیف رسول اللہ ﷺ سے مسلمان مردوں کی بیعت زبانی گفتگو کے ساتھ مصافحہ کے ذریعہ ہوتی تھی، جبکہ مسلمان عورتوں کی بیعت صرف زبانی ہوتی، مصافحہ نہیں ہوتا تھا۔ امام نووی نے ”شرح مسلم“ میں کہا: عورتوں کی بیعت ہتھیلی پکڑے بغیر صرف زبانی ہوتی، اور مردوں کی بیعت زبانی کے ساتھ ہتھیلی پکڑ کر ہوتی تھی (۱)۔

اور جس وقت حضرت عمر بن الخطابؓ کو مسلمانوں کے درمیان اختلاف کا اندیشہ ہوا تو انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ اے ابوبکر! آپ اپنا ہاتھ بڑھائیں، انہوں نے ہاتھ بڑھا دیا۔ حضرت عمرؓ نے ان سے بیعت کی، پھر مہاجرین نے ان سے بیعت کی، پھر انصار نے ان سے بیعت کی (۲)۔

نبی کریم ﷺ سے صحابہ کی بیعت، اور دوسرے ائمہ سے بیعت کے درمیان فرق:

۸- رسول اللہ ﷺ سے بیعت کا موضوع بیعت کرنے والوں کے مع و طاعت کا عہد کرنے اور اس کے پابند ہونے اور خاص طور پر جس چیز کی بیعت ہوئی ہے، اس کی پابندی تک محدود ہے، رہا آپ ﷺ کا امامت کے لئے متعین ہونا تو وہ وحی کے ذریعہ تھا۔ اور دوسرے حضرات کی بیعت طرفین سے التزام اور پابندی ہے، یہ اہل حل

چکا) اور اللہ کی قسم! آپ کا ہاتھ کسی عورت کے ہاتھ سے کبھی مس نہ ہوا، بلکہ آپ ﷺ ان سے زبان سے بیعت لیتے تھے۔ حضرت عائشہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے کوئی قرآن نہیں لیا، مگر جس کا اللہ نے حکم دیا، آپ ﷺ کی ہتھیلی کسی عورت کی ہتھیلی سے کبھی نہیں لگی، بلکہ وہ قرآن کریم لیتیں تو آپ ﷺ صرف زبان سے فرمادیتے: ”قد بايعتكن“ (۱) (میں تم سے بیعت لے چکا)۔ (یعنی ان سے مصافحہ نہیں ہوتا تھا)۔

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے کہا: جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو انصار کی عورتوں کو ایک گھر میں جمع کیا، پھر حضرت عمر بن الخطابؓ کو ہمارے پاس بھیجا، انہوں نے دروازے پر کھڑے ہو کر سلام کیا، عورتوں نے سلام کا جواب دیا، انہوں نے کہا: میں تمہارے پاس رسول اللہ ﷺ کا یہ پیغام لے کر آیا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، عورتوں نے کہا: جی ہاں۔ انہوں نے اپنا ہاتھ گھر کے باہر سے بڑھایا، ہم نے اپنا ہاتھ گھر کے اندر سے بڑھایا، پھر انہوں نے کہا: خدا یا! تو کو اوارہ (۲)۔

حضرت عمر بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے روایت ہے: ”أن النبي ﷺ كان إذا بايع النساء دعا بقدم من ماء فغمس يده فيه، ثم أمر النساء فغمسن أيديهن فيه“ (۳)

(۱) حدیث ما تکتہ ”الطالق فقد بايعتكن“ کی روایت مسلم (۳/۱۳۸۹ طبع الحلی) نے کی ہے۔

(۲) حضرت ام عطیہ کی حدیث کی روایت ابن سعد (۲/۷۸ طبع دار بیروت) نے اپنی طبقات میں کی ہے نیز ابوداؤد (۱/۶۷۷ طبع عزت عبید دہاس) نے مختصراً اس کی روایت کی ہے۔

(۳) الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۱۸/۷۰، ۷۱، اسیرۃ النبویہ لابن ہشام ص ۲۳۱ جزو ۲۔

حدیث عمرو بن شعیبہ ”کان إذا بايع النساء دعا بقدم من ماء.....“ کی روایت ابن سعد اور ابن مردویہ نے کی ہے، جیسا کہ الدر المنثور للسیوطی (۱۳۳/۱۸ طبع دار الفکر) میں ہے۔

(۱) حاشیہ قلیوبی علی منہاج الفقہاء ص ۲۷۲، الاحکام السلطانیہ لابن یعلیٰ ص ۹ طبع مصحف الحلی، قواعد الفقہ للمجددی البرکتی رسالہ چہارم ص ۶۱۲۔

(۲) اسیرۃ النبویہ لابن ہشام ص ۶۶۰ جزو رابع۔

## بیعت ۹-۱۰

منتخب شخص امامت سے گریز کرے اور اس کو قبول نہ کرے تو اس کو اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا، اور اس سے ہٹ کر دوسرے مستحق کو دیکھا جائے گا<sup>(۱)</sup>۔

امامت کے انعقاد میں بیعت کا اثر:

۱۰- اہل حل و عقد کی طرف سے امام کا انتخاب اور اس کے لئے ان کی بیعت ہی امامت کے انعقاد میں اصل ہے، اور اہل حل و عقد علماء اور اہل رائے و تدبیر کی جماعت ہے، جن میں امانت و عدالت اور رائے کی شرائط کے ساتھ ساتھ علم بھی ہو (دیکھئے: اہل حل و عقد)۔

رہا ولی عہد بنانے یا غلبہ کی وجہ سے امامت کا انعقاد<sup>(۲)</sup> تو اس کا حکم اصطلاحاً: ”امامت کبریٰ“ میں دیکھا جائے۔

جو لوگ امام کے شہر میں ہیں ان کو دوسرے شہروں والے لوگوں پر کوئی خصوصیت اور امتیاز حاصل نہیں ہے، جس کی وجہ سے وہ امام کے انتخاب میں دوسرے سے آگے ہوں، امام کے شہر کے لوگ عقد امامت کرنے والے محض عرفاً ہو گئے ہیں، شرعاً نہیں، کہ ان کو امام کی موت کا علم پہلے ہوتا ہے، اس لئے کہ اکثر خلافت کے اہل افراد امام کے شہر میں موجود ہوتے ہیں<sup>(۳)</sup>۔

و عقد کی طرف سے امام کے لئے سمع و طاعت کی پابندی اور اس کی امامت کا اقرار کرنا ہے، اور جس کے لئے بیعت کی جائے اس کی طرف سے عدل و انصاف قائم کرنے، اور فرائض امامت کی انجام دہی کی پابندی کا اقرار ہے<sup>(۱)</sup>، اس بیعت پر اگر وہ شرعی طریقہ پر ہو جائے، اس شخص کے لئے امامت کا انعقاد مرتب ہوگا جس سے اہل حل و عقد بیعت کر لیں، اور اہل حل و عقد کے علاوہ بقیہ لوگوں پر واجب ہے کہ وہ اہل حل و عقد کے اتباع میں اس سے بیعت کر لیں۔

کیا بیعت عقد ہے اور قبول کرنے پر موقوف ہے؟

۹- بیعت رضا اور اختیار کا عقد ہے اس میں جبر و دباؤ کا کوئی دخل نہیں ہے، اور یہ طرفین کے درمیان عقد ہے، ایک طرف اہل حل و عقد اور دوسری طرف وہ شخص ہے جس کا انہوں نے اپنے اجتہاد سے انتخاب کیا ہے، جس میں امامت کی تمام شرائط موجود ہیں، تاکہ وہ ان کا امام ہو سکے۔ جب اہل حل و عقد انتخاب کے لئے جمع ہوں اور امامت کی اہلیت رکھنے والوں کے حالات کا جائزہ لیں جن میں امامت کی شرائط موجود ہیں تو ان میں سب سے افضل اور سب سے مکمل شرائط کے حامل کو آگے بڑھادیں جس کی اطاعت لوگ فوری کریں گے، اور اس کی بیعت سے توقف نہیں کریں گے، اور اپنے اجتہاد کے نتیجے میں انہوں نے جماعت میں سے ایک معین شخص کا انتخاب کر لیا تو اس کے سامنے امامت کو پیش کریں، اگر وہ قبول کر لے تو اس سے بیعت امامت کر لیں، اور ان کی بیعت ہو جانے سے اس شخص کی امامت کا انعقاد ہو جائے گا، اور تمام امت کو اس کی بیعت میں داخل ہونا اور اس کی اطاعت قبول کرنا واجب ہوگا، اور اگر وہ

(۱) الاحکام السلطانیہ والولایات المدنیہ للماوردی رص ۷ طبع دارالکتب العلمیہ، حاشیہ قلیوبی علی منہاج الطالبین ۳/ ۱۷۳، الاحکام السلطانیہ لابی یعلیٰ رص ۸ طبع اول مصنفی الجلی، مقدمہ ابن خلدون رص ۲۰۹۔

(۲) ابن حابدین ۳/ ۳۶۹، شرح الکبیر ۳/ ۲۹۸، الاحکام السلطانیہ للماوردی رص ۶، منہاج الطالبین و حاشیہ قلیوبی ۳/ ۱۷۳، مطالب اولیٰ ائسی ۶/ ۲۶۳، الاحکام السلطانیہ لابی یعلیٰ رص ۵۔

(۳) ابن حابدین ۳/ ۳۱۰، شرح الکبیر ۳/ ۲۹۸، الاحکام السلطانیہ للماوردی رص ۶، مطالب اولیٰ ائسی ۶/ ۲۶۳، الاحکام السلطانیہ لابی یعلیٰ رص ۳، ۳۔

(۱) مطالب اولیٰ ائسی ۶/ ۲۶۶۔



## بیعت ۱۱-۱۲

سے انعقاد کے قائل ہیں<sup>(۱)</sup>۔ تفصیل اصطلاح ”امامت کبریٰ“ میں دیکھئے۔

## طریقہ بیعت:

۱۲- اس کا طریقہ یہ ہے کہ بیعت کرنے والے اہل حل و عقد میں سے ہر شخص بیعت کرتے وقت کہے: ہم نے آپ سے عدل و انصاف کے قائم کرنے اور فرائض امامت کی انجام دہی پر بیعت کی، اس کے لئے ہاتھ پر ہاتھ مارنے کی ضرورت نہیں ہے۔ عہد رسالت اور خلفائے راشدین میں بیعت مصافحہ کے ذریعہ ہوتی تھی، لیکن جب حجاج برسر اقتدار آیا تو اس نے اللہ کی قسم، طلاق، آزادی اور صدقہ مال پر مشتمل قسمیں مرتب کیں۔ ابن القیم نے ”إعلام الموقعین“ میں مزید لکھا ہے کہ عورتوں سے بیعت زبانی ہوتی تھی، رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ کبھی بھی کسی غیر محرم عورت کے ہاتھ سے نہیں لگا<sup>(۲)</sup>۔

حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کے سلسلہ میں جب حضرت عمرؓ کو مسلمانوں میں اختلاف کا اندیشہ ہوا تو انہوں نے حضرت ابو بکرؓ سے کہا: ابو بکر! اپنا ہاتھ پھیلائیے، انہوں نے ہاتھ پھیلا دیا، حضرت عمرؓ نے ان سے بیعت کر لی، پھر مہاجرین نے بیعت کی، پھر انصار نے بیعت کی۔

عورتوں کی بیعت کے بارے میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ وہ زبانی ہوتی تھی، آپ ﷺ عورتوں کے ہاتھ پر ہاتھ نہیں مارتے تھے، جیسا کہ مردوں سے بیعت کرتے تھے۔

جن لوگوں کی بیعت سے امامت کا انعقاد ہوتا ہے ان کی تعداد:

۱۱- اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ امامت کا انعقاد بیعت پر اہل حل و عقد کے اتفاق کر لینے اور ہر شہر کے جمہور اہل حل و عقد کی طرف سے بیعت کر لینے اور آمادگی پائے جانے سے ہو جاتا ہے۔ بعض فقہاء کی رائے ہے کہ اس سے کم سے امامت کا انعقاد نہیں ہوتا، تا کہ اس کی امامت پر مکمل رضا اور آمادگی پائی جائے۔ امام بخاری نے حضرت عمر بن الخطابؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: ”من بايع رجلا من غير مشورة من المسلمين فلا يبايع هو ولا الذي بايعه“<sup>(۱)</sup> (جس نے کسی شخص سے مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر بیعت کر لی تو نہ اس نے بیعت کی اور نہ اُس نے جس کی بیعت کی گئی)۔

ابو یعلیٰ نے کہا: رہا اہل حل و عقد کے انتخاب سے امامت کا انعقاد تو وہ جمہور اہل حل و عقد کے بغیر نہیں ہوگا، اور اسحاق بن ابراہیم کی روایت میں امام احمد نے کہا: امام وہ ہے جس پر اہل حل و عقد اتفاق کر لیں، سب کہیں: یہ امام ہے۔ ابو یعلیٰ نے کہا: اس کا ظاہر یہ ہے کہ امامت کا انعقاد ان کی جماعت سے ہوگا۔

ایک قول ہے کہ اس سے کم سے بھی ہو جائے گا۔ جمہور اہل حل و عقد ہی کے ذریعہ امامت کے انعقاد کے قائلین میں مالکیہ اور حنابلہ ہیں، معتزلہ نے کہا: پانچ سے انعقاد ہو جائے گا، شافعیہ نے کہا: چار، تین اور دو سے انعقاد ہو جائے گا، اور حنفیہ ایک

(۱) الاحکام السلطانیہ لابی یعلیٰ رضی اللہ عنہ، ولما وردی، ۶، ۷، جامعہ الدوسوی، ۳، ۲۹۸، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲،

## بیعت ۱۳، بیعتہ، بیعتہ

بیعت کو توڑنا:

۱۳- امام سے بیعت کرنے کے بعد اس کی بیعت کو توڑنا یا اس کی اطاعت نہ کرنا مسلمان کے لئے حرام ہے الا یہ کہ بیعت کے توڑنے کا کوئی شرعی تقاضا ہو مثلاً امام کا مرتد ہونا، اور اس کے علاوہ دوسرے اسباب جن کا ذکر اصطلاح ”امامت کبریٰ“ میں آچکا ہے۔ اور اگر اس کے علاوہ کسی اور وجہ سے بیعت توڑ دے تو حرام ہے<sup>(۱)</sup>۔ اس کی ممانعت اس فرمان باری میں وارد ہے: ”إِنَّ الْإِلْمِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ، فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَى نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَى بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهِ اللَّهُ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا“<sup>(۲)</sup> (بیشک جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کر رہے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے، سو جو کوئی عہد توڑے گا تو اس کے عہد توڑنے کا وبال اس پر پڑے گا، اور جو کوئی اس چیز کو پورا کر لے گا جس کا اس نے اللہ سے عہد کیا ہے تو اللہ اسے عنقریب بڑا اجر دے گا)، اور فرمان نبوی ہے: ”من بايع إماما فأعطاه صفقة يده وثمرة قلبه فليطعه إن استطاع“<sup>(۳)</sup> (جس نے کسی امام سے بیعت کر لی، اس کو اپنا ہاتھ دے دیا، اور دل سے اس کی تابع داری کر لی، تو اس کی اطاعت کرے، جہاں تک طاقت ہو)۔

## بیعتہ

دیکھئے: ”معابد“۔

## بیعتہ

دیکھئے: ”شہادات“ اور ”إثبات“۔



(۱) ابن عابدین ۱/ ۶۸، ۳، ۳۱۰، شرح الکبیر ۳/ ۲۹، ۱۳۰، منہاج  
لغاتین وحاشیہ قلیوبی ۳/ ۷۳، الاحکام السلطانیہ للماوردی ۱/ ۷،  
مطالب اولیٰ ۱/ ۶۵، الاحکام السلطانیہ لابن عقیل ۵/ ۶۔

(۲) سورہ فتح ۱۰۔

(۳) حدیث: ”من بايع إماما فأعطاه صفقة يده وثمرة قلبه...“ کی روایت مسلم  
(۳/ ۱۳ طبع اعلیٰ) نے کی ہے۔

# تراجم فقہاء

جلد ۹ میں آنے والے فقہاء کا مختصر تعارف

ابن تیمیہ (تقی الدین): یہ احمد بن عبد الحلیم ہیں:  
ان کے حالات ج ۱ ص ۲۶۹ میں گذر چکے۔

ابن الحاجب: یہ عثمان بن عمر ہیں:  
ان کے حالات ج ۱ ص ۲۶۹ میں گذر چکے۔

ابن حبیب: یہ عبد الملک بن حبیب ہیں:  
ان کے حالات ج ۱ ص ۲۳۰ میں گذر چکے۔

ابن حجر: یہ احمد بن حجر البیہقی ہیں:  
ان کے حالات ج ۱ ص ۲۳۰ میں گذر چکے۔

ابن خلدون: یہ عبد الرحمن بن محمد ہیں:  
ان کے حالات ج ۶ ص ۴۷۶ میں گذر چکے۔

ابن رشد (المجد): یہ محمد بن احمد ہیں:  
ان کے حالات ج ۱ ص ۲۳۲ میں گذر چکے۔

ابن رشد (الحفید): یہ محمد بن احمد ہیں:  
ان کے حالات ج ۱ ص ۲۳۲ میں گذر چکے۔

ابن الرفعة (۶۴۵-۷۱۰ھ)

یہ احمد بن محمد بن علی بن مرتفع بن حازم، ابو العباس، انصاری،  
مصری ہیں، ابن رفاعہ کے نام سے مشہور ہیں، شافعی فقیہ، فضلاء مصر  
میں سے تھے، انہوں نے ظہیر الترمذی، اور شریف عباسی سے فقہ  
حاصل کیا، ان کا لقب ”فقیہ“ تھا، محی الدین دہری سے حدیث سنی،

## الف

ابراہیم المقدسی (?-۵۱۸ھ)

یہ ابراہیم بن مسلم، ابو الفتح ہیں، فقیہ سلطان مقدسی کے نام سے  
مشہور ہیں، شافعی فقیہ ہیں۔ ذہبی نے کہا: نصر مقدسی سے علم حاصل کیا  
اور ابو بکر خطیب سے حدیث سنی۔ اسنوی اور علی سلامہ مقدسی نے کہا:  
مذہب میں ماہر تھے، ستر سال کی عمر کے بعد مصر آئے، وہاں حدیث  
سنی، وہ مصر کے عظیم ترین فقہاء میں سے تھے، مصر کے اکثر فقہاء نے  
ان سے پڑھا۔

بعض تصانیف: ”البيان في أحكام النقاء الختان“، اور  
”ذخائر الآثار“ فقہ میں۔

[شذرات الذہب ۴/۵۸؛ انجوم الزہرہ ۵/۲۲۹؛ معجم  
المؤلفین ۱/۱۱۱؛ کشف الظنون ۱/۲۶۳]

ابن ابی موسیٰ: یہ محمد بن احمد ہیں:  
ان کے حالات ج ۱ ص ۲۲۸ میں گذر چکے۔

ابن الاثیر: یہ المبارک بن محمد ہیں:  
ان کے حالات ج ۲ ص ۵۶۲ میں گذر چکے۔

ابن بطلہ: یہ عبید اللہ بن محمد ہیں:  
ان کے حالات ج ۱ ص ۲۲۸ میں گذر چکے۔

ابن سماعہ

تراجم فقہاء

ابن قدامہ

اور مدرسہ معز یہ میں درس دیا۔

ابن عرفہ: یہ محمد بن محمد بن عرفہ ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۶ میں گذر چکے۔

بعض تصانیف: "المطلب فی شرح الوسیط"، "الكفاية فی

شرح التنبیہ"، "بذل النصائح الشرعیة فیما علی

السلطان وولایة الأمور وسائر الرعیة"، "الإیضاح

والتبیان فی معرفة المکیال والمیزان" اور "الرتبة فی

الحسبة"۔

ابن عمر: یہ عبداللہ بن عمر ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۶ میں گذر چکے۔

[شذرات الذہب ۲/۲۲: البدر الطالع ۱/۱۱۵: طبقات

الشافعیہ ۵/۷۱: معجم المؤلفین ۲/۵۳، لا اعلام ۱/۲۱۳]

ابن فرحون: یہ ابراہیم بن علی ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۷ میں گذر چکے۔

ابن سماعہ: یہ محمد بن سماعہ التمیمی ہیں:

ان کے حالات ج ۳ ص ۴۵۷ میں گذر چکے۔

ابن القاسم: یہ محمد بن قاسم ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۸ میں گذر چکے۔

ابن سیرین: یہ محمد بن سیرین ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۳ میں گذر چکے۔

ابن قاسم العبادی: یہ احمد بن قاسم ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۷ میں گذر چکے۔

ابن الصلاح: یہ عثمان بن عبدالرحمن ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۴ میں گذر چکے۔

ابن قدامہ (۵۹۷-۶۸۲ھ)

یہ عبدالرحمن بن محمد بن احمد بن قدامہ، ابو الفرج، مقدسی، اصلاً

جماعیلی، پھر دمشق، صالحی، حنبلی ہیں، فقیہ، محدث اور اصولی تھے، اپنے

والد، اپنے چچا مفتی الدین، نیز ابوالیسمن کنڈی اور ابن جوزی وغیرہ

سے حدیث سنی، اور اپنے چچا مفتی الدین سے فقہ حاصل کیا، اور خود

ان سے محی الدین نووی، احمد بن عبدالدائم، فتی الدین بن تیمیہ وغیرہ

نے روایت کیا، مدرس مفتی رہے اور ایک زمانہ تک علم سکھاتے

رہے۔ لوگوں نے ان سے استفادہ کیا۔ اپنے دور میں مذہب حنبلی کی

ابن عابدین: یہ محمد امین بن عمر ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۴ میں گذر چکے۔

ابن عباس: یہ عبداللہ بن عباس ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۴ میں گذر چکے۔

ابن عبدالبر: یہ یوسف بن عبداللہ ہیں:

ان کے حالات ج ۲ ص ۵۶۶ میں گذر چکے۔

ابن قدامہ

تراجم فقہاء

ابو بکر الصدیق

ریاست انہی پر ختم ہوئی، نہ چاہتے ہوئے بھی بارہ سال سے زیادہ تک منصب قضا پر فائز رہے، اور اس پر متعین و وظیفہ نہیں لیا۔  
بعض تصانیف: ”شرح المقنع“ دس جلدوں میں، اور ”تسهیل المطلب فی تحصیل المنہب“۔  
[شذرات الذہب ۵/۳۷۶: الذیل علی طبقات الحنابلہ ۱۹/۳: انجوم الزاہرہ ۵/۳۵۸: معجم المؤلفین ۵/۳۶۹]

ابن ہانی (؟-۲۶۵ھ)

یہ ابراہیم بن ہانی، ابو اسحاق نیساپوری، امام احمد کے کبار اصحاب میں سے ہیں۔ یہ امام حدیث تھے، بہت سفر کرنے والے تھے۔ انہوں نے ابو عبید اللہ العیشی، یعلیٰ بن عبید اور محمد بن عبید وغیرہ سے حدیث روایت کی اور امام احمد سے بہت سے مسائل نقل کئے۔ امام احمد کہا کرتے تھے: اگر شہر میں بدل میں سے کوئی ہے تو وہ اسحاق نیساپوری ہیں۔ ابتلاء و آزمائش کے دور میں امام احمد انہی کے گھر میں روپوش رہے۔

ابن قدامہ: یہ عبداللہ بن احمد ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۳۳۸ میں گذر چکے۔

[طبقات الحنابلہ لابن یعلیٰ ۱/۲۷: شذرات الذہب ۲/۲۷]

۱۳۹: انجوم الزاہرہ ۳/۳۱۳]

ابن القصار: یہ علی بن احمد ہیں:

ان کے حالات ج ۸ ص ۳۱۶ میں گذر چکے۔

ابن الہمام: یہ محمد بن عبدالواحد ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۳۴۱ میں گذر چکے۔

ابن القطان: یہ عبداللہ بن عدی ہیں:

ان کے حالات ج ۳ ص ۲۵۸ میں گذر چکے۔

ابن یونس: یہ احمد بن یونس مالکی ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۳۶۱ میں آئیں گے۔

ابن القیم: یہ محمد بن ابی بکر ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۳۳۸ میں گذر چکے۔

ابو ایوب الانصاری: یہ خالد بن زید ہیں:

ان کے حالات ج ۶ ص ۲۷۸ میں گذر چکے۔

ابن المہاشون: یہ عبدالملک بن عبدالعزیز ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۳۳۹ میں گذر چکے۔

ابو بکر: یہ عبدالعزیز بن جعفر ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۳۴۳ میں گذر چکے۔

ابن المنذر: یہ محمد بن ابراہیم ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۳۴۰ میں گذر چکے۔

ابو بکر الصدیق:

ان کے حالات ج ۱ ص ۳۴۲ میں گذر چکے۔

ابن نجیم: یہ زین الدین بن ابراہیم ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۳۴۱ میں گذر چکے۔

ابوثور

تراجم فقہاء

ابوعبید

ابوثور: یہ ابراہیم بن خالد ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۳ میں گذر چکے۔

ہے۔ محمد بن یوسف فربری، عمر بن علق مروزی، اور محمد بن عبد اللہ سعدی وغیرہ سے حدیث روایت کی، اور خود ان سے یثم بن احمد صباغ، عبد الوہاب میدانی، اور ابو عبد اللہ حاکم وغیرہ نے روایت کی ہے، خطیب نے کہا: وہ ائمہ مسلمین میں سے اور مذہب شافعی کے حافظ تھے۔

ابوحنیفہ (؟- ۶۴ھ)

یہ وہب بن عبد اللہ بن مسلم بن جنادہ، ابو حنیفہ، سوائی، صحابی ہیں، رحلت نبوی کے وقت وہ قریب البلوغ تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ حضرت علی اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ اور خود ان سے ان کے بیٹے عون، نیز سلمہ بن کہیل، شععی، اور حکم بن عتیہ وغیرہ نے روایت کیا۔ کوفہ میں رہائش تھی، حضرت علی کی خلافت کے دور میں بیت المال، اور پولیس کے ذمہ دار رہے۔ حضرت علی ان کو ”وہب الخیر“ کہہ کر پکارتے تھے۔

[لإصابہ ۶۴۲/۳؛ تہذیب اہلبندیب ۱۱/۱۶۴؛ لأعلام

[۱۴۹/۹]

ابوحنیفہ: یہ النعمان بن ثابت ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۲ میں گذر چکے۔

ابو شجاع (؟-؟) ابو الوفاء نے الجواہر المصیہ میں کہا: ابو شجاع کا ذکر ”خاصی“ نے اس مسئلہ میں کیا ہے: اگر نماز میں تشہد سے فراغت کے بعد بھول کر حضور ﷺ پر درود شروع کر دے، پھر یاد آئے اور تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے، تو سید امام ابو شجاع، اور قاضی ماتریدی نے کہا: اس پر سجدہ سہو واجب ہے، جیسا کہ یہی ہمارے مشائخ کا جواب ہے، البتہ سید امام نے کہا: اگر وہ ”اللہم صلی علی محمد“ کہہ دے تو سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے، اور قاضی ماتریدی نے کہا: اس پر واجب نہیں جب تک کہ اس کے ساتھ ”و علی آل محمد“ نہ کہہ دے۔ یہ ابو شجاع اور قاضی ماتریدی، امام علی سعدی کے ہم عصر تھے، سعدی کا انتقال ۱۳۶ھ میں ہوا ہے۔

[الجواہر المصیہ ۲/۲۵۴-۲۵۵ طبع اول: حاشیۃ الشیخ علی

تنبیین الحقائق ۱/۱۹۳]

ابوالخطاب: یہ محفوظ بن احمد ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۲ میں گذر چکے۔

ابوداؤد: یہ سلیمان بن الأشعث ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۲ میں گذر چکے۔

ابوزید (۳۰۱-۷۱۳ھ)

یہ محمد بن احمد بن عبد اللہ بن محمد، ابوزید، فاشانی ہیں، شافعی فقیہ اور محدث ہیں، ”مرد“ کے ایک گاؤں ”فاشان“ کی طرف نسبت

ابوعبید: یہ القاسم بن سلام ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۵ میں گذر چکے۔

ابوالفضل

تراجم فقہاء

اسحاق بن منصور

ابوالفضل: یہ عبداللہ بن محمود ہیں:

الاذرعی: یہ احمد بن حمدان ہیں:

ان کے حالات ج ۲ ص ۶۰۴ میں گذر چکے۔

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۸ میں گذر چکے۔

ابومسعود: یہ عقبہ بن عمرو ہیں:

الاسیبیانی (?-۸۰ھ)

ان کے حالات ج ۳ ص ۴۶۶ میں گذر چکے۔

یہ احمد بن منصور، قاضی، ابونصر، اسیبیانی ہیں، حنفی فقیہ ہیں، ان

کی نسبت ”اسیبیاب“ کی طرف ہے، جو حد و ترک کا ایک بڑا شہر

ہے۔ ابوالوفاء نے الجواہر میں عمر بن محمد نسبی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ وہ

سمرقند آئے تو لوگوں نے ان کو افتاء کے لئے بیٹھا دیا، اور واقعات

کے سلسلے میں انہی کی طرف رجوع ہو گیا۔ اور ان کی وجہ سے دینی

امور منظم ہو گئے، اور ان کے اچھے اثرات سامنے آئے، وفات کے

بعد ان کا ایک صندوق ملا جس میں بہت سے فتاویٰ تھے۔

بعض تصانیف: ”شرح مختصر الطحاوی“، ”شرح علی

کتاب الصلوات ابن مازة“، ”شرح الکافی“، ”فتاویٰ“، یہ

سب فروع فقہ حنفی میں ہیں۔

[الجواہر المصیہ ۱/ ۱۴۷: الفوائد اہیہ ۴۲: معجم المؤلفین

۱۸۳/۲]

ابوہریرہ: یہ عبدالرحمن بن صخر ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۷ میں گذر چکے۔

ابویعلیٰ: یہ محمد بن الحسین ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۸۳ میں گذر چکے۔

ابویوسف: یہ یعقوب بن ابراہیم ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۷ میں گذر چکے۔

الأتاسی: یہ خالد بن محمد ہیں:

ان کے حالات ج ۳ ص ۴۶۷ میں گذر چکے۔

اسحاق بن راہویہ:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۹ میں گذر چکے۔

الاثرم: یہ احمد بن محمد ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۸ میں گذر چکے۔

اسحاق بن منصور (?-۲۵۱ھ)

یہ اسحاق بن منصور بن بہرام، ابویعقوب، کونج مروزی ہیں،

حنبل فقیہ، امام احمد کے اصحاب میں سے اور رجال حدیث میں سے

ہیں۔ سفیان بن عیینہ، یحییٰ بن سعید قطان اور عبدالرحمن بن مہدی

وغیرہ سے حدیث سنی، اور خود ان سے ابراہیم بن اسحاق حربی،

عبداللہ بن احمد بن حنبل، بخاری اور مسلم (صحیحین میں)، ابوزرعہ اور

آخرین:

مالکیہ کی کتابوں میں اخوین سے مراد: مطرف اور ابن ماشون

ہیں۔ ان کو ”اخوین“ اس لئے کہا گیا کہ احکام میں وہ بکثرت ہم

رائے ہوتے ہیں، اور ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے۔

[الخرشى ۱/ ۴۹ طبع اول]



ابویسی ترمذی وغیرہ نے روایت کی۔ مسلم بن حجاج اور ابو عبد الرحمن نسائی نے کہا: اسحاق بن منصور ثقہ مامون ہیں۔ اور ابویعلیٰ نے کہا: اسحاق عالم فقیہ تھے، انہوں نے فقہ میں امام احمد کے حوالہ سے مسائل مدون کئے۔

بعض تصانیف: "المسائل" فقہ میں۔

[طبقات الحنابلہ لابن یعلیٰ ۱/۱۳۳؛ شذرات الذہب ۲/۱۲۳؛

الاعلام ۱/۲۸۹؛ معجم المؤلفین ۲/۲۳۹]

## ب

البابرتی: یہ محمد بن محمد ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۱ میں گذر چکے۔

الاسنوی: یہ عبد الرحیم بن الحسن ہیں:

ان کے حالات ج ۳ ص ۴۶۸ میں گذر چکے۔

الباجی: یہ سلیمان بن خلف ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۱ میں گذر چکے۔

اصغ: یہ اصغ بن الفرغ ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۰ میں گذر چکے۔

باعلوی (?-۱۲۵۱ھ)

یہ عبد الرحمن بن محمد بن حسین بن عمر باعلوی، حضرمی، شافعی ہیں،

فقیہ تھے، دیار حضرم میں مفتی رہے۔

بعض تصانیف: "بغیة المسترشدين في تلخيص فتاوى

بعض الأئمة من العلماء المتأخرين" اور "غاية تلخيص

المراد من فتاوى ابن زياد"۔

[هدية العارفين ۱/۵۵۷؛ الاعلام ۳/۱۱۰؛ معجم المؤلفین

۵/۱۷۳؛ معجم المطبوعات ۱/۵۱۷]

امام احمد: یہ احمد بن محمد ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۸ میں گذر چکے۔

امام الحرمین: یہ عبد الملک بن عبد اللہ ہیں:

ان کے حالات ج ۳ ص ۴۶۸ میں گذر چکے۔

انس بن مالک:

ان کے حالات ج ۲ ص ۵۷۶ میں گذر چکے۔

البخاری: یہ محمد بن اسماعیل ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۲ میں گذر چکے۔

الاوزاعی: یہ عبد الرحمن بن عمرو ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۱ میں گذر چکے۔

بریرہ (?-?)

بریرہ صحابیہ ہیں، یہ حضرت عائشہ بنت ابی بکر صدیق کی آزاد

البغوی

تراجم فقہاء

الجصاص

کردہ باندی تھیں، پہلے یہ بنی بلال کے ایک شخص کی ملکیت میں تھیں، انہوں نے ان سے مکاتبت کر لی، پھر ان کو حضرت عائشہؓ کے ہاتھ فروخت کر دیا، اور انہوں نے ان کو آزاد کر دیا، حضرت عائشہؓ کی ملکیت میں آنے سے قبل وہ حضرت عائشہؓ کی خدمت کرتی تھیں، حضرت بریرہ عی کے بارے میں یہ حدیث پاک وارد ہے: ”الولاء لمن أعتق“ (ولاء آزاد کرنے والے کے لئے ہے)۔ بعض ائمہ نے اس حدیث کے فوائد کو جمع کیا ہے، آزادی کے وقت وہ شوہر والی تھیں، ان کے شوہر کا نام مغیث تھا، ان کی آزادی کے وقت ان کے شوہر آزاد تھے یا غلام؟ مختلف فیہ مسئلہ ہے، صحیح ہے کہ وہ غلام تھے۔

التمر تاشی: یہ محمد بن صالح ہیں:  
ان کے حالات ج ۳ ص ۴۷۱ میں گذر چکے۔

ش

الثوری: یہ سفیان بن سعید ہیں:  
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۵ میں گذر چکے۔

[ لا صابہ ۲/۴۵۱: اسد الغابہ ۶/۳۹۶: الاستیعاب ۴/

۱۷۹۵

البغوی: یہ یحییٰ بن مسعود ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۴ میں گذر چکے۔

ج

البہوتی: یہ منصور بن یونس ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۴ میں گذر چکے۔

جابر بن عبد اللہ:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۶ میں گذر چکے۔

الجصاص: یہ احمد بن علی ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۶ میں گذر چکے۔

ت

التسولی: یہ علی بن عبد السلام ہیں:

ان کے حالات ج ۵ ص ۴۸۴ میں گذر چکے۔

الحموی: یہ احمد بن محمد ہیں:

ان کے حالات ج ۱۰ ص ۳۶۶ میں آئیں گے۔

ح

خ

الحسن بن زیادہ:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۸ میں گذر چکے۔

الخرشی: یہ محمد بن عبداللہ ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۰ میں گذر چکے۔

الحصکفی: یہ محمد بن علی ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۹ میں گذر چکے۔

الخرقی: یہ عمر بن الحسین ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۰ میں گذر چکے۔

المطاب: یہ محمد بن محمد بن عبدالرحمن ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۹ میں گذر چکے۔

المطابی: یہ حمد بن محمد ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۱ میں گذر چکے۔

الحکم: یہ الحکم بن عتیبہ ہیں:

ان کے حالات ج ۲ ص ۵۸۲ میں گذر چکے۔

الخلال: یہ احمد بن محمد ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۱ میں گذر چکے۔

الحکیم بن حزام:

ان کے حالات ج ۳ ص ۴۷۴ میں گذر چکے۔

خیرالدین الرطلی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۲ میں گذر چکے۔

المکلو انی: یہ محمد بن علی ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۹ میں گذر چکے۔

حماد بن ابی سلیمان:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۰ میں گذر چکے۔

ز

د

الدرودیر: یہ احمد بن محمد ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۳ میں گذر چکے۔

زفر بن الہذیل:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۶ میں گذر چکے۔

الدسوقی: یہ محمد بن احمد ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۳ میں گذر چکے۔

زید بن ثابت:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۷ میں گذر چکے۔

الزلیعی: یہ عثمان بن علی ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۷ میں گذر چکے۔

ر

الرازی: یہ محمد بن عمر ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۴ میں گذر چکے۔

س

الرافعی: یہ عبدالکریم بن محمد ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۴ میں گذر چکے۔

السائب بن یزید:

ان کے حالات ج ۵ ص ۴۸۷ میں گذر چکے۔

سالم بن عبد اللہ:

ان کے حالات ج ۲ ص ۵۸۶ میں گذر چکے۔

السیوطی: یہ عبدالرحمن بن ابی بکر ہیں:  
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۹ میں گذر چکے۔

السبکی: یہ علی بن عبدالکافی ہیں:  
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۷ میں گذر چکے۔

## ش

الشاشی: یہ محمد بن احمد ہیں:  
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۸۵ میں گذر چکے۔

السرخسی: یہ محمد بن احمد ہیں:  
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۸ میں گذر چکے۔

سعد بن ابی وقاص:  
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۸ میں گذر چکے۔

الشاطبی: یہ قاسم بن فیروہ ہیں:  
ان کے حالات ج ۲ ص ۴۵۳ میں گذر چکے۔

سعید بن المسیب:  
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۹ میں گذر چکے۔

الشافعی: یہ محمد بن ادریس ہیں:  
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۰ میں گذر چکے۔

سہل بن ابی حشمہ (؟-؟)

یہ سہل بن ابی حشمہ بن ساعدہ بن عامر بن عدی، انسانی، اوسی ہیں، ان کے والد کے نام میں اختلاف ہے۔ ایک قول میں عبداللہ ہے، دوسرا قول عامر ہے۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ، زید بن ثابت، اور محمد بن سلمہ رضی اللہ عنہما وغیرہ سے روایت کیا۔ اور خود ان سے ان کے بیٹے محمد، ان کے بھتیجے محمد بن سلیمان، نیز بشیر بن یسار اور نافع بن جبیر بن مطعم وغیرہ نے روایت کیا۔ ابن مندہ، ابن حبان اور حاکم وغیرہ نے کہا: وفات نبوی کے وقت ان کی عمر آٹھ سال یا اس کے قریب تھی۔ طبری نے قطعی طور پر کہا کہ حضرت معاویہ کی خلافت کے اوائل میں ان کا انتقال ہوا، ابن ابی حاتم نے اپنے والد سے نقل کیا کہ وہ بیعت رضوان میں شریک تھے، اور بدر کے علاوہ تمام غزوات میں شریک رہے۔

الشریبی: یہ محمد بن احمد ہیں:  
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۰ میں گذر چکے۔

الشرنبلاوی: یہ حسن بن عمار ہیں:  
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۱ میں گذر چکے۔

الشروانی: یہ شیخ عبدالحمید ہیں:  
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۱ میں گذر چکے۔

[الاصابہ ۸۶/۲، تہذیب التہذیب ۴/۲۴۸: اسد الغابۃ

۲/۲۶۱: الاستیعاب ۲/۶۶۱]

## ص

یہ احمد بن محمد بن احمد بن یونس، ابو العباس، مصری ہیں، شلمی (چلپی) سے مشہور ہیں، حنفی فقیہ، محدث، نحوی تھے۔ اپنے والد سے اور جمال الدین یوسف بن قاضی زکریا وغیرہ سے علم حاصل کیا، اور خود ان سے شہاب احمد شوری، شیخ حسن شربلائی، اور شمس محمد بابلی وغیرہ نے علم حاصل کیا۔

صاحب الانصاف: یہ علی بن سلیمان المرادوی ہیں: ان کے حالات ج ۱ ص ۴۹۲ میں گذر چکے۔

بعض تصانیف: "تجريد الفوائد الرقائق في شرح كنز الدقائق"، "مناسك الحج" اور "فتاویٰ" جس کو ان کے پوتے علی بن محمد نے جمع کیا ہے۔

صاحب البحر الرائق: یہ زین الدین بن ابراہیم ہیں: ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۱ میں گذر چکے۔

[ خلاصة الاثر ۲۸۲/۱: معجم المؤلفين ۷۸۲: لأعلام ۲۲۵/۱ ]

صاحب البدائع: یہ ابو بکر بن مسعود ہیں: ان کے حالات ج ۱ ص ۴۸۶ میں گذر چکے۔

الشوکانی: یہ محمد بن علی ہیں:

ان کے حالات ج ۲ ص ۵۹۰ میں گذر چکے۔

صاحب بغية المسترشدین: دیکھئے: باعلوی۔

شیخ خلیل:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۲ میں گذر چکے۔

صاحب البیان: دیکھئے: ابراہیم المقدسی۔

شیخ العدوی: یہ علی بن احمد ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۳ میں گذر چکے۔

صاحب الخالصہ: یہ طاہر بن احمد ہیں: ان کے حالات ج ۵ ص ۴۹۰ میں گذر چکے۔

شیخ علیش: یہ محمد بن احمد ہیں:

ان کے حالات ج ۲ ص ۵۹۰ میں گذر چکے۔

صاحب الشرح الکبیر: یہ عبدالرحمن بن محمد بن قدامہ ہیں: دیکھئے: ابن قدامہ (ابو الفرج)۔

شیخین:

اس لفظ سے مراد کی وضاحت ج ۱ ص ۴۷۲ میں گزر چکی۔

طلحہ بن عبید اللہ

تراجم فقہاء

صاحب الشرح الکبیر

صاحب الشرح الکبیر: یہ محمد بن احمد الدسوقی ہیں:  
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۳ میں گذر چکے۔

صاحب کتاب القناع: یہ منصور بن یونس ہیں:  
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۴ میں گذر چکے۔

ط

صاحب المہذب: یہ ابراہیم بن علی الشیرازی ابو اسحاق ہیں:  
ان کے حالات ج ۲ ص ۵۹۰ میں گذر چکے۔

الطحاوی: یہ احمد بن محمد ہیں:  
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۴ میں گذر چکے۔

صاحب انہر: یہ عمر بن ابراہیم بن نجیم ہیں:  
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۱ میں گذر چکے۔

الطحاوی: یہ احمد بن محمد ہیں:  
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۵ میں گذر چکے۔

صاحب الہدایہ: یہ علی بن ابی بکر المرغینانی ہیں:  
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۹۲ میں گذر چکے۔

طلحہ بن عبید اللہ (۲۸ ق ۵-۳۶ ھ)

یہ طلحہ بن عبید اللہ بن عثمان بن عمر قرشی رضی اللہ عنہ، ابو محمد ہیں، صحابی، بہادر تھے۔ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، چھ اصحاب شوری میں سے ہیں، اور آٹھ سابقین اولین میں سے ہیں، ان کو ”طلحہ الجود“، ”طلحہ الخیر“، اور ”طلحہ الفیاض“ کہا جاتا ہے۔ یہ سارے القاب رسول اللہ ﷺ نے ان کو مختلف مواقع پر عطا فرمائے تھے۔

غزوہ احد میں شریک تھے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہے، اور آپ ﷺ سے موت کی بیعت کی، ان کو چوبیس زخم آئے، اپنے جسم کو رسول اللہ ﷺ کے لئے ڈھال بنا دیا، اپنے ہاتھوں سے حضور ﷺ پر آنے والے تیروں کو روکا، جس کی وجہ سے آپ کی انگلی شل ہو گئی، خندق اور دوسرے تمام غزوات میں شریک رہے۔ عراق کے ساتھ ان کی زبردست تجارت تھی، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اور حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ سے

صاحبین:

اس لفظ سے مراد کی وضاحت ج ۱ ص ۴۷۳ میں گذر چکی۔

الصاوی: یہ احمد بن محمد ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۳ میں گذر چکے۔

عمرو بن شعیب

تراجم فقہاء

عائشہ

عثمان بن عفان:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۷ میں گذر چکے۔

عطاء بن اسلم:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۸ میں گذر چکے۔

روایت کی ہے۔ اور خود ان سے ان کی اولاد، محمد، موسیٰ، تکلیبی، عمران، عائشہ، اور مالک بن اوس بن حدان وغیرہ نے روایت کیا۔

[الاصابہ ۲/۲۲۹: الاستیعاب ۲/۶۴: تہذیب التہذیب

۲۰/۵: الاعلام ۳/۳۳۱]

علی السعدی (؟-۴۶۱ھ)

یہ علی بن حسین بن محمد، ابوالحسن، سعدی، قاضی ہیں، سمرقند کے ایک نواحی علاقہ ”سعد“ کی طرف منسوب ہیں۔ حنفی فقیہ تھے، بخاری میں سکونت پذیر تھے، قاضی رہے، افتاء کے منصب پر فائز ہوئے۔

سمعانی نے کہا: وہ امام، فاضل، فقیہ تھے، حدیث سنی۔ ان سے شمس الاممہ حسنی نے روایت کیا ہے۔ حنفیہ کی رناست انہی پر ختم ہوئی۔

بعض تصانیف: ”النتف“ (فتاویٰ میں)، محمد بن حسن شیبانی کی الجامع الکبیر کی شرح، اور خصاف کی کتاب ادب القاضی کی شرح۔

[الجواهر المصیہ ۱/۳۶۱: الفوائد المبیہ ۱۲۱: لأعلام ۵/۹۰:

معجم المؤلفین ۷/۷۹]

عمر بن الخطاب:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۹ میں گذر چکے۔

عمران بن الحصین:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۸۰ میں گذر چکے۔

عمرو بن شعیب:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۸ میں گذر چکے۔

ع

عائشہ:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۵ میں گذر چکے۔

عاصم بن فہیرہ:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۸۵ میں گذر چکے۔

عبادہ بن الصامت:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۶ میں گذر چکے۔

عبداللہ بن عمر:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۶ میں گذر چکے۔

عبداللہ بن عمرو:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۶ میں گذر چکے۔



القہستانی

تراجم فقہاء

عمرو بن العاص

عمرو بن العاص:

ان کے حالات ج ۶ ص ۴۹۵ میں گذر چکے۔

القرائی: یہ احمد بن اور لیس ہیں:  
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۸۴ میں گذر چکے۔

القفال: یہ محمد بن احمد بن الحسن ہیں:  
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۸۵ میں گذر چکے۔

عمیرہ البرسی: یہ احمد عمیرہ ہیں:  
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۸۰ میں گذر چکے۔

التلیوبی: یہ احمد بن احمد ہیں:  
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۸۵ میں گذر چکے۔

القہستانی (? - تقریباً ۹۵۳ھ)

یہ محمد بن حسام الدین، خراسانی، شمس الدین، قہستانی ہیں۔  
قہستان: خراسان کا ایک قصبہ ہے، حنفی فقیہ ہیں، بخاری کے مفتی  
تھے۔ ابن العماد نے شذرات الذہب میں کہا: وہ امام، عالم، زاہد، اور  
تبخر فقیہ تھے، کہا جاتا ہے کہ ان کے کان میں جو بات پڑ گئی، اس کو وہ  
کبھی نہیں بھولے۔

بعض تصانیف: "جامع الرموز" جو النقایة مختصر الوقایة  
کی شرح ہے، "جامع المبانی فی شرح فقہ الکیمانی"، اور  
"شرح مقدمة الصلاة"، یہ سب فروع فقہ حنفی میں ہیں۔

[شذرات الذہب ۸/۳۰۰؛ الاعلام ۷/۲۳۳؛ معجم  
المؤلفین ۹/۱۷۹]

غ

الغزالی: یہ محمد بن محمد ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۸۱ میں گذر چکے۔

ق

قاضی ابوالحسن: یہ علی بن الحسن الماتریدی ہیں:  
دیکھئے: الماتریدی۔

قاضی زکریا الانصاری: یہ زکریا بن محمد ہیں:  
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۶ میں گذر چکے۔

مالک: یہ مالک بن انس ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۸۹ میں گذر چکے۔

الماوردی: یہ علی بن محمد ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۹۰ میں گذر چکے۔

المتولی: یہ عبدالرحمن بن مامون ہیں:

ان کے حالات ج ۲ ص ۶۰۰ میں گذر چکے۔

مثنی بن جامع (تیسری صدی کے ہیں)

یہ مثنی بن جامع، ابوالحسن، انباری ہیں، امام احمد کے شاگرد ہیں۔ انہوں نے سعد بن سلیمان واسطی، محمد بن صباح دولابی، عمار بن نصر خراسانی، اور احمد بن حنبل وغیرہ سے روایت کیا ہے، اور خود ان سے احمد بن محمد بن بشم دوری اور یوسف بن یعقوب بن اسحاق وغیرہ نے روایت کیا۔ ابوبکر خلال نے کہا: مثنی ایک پرہیزگار شخص تھے، بشر بن حارث، اور عبدالوہاب وراق کے نزدیک بڑی حیثیت کے مالک تھے۔ ان کا مذہب تھا کہ اہل بدعت سے قطع تعلق رکھا جائے، ان سے علاحدہ رہا جائے۔ ابوعبداللہ (یعنی امام احمد) ان کی حیثیت اور حق کو جانتے تھے، انہوں نے ان سے ”اچھے مسائل“ نقل کئے۔

[طبقات الخنا بلہ ۱/۳۳۶]

الحاملی: یہ احمد بن محمد ہیں:

ان کے حالات ج ۳ ص ۴۹۱ میں گذر چکے۔

المحلی: یہ محمد بن احمد ہیں:

ان کے حالات ج ۲ ص ۶۰۰ میں گذر چکے۔

# ک

الکاسانی: یہ ابوبکر بن مسعود ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۸۶ میں گذر چکے۔

الکرخی: یہ عبید اللہ بن الحسین ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۸۶ میں گذر چکے۔

الکرلانی: یہ جلال الدین بن شمس الدین ہیں:

ان کے حالات ج ۲ ص ۵۹۸ میں گذر چکے۔

# م

الماتریدی (?-۵۱۱ھ)

یہ علی بن حسن بن علی بن محمد بن عفان، ابوالحسن، قاضی، ماتریدی ہیں، شیخ الاسلام ابومنصور ماتریدی کے نواسے ہیں، انہوں نے اپنے ماما سے فقہ حاصل کی۔

[الجواہر المصیہ ۱/۳۵۶]

محمد بن الحسن

تراجم فقہاء

تکھی بن ابی کثیر

محمد بن الحسن:

النووی: یہ تکھی بن شرف ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۹۵ میں گذر چکے۔

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۹۱ میں گذر چکے۔

المرداوی: یہ علی بن سلیمان ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۹۲ میں گذر چکے۔

المرغینانی: یہ علی بن ابی بکر ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۹۲ میں گذر چکے۔

ی

تکھی بن ابی کثیر (؟-۱۲۹ھ)

یہ تکھی بن صالح ابو کثیر، ابو نصر، یمامی ہیں، ان کا رشتہ ولایت قبیلہ بنو طے سے تھا، حضرت انسؓ سے روایت کیا، اور ان کو دیکھا تھا، اور ابو سلمہ بن عبد الرحمن بن عوف، محمد بن ابراہیم تیمی، اور بلال بن ابو میمونہ وغیرہ سے روایت کیا ہے۔ اور خود ان سے ان کے بیٹے عبداللہ، نیز تکھی بن سعید انصاری، عکرمہ بن عمار، اور علی بن مبارک وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ عجل نے کہا: ثقہ ہیں۔ اصحاب حدیث میں شمار ہوتے تھے۔ اور ابو حاتم نے کہا: تکھی امام ہیں، وہ صرف ثقہ سے روایت کرتے ہیں۔ ابن حبان نے ان کا ذکر ”ثقات“ میں کیا ہے۔

اور بعض اصحاب حدیث نے ان کو زہری پر ترجیح دی ہے۔

[تہذیب التہذیب ۱/۲۶۸: لا علام ۹/۱۸۶]

معاذ بن جبل:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۹۳ میں گذر چکے۔

ن

نافع: یہ نافع المدنی، ابو عبداللہ ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۹۴ میں گذر چکے۔

النخعی: یہ ابراہیم نخعی ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۲۷ میں گذر چکے۔